UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224460

UNIVERSAL
LIBRARY

OUP—552—7-7-66—10,000

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. A915.4300 Accession No. P.G 1319

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

دُرّۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

۵۶ ویں جلد

از جولائی سنہ ۱۹۴۵ء تا دسمبر سنہ ۱۹۴۵ء

مُرتّبہ

سید سلیمان ندوی

مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ۵۶

جولائی ۱۹۴۵ء تا دسمبر ۱۹۴۵ء

(بہ ترتیب حروفِ تہجی)

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	جناب مولوی ابو یحییٰ امام خان صاحب نوشہروی	۲۳۱-۳۲۰
۲	جناب اسد ملتانی،	۳۲
۳	جناب بشیر صاحب مخفی قادری	۱۷۱
۴	نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی	۳۹۲
۵	مولانا سید ریاست علی صاحب ندوی	۴۱-۴۴-۴۶ ۱۱۶-۱۲۰ ۱۲۱-۱۲۲ ۲۴۷-۲۵۲ ۳۲۸-۳۲۹ ۳۳۰-۳۳۲ ۳۹۳-۳۹۶ ۳۹۷
۶	جناب رشید احمد صاحب صدیقی صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ	۲۵۵
۷	سید سلیمان ندوی	۲، ۴۸، ۵۴ ۶۶، ۶۹، ۱۳۳ ۱۸۰، ۲۰۲ ۱۸۴، ۲۶۶، ۲۳۸
۸	جناب شوکت صاحب سبزواری	
	ایم اے ریسرچ اسکالر،	۲۱۷
۹	جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب علیگ رفیق دارالمصنفین،	۱۱۶، ۱۴۸، ۱۵۳ ۱۹۷-۳۱۲ ۳۶۲
۱۰	جناب عبداللہ نسیم طالوت ڈیرہ غازی خان	۳۸۰
۱۱	جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے لکچرر، کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی برار	۱۱۱-۲۹۲

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱۲	مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین	۳۹۸
۱۳	ڈاکٹر محمد حفیظ سید ایم اے، پی، ایچ، ڈی، ڈی، لٹ،	۱۰۶
۱۴	جناب حافظ محمد شریف خان صاحب ندوی	۳۰۷
۱۵	جناب خان محمد صابر صاحب خانقاہ ڈوگران شیخوپورہ پنجاب،	۱۸۸
۱۶	جناب معین الدین صاحب رہبر فاروقی	۹۳
۱۷	شاہ معین الدین احمد ندوی	۶۱، ۲۴، ۳۰، ۱۳ ۱۸۵، ۱۹۴، ۲۶۱، ۳۳۳ ۴۰۵
۱۸	جناب مولانا سید مناظر احسن گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ دکن	۲۶۹-۵ ۳۴۱

شعراء

شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	جناب اسد ملتانی،	۴۰۴
۲	رشد، مولانا حکیم عبد اللہ رشید نواب کی رشہ خطیب جامع مسجد نگون برما	۴۰۲
۳	جناب روش صدیقی	۲۵۳
۴	جناب شفیع منصور ایم ے،	۲۵۴
۵	جناب شفیق صدیقی جونپوری	۲۵۴

فہرست مضامین

جلد ۵۶

جولائی ۱۹۴۵ء تا دسمبر ۱۹۴۵ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

شمار	مضمون	صفحہ
	شذرات	۱۳۰،۶۶،۲ ۱۵۴-۲۶۶ ۳۳۸
	مقالات	
۱	اردو ادب کی تاریخ کے لئے ایک نصب العین	۱۰۶
۲	ابو الوفا بوزجانی حاسب	۳۰۷
۳	ابو شحمہ کا واقعہ	۲۸۰
۴	اقبال اور تخلیق	۳۲
۵	اقبال کے تصور خودی کا ماخذ	۱۷۱
۶	جامعہ حسینیہ ہانڈیریں تقریر	۱۳۳
۷	رومن کیتھولک تاریخ کی چند من گھڑت کہانیاں،	۶۹
۸	عزیز لکھنوی کا ایک شعر	۲۹۲
۹	عزیز لکھنوی کے قصائد	۲۹۲

شمار	مضمون	صفحہ
۱۰	عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیہ کرام اور ان کی فارسی تصانیف	۱۲-۱۰۸-۱۵۳، ۱۹۰، ۳۱۲، ۳۶۲
۱۱	غزالی کا نظریہ علم و عرفان	۲۱۷
۱۲	مسئلہ سود مسلم و حربی میں	۲۶۹، ۳۴۱
۱۳	معتمد الملوک حکیم علوی خان	۹۳
۱۴	میر امجوزہ تعلیمی خاکہ،	۵
۱۶	ولی گجراتی کا کچھ غیر مطبوعہ کلام	۱۰۱
۱۰	ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات	۲۳۱، ۳۲۰
	استفسار و جواب	
۱	اسلامی عقیدہ کے مطابق بچوں کے پیدائشی احوال کا اختلاف	۱۸۴
۲	امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک صحیح احادیث کی تعداد	۳۲۹

شمار	مضمون	صفحہ
۳	امیر بشیر لبنانی	۴۶
۴	جامع الرموز	۳۹۶
۵	جبر و قدر	۱۸۰
۶	حضرت عمر اور غزوۂ احد میں ثباتِ قدمی	۲۰۲۸
۷	ختم رسالت	۴۱
۸	خلاصۃ التواریخ	۳۳۲
۹	رب المشرقین و رب المغربین	۳۵۲
۱۰	سادات و علوین	۲۴۷
۱۱	سائنس کے بعض نظریے اور اسلام	۳۳۰
۱۲	شجر ممنوعہ	۴۴
۱۳	طمانیت متفسر	۱۸۸
۱۴	عثمانی و حسینی شہادتین	۱۸۴
۱۵	عربوں کا اکتشاف امریکہ	۱۲۱
۱۶	علامہ سعد اللہ خان	۳۹۳
۱۷	عہد اسلامی میں جیلی نوں کا موجد کون تھا	۱۱۶
۱۸	کیا خلقی معذورین کی پیدائش انصافِ الٰہی کے خلاف ہے	۱۸۲
۱۹	مصحف عثمانی کا فوٹو	۱۲۱
۲۰	ملا مومن بہاری	۳۹۷
۲۱	ہندو راجگانیوں کے بطن سے مسلمان سلاطین کی اولاد ہیں	۱۲۰
۲۲	**وفیات**	
۱	ضیاء الحسن علوی مرحوم	۴۸
۲	مولانا شبلی چراچپوری مرحوم فقیہ دار العلوم ندوۃ العلماء	۳۹۸
۳	**ادبیات**	
۱	انقلاب	۴۰۲
۲	باتیں کرو	۲۵۴
۳	جمال ہم نشیں	۲۵۳
۴	صنم خانۂ پندار	۴۰۴
۵	غزل شفیق	۲۵۴
	بابت التقریظ والانتقاد	
۱	اسلام اور حرمت ربا	۵۴
۲	یورپین اور انڈو یورپین	۲۵۵
	شعرائے اردو	
	مطبوعات جدیدہ	(۱۲۴/۱۹۱) (۱۸۹) (۲۳۳/۲۶) ۴۵

جلد ۵۶ ماہ رجب المرجب ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۵ء عدد ۱

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۲ - ۴
میرا مجوزہ تعلیمی خاکہ	جناب مولانا سید مناظر احسن گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ	۵ - ۱۵
عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیائے کرام اور ان کی فارسی تصانیف	جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب علیگ رفیق دار المصنفین،	۱۶ - ۳۱
اقبال - انا اور تخیل،	جناب اسد ملتانی،	۳۲ - ۴۰
ختم رسالت	" س "	۴۱ - ۴۳
شجر ممنوعہ	"	۴۴ - ۴۶
امیر بشیر لبنانی	"	۴۶ - ۴۷
ضیاء الحسن علوی مرحوم	س س	۴۸ - ۵۳
اسلام اور حرمتِ ربا،	"	۵۴ - ۶۰
مطبوعات جدیدہ	" م "	۶۱ - ۶۴

سیرۃ النبی جلد اول جدید ایڈیشن

(طبع چہارم)

جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالاتِ مبارکہ اور غزوات کا ذکر ہے علاوہ مقدمہ فہرست حجم ۶۲۲ صفحے قیمت للبعہ

منیجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

ہندوستان کے مستقبل کا افق امیدون سے جھلک رہا ہے، پہلو کوئی ہو مگر انقلاب کا منظر سامنے ہے، سیاسی انتظامات کے تغیر کے ساتھ تعلیمی نظام کا تغیر بھی ضروری ہے، بلکہ سیاسی انتظامات کا خاکہ تو سیاسی رہنماؤن اور انگریز حاکمون کے درمیان ابھی تک مزید گفتگوؤن کا محتاج ہے لیکن تعلیمی خاکہ تو گورنمنٹ کے مشیر تعلیم کے بغل مین بھی تیار ہے،

اس خاکہ کی جو اوپری جھلک دیکھی گئی ہے، اس سے تو یہی خیال ہوتا ہے کہ جس طرح حکومت کا پرانا نظام ایسے ہندوستانیون کی پیداوار اور پرورش مین مصروف تھا جو گو نسل اور رنگ و روغن کے لحاظ سے ہندوستانی ہون مگر دل و دماغ اور ذہنیت کے لحاظ سے انگریز ہون، اور جو حکومت کے سرکاری دفترون کے چلانے کے کام مین آئین، اسی طرح آیندہ تعلیم کا نظام کانگریسی وزارت کے زمانہ کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق ایسا ہوگا جو دل و دماغ اور ذہنیت کے لحاظ سے سراسر ہندی اور خالص قومی ہو اور آیندہ ہندوستان کے متوقع صنعتی انتظامات کے مطابق ہو

ہم نے پہلے بھی کہا ہے اور اب پھر کہتے ہین کہ مسلمان وقت سے پہلے طوفان کا اندازہ کرلین اور یہ سمجھ لین کہ ان کو ایسی تعلیم درکار ہے جس سے مسلمان مسلمان بھی باقی رہین، اور اس راہ مین جو غفلت سرکاری مدارس کے پہلے دور مین ان سے ہوچکی ہو، وہ اس آنے والے دور مین نہ ہو، اور اس کے لئے وقت سے پہلے مسلمانون کو اپنی تعلیم کا مقصد اور ملکی تعلیم کے ساتھ ساتھ جو ناگزیر ہے، اپنی مذہبی تعلیم کے شمول کا بندوبست کرنا ہو،

تعلیم کی اہمیت بہت بڑی ہے یہی وہ سانچہ ہے جس مین ملت کے نوجوان افراد ڈھل کر نکلتے ہین، ان کی ذہنی تربیت، اخلاقی نشو و نما، دماغی استعداد، اور قلبی قوت یقین یعنی ساری ذہنیت اسی کے ذریعہ بنائی، اور

بگاڑی جاسکتی ہے' امت کو جیسے افراد کی ضرورت ہے، وہ اسی کے ذریعہ تیار ہوتے ہین اور ہو سکتے ہین،

خوب سمجھئے کہ ہندوتیت کی طرح اسلامیت کوئی قومیت یا وطنیت نہین ہے، بلکہ وہ ذہنی یقین اور اعمال و اخلاق کے خاص ایک طریق کا نام ہے جس کی بقا تعلیم و تربیت کے سوا اور کسی ذریعہ سے ممکن ہی نہین اس لئے اس کی بقا کے لئے تعلیم و تربیت کے ایک ایسے خاص نظام کی ضرورت ہے جو مسلمانون کو مسلمان رہنے اور بننے مین مدد دے،

ہم کو خوشی ہے کہ اس وقت متعدد اصحاب فکر ایسے ہین جو اس ضرورت کو اچھی طرح سمجھتے ہین اور اس کیلئے اپنی جد وجہد سے تیاری کر رہے ہین، ڈاکٹر افضال قادری صاحب پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ مسلم لیگ کے شعبۂ تعلیم کے ماتحت ایسے اصحاب کے مشورون کو یکجا کر رہے ہین، اور وہ اپنی کمیٹی کے ارکان کے مشورون سے ایک اسلامی تعلیمی نظام کا ایسا خاکہ تیار کر رہے ہین، جو موجودہ جدید علوم و فنون کے ساتھ ساتھ اسلامی ذہنیت کی پرورش کا بھی کفیل ہو

موجودہ علماء مین ہمارے فاضل دوست مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اس لحاظ سے خاص مدح کے قابل ہین، کہ وہ اس کام کی مشکل کو پوری طرح سمجھتے ہین، اور اس کا حل نکالنے کی فکر مین رہتے ہین، ابھی انھون نے ہندوستان کے اسلامی نظام تعلیم و تربیت پر ایک ضخیم تالیف شائع کی ہے، اور دکھایا ہے کہ مسلمانون نے ہندوستان مین گذشتہ زمانہ مین اس مشکل کو جس طرح حل کیا تھا، وہی اب بھی اس کے حل کا راستہ ہے،

آیندہ صفحون مین موصوف کا ایک مقالہ اسی موضوع پر آپ کے سامنے گذرے گا، جو خاکسار کی اس فرمایش پر لکھا گیا ہے کہ کم سے کم لفظون مین وہ اپنے خیالات کو اس طرح یکجا کرین کہ عام مسلمان بھی ان کو سمجھ سکین اور اس کے امکان پر غور کر سکین، اور ہو سکے تو آیندہ اسلامی نظام تعلیم کی ترتیب مین اس کو پیش نظر رکھا جائے،

مولانا موصوف کا کہنا یہ ہے کہ سرکاری دفتری زبان ہونے کی جو حیثیت آج انگریزی کو حاصل ہے کل وہی ملک مین فارسی کو حاصل تھی، اور عربی مین یونانی عقلی علوم کو جو درجہ پہلے حاصل تھا، آج جدید انگریزی عقلی علوم اور سائنس کو حاصل ہے، اس لئے جس طرح مسلمانون نے پہلے اپنے خالص مذہبی علوم فقہ و تفسیر و حدیث کی ایک

ایک دو دو کتابون کے ساتھ فارسی ادبیات اور یونانی عقلی علوم کو پیوند دے کر تمام اہل ملت کے لئے ایک نصاب تعلیم تیار کر لیا تھا. اسی طرح آج بھی ان خالص عربی علوم کی ایک ایک دو دو کتابون کو ملا کر انگریزی درسیات اور جدید عقلی علوم کا ایک ہی نصاب ایسا بنایا جا سکتا ہے، جو سارے مدارس اور اسکولون اور کالجون مین یکسان پڑھایا جائے،

اس نصاب کے ختم کرنے کے بعد جو لوگ مزید مذہبی علوم مین تحقیقی شان پیدا کرنا چاہین ان کے لئے تکمیل کا الگ زائد نصاب بنا لیا جائے اور جو جدید عقلیات اور انگریزی درسیات مین ترقی کرنا چاہین، ان کے لئے بھی راستہ تیار رکھا جائے، اس سے ایک طرف قوم مین علماء اور تعلیم یافتون کی دورنگی کا خاتمہ ہو جائیگا، دوسری طرف مسلمان نوجوانون سے مذہبی بیگانگی کا عیب دور ہو جائے گا، اور تیسری طرف علماء کی بیکاری کا خیال باطل ہو جائے گا، اور وہ بھی دوسرون کی طرح اگر چاہین گے تو دنیا کے کام مین بھی لگ سکین گے،

ضرورت ہے کہ اہل نظر حضرات اس تجویز پر غور کرین، اس وقت جمعیۃ العلماء ہند بھی عربی مدارس کے نصاب کی اصلاح کی فکر مین ہے، اور اس کے لئے ایک کمیٹی کا تقرر عمل مین آیا ہے، اور بعض تجویزین زیر غور ہین، اس لئے یہ وقت اس تجویز پر غور کرنے کے لئے بہت مناسب ہے،

ہندوستان مین عربی کتابون کی اشاعت کا کام بہت محدود ہو کر رہ گیا ہے، ایک لے دے کر دائرۃ المعارف ہے، وہ بھی ان دنون جنگ کی مشکلات مین گرفتار ہے، اس سلسلہ مین بہار کے ایک شائق علم نے یہ جرأت کی ہے، کہ قدیم عربی کتابون کی طباعت و اشاعت کے لئے ایک نیا ادارہ قائم کرین چنانچہ انھون نے اس کام کے لئے پہلا قدم یہ اٹھایا ہے کہ امام بیہقی کی کتاب معرفۃ السنن والآثار کے چھاپنے کا اہتمام کیا ہے، اور اس کا پہلا حصہ ۶۰ صفحون مین نو اقض وضو تک چھپ چکا ہے، اور خریداری کے لئے اہل شوق کے سامنے پیش کیا ہے، یہ مسائل فقہیہ کی فقہ الحدیث کی حیثیت سے دائرۃ المعارف ہے، امید ہے کہ علم کے شائق، کتب خانون کے مدیر، اور عربی مدرسون کے مدرسین اس کو خرید کر ناشر کی ہمت بڑھائین گے،

پتہ:- شفیق احمد محلہ سکونت کلان، بہار شریف، ضلع پٹنہ،

مقالات

میرا مجوزہ تعلیمی خاکہ

از

جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ

مسلمانانِ ہند کے تعلیمی مشکلات کے حل کے متعلق خاکسار سالہا سال کے غور و فکر اور مختلف تعلیمی نظامون کے تجربہ کے بعد جن نتائج تک پہنچا ہے، ان ہی کا اظہار کتاب "نظام تعلیم و تربیت"[1] میں کیا گیا تھا لیکن اس کا افسوس ہے کہ جن تاریخی مواد کی روشنی مین اپنی ان تجویزون کو مین نے پیش کیا ہے، سو چا تو یہی تھا کہ سمجھنے مین لوگون کو اس سے مدد ملے گی لیکن احباب کے ایک بڑے طبقے کی طرف سے یہ شکایتین مسلسل موصول ہو رہی ہین، کہ اپنی تجویزون کو الگ کرکے کسی مختصر مضمون کی شکل مین اگر شائع نہ کروگے، تو موجودہ حالت مین خود کتاب سے ان تجویزون کی صحیح اہمیت کا اندازہ لوگون کو نہ ہوسکے گا، ان ہی شکایتون کا ازالہ اس مختصر سے مقالہ سے مقصود ہے،

ابتدا ہی مین یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ مسلمان رہتے ہوئے اور حتی الوسع اسلامی زندگی سے اپنی زندگی کو رکھتے ہوئے مسلمان کس طرح تعلیم حاصل کرسکتے ہین میری بحث کا دائرہ صرف اسی بحث تک سردست محدود ہے جاہتا ہون کہ اپنی تجویزون کو پیش کرنے سے پہلے یہ عرض کردون کہ جن مشکلات کے تصور نے ان تجویزون کے سوچنے پر مجھے مجبور کیا ہے، وہ کیا ہین،

(۱) ہندوستان مین مسلمانون کی حکومت کے برخاست ہوجانے کے بعد حکومت مسلطہ نے تعلیم کا جو نظام ملک مین (اسکولون اور کالجون وغیرہ) کے نام سے قائم کیا، مشاہدہ یہ بتا رہا ہے، کہ اس نظام کی تعلیم سے استفادہ کرنے والے مسلمانون مین بتدریج اسلام اور اسلامی زندگی سے بعد پیدا ہوتا چلا جا رہا ہے، یہ واقعہ ہے کہ

---

[1] کتاب کا پورا نام "مسلمانانِ ہند کا نظام تعلیم و تربیت" ہے جس کی پہلی جلد تقریباً ۳۰۰ صفحات مین ادارہ ندوۃ المصنفین سے شائع ہوچکی ہے، اور دوسری جلد زیر طبع ہے ندوۃ المصنفین دہلی قرول باغ سے مل سکتی ہے،

جن خانوادون مین جدید تعلیم تیسری اور چوتھی پشت تک اس وقت تک پہنچ چکی ہے، ان مین اسلام کا صرف نام رہ گیا ہے، عام ابتدائی باتین بھی ان لوگون کو اسلام کی معلوم نہین، یہ سنی ہوئی نہین دیکھی ہوئی بات ہے، کہ اچھے لکھے پڑھے لوگ جن کا نام بھی مسلمانون کا سا تھا لیکن وہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت تک سے ناواقف نظر آئے، ظاہر ہے کہ اپنے دین سے جو اس حد تک دور ہو چکا ہو، وہ دین کی دوسری باتون سے کس حد تک واقف رہ سکتا ہے، یہ واقعہ ہے کہ جیسے جیسے دن گذرتے جاتے ہین، اس قوم کے نام نہاد مسلمانون کی تعداد بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے، اور حالات مین کوئی تغیر اگر خدانخواستہ واقع نہ ہوا تو یون ہی یہ تعداد اور بڑھتی چلی جائے گی،

(۲) حکومت کا میلان عموماً تعلیم کے لزوم کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہے، اس وقت تک تو اس تعلیم کے دائرے کو وسیع ہی کرنے پر حکومت قناعت کر رہی ہے، لیکن وہ دن دور نہین ہے، کہ ملک کے ہر باشندے کو مجبور کیا جائیگا کہ حکومت کے منظورہ نصاب کی تعلیم لزوماً اپنے بچے اور بچیون کو دلائے جس کے معنی یہی ہو سکتے ہین، کہ عام مسلمانون کو تھوڑا بہت تعلق اسلام سے ابھی جو باقی ہے تعلیم کی وسعت اور اس کا لزوم اس تعلق کو بھی کمزور کرتا چلا جائے گا، تعلیم یافتہ طبقہ سے مایوس ہو کر علماے اسلام جن عام مسلمانون کی دینی عقیدت پر بھروسہ کئے ہوئے ہین، اس عقیدت کی عمر بھی زیادہ دراز نظر نہین آتی،

(۳) مذہب کے خلاف ہر زمانہ مین مختلف تحریکین مختلف بھیسون مین رونما ہوتی رہی ہین، ان تحریکون کا مقابلہ ہر زمانہ کے علما نے ان تحریکون کی گمراہیون تک خود پہونچنے کے بعد کیا ہے، اور ہے بھی یہی بات کہ مرض کا علاج مرض کی صحیح واقفیت ہی کے بعد ممکن ہے، لیکن مرض کو مرض جیسی ناپاک چیز قرار دے کر اگر طبیب اس کے جاننے سے گریز کرے گا، تو مریضون کا علاج ہو چکا،

دراصل یہی تین باتین ہین جنھین دیکھ دیکھ کر شعوری اور غیر شعوری طور پر اسلام کے مخلصین بے چین ہین، خاکسار بھی ان حالات سے ہمیشہ متاثر رہا ہے، تیس چالیس سال کے اس طویل عرصہ مین کیا کیا تجویزین خود میری دماغ مین آئین، یا مجھ سے پہلے لوگون نے اس سلسلہ مین مشکلات کے حل کی جو تدبیرین سوچین ان سے بحث مین طوالت ہوگی، اس وقت جن تجویزون کو اپنے دماغ مین رکھتا ہون، اور تفصیلی ذکر جن کا اپنی کتاب تعلیم و تربیت مین مین نے کیا ہے ان کا خلاصہ صرف یہ ہے، کہ مسلمانون مین تعلیم کے جو دو مستقل نظام (حکومت مستقلہ) کے قیام کے بعد جاری ہو گئے ہین، اس کی دوئی اور اثنیت کو توڑ کر صرف ایک ہی نظام کو قبول کر لیا جائے اسی لئے اپنی تعلیمی تجویز کا نام مین نے

"نظریۂ وحدتِ نظامِ تعلیم"

رکھا ہے،

مین نے اپنی کتاب مین بتایا ہے کہ حکومتِ مستطہ سے پہلے مسلمانانِ ہند مین تعلیم کا جو نظام قائم تھا، عام طور پر "درس نظامیہ" کے نام سے جسے شہرت حاصل ہوگئی ہے، اس کے متعلق لوگون کا یہ خیال صحیح نہین ہے، کہ وہ مسلمانون کے صرف دینی تعلیم کا نظام تھا، میں نے تفصیل سے دکھایا ہے، کہ درحقیقت اس نصاب مین اس عہد کی دفتری زبان فارسی کی نظم و نثر و انشا، وغیرہ کی مبسیون کتابون کے ساتھ ساتھ حساب خطاطی وغیرہ کی مشق کرانے کے بعد اعلیٰ تعلیم عربی زبان کی کتابون کے ذریعہ دی جاتی تھی، ابتدا سے آخر تک اس زمانہ کے تعلیمی نصاب کے ختم کرنے کی مدت پندرہ سولہ سال سے کم نہ تھی، اور اس پوری مدت تعلیم مین درس نظامیہ سے فارغ ہونے والے علما صحیح معنون مین خالص دینیات کی کل تین کتابین پڑھا کرتے تھے یعنی چند مختصر فقہی متون کے سوا قرآن کے متعلق جلالین (جو عربی زبان مین قرآن کا ترجمہ اور مختصر حل ہے) حدیث کے متعلق مشکوٰۃ اور فقہ کے سلسلہ مین گو بہ ظاہر نام تو دو کتابون کا لیا جاتا تھا یعنی شرح وقایہ اور ہدایہ لیکن عملاً ان کو ایک ہی کتاب سمجھنا چاہئے، کیونکہ کچھ ابواب شرح وقایہ سے اور کچھ ہدایہ کے اس طور پر پڑھا دیئے جاتے تھے، کہ جن ابواب کی تعلیم شرح وقایہ مین دی جاتی تھی ہدایہ کے ان ابواب کو نہین پڑھایا جاتا تھا، اسی لئے میں کہتا ہون کہ حکماً و عملاً یہ ایک ہی کتاب کی تعلیم تھی، زیادہ سے زیادہ میرے اس بیان پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے، کہ ڈھائی پارے قرآن کے تفسیر بیضاوی کی مدد سے بھی پڑھائے جاتے تھے، اولاً یہ ڈھائی پارے ہر جگہ نہین پڑھائے جاتے تھے، خیرآبادی خانوادے مین صرف سوا پارہ بیضاوی کا جزء نصاب تھا لیکن اگر مان لیا جائے کہ بیضاوی بھی قرآن کے متعلق ایک کتاب درس نظامیہ والون کو پڑھائی جاتی تھی، تو مطلب کیا ہوا؟ یہی تو کہ پندرہ سولہ سال کی مدت مین گویا خالص اسلامی دینیات کی چار کتابون کا پڑھنا دینی علوم سے مناسبت پیدا کرانے کے لئے کافی سمجھا جاتا تھا، ان چار کتابون کے سوا تعلیم کی اس طویل مدت مین طلبہ جو کچھ بھی پڑھتے تھے، فارسی (یعنی دفتری زبان) کی مذکورۂ بالا مبسیون نظم و نثر کی کتابون کے سوا منطق، فلسفہ، ہیئت، اقلیدس، ادب عربی، اور بعض ایسے عقلی و ادبی علوم جنھین خود مسلمانون نے ایجاد کیا تھا، یعنی علم کلام، اور علم اصول فقہ، معانی، بیان وغیرہ، ان ہی علوم و فنون کی اتنی کتابون کا ختم کرنا ضروری تھا جن مین صرف منطق و فلسفہ کی کتابون کی تعداد آخر زمانہ مین چالیس پچاس سے متجاوز تھی،

مین نے بزرگون کے اسی طرزِ عمل کو پیش کرتے ہوئے یہ عرض کیا تھا، کہ دینیات کی عمومی تعلیم کے لئے جب

تین یا زیادہ سے زیادہ چار کتابون کا پڑھ لینا کافی خیال کیا گیا تھا، اور زیادہ وقت غیر دینی علوم ہی کی تعلیم مین صرف ہوتا تھا، تو آج بھی کیا یہ ممکن نہین ہے، کہ غیر دینی علوم کے اس حصہ کو جس کے اکثر نظریات و مسائل مسترد ہو چکے ہین، کم از کم دنیا مین ان کی مانگ باقی نہین رہی ہے، ان کو نکال کر عصر جدید کے مقبولہ علوم اور عہد حاضر کی دفتری زبان انگریزی کے نصاب کو قبول کر کے مذہب کی تعلیم کو ان ہی تین کتابون کے معیار کے مطابق باقی رکھتے ہوئے دینی اور دنیاوی تعلیم کے مدارس کی اس تفریق کو ختم کر دیا جائے،

میرا مطلب یہ ہے کہ مسلمانون کے لئے حکومت سے یہ استدعا کی جائے کہ جیسے پہلے ان کی تعلیم مین دین کا عنصر ہر زمانہ مین ایک لازمی اور ضروری مضمون کی حیثیت رکھتا تھا، اب بھی اس عنصر کو لازم کر دیا جائے اور اس طور پر لازم کر دیا جائے کہ جیسے درس نظامیہ سے فارغ ہونے والے دین کا علم ان کتابون کے معیار کے مطابق اپنے پاس رکھتے تھے، اسی طرح بی اے کی تعلیم سے فارغ ہونے والے اس زمانہ مین بھی اس حد تک مذہب کے عالم ہو کر نکلا کرین، ظاہر ہے کہ ایسی صورت مین پھر دینیات کے مدارس کے نام سے الگ عالم مدرسون کے قائم کرنے کی ضرورت مسلمانون کو باقی نہ رہے گی، ہر عالم اس وقت گریجویٹ ہو گا، اور ہر گریجویٹ عالم، ملا ہی مسٹر ہون گے اور مسٹر ملا، عالم و تعلیم یافتہ کی تفریق کا قصہ ختم ہو جائے گا،

یہ ہے خلاصہ اس تجویز کا جسے نظریۂ "وحدت نظام تعلیم" کے نام سے اپنی کتاب مین مین نے پیش کیا ہے، اور اس کے تمام پہلوؤن پر جہان تک میرے امکان مین تھا بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہان درج کرتا ہون، میری تجویز پر جو شبہات کئے جاتے ہین، ان ہی کا جواب اس خلاصہ مین دیا جائے گا، پہلا شبہہ یہ ہے کہ دینیات کی ان تین کتابون کے پڑھنے کے لئے عربی زبان سے کافی واقفیت ناگزیر ہے، اور عربی زبان کا سیکھنا آسان نہین ہے، اسی کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عربی زبان کے الفاظ کا ایک حصہ تو وہ ہے جس مین مسلمانون کی دینی چیزین مثلاً قرآن و حدیث و فقہ وغیرہ محفوظ ہین، اس حصہ کے متعلق یہ بتایا گیا ہے، کہ اردو بولنے والی قومون کے لئے عربی زبان کا یہ حصہ تقریباً مادری زبان کی حیثیت رکھتا ہے، یعنی اسی پچاسی فی صدی الفاظ اس حصہ کے ہر اردو بولنے والے ہندی مسلمان کو باضابطہ عربی زبان سیکھے بغیر یون ہی معلوم ہین، چند اصولی باتون کے جان لینے کے بعد اس عربی کو آدمی خود بخود سمجھنے لگتا ہے، البتہ عربی زبان کا وہ ذخیرہ جس مین ایام جاہلیت و عہد اسلامی کے شعراء کے اشعار یا محاضرات و مسامرات و انشاء اور خالص ادبی نثر و نظم کی کتابین ہین یقیناً دشوار ہے، لیکن اس عربی کے سیکھنے کی ضرورت ہر اس شخص کو

نہین ہے، جو اپنی واقفیت صرف اسلامی امور تک محدود رکھنا چاہتا ہے،

دوسرا شبہہ یہ کیا گیا ہے کہ صرف ان تین کتابون کے پڑھنے سے کیا اسلام کے دینی علوم مین ماہرانہ قابلیت اور تبحر کیا کوئی حاصل کر سکتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ عام لزومی واقفیت اور چیز ہے، اور تبحر و اختصاص کسی علم مین یہ بالکل ایک جداگانہ مقصد ہے، میری گفتگو صرف عام اور لزومی واقفیت تک محدود ہے، درس نظامیہ سے فارغ ہونے والے عام علماء کی واقفیت و مناسبت کا جو معیار اسلامی علوم کے متعلق ہوتا تھا، یہ دعوی کیا گیا تھا، کہ ان تین کتابون کو صحیح طور پر پڑھ لینے کے بعد امید کیجاتی ہے، کہ اب بھی ان کے پڑھنے والے واقفیت و مناسبت کے اس معیار تک پہنچ سکتے ہین،

باقی تبحر و اختصاص اور ان علوم مین سے کسی خاص علم مین مہارت خصوصی کا مالک ہونا اس کے لئے ظاہر ہے کہ خصوصی مدارج کی تعلیم کی یقیناً ضرورت پڑے گی، جیسے غیر دینی علوم کے معیار کو خصوصی کلاسون کی تعلیم سے بلند کیا جاتا ہے، وہی طرز عمل ہم اسلامی علوم کے متعلق بھی اختیار کر سکتے ہین، بلکہ قطعاً اختیار کرنا چاہئے،

تیسرا شبہہ یہ کیا گیا ہے کہ مسلمانون کے ارباب فکر و نظر نے اب تک جو کچھ سوچا سمجھا، لکھا پڑھا تھا دین سے ان کا خواہ تعلق نہ بھی ہو، تو کیا ان کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا مناسب ہوگا، علی الخصوص ایسے علوم جن کا دین سے گو نہ تعلق بھی ہے، خصوصاً جن فنون کو مسلمانون نے اسلام ہی کی صحیح تشریح و توضیح کے لئے ایجاد کیا تھا، مثلاً اصول فقہ، کلام، یا بیان و معانی، بدیع وغیرہ کا جو حال ہے، مین نے اس کا اپنی کتاب مین بھی جواب دیا ہے کہ ان علوم کو زندہ رکھنے کے لئے یہ مناسب ہوگا، کہ دوسرے اختیاری مضامین کے ساتھ ان مضامین کو بھی اختیاری مضامین کے ذیل مین رکھ دینا کافی ہوگا، کچھ لوگون کا پڑھنا پڑھانا ان کی بقا و ارتقا کے لئے کافی ہے،

بلکہ عربی زبان کے دوسرے ادبی حصہ کے متعلق بھی میرا یہی خیال ہے، کہ ان کو بھی اختیاری مضامین مین شریک کر کے زندہ رکھا جائے لیکن ہر مسلمان کو میلان باقی رہنے کے لئے خصوصاً موجودہ حالات مین یعنی دماغ کی تعلیمی بیداری کے بعد اس عربی کی لزومی تعلیم قطعاً ضروری نہین ہے،

ایک شبہہ یہ بھی کیا جاتا ہے، کہ موجودہ مغربی تعلیم گاہون کے نصاب مین دینیات کی تعلیم کے لازم کر دینے کے بعد بھی اس کی توقع کی جا سکتی ہے، کہ پڑھنے والون کی زندگی اسلامی زندگی بن جائے گی، ؟ کیا ان کا جو ماحول ہے، اس کے سمی اثرات کے ازالہ کے لئے صرف تعلیم کافی ہے؟ بلاشبہہ یہ آخری سوال بڑا جان گسل

زہرہ گداز اور حوصلہ شکن سوال ہے، ماحول حکومت کے نقطۂ نظر کا تابع ہوتا ہے، جب تک حکومت غیر اسلامی ہے اس کے پیدا کردہ ماحول مین اسلام کی قدر و عزت کی توقع غلط توقع ہے، لیکن پھر کیا کیا جائے، کیا مسلمانون کو اسی حال مین چھوڑ دیا جائے؟ میرا خیال ہے کہ تعلیم کا بھی کچھ نہ کچھ اثر قلوب پر ضرور پڑتا ہے، خصوصًا اگر پڑھانے والون مین اثر کو متعدی کرنے کا سلیقہ ہو، اسی کے ساتھ طبائع بھی ایک طرح کے نہین ہوتے اسی مخالفانہ ماحول سے آخر مولانا عبد الماجد دریا آبادی مولانا محمد علی مرحوم، ڈاکٹر اقبال مرحوم جیسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہین، جب ناواقفیت کے باوجود اسلام نے ان لوگون کو اتنا متاثر کیا، کہ بالآخر ان کو صحیح سلام سے واقف ہونا پڑا، تو پھر خدا کی رحمت سے ناامیدی کی راہ کیون اختیار کی جائے، ہو سکتا ہے کہ قرآن کی پیغمبر کی زندگی کی، اسلامی نظامِ حیات (فقہ) کی تعلیم ان کو خود متاثر کرے، سب کو نہین تو بعض کو تو انشاء اللہ ضرور متاثر کرکے رہے گی، اور ان بعض کا تاثر انشاء اللہ دوسرون کے متاثر ہونے کا ذریعہ بن سکتا ہے،

بلکہ تعلیمی نظام کی وحدت کے ساتھ ساتھ مسلمان محکومیت کے اس دور مین اتنا کام اسی تعلیم کے متعلق اپنے ذمہ اگر اور لے لین، یعنی ہر تعلیم گاہ کے ساتھ ساتھ مسلمان طلبہ کے لئے خاص اسلامی اقامت خانے بھی قائم کئے جائین، اور ان اقامت خانون کی نگرانی ارباب تقوٰی و دیانت کے سپرد کی جائے، ان کا ماحول بالکلیہ اسلامی ماحول رکھا جائے گا، تو جو اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے، اس کے علاج کی ایک کافی کارگر صورت یہ بھی ہو سکتی ہے،

علاوہ ان تمام باتون کے ایک چیز اس سلسلہ مین قابل غور یہ بھی ہے کہ انگریزی جوامع اور مغربی طرز کی یونیورسٹیون کے ماحول پر اگر ہم قابو نہین پا سکتے، تو آج مسلمانون کے جو دینی مدارس ہین، ان مین جب جدید نصاب کو جاری کر دیا جائے گا، تو ان کے ماحول تو ہمارے زیر اقتدار رہ سکتے ہین، جدید علوم و فنون اور سرکاری عصری زبان کی تعلیم کے لئے مدرسین ان مدارس مین ایسے منتخب کئے جائین، جو نام کے ساتھ کام بھی مسلمانون کا کرتے ہون، بحمد اللہ اب ان کی ایک کافی تعداد ملک مین پیدا ہو چکی ہے، تلاش سے ایسے لوگ مل سکتے ہین، اور بالفرض سردست نہ بھی ملین تو ایسی صورت مین میرا خیال ہے کہ بجائے ملحد اور بے دین نام نہاد مسلمانون کے غیر اقوام کے اہل علم کا تقرر کرکے ہم خود اپنے یہان ایسے لوگ پیدا کر سکتے ہین، جو آگے چل کر خود ہمارے قدیم مدارس مین جدید علوم و فنون کی تعلیم کا کام انجام دے سکتے ہین، ہین ملحد مسلمانون سے غیر اقوام کے

دھرمی معلمون کو اس باب مین زیادہ بہتر سمجھتا ہون،

آخری بات اس سلسلہ مین ابتدائی تعلیم کے متعلق میری جو تجویز ہے، اس کا پیش کرنا ہے،

میرا خیال ہے کہ مسلمانون پر عربی تعلیم کے لزوم کا مطالبہ شروع ہی سے حکومت کے آگے پیش کرنا چاہئے، لیکن عربی پڑھانے کا طریقہ یہ اختیار کرنا چاہئے، کہ پہلے بچون کو بغدادی قاعدہ کے اصول پر عربی حروف سے آشنا کیا جاؤ اور اسی طرح آشنا کیا جائے کہ جیسے اس وقت تک کیا جاتا ہے، پھر ناظرہ قرآن بھی ہر بچے کو اسی طرح پڑھایا جائے، جیسے اب تک رواج ہے، قرآن کے بعد یا موقع ہو تو قرآن کے ساتھ ان ہی عربی حروف کی دوسری شکل یعنی خطِ نستعلیق[1] سے بھی ان کو آشنا کیا جائے، یعنی اردو پڑھائی جائے، اور یہ دیکھ لینے کے بعد کہ خواندگی کی قدرت بچے مین اردو کی پیدا ہو چکی ہے، آیندہ اردو کو چھوڑ کر فارسی کے آمدنامہ اور کچھ تھوڑی بہت مناسبت اس سے پیدا کرا کے عربی مین طلبہ کو لگا دیا جائے یہی عربی بڑھتے ہوئے بی اے تک پہنچے گی، اور اسی سلسلہ مین کچھ تھوڑی بہت ابتدائی عربی کے بعد دینیات کی مذکورۂ بالا درسِ نظامیہ والی کتب تتمہ کے ختم کرانے کی کوشش کی جائے گی، عربی زبان کی تعلیم کا مطلب دینیات کی ان ہی تین کتابون کا پڑھانا ہوگا،

میری تجویز کا یہ اجمالی خاکہ ہے، ان تفصیلات تو اصول کے طے پا جانے کے بعد ان کا مسئلہ چنداں شوریٰ نہیں ہے مشورہ سے ان تفصیلات کو مرتب کیا جا سکتا ہے، البتہ اجمالاً چند کلی باتین اس سلسلہ مین بھی جو میری سمجھ مین آئی ہین، اگر عرض کر دون تو نامناسب نہ ہوگا،

(۱) تعلیم کی مدت اگر وہی باقی رکھی جائے جو اس وقت یونیورسٹیون مین مقرر ہے تو میٹرک تک عربی کے اس سلسلہ کو اس طریقہ سے پہنچانا چاہئے کہ میٹرک پاس کرنے والے معنی اور مختصر مطلب کے ساتھ قرآن ختم کر لین اور انٹرمیڈیٹ پاس کرنے والون کو مشکوٰۃ یا اسی قسم کی کوئی کتاب مجموعۂ حدیث کی پڑھا دی جائے، اور بی اے پاس کرنے والون کو فقہ کے متعلق اتنے معلومات حاصل کر لینا چاہئے، جو شرح وقایہ اور ہدایہ کے پڑھنے

[1] نستعلیق یا فارسی حروف سے طلبہ کو آشنا کرنے کی ضرورت بھی اسی وقت تک ہے، جب تک طباعت کے لئے نسخ کے حروف کو اردو کے لئے تسلیم نہین کیا گیا ہے اگر یہ مسئلہ طے ہو گیا تو پھر اس کی بھی چنداں ضرورت باقی نہین رہے گی، البتہ لکھنے کی حد تک نستعلیق کو باقی رکھنا چاہئے، انگریزی مین طباعت اور کتابت کے حروف کی شکل جیسے ذرا بدلی ہوئی ہے، یہی طرزِ عمل ہم بھی اختیار کرین گے، نسخ طباعت کے لئے اور نستعلیق کتابت کے لئے، ۱۲

سے حاصل ہوسکتے ہین، مطلب یہ ہے کہ دینیات کی جن تین کتابون کا تذکرہ شروع سے مین کرتا چلا آرہا ہون ان میں سے قرآن کو تو بہرحال قرآن ہی کے ذریعہ سے پڑھانا چاہئے لیکن مشکوٰۃ و ہدایہ وغیرہ کا تذکرہ مین نے تمثیلاً کیا ہے، مقصود معیار کو متعین کرنا ہے یعنی ان کتابون کے پڑھ لینے کے بعد حدیث و فقہ مین جتنی دسترس کے حاصل ہونے کی توقع کی جاتی ہے، اسی کو کسی ذریعہ سے حاصل کرنا چاہئے، املا، کا طریقہ اگر مفید سمجھا جائے تو اسی کو اختیار کیا جائے، اور اگر یہ خیال ہو کہ کتاب کے ذریعہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکتا ہے تو کتابی تعلیم کے اس طریقہ کو باقی رکھا جائے جو اب تک عربی مدرسون مین جاری ہے،

(۲) میرا خیال ہے کہ وحدتِ تعلیم کے نظریہ پر اگر اتفاق کر لیا جائے تو عربی کے عام مدارس کو مدارس فوقانیہ (ہائی اسکول) کی شکل مین بدل دیا جائے، جن مین دینیات کی تعلیم صرف قرآن پڑھانے تک ختم ہوجائے گی، البتہ بعض بڑے تعلیمی مراکز ان کے تحتانی درجون کو تو ہائی اسکول کی حیثیت دے دی جائے، اور ان بڑے مراکز مین سے مختلف مرکزون کو مختلف دینی و اسلامی علوم کی تکمیل کی تعلیم گاہ بنا دیا جائے جہان عام یونیورسٹیون کے فارغ شدہ طیلسانیون کو دینی علوم مین سے کسی خاص علم مثلاً تفسیر یا حدیث یا فقہ یا کلام مین اعلیٰ تکمیلی تعلیم کے حاصل کرنے کا موقع مل سکتا ہو، ہوسکتا ہے کہ تفسیر کے لئے ندوہ کو اور حدیث کے لئے دیوبند کو مختص کر دیا جائے، اور فقہ کے لئے فرنگی محل مین کوئی تکمیلی ادارہ قائم کیا جائے، کلام اور تصوف کے لئے اجمیر شریف مین انتظام کیا جائے، جہان اس وقت بھی سرکار نظام کی طرف سے عربی کا ایک بڑا مدرسہ قائم ہے،

اس مختصر سے مضمون مین جن باتون کا اجمالاً تذکرہ مقصود تھا وہ ختم ہوچکین، آخر مین یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہون کہ بعضون نے جو یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حکومت مسلمانون کے اس تعلیمی مطالبے کو کیا تسلیم کرے گی، ؟ اس کے متعلق مجھے یہ کہنا ہے کہ اس سے بھی زیادہ سخت اور خطرناک مطالبون کے تسلیم کرنے پر اس زمانہ مین جب حکومت کو مجبور کیا جا سکتا ہے، تو مسلمانون کا صرف اتنا مطالبہ کہ ایسی تعلیم جو بتدریج ہماری نسلون کو غیر مسلم بناتی چلی جارہی ہے، اس تعلیم مین اتنی ترمیم کر دی جائے جس سے ارتداد و بے دینی کے اس سیلاب کا انسداد ممکن ہوجائے تو یقیناً کوئی ایسا مطالبہ نہین ہے، جسے خواہ مخواہ حکومت مسترد کرنے پر ضد کرے گی، ممکن ہے کہ ہندوستان اور مسلمانون کے مختلف فرقون کے باہمی اختلافات کو حیلہ بنا کر پیش کیا جائے لیکن اس حیلہ کا جواب بآسانی دیا جا سکتا ہے، اس سلسلہ مین ایک واقعہ کا ذکر بھی مناسب ہوگا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ پٹنہ یونیورسٹی مین یہ تحریک جو ہندو لیڈرون نے پیش کی تھی، پاس ہوگئی ہے، کہ سنسکرت زبان کی تعلیم

ہند و طلبہ کے لئے لازم کر دی جائے گو مسلمانوں کی طرف سے کوئی بولنے والا کھڑا نہ ہوا لیکن تعلیمی وزن کو برابر کرنے کے لئے مسلمان طلبہ پر بھی ان کی کلاسیکل زبانوں (عربی و فارسی) میں سے کسی زبان کا لینا ضروری قرار دیا گیا ہے، نہ جاننے کی وجہ سے کہئے یا خود مولویوں کی طرف سے عربی کی دشواری کی غلط شہرت عموماً بجائے عربی کے فارسی ہی کے لینے پر طلبہ کو سُنا ہے کہ آمادہ کر رہی ہے، اگر یہ واقعہ ہے اور جن ذرائع سے یہ خبر مجھ تک پہنچی ہے اس میں شک کی بہ ظاہر کوئی وجہ بھی نظر نہیں آتی، تو یوں سمجھئے کہ جس مطالبہ کی منظوری میں لوگ مایوسی کا اظہار کر رہے ہیں، حکومت اس مطالبہ کو منظور کر چکی ہے، کلاسیکل زبان کی تشریح و تفصیل خود ہم مسلمانوں کو اسی شکل میں کرنا چاہئے جس کا ذکر اپنی تجویز میں خاکسار نے کیا ہے جس میں اردو فارسی و عربی تینوں زبان کی تعلیم عربی زبان کی تعلیم کی عملی شکل ہو گی، میں سچ کہتا ہوں کہ اردو زبان کے مسئلہ کو بھی اسی تعبیر اور اسی تدبیر سے ہم بغیر کسی کشمکش کے بآسانی حل کر سکتے ہیں میں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اردو کو مضبوط اور قوی کرنے کا صحیح ذریعہ یہ نہیں ہے کہ اردو کی ایک کتاب کے بعد اردو ہی کی دوسری کتاب مسلسل بچوں کو پڑھائی جائے، بلکہ اردو کو قوی کرنے کے لئے ضرورت ہے فارسی سے مناسبت پیدا کرانے کی، اور فارسی میں قوت وہی حاصل کر سکتا ہے جس نے عربی زبان سیکھی ہو، پانی میں پانی ملاتے چلے جانے سے کوئی نئی کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی، اسی طرح اردو کی ایک کتاب کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری کے پڑھانے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ جو وقت اردو کے پڑھانے میں صرف کیا جاتا ہے اسی وقت میں اردو کے بعد فارسی، اور فارسی کے بعد عربی سے طلبہ کا لگاؤ پیدا کیا جائے، یہ اردو ہی کے قوی کرنے کا ایک کارگر بے خطا نسخہ ہو گا، بعض بزرگوں نے میری تجویز پر یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ علوم جدیدہ خصوصاً سائنس کیمیا وغیرہ جیسے علوم کی تعلیم بہت پُرمصارف ہے، عربی کے غریب مدارس سے ان مصارف کی پابجائی ناممکن ہے لیکن خاکسار یہ کب کہتا ہے کہ عربی مدارس میں ان علوم کی تعلیم کا انتظام کیا جائے، میری تجویز تو یہ ہے کہ دینیات کی تعلیم کو ان مدارس میں منتقل کر دیا جائے جہاں حکومت نے جدید علوم و فنون کی تعلیم کا نظم کر رکھا ہے، چاہے تو کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی مدارس کو انگریزی مدارس نہیں، بلکہ انگریزی مدارس کو میں چاہتا ہوں کہ مسلمان بنا لیا جائے، رہے عربی مدارس سو عرض کر چکا ہوں کہ غیر مرکزی مدارس جو عموماً اس وقت شہروں اور قصبوں میں قائم ہیں، ان کو قرآن کی بامعنی تعلیم کا مدرسہ قرار دے کر جدید علوم و فنون کا ہائی اسکول مسلمانوں کے لئے بنا لیا جائے اور اسلامی علوم کی تکمیلی تعلیم کا مرکز عربی کے مختلف مرکزی مدارس کو قرار دے دیا جائے،

اس وقت ہر صوبہ میں شہر کا سے وطن کے سینکڑوں فوقانی مدارس یعنی ہائی اسکول قائم ہیں، لیکن

مسلمانون کا یہ حال ہو کہ بعض صوبون مین تو ان کا کوئی اسلامی اسکول ہی نہین ہے اور جہان کہین بھی تو ان کی تعداد شہر کا سے وطن کے قائم کردہ اسکولون کی تعداد کے مقابلہ مین صرف صفر کی حیثیت رکھتی ہے' لیکن جو تجویز پیش کی گئی ہے، اگر عمل کا قالب اس نے اختیار کرلیا تو مسلمانون کے اسکولون کی تعداد بھی اپنی آبادی کی نسبت سے کم نہ رہے گی، بلکہ ہوسکتا ہے کہ اس مناسبت سے ان کی تعداد بڑھ جائے، کیونکہ مشکل ہی سے ہندوستان کے کسی صوبہ کا کوئی ضلع، ضلع کا کوئی ایسا تعلقہ برٹش انڈیا خصوصاً شمالی ہند مین ایسا ہوگا، جہان کسی نہ کسی قسم کا عربی مدرسہ نہ قائم ہو، جدید علوم و فنون کی تعلیم کو قبول کرلینے کے بعد حکومت کا محکمۂ تعلیمات مالی اعانت پر مجبور ہوگا، مین خیال کرتا ہون کہ حکومت کی مالی اعانت اور چندون سے جو امداد اب تک ان مدارس کو مل رہی ہے' ان دونون قسم کی رقوم سے بآسانی ہمارے عام عربی مدارس اچھے ہائی اسکولون کی شکل اختیار کرلین گے، کہنے کو تو یہ ہائی اسکول کہلائین گے، لیکن دراصل قرآن پڑھانے اور سمجھانے کے یہ مدارس ہون گے، علما ہی کی نگرانی مین عموماً چونکہ یہ مدارس ہون گے اس لئے توقع کی جاتی ہے کہ تعلیم کا یہ ابتدائی دور مسلمان بچون کا اسلامی ماحول ہی مین گذرے گا' باوجود اختصار کی شدید کوشش کے مضمون مین پھر بھی کافی طوالت پیدا ہوگئی، لیکن کیا کرون ضروری چیزون سے خاموشی اختیار کرنے پر دل راضی نہین ہوتا' آخر مین اتنی بات جس پر اپنی کتاب مین مین نے کافی بحث کی ہے، اور بھی کہہ دینی چاہتا ہون کہ مسلمانان ہند کی تعلیم کے ان دو مستقل نظامون کو ختم کرکے ایک ہی نظام تعلیم عمومی کا اگر نہ قائم کیا جائے گا، تو اس علمی رقابت کی وجہ سے جو ان دونون نظامون سے استفادہ کرنے والے طبقات مین پیدا ہوگئی ہے، روز بروز اس مین اور شدت پیدا ہوتی چلی جائے گی' اس کا خاتمہ نہین ہوسکتا، آج تو اس کے نتائج چنداں اہم نہین محسوس ہوتے ہین لیکن خدانخواستہ بات اگر یون ہی بڑھتی رہی، تو کچھ بعید نہین ہے کہ مسلمانون ہی مین مذہب اسلام کے دشمن اس لئے پیدا ہوجائین، کہ مذہب کے نمایندون سے ان کے قلوب مین نفرت بڑھ رہی ہے، بالکل ممکن ہے کہ مذہبی نمایندون کی یہ نفرت خدانخواستہ خود مذہب سے نفرت کا ذریعہ بن جائے (لا فعلہ اللہ) میرا خیال ہے کہ ملا اور مسٹر یا عالم اور تعلیم یافتہ کی تفریق کا جہان تک جلد ممکن ہو خاتمہ کردینا چاہئے اور نظام تعلیم کی وحدت کے سوا اس کا بظاہر کوئی دوسرا علاج کم از کم میری سمجھ مین نہین آرہا ہے،

بلکہ آج اپنے مذہب اور مذہب کی اساسی کتابون سے ناواقف تعلیم یافتہ مسلمانون کو یہ دھوکا جو دیا جارہا ہے، کہ جس شکل مین مذہب ان کے سامنے پیش کیا جارہا ہے، یہ مولویون کا خودتراشیدہ مذہب ہے' اس

مغالطہ کے ازالہ کی شکل بھی یہی ہے کہ ہر پڑھے لکھے مسلمان مین اس کی صلاحیت پیدا کر دی جائے، کہ اپنے دین کی بنیادی کتابون کا وہ خود مطالعہ کر سکے، جو تجویز خاکسار نے پیش کی ہے انشاء اللہ اس سے یہ توقع پوری ہو جائے گی،

یہ خدشہ کہ جدید تعلیم یافتہ طبقات کو قرآن وحدیث سے واقف بنانا

دادن تیغے بدستے راہ زن

کے انجام کو لیین نہ پیدا کرے، بہ ظاہر بے بنیاد خطرہ نہین ہے، بلکہ اوّلاً قرآن کی لاہوتی قوت پر اعتماد کرنا چاہیئے، تجربہ اس کا مصدق ہے کہ انسانی دماغ کی منطق کے سلجھانے مین قرآن سے زیادہ کارگر کوئی دوسری چیز نہین ہو سکتی، یہ درست ہے کہ مغربی تعلیم کے باطنی رجحانات آدمی کی فطرت کو سلامتی وصحت کے نقطۂ اعتدال سے ہٹا دیتے ہین، اور اسی لئے

ہر چہ گیرد علتی علت شود

کا خطرہ غلط نہین ہے، ڈر ہے کہ مذہب بھی ان کے ہاتھون مین پہنچکر علت کی شکل نہ اختیار کرلے، لیکن پہلے بھی مین نے کہا ہے کہ ہمین یہ امید رکھنی چاہیئے کہ ان ہی الجھے ہوؤن مین سے انشاء اللہ سلجھے ہوئے بھی نکلتے رہین گے، اور بگڑے ہوؤن کو درست کرنے کا کام بھی انشاء اللہ وہی انجام دین گے، بہرحال مذہب اور مذہبی تعلیم کی عمومیت سے گریز میرے نزدیک تو بزدلیت ہے، اسلام نے ان خطرات کا مقابلہ کیا ہے، ہمارا کام صرف یہ ہے کہ جس حد تک عمومیت اس کی تعلیم مین پیدا ہونے کا امکان ہو، اس سے نفع اٹھائین، اور اس قسم کے خطرات کو خدا کے سپرد کرین اپنے آخری دین کی بہرحال وہ حفاظت فرمائے گا واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون،

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہین

مولوی ابو الحسنات مرحوم رفیق دارالمصنفین نے نہایت تلاش وتحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہون پر معارف مین ایک مقالہ لکھا تھا، جس کو اہل نظر نے بیحد پسند کیا تھا، اب دارالمصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت مین نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، ضخامت ۱۳۴ صفحے قیمت ۱۲ر

منیجر

عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام
اور
ان کی فارسی تصانیف

از

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب (علیگ) رفیق دارالمصنفین

تمہید | گذشتہ دسمبر ۱۹۴۵ء میں استاذی المحترم علامہ سید سلیمان ندوی دامت معالیہ نے مدراس میں انڈین ہسٹری کانگریس کے خطبۂ صدارت میں فرمایا تھا کہ صوفیہ کرام کی تصانیف ہندوستان کے اسلامی عہد کی مذہبی اخلاقی اور معاشرتی تاریخ کے لئے ایسی ضروری ہیں کہ ان کے بغیر ان تینوں پہلوؤں کی تصویر واضح نہیں ہوسکتی ہندوستان کے اسلامی دور میں دو قسم کی بادشاہت ساتھ ساتھ قائم تھی، ایک تخت و تاج کے حکمرانوں کی اور دوسری خانقاہ کے بوریانشینوں کی، ایک توپ و تفنگ سے مملکت زیر نگیں کرتے تھے، اور دوسرے اپنے بلند اخلاق اور اعلیٰ اوصاف کے ذریعہ انسانی قلوب کو تسخیر کرتے تھے، اور آج یہ کہنا مشکل ہے کہ دونوں میں کس کے اثرات زیادہ غالب رہے ذیل کے صفحات میں سلاطین دہلی کے زمانہ کے اکابر صوفیۂ کرام اور ان کی فارسی تصانیف کے اجمالی مطالعہ کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے، مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان فرمانرواؤں کے رزم و بزم سے علیحدہ ہوکر ہم یہ دیکھیں کہ خانقاہ کے درویشوں اور بے تاج کے بادشاہوں نے اپنے علم و عمل سے ہندوستان میں تصوف کو کس رنگ میں پیش کیا، اور اس کے ذریعہ اس عہد کے مسلمانوں کے مذہب اخلاق و معاشرت اور تمدن کو کس طرح سنوارنے کی کوشش کی، اس لئے اس مضمون میں باوہ تصوف کے لذت شناسوں کو صوفیانہ مسائل کے غامض اور دقیق مباحث نہ ملیں گے جس کے لئے راقم سطور ان سے معذرت خواہ ہے، اور بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہے کہ جس غرض سے یہ سطریں لکھی گئی ہیں، اس میں اس کو کامیابی کی سعادت عطا فرمائے وَمَا توفیقی اِلّا باللہ العلی العظیم،

ابوالحسن علی ہجویریؒ | ہندوستان کو یہ شرف حاصل ہے کہ فارسی زبان کی قدیم ترین صوفیانہ تصنیف کشف المحجوب

کا مصنف اسی سرزمین میں آسودۂ خواب ہے،

کشف المحجوب کے مصنف کا اسم گرامی ابوالحسن علی بن عثمان بن علی الغزنوی الہجویری الجلابی اللاہوری ہے، ہجویر اور جلاب غزنین کے دو قریے ہیں، شروع میں ان کا قیام یہیں رہا، اس لئے ہجویری اور جلابی کہلائے آخر زندگی میں لاہور آکر رہے، اس لئے لاہوری بھی مشہور ہوئے، پیدائش ۴۰۰ھ میں بتائی جاتی ہے، سلسلۂ نسب یہ ہے، علی بن سید عثمان بن سید علی بن عبدالرحمٰن بن شاہ شجاع بن ابوالحسن علی بن حسن اصغر بن سید زید شہید بن امام حسن بن علی مرتضی،

ان کے ابتدائی حالات اور تحصیل علم کی تفصیل کچھ زیادہ معلوم نہیں ہے، ابوالعباس بن محمد الاشقانی کے ذکر کے سلسلہ میں لکھتے ہیں، کہ "اندر بعضے علوم استادمن بود"[1] مگر کشف المحجوب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی علمی استعداد غیر معمولی تھی، ملا جامی ان کے علمی تبحر کے معترف ہیں،

ان کے شیخ کا نام ابوالفضل بن حسن ختلی ہے، ایک ضمنی موقع پر اپنے شیخ کے حال میں وہ خود لکھتے ہیں:

"تعلیم تفسیر و روایات و اندر تصوف مذہب جنید داشت، مرید حصری بود و صاحب سری سقطی و از اقران ابوعمرو قزوینی و ابوالحسن بن سالبہ بودہ است و شصت سال بحکم عزلتی بگوشہا اندری گریخت و نام خود از میان خلق گم کردہ بود و بیشتر بجبل بکام (؟) بود، عمر نیکو یافت و در آیات و براہین بسیار بود، اما لباس و رسوم متصوفہ نداشتی، و با اہل رسم شدید بودے و من از وے عیب بسے دیدہ بودم"۔

روحانی کسب کمال کے لئے تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ کا سفر کیا، اور وہاں کے اولیائے عظام مثلاً ابوالقاسم قشیری، ابوالقاسم گرگانی اور ابوسعید ابوالخیر کی روح پرور صحبتوں سے مستفیض ہوئے، ان مشائخ کبار کا ذکر ایک مستقل باب میں لکھا ہے،

---

[1] ان کے حالات تذکروں میں نہیں ملے، ہجویری نے خود لکھا ہے:-

"اندر فنون علم اصولی و فروعی امام بود، و اندر ہمہ معانی برسیدہ و مشائخ بسیار را دیدہ از کبار و اجلۂ اہل تصوف بود و راہ خود را بفنا عبارت کردی بعبارت مغلق و دری بدان مخصوص بود، و یدم، اگر دہے از جملہ کہ بدان عبارت وی تقلید کردہ بودند و شطحے وے بہ دست گرفتہ و تقلید معنی ناستودہ بود بعبارت چگونہ باشد، مرا بادے انسے عظیم بود و یرا بمن شفقتی صادق،

خراسان مین وہ تین سو مشائخ سے ملے،

اس سیر و سیاحت کے بعد لاہور آکر سکونت پذیر ہوئے، حضرت نظام الدین اولیا سے روایت ہے کہ وہ لاہور اپنے مرشد کے حکم سے آئے، ان کے آنے کے قبل ان کے پیر کے مرید شیخ حسین زنجانی لاہور مین مقیم تھے، مگر جس شب کو وہ لاہور پہونچے، اسی شب مین شیخ حسین زنجانی نے انتقال فرمایا،

آخر زندگی تک لاہور مین قیام پذیر رہے، اور یہین دفن ہوئے، سن وفات ۴۶۵ھ ہے، انتقال کے بعد مزار زیارت گاہ خلائق بن گیا، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح نے ان کی قبر پر چلہ کیا، اور جب مدت ختم کرکے رخصت ہونے لگے، تو یہ شعر پڑھا،

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
کاملان را رہنما ناقصان را رہنما

خزینۃ الاصفیا کے مصنف کا بیان ہے کہ گنج بخش کے نام سے شہرت کا سبب یہی ہے، عوام داتا بخش کہتے ہین، حضرت فرید الدین گنج شکر نے بھی ان کے مزار پر چلہ کشی کی تھی، جو ان کے اعلیٰ روحانی کمال کی دلیل ہے آپ کا مزار پر انوار ہر زمانہ مین مرجع خلائق رہا ہے،

داراشکوہ اپنے زمانہ کا حال لکھتا ہے:-

"خلقی انبوہ بر شب جمعہ بزیارت آن روضۂ منورہ مشرف می گردند و مشہور است کہ ہر کہ چہل شب جمعہ یا چہل روز پیہم طواف روضۂ شریفہ ایشان بکند، ہر حاجتے کہ داشتہ باشد بحصول می انجامد فقیر نیز بزیارت روضۂ منورہ ایشان و والدین مخدوم ایشان مشرف گشتہ"[۵۲]

کشف المحجوب کے علاوہ ان کی تصنیفات مین سے حسب ذیل کتابون کے نام ملتے ہین:-

(۱) منہاج الدین اس مین اہل صفہ کے مناقب لکھے تھے، بقیہ اور کتابون کے مضامین ان کے نام سے ظاہر ہین، (۲) کتاب الفنا و البقا، (۳) اسرار الخرق والمؤنات (۴) کتاب البیان لاہل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعایۃ بحقوق اللہ،

شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے، کشف المحجوب مین اپنے ایک دیوان کا بھی ذکر کیا ہے، ان کی تحریر سے ان کی دو اور کتابون کا پتہ چلتا ہے:-

---

[۵۱] فوائد الفوائد ص ۳۵، نولکشور پریس لکھنو [۵۲] سفینۃ الاولیا ص ۲۸۳،

"پیش ازین اندر شرح کلام وے (منصور حلاج) کتابے ساختہ ام"

"من اندر بیان این (ایمان) کتابے کردہ جداگانہ"

لیکن ان کتابوں میں سے اب کسی کا بھی پتہ نہیں ہے، ہم تک ان کی صرف کشف المحجوب پہنچی ہے، جو ہر زمانہ میں اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل سمجھی گئی ہے، حضرت نظام الدین اولیاء کا ارشاد ہے، کہ جس کا کوئی مرشد نہ ہو، اس کو کشف المحجوب کے مطالعہ کی برکت سے مل جائے گا، حضرت شرف الدین یحییٰ منیری اپنے مکتوبات میں اس کتاب کا جابجا ذکر فرماتے ہیں، حضرت جہانگیر اشرف سمنانیؒ کی تصنیف لطائف اشرفی میں اس کا حوالہ بکثرت موجود ہے، ملا جامی رقمطراز ہیں :-

"کشف المحجوب از کتب معتبرہ مشہورہ درین فن است و لطائف و دقائق دران کتاب جمع کردہ است"[۵۱]

داراشکوہ لکھتا ہے :-

"حضرت علی ہجویری را تصنیف بسیار است اما کشف المحجوب مشہور و معروف است، و ہیچ کس را بر آن سخن نیست و مرشدی است کامل، در کتب تصوف بخوبی آن در زبان فارسی کتابے تصنیف نہ شدہ"[۵۲]

کشف المحجوب کی تصنیف کا سبب ابوسعید ہجویری کا ایک استفسار ہے، جو تصوف کے رموز و اشارات کو شیخ ہجویریؒ سے سمجھنا چاہتے ہیں، اسی کے جواب میں شیخ نے تصوف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جس سے کشف المحجوب تصوف کی قابل قدر کتاب بن گئی ہے، اس کے ذریعہ گویا پہلی مرتبہ اسلامی تصوف کو ہندوستان میں پیش کیا گیا ہے، اس لئے اس کے مباحث ناظرین کے سامنے زیادہ تفصیل سے پیش کئے جاتے ہیں۔

کتاب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے، اس باب میں پانچ فصلیں ہیں، شروع میں کلام مجید اور احادیث نبوی کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا ہے کہ علم ہی کے ذریعہ ایک سالک مراتب اور

---

[۵۱] نفائس المآثر قلمی نسخہ جو مرتبہ شیخ علی محمود جاندار نسخہ قلمی مملوکہ سید علیم الدین خادم نظام المشائخ دہلی۔ میں نے اس کو مخدومی المحترم جناب عبدالماجد صاحب دریابادی کی کتاب تصوف اسلام سے لیا ہے جنھوں نے کشف المحجوب اور اس کے مصنف پر ایک سیر حاصل تبصرہ لکھا ہے [۵۲] نفحات الانس قلمی نسخہ [۵۳] المصنفین [۵۴] سفینۃ الاولیاء ص ۲۸۲ ،

درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے علم پر عمل بھی کرتا ہو، پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) علم خداوند تعالیٰ (۲) علم خلق اور ان کی تصریح اس طرح کی ہے، اللہ تعالیٰ کے علم کے نزدیک اس کے بندوں کا علم بالکل ہیچ ہے، وہ تمام موجودات اور معدومات کو جانتا ہے، بندوں کا علم ایسا ہونا چاہئے کہ ظاہر و باطن میں نفع بخش ہو، اس کی دو قسمیں ہیں، (۱) اصولی یعنی ظاہر میں کلمۂ شہادت پڑھنا، اور باطن میں معرفت کی تحقیق کرنا (۲) فروعی یعنی ظاہر میں معاملہ کرنا، اور باطن میں اس کے لئے صحیح نیت رکھنا،

ہجویریؒ کے نزدیک ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے، اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ، علم باطن حقیقت اور علم ظاہر شریعت ہے، علم حقیقت کے تین ارکان ہیں، (۱) خداوند تعالیٰ کی ذات کا علم یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، وہ نہ کسی مکان میں ہے نہ جہت میں اس کا کوئی مثل نہیں (۲) خداوند تعالیٰ کے صفات کا علم یعنی وہ عالم ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، دیکھتا ہے، اور سنتا ہے، (۳) خداوند تعالیٰ کے افعال کا علم، وہ تمام خلائق کا پیدا کرنے والا ہے،

علم شریعت کے بھی تین ارکان ہیں (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع امت،

پہلا علم گویا خدا کا علم ہے، اور دوسرا خدا کی طرف سے بندہ کو عطا کیا ہوا علم، ہجویریؒ نے صوفیائے کرام کے اقوال اور اپنے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ جس شخص کو خدا کا علم یعنی علم حقیقت نہیں اس کا دل جہالت کے سبب سے مردہ ہے، اور جس شخص کو اس کا عنایت کیا ہوا یعنی علم شریعت نہیں، اس کا دل نادانی کے مرض میں گرفتار ہے، شیخ نے دونوں علوم کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے، اور حضرت ابوبکر وراق ترمذی کے اس قول کی تائید کی ہے، کہ جس شخص نے صرف علم توحید پر اکتفا کی وہ زندیق ہوگیا،

دوسرا باب، فقر سے شروع ہوتا ہے، اس میں تین فصلیں ہیں،

پہلی فصل میں کلام مجید اور احادیث کی روشنی میں دکھایا ہے کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے، اور فقیر کی تعریف یہ کی ہے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو، اس کی کسی چیز میں خلل نہ آئے، نہ دنیاوی ساز و سامان ہونے سے مالدار ہو جائے، اور نہ اس کے نہ ہونے سے محتاج ہو جائے یعنی اس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے نزدیک برابر ہو، بلکہ نہ ہونے سے اور بھی زیادہ خوش ہو، کیونکہ فقیر جتنا تنگ دست ہوگا اسی قدر اس پر حال زیادہ کشادہ ہوگا، اور اسرار منکشف ہوں گے، وہ جس قدر دنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہوتا جاتا ہے، اتنا ہی اس کی زندگی الطاف خفی اور اسرار روشن سے وابستہ ہوتی جاتی ہے اور رضائے الٰہی

کی خاطر وہ دنیا کی تمام چیزون کو نظر انداز کر دیتا ہے ایک فقیر کا کمال فقر یہ ہے کہ اگر دونون جہان اس کے فقر کے ترازو کے پلڑے مین رکھے جائین، تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہون، اور اس کی ایک سانس دونون عالم مین نہ سمائے،

دوسری فصل مین صوفیانہ نقطۂ نظر سے فقر و غنا پر بحث کی ہے بعض صوفیاے کرام کا خیال ہے کہ غنا، فقر سے افضل ہے، ان کی دلیل ہے کہ غنا خداوند تعالیٰ کی صفت ہے، فقر کی نسبت اس کی جانب جائز نہین، اور دوستی مین ایسی صفت جو خدا اور بندہ کے درمیان مشترک ہو، ضرور پائی جائے گی، اور یہ اس صفت یعنی فقر سے بہتر ہے، جس کو خداوند تعالیٰ کی جانب منسوب کرنا روا نہین،

شیخ ہجویریؒ نے اس منطقیانہ دلیل کو منطقیانہ دلائل ہی سے رد کیا ہے مثلاً خدا کی صفات مین مماثلت کی کوشش آپس مین برابر ہونے کی دلیل ہے، مگر خدا تعالیٰ کی صفت قدیم ہے، اور خلق کی صفت حادث ہے اس لئے دونون مین مماثلت ممکن نہین، غنی خدا کے منجملہ اور نامون کے ایک نام ہے، یہ اسی کے لئے زیبا ہے بندہ اس نام کا مستحق نہین ہوسکتا، بندہ کے غنا کا کوئی سبب ہوتا ہے، مگر خدا کا غنا سبب سے بے نیاز ہے، خلق کے غنا مین حدوث و تغیرات ہوتے ہین، خالق کا غنا اس سے ماورا ہے، اس کی قدرت کا کوئی مانع نہین، وجود بشری کو حاجت لازم ہے، کیونکہ حدوث کی علامت احتیاج ہے، اور جب احتیاج پیدا ہوتی ہے تو پھر غنا، کیونکر باقی رہ سکتا ہے؟ اس تشریح و تفصیل کے بعد ہجویریؒ نے غنا، کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفت قرار دیا ہے، جو ایک بندہ کے لئے کسی طرح سزاوار نہین،

مگر ہجویریؒ کے نزدیک بندہ کا غنی ہونا محال بھی نہین، الغنی من اغناہ اللہ یعنی غنی وہ ہے جس کو خدا غنی کردے، اس لئے غنی باللہ فاعل ہے، اور اغناہ اللہ مفعول ہے، فاعل بالذات تمام ہوتا ہے، اور مفعول فاعل کی وجہ سے قائم ہوتا ہے، اگر بندہ غنا سے سرفراز کیا جاتا ہے، تو یہ اس کے لئے نعمت ضرور ہے مگر اس نعمت مین غفلت اسی طرح آفت ہے جس طرح فقر مین حرص، اس لئے بندہ اگر غنی ہے، تو اس کو غافل نہ ہونا چاہئے، اور اگر فقر رکھتا ہو، تو اس کو حریص نہ ہونا چاہئے، ہجویریؒ کے نزدیک غنا مین دل کے غیر سے مشغول رہنے کا احتمال باقی رہتا ہے، اور فقر مین دل اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے جدا رہتا ہے، اس لئے فقر غنا سے بہتر ہے، اور جب ایک طالب خدا کے سوا دنیا کی تمام چیزون سے مستغنی ہوجاتا ہے تو فقر و غنا کے دونون نام اس کے لئے بے معنی ہوجاتے ہین،

تیسری فصل مین فقر و فقیر سے متعلق مشائخ عظام کے جو اقوال ہین، ان کی تشریح اور تفصیل کی ہے،

مثلاً حضرت رویم بن محمد فرماتے ہین کہ فقیر کی تعریف یہ ہے کہ اپنے بھیدون کو محفوظ رکھے، اور اس کا نفس آفت سے مصئون ہو، اور وہ فرائض کا پابند ہو، ہجویری نے اس کی تشریح یہ کی ہے، کہ جو کچھ فقیر کے دل پر گذرے اوس کو ظاہر نہ کرے، اور جس کا ظہور ہو جائے، اس کو چھپائے نہین، اور نہ اسرار کے غالب ہونے سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ شریعت کے احکام ادا نہ کر سکے، یا مثلاً حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہین کہ فقیر کی صفت یہ ہے کہ نہ ہونے کی صورت مین سکوت کرے، اور ہونے کے وقت خرچ کرے، اور خرچ کے لئے بے چین ہو، شیخ ہجویریؒ نے دو طرح سے اس کی تفسیر کی ہے، ایک یہ کہ نہ ہونے کے وقت سکوت گویا خداوند تعالیٰ کے رضا کی دلیل ہے، اور اگر اس کے پاس کچھ ہو گیا، تو گویا اس کو خداوند تعالیٰ کی جانب سے خلعت عطا ہوا، مگر خلعت فرقت کی نشانی ہے کیونکہ محب خلعت قبول نہین کرتا، اس لئے جو کچھ فقیر کو ملتا ہے، اس کو وہ دوسرون کو دیکر جلد اپنے سے جدا کر دیتا ہے، دوسری تفسیر یہ کی ہے کہ فقیر کو سکون اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ کسی چیز کا منتظر نہین رہتا، اور جب کوئی چیز حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اپنے سے غیر پاتا ہے، اور غیر کے ساتھ اس کو آرام نہین ملتا، اس لئے اس کو ترک کر دیتا ہے،

تیسرے باب مین صوفی کی اصلیت سے محققانہ بحث کی ہے، اس مین بھی تین فصلیں ہین،

لفظ صوفی کی اصلیت ہمیشہ سے مختلف فیہ رہی ہے، ایک گروہ کہتا ہے، کہ صوفی صوف کا کپڑا پہنتا ہے، اس لئے اس نام سے منسوب ہوا، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ صف اول مین رہتا ہے، اسی لئے اس نام سے پکارا جاتا ہے، تیسرے کا خیال یہ ہے کہ صوفی اس وجہ سے کہتے ہین، کہ وہ اصحاب صفہ کے ساتھ دوستی رکھتا ہے، اور چوتھے کی رائے یہ ہے کہ یہ اسم صفا سے مشتق ہے، اسی طرح اور توجیہات ہین، مگر ہجویریؒ نے ان مین سے ہر ایک کو غلط قرار دیا ہے، فرماتے ہین، کہ صوفی کو صوفی اس لئے کہتے ہین، کہ وہ اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب کر لیتا ہے، اور طبیعت کی آفتون سے پاک وصاف ہو جاتا ہے، اور حقیقت مین صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے پاک اور صاف ہو، کیونکہ تصوف باب تفعل سے ہے جس کا خاصہ تکلف ہے، یعنی صوفی اپنے نفس پر تکلیف اٹھاتا ہے، اور یہی تصوف کے اصلی معنی ہین،

اہل تصوف کی تین قسمین قرار دی ہین،

(۱) صوفی، جو اپنی ذات کو فنا کر کے خدا کی ذات مین بقا حاصل کرتا ہے، اور اپنی طبیعت سے آزاد ہو کر حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے، (۲) متصوف:- جو صوفی کے درجہ کو مجاہدہ سے تلاش کرتا ہے اور

اس تلاش میں اپنی ذات کی اصلاح کرتا ہے (۳) مستصوف :- جو محض مال ومنال اور جاہ وحشمت کے لئے اپنے کو مثل صوفی کے بنا لیتا ہے،

پس صوفی صاحبِ وصول (یعنی وصل حاصل کرنے والا) متصوف صاحبِ اصول (یعنی صوفی کے اصول پر چلنے والا) اور مستصوف صاحبِ فضول ہوتا ہے،

دوسری فصل میں ہجویریؒ نے مشائخ کبار کے اقوال نقل کئے ہیں جن سے ان کے مذکورۂ بالا خیالات کی تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت حسن نوری فرماتے ہیں کہ تصوف تمام حظوظ نفسانی کے ترک کرنے کا نام ہے اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا ہو اور نفسانی آفتوں سے صاف ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو، یہاں تک کہ غیر خدا سے بری ہو کر وہ صف اول اور درجۂ اولیٰ میں پہنچ جاتے ہیں،

حضرت حصری کا قول ہے کہ تصوف دل اور بھید کی صفائی اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے، ہجویریؒ نے اس کی تصریح یہ کی ہے، کہ فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے، کیونکہ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے، اور موافقت مخالفت کی ضد ہے، اور جب مراد ایک ہوتی ہے، تو مخالفت نہیں ہوتی ہے، اس لئے دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہئے،

حضرت شبلی کا قول ہے، کہ صوفی وہ ہے کہ دونوں جہان میں خدائے عزوجل کے سوا کوئی چیز نہ دیکھے ہجویریؒ نے اس کی تشریح کرکے بتایا ہے۔ کہ بندہ جب غیر کو نہ دیکھے گا، تو اپنی ذات کو نہ دیکھے گا، اس طرح اپنی ذات کی نفی اور اثبات سے فارغ ہو جائے گا،

اس بحث میں ہجویریؒ نے حضرت جنیدؒ کے اس قول کی تائید کی ہے، کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، جس سے آٹھ پیغمبروں کی پیروی ہوتی ہے یعنی تصوف میں سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی ہو، رضا حضرت اسماعیلؑ کی ہو، صبر حضرت ایوبؑ کا ہو، اشارات حضرت زکریاؑ کے ہوں، غربت حضرت یحییٰؑ کی ہو، سیاحت حضرت عیسیٰؑ کی ہو، لباس حضرت موسیٰؑ کا ہو، اور فقر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو

تیسری فصل میں ہجویریؒ کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف محض علوم ورسوم کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک خاص اخلاق کا نام ہے، علوم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا، یا رسوم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا، مگر یہ نہ تعلیم سے حاصل ہوتا ہے، اور نہ صرف مجاہدہ سے، اس اخلاق کی تین قسمیں ہیں،

(۱) خدا کے احکام کو دل سے پاک ہو کر پورا کرنا، (۲) بڑوں کی عزت کرنا اور چھوٹوں کیساتھ شفقت سے پیش آنا

اور کسی سے انصاف اور عوض نہ چاہنا (۳) نفسانی خواہشوں کا اتباع نہ کرنا،

چوتھے باب مین صوفیون کے لباس پر تین فصلون مین بحث کی ہے، صوفی سنت رسول کی پیروی مین کمل یا گدڑی لباس کے طور پر استعمال کرتا ہے، جو اس کے فقر و ریاضت کی دلیل ہے، مگر گدڑی پہننے کے لئے ہجویری نے بہت سی شرطین مقرر کی ہین، گدڑی پہننے والون کو تارک الدنیا یا اللہ کا عاشق ہونا چاہئے، اس کے باوجود وہ خود گدڑی اسی وقت پہن سکتا ہے، جب کہ اس کو مشائخ پہنائین، اس کے لئے ضروری ہو کہ موخر الذکر اوّل الذکر سے ایک سال خلق کی خدمت اور ایک سال خدا کی خدمت لین، اور ایک سال اس کے دل کی رعایت حاصل کرین، خلق کی خدمت یہ ہے کہ وہ سب کو بلا تمیز اپنے سے بہتر جانتا ہو، اور ان کی خدمت اپنے لئے واجب سمجھتا ہو، مگر اپنی خدمت کی فضیلت کا گمان مطلق نہ کرتا ہو، خدا کی خدمت یہ ہے کہ دنیا اور عقبیٰ کے مزے کو ترک کر دیتا ہو، اور جو کام کرتا ہو صرف خدا کی خاطر کرتا ہو، دل کی رعایت یہ ہے کہ اس مین ہمت ہو، اس سے تمام غم دور ہون، اور وہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہو، جب یہ تینون شرطین پوری ہو جائین تو شیخ اپنے مرید کو گدڑی پہنا سکتا ہے، گدڑی پہننا گویا کفن کا پہننا ہے، جس کے بعد زندگی کی تمام لذتون اور آسایشون سے کنارہ کش ہو کر صرف خدا کا ہو کر رہنا پڑتا ہے،

چھٹا باب ملامت پر ہے، ہجویری نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستون کی غذا کہا ہے، اور اس کی تین قسمین بتائی ہین :-

(۱) ایک یہ کہ ایک شخص اپنے معاملات و عبادات مین درست ہو، پھر بھی خلق اس کو ملامت کرتی ہو، لیکن وہ اس کی پرواہ مطلق نہ کرتا ہو، مثلاً شیخ ابو طاہر حرمی ایک بار بازار مین جا رہے تھے، ایک شخص نے ان سے کہا "اے پیر زندیق کہان جاتا ہے" ان کے ایک مرید نے اس سے جھگڑا کرنا چاہا، مگر انھون نے روک دیا، اور جب گھر آئے تو مرید کو بہت سے خطوط دکھائے، جن مین ان کو کسی مین شیخ زکی، کسی مین شیخ زاہد، کسی مین شیخ الاسلام، اور کسی مین شیخ الحرمین کہکر مخاطب کیا گیا تھا اور فرمایا کہ ہر شخص اپنے اعتقاد کے مطابق جو چاہتا ہے مجھ کو کہتا ہے کہ مگر یہ سب اسم نہین ہین، القاب ہین کوئی مجھ کو زندیق کہے تو اس کے لئے جھگڑا کیون کیا جائے،

(۲) دوسری یہ کہ وہ دنیا کی جاہ و حشمت سے منہ موڑ کر خدا کی جانب مشغول ہو، اور خلق کی ملامت کو روا رکھتا ہو کہ دنیا کی طرف مائل نہ ہونے پائے، مثلاً ابو یزید رمضان کے مہینے مین سفر حجاز سے اپنے شہر مین واپس آئے، تو لوگون نے بہت اعزاز و اکرام سے ان کا استقبال کیا، اس خیر مقدم مین وہ خدا کی

یاد سے غافل ہو گئے، انھوں نے اسی وقت اپنی آستین سے ٹکیہ نکال کر کھانا شروع کر دیا، لوگوں نے ان کو ٹکیہ کھاتے دیکھا تو ان کو ملامت کرنے لگے، اور ان سے برگشتہ ہو گئے، ابو یزید نے قصداً ایسا کیا تاکہ وہ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونے پائیں،

(۳) تیسری یہ کہ وہ ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو، اور اس سے خلق کی ملامت کے ڈر سے باز آنا محض نفاق اور ریاکاری سمجھتا ہو، یہاں تک کہ شریعت کو بھی ترک کر دیتا ہو، جو ہجویریؒ کے نزدیک صحیح نہیں، شیخ ہجویریؒ نے اس قول کی تائید کی ہے، کہ ملامت عاشقوں کے لئے ایک تر و تازہ باغ و دستوں کے لئے مایۂ تفریح، مشتاقوں کے لئے راحت اور مریدوں کے لئے سرور ہے، اور آخر میں خود اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کیا ہے، کہ میں ایک مرتبہ شیخ ابو یزید کے مزار پر تین مہینے حاضر رہا، ہر روز غسل اور وضو کر کے بیٹھتا تھا، مگر وہ کشف حاصل نہ ہوا، جو ایک بار وہیں حاصل ہو چکا تھا، آخر میں وہاں سے اٹھکر خراسان کی طرف چلا گیا، ایک گاؤں میں پہنچا، تو ایک خانقاہ میں متصوفین کی ایک جماعت نظر آئی، میں اس جماعت کی نگاہ میں بہت ہی حقیر معلوم ہوا، ان میں سے کچھ کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے نہیں ہے اور واقعی میں ان میں سے نہ تھا، انھوں نے مجھ کو ٹھہرنے کے لئے ایک کوٹھا دیا، اور وہ خود اونچے کوٹھے پر ٹھہرے، کھانے کے وقت مجھ کو تو سوکھی روٹی دی، اور خود اچھا کھانا کھایا، کھانے کے بعد تمسخر سے خربزہ کے چھلکے میرے سر پر پھینکتے تھے، اور طنز کی باتیں کرتے تھے، مگر وہ جتنا زیادہ طنز کرتے تھے، اتنا ہی میرا دل ان سے خوش ہوتا تھا، یہاں تک کہ ذلت اٹھاتے اٹھاتے وہ کشف حاصل ہو گیا، جو اس سے پہلے نہ ہوا تھا، اس وقت مجھ کو معلوم ہوا، کہ مشائخ جاہلوں کو اپنے یہاں کیوں جگہ دیتے ہیں،

آگے سات بابوں میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابۂ عظام، اہلِ البیت، اہل الصفہ، تبع تابعین، ائمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر ہے،

چودھواں باب نہایت اہم ہے، اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقائد پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہیں، تفصیل غالباً مناسب نہ ہوگی،

پہلا فرقہ محاسبیہ ہے جو عبداللہ بن حارث بن اسد المحاسبی کی جانب منسوب ہے، حارث محاسبی کا عقیدہ تھا کہ رضا مقامات میں سے نہیں، بلکہ احوال میں سے ہے، ہجویریؒ نے رضا اور مقامات کی تشریح کر کے حارث کی مدافعت کی ہے، اور رضا کی دو قسمیں بتائی ہیں (۱) خداوند تعالیٰ کی رضا بندہ سے (۲) بندہ

کی رضا خداوند تعالیٰ سے،

بندوں سے خداوند تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ وہ ان کو ثواب نعمت اور بزرگی عطا کرتا ہے، اور خداوند تعالیٰ سے بندوں کی رضا یہ ہے، کہ وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں، خداوند تعالیٰ اپنے احکام میں یا تو کسی چیز سے منع کرتا ہے، یا عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے، مگر اس کے احکام کے ماننے والے اس کے خوف و ہیبت میں ایسے ہی لذت محسوس کرتے ہیں، جیسے اس کے لطف و کرم سے حظ اٹھاتے ہیں، اس کا جلال اور جمال ان کی نظروں میں یکساں ہے، اور وہ محض اس لئے کہ وہ اپنے اختیارات کو سلب کر لیتے ہیں، جس کے بعد ان کا دل غیر کے اندیشہ سے نجات پا کر تمام غم والم سے آزاد ہو جاتا ہے،

اصحاب رضا چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک خداوند تعالیٰ کی عطا (خواہ وہ کیسی ہی ہو) پر راضی رہتے ہیں، یہ معرفت ہے دوسرے اس کی نعمتوں (دنیاوی) پر راضی ہوتے ہیں، وہ دنیا والے ہیں، تیسرے مصیبت پر راضی رہتے ہیں، یہ رنج ہے، چوتھے احوال و مقامات کی قید سے نکل کر صرف خداوند تعالیٰ کی خوشی پر رہتے ہیں، یہ محبت ہے،

دوسرا گروہ قصاریہ کا ہے، اس کے پیشوا ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارۃ القصار ہیں، جو خلق کی ملامت کو تزکیۂ نفس کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، ملامت پر بحث چھٹے باب میں گذر چکی ہے، اس لئے ہجویری نے اس موقع پر اس مسلک پر تفصیل کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی ہے،

اس کے بعد گروہ طیفوریہ اور گروہ جنیدیہ کا ذکر ہے، اول الذکر کے پیشوا ابو یزید طیفور بن سروشان البسطامی اور موخر الذکر کے امام ابو القاسم الجنید بن محمد ہیں، پہلے گروہ کا عقیدہ سکر اور دوسرے کا صحو پر مبنی ہے، اس سلسلہ میں ہجویری نے بتایا ہے کہ سکر اور صحو کیا ہیں، سکر حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے، ایک سالک جب محبوب کے جمال کو دیکھتا ہے، تو اس کی عقل عشق سے مغلوب ہو جاتی ہے، اور غایت بے خودی میں اس کے ادراک اور ہوش باقی نہیں رہتے، اس پر محویت اور فنا کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، صحو محویت کے بعد حصول مراد کا نام ہے، جس میں جمال محبوب کے مشاہدہ سے حیرت اور وحشت باقی نہیں رہتی، صحو میں غفلت سے حجاب پیدا ہوتا ہے لیکن جب یہی غفلت محبت بن جاتی ہے، تو وہ کشف صحو غفلت کے قریب ہو تو سکر ہے، اور سکر محبت کے قریب ہو تو صحو ہے، جب دونوں کی اصل صحیح ہو تو سکر صحو اور صحو سکر ہے، اس جزوی اختلاف کے باوجود دونوں ایک دوسرے کی علت و معلول ہیں،

لیکن جب دونون کی اصل صحیح نہ ہون تو دونون بے فائدہ ہین، ہجویریؒ خود جنیدی مسلک کے پابند تھے اور صحو کو سکر پر فوقیت دیتے تھے، لکھتے ہین کہ مقام صحو مردون کی جاے فنا ہے،

پانچوان گروہ نوریہ کا ہے جس کے پیشوا ابن احسن بن نوریؒ ہین، وہ در دریشون کی عزلت گزینی کو ایک نامحمود فعل سمجھتے ہین اور صحبت کو ضروری قرار دیتے ہین اور اصحاب صحبت کے لئے ایثار و کلفت برداشت کرنے کو بھی ضروری سمجھتے ہین ورنہ اس کے بغیر صحبت حرام ہے اور اگر صحبت کے ساتھ ایثار رنج و کلفت کے ساتھ محبت بھی شامل ہو، تو یہ اور زیادہ اولیٰ ہے، ہجویریؒ نے فرقہ نوریہ کے اس مسلک کو پسندیدہ کہا ہے،

(۶) سہلیہ:- اس کے امام حضرت سہل بن تستریؒ ہین ان کی تعلیم اجتہاد (جد وجہد مشقت) مجاہدۂ نفس اور ریاضت ہے، اجتہاد مجاہدہ اور ریاضت کی غرض نفس کی مخالفت ہے، اس لئے ہجویریؒ نے نفس کی تصریح واضح طور سے کی ہے،

فرماتے ہین کہ نفس کی مخالفت تمام عبادتون کا سرچشمہ ہے، نفس کو نہ پہچاننا اپنے کو نہ پہچاننا ہے، جو شخص اپنے کو نہیں پہچانتا، وہ خدا کو نہین پہچان سکتا نفس کا فنا ہوجانا حق کے بقا کی علامت ہے، اور نفس کی پیروی حق عزوجل کی مخالفت ہے نفس پر جبر کرنا یعنی نفسانی خواہشون کو روکنا جہاد اکبر ہے، حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے اس مین بڑا غلو فرمایا ہے، وہ نفس کے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار دیتے ہین، سہل تستریؒ کے اس مسلک سے بعض گروہون کو اختلاف ہے، ان کا خیال ہے کہ مشاہدہ محض عنایت ایزدی پر منحصر ہے، مجاہدہ وصل حق کی علت نہین ہوسکتا ممکن ہے کہ ایک شخص حجرہ کے اندر عبادت مین مشغول ہو، پھر بھی حق سے دور ہو، اور ایک شخص خرابات مین رہتا ہو، گنہگار ہو اور اسے قرب خداوندی حاصل ہو، ہجویریؒ نے اس اختلاف کو محض الفاظ اور تعبیر کا اختلاف قرار دیا ہے، کہ ایک شخص مجاہدہ کرتا ہے تو اس کو مشاہدہ حاصل ہوتا ہے، دوسرا مشاہدہ کرتا ہے کہ مجاہدہ حاصل ہو، مشاہدہ کے بغیر مجاہدہ نہین، اور مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہین، اس رائے کے باوجود ہجویریؒ مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت قرار نہین دیتے، بلکہ اس کو وصل حق کا طریق اور ذریعہ سمجھتے ہین،

نفس کے بعد ہوا یعنی نفس کی خواہشون کا ذکر ہے، اس مین بتایا گیا ہے کہ بندہ دو چیزون کا تابع رہتا ہے ایک عقل کا دوسرے نفس کی خواہشون کا، جو عقل کا تبع ہوتا ہے وہ ایمان کی طرف جاتا ہے اور جو ہوا کی پیروی کرتا ہے، وہ کفر گمراہی اور ضلالت کی طرف مائل ہے، حضرت جنیدؒ سے پوچھا گیا کہ

اصل حق کیا چیز ہے، فرمایا "ہوٰی کا ترک کرنا" ہجویریؒ نے بھی اس کی تائید کی ہے، اور کہا ہے کہ سب سے بڑی عبادت ہوٰی کا ترک کرنا ہے، گو اس کا ترک کرنا ناخن سے پہاڑ کھودنے سے بھی زیادہ مشکل ہے،

ہجویریؒ نے ہوا کی دو قسمیں بتائی ہیں، (۱) لذت اور شہوت (۲) جاہ طلبی، اول الذکر کے فتنے سے خلق محفوظ رہتی ہے لیکن موخر الذکر سے خلق کے درمیان فتنہ پیدا ہوتا ہے خصوصاً جب یہ جاہ طلبی خانقاہوں میں ہو،

(۷) فرقہ حکیمیہ:- یہ گروہ حضرت ابو عبداللہ بن علی الحکیم الترمذی کی جانب منسوب ہے اس فرقہ کا مسلک ہے، کہ ولی اللہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے جو نفس کی حرص و آز سے پاک ہو کر اسرار الٰہی سے واقف ہوتا ہے، اور اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے، اس سلسلہ میں ہجویریؒ نے ولی کی ولایت اور کرامت پر مفصل بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کچھ بندوں کو اپنا دوست بناتا ہے، ان کی صفات یہ ہیں، کہ دنیاوی مال و دولت سے بے نیاز ہو کر وہ صرف ذاتِ خداوندی سے محبت کرتے ہیں، ان کے چہرے نورانی ہوتے ہیں جب دوسرے لوگ ڈرتے ہیں تو وہ نہیں ڈرتے، اور جب دوسرے غمزدہ ہوتے ہیں تو یہ نہیں ہوتے، اور جب ایسے لوگ دنیا میں باقی نہ رہیں گے تو قیامت آجائیگی، معتزلہ کا اعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندے اس کے دوست ہیں، کوئی بندہ خاص اور برگزیدہ نہیں ہوتا، اللہ کا خاص بندہ صرف نبی ہوتا ہے، ہجویریؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں اپنے بندوں میں سے کسی ایک کو خاص بناتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے رسول کی رسالت کی دلیل روشن اور واضح ہوتی رہے، فرقہ حشویہ خاص بندوں کا ہونا جائز سمجھتا ہے، مگر اس کا خیال ہے کہ ایسے بندے تھے ضرور مگر اب نہیں ہیں لیکن ہجویریؒ کہتے ہیں کہ ایسے بندے ہر زمانہ میں ہوتے ہیں، اور ان کی قسمیں بتائی ہیں (۱) اخیار (۲) ابدال (۳) ابرار (۴) اوتاد (۵) نقباء (۶) قطب یا غوث،

ایک گروہ کا اعتراض ہے، کہ ولی اپنی ولایت کے باعث عاقبت سے بے خوف اور دنیا پر مغرور ہو سکتا ہے لیکن ہجویریؒ نے بہت سے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو، اسے اپنے وجود کی خبر نہ ہو، اور نہ اس کو اللہ کے سوا غیر کے ساتھ قرار ہو، وہ مشہور ہوتا ہے لیکن شہرت سے پرہیز کرتا ہے، کیونکہ شہرت باعثِ فساد و رعونت ہے،

جب ولی اپنی ولایت میں صادق ہوتا ہے تو اس سے کرامت ظاہر ہوتی ہے، کرامت ولی

خاصہ ہے، کرامت نہ عقل کے نزدیک محال ہے اور نہ اصولِ شریعت کے خلاف ہے، کرامت محض "مقدورِ خداوندی" ہے یعنی اس کا ظہور کسب سے نہیں بلکہ خدا کی بخششوں سے ہوتا ہے،

اس کے بعد یہ بحث ہے کہ کرامت کا ظہور کب ہوتا ہے، ابو یزیدؒ ذوالنون مصریؒ اور محمد بن خفیف وغیرہ کا خیال ہے کہ اس کا ظہور سکر کے حال میں ہوتا ہے، اور جو صحو کے حال میں ہو، وہ نبی کا معجزہ ہے، ولی جب تک بشریت کے حال میں رہتا ہے، وہ محجوب رہتا ہے، اور جب خدا کے الطاف و اکرام کی حقیقت میں مدہوش ہو جاتا ہے، تو اس حال میں (جو سکر ہے) کرامت ظاہر ہوتی ہے، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ولی کے نزدیک پتھر اور سونا دونوں برابر ہو جاتے ہیں،

حضرت جنیدؒ اور ابوالعباس سیاریؒ وغیرہ کا مسلک ہے، کہ کرامت سکر میں نہیں، بلکہ صحو اور تمکین میں ظاہر ہوتی ہے، ولی خدا کے ملک کا مدبر، واقف کار اور والی ہوتا ہے، اور اس سے ملک کی گتھیاں سلجھتی ہیں، اسی لئے اس کی رائے سب سے زیادہ صائب اور اس کا دل سب سے زیادہ شفیق ہوتا ہے، مگر یہ مرتبہ تلوین اور سکر میں حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ تلوین اور سکر ابتدائی مدارج ہیں، اور جب یہ آخری منازل تمکین اور صحو میں منتقل ہو جاتے ہیں تو ولی برحق ہوتا ہے، اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے،

اس بحث کے بعد اولیاء اللہ کی کرامتوں کا بیان ہے، پھر دو فصلوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء اولیاء سے افضل تر ہیں، اور انبیاء و اولیاء فرشتوں پر فضیلت رکھتے ہیں،

(۸) فرقہ خرازی:- یہ فرقہ حضرت ابوسعید خرازؒ کی جانب منسوب ہے، جنھوں نے سب سے پہلے مقامِ فنا اور بقا سے بحث کی ہے، اس لئے اس فصل میں ہجویریؒ نے صرف فنا اور بقا پر روشنی ڈالی ہے،

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ فنا سے مراد اپنی ذات اور وجود کا مٹا دینا اور بقا سے مراد خدا سے متحد ہو کر اس میں حلول کر جانا ہے لیکن ہجویریؒ نے ان دونوں کی تردید کی ہے، ان کے نزدیک ذات اور وجود کا نیست ہو کر خدا میں حلول کرنا محال ہے، کیونکہ حادث قدیم سے، مصنوع صانع سے، مخلوق خالق سے متحد اور ممتزج نہیں ہو سکتا، ہجویریؒ کے نزدیک فنا سے مراد شہوات و لذات کو ترک کر کے خصائص بشریت سے اس طرح علٰحدہ ہو جانا ہے کہ پھر محبت و عداوت، قرب و بعد، وصل و فراق اور صحو و سکر میں کوئی تمیز باقی نہ رہ جائے، اور جب یہ مقصود حاصل ہو جائے تو یہی بقا ہے، اس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انسانیت کے تعلقات سے کنارہ کش ہونے کا نام فنا ہے، اور اخلاص و عبودیت کا نام بقا ہے،

یا علائق دنیوی سے علیحدہ ہونا فنا ہے، اور خدا کا جلال دیکھنا بقا ہے، اس غلبۂ جلال سے یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سالک دین و دنیا کو فراموش کر دیتا ہے، حال و مقام سے بے نیاز ہو جاتا ہے، اور اس کی زبان حق تعالیٰ سے ناطق ہو جاتی ہے،

(۹) فرقہ خفیفی:- یہ فرقہ حضرت ابو عبداللہ بن خفیف کی جانب منسوب ہے، اس کا مذہب تصوف "غیبت و حضور" ہے،

غیبت سے مراد دل کا اپنے وجود سے غائب رہنا، اور حضور سے مراد اس کا خدا کے ساتھ رہنا ہے، اپنے سے غیبت حق سے حضور ہے یعنی جو شخص اپنے سے غائب ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے، ایک سالک کے اپنے سے غائب ہونے سے مراد یہ ہے، کہ وہ اپنی ہستی کے وجود کی آفتوں سے دور ہو، اس کی صفات بشری ختم ہو گئی ہوں، اور اس کے تمام ارادے پاک ہوں،

اس سلسلہ میں صوفیۂ کرام نے یہ بحث کی ہے کہ غیبت حضور پر مقدم ہے، یا حضور غیبت پر، ایک گروہ کہتا ہے کہ غیبت سے حضوری حاصل ہوتی ہے، دوسرا کہتا ہے کہ حضوری سے غیبت حاصل ہوتی ہے، ہجویریؒ کا خیال ہے کہ دونوں برابر ہیں، کیونکہ غیبت سے مراد حضور ہے، جو اپنے سے غائب نہیں ہے، وہ حق سے حاضر نہیں ہے، اور جو حاضر ہے وہ غائب ہے، یہ نکتہ حضرت جنیدؒ کے حال سے واضح ہو جاتا ہے انھوں نے فرمایا کہ مجھ پر کچھ زمانہ ایسا گذرا ہے کہ آسمان اور زمین میرے حال پر روتے تھے، پھر خدا نے ایسا کر دیا کہ میں ان کی غیبت پر روتا تھا، اور اب یہ زمانہ ہے کہ مجھ کو نہ آسمان کی خبر ہے، نہ زمین کی اور نہ خود اپنی،

(۱۰) فرقۂ سیاریہ، یہ فرقہ ابو عباس سیاری کی جانب منسوب ہے، جو مرو کے امام تھے، ان کی بحث جمع و تفرقہ پر ہے، ہجویریؒ نے اس پر یہ روشنی ڈالی ہے کہ ارباب علم کے نزدیک جمع توحید کا علم اور تفرقہ احکام کا علم ہے، مگر اصحاب تصوف کے نزدیک تفرقہ سے مکاسب اور جمع سے مواہب مراد ہیں، جب سالک خدا کے راستہ میں مجاہدہ کرتا ہے، تو وہ تفرقہ میں ہے، اور جب خدا کی عنایت اور مہربانی سے سرفراز ہوتا ہے، تو یہ جمع ہے، جمع میں بندہ جو کچھ سنتا ہے، وہ خدا سے وہ ... اگر کچھ دیکھتا ہے، تو خدا کو کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے، تو خدا سے، پس بندہ کی عزت اس میں ہے کہ وہ اپنے فعل کے وجود اور مجاہدہ کو خدا کی نوازشوں میں مستغرق پائے اور مجاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی کر دے، کیونکہ جب ہدایت غالب ہوتی ہے، تو کسب اور مجاہدہ بے کار ہیں، چنانچہ فرقہ سیاریہ کا مسلک ہے کہ تفرقہ اور

جمع اجتماع ضدین ہین جمع کا اظہار تفرقہ کی نفی پر ہے لیکن ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، اور دلیل یہ پیش کی ہے، کہ جس طرح آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہین ہوسکتی ہے، اسی طرح شریعت حقیقت سے اور مجاہدہ ہدایت سے علٰحدہ نہین ہوسکتا ہے، ممکن ہے کہ مجاہدہ کبھی مقدم ہو، اور کبھی موخر، مقدم کی حالت مین مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس وجہ سے کہ وہ غیبت کی حالت مین ہوتا ہے اور جب مجاہدہ موخر ہوتا ہے تو رنج و تکلف نہین ہوتی، کیونکہ یہ حالتِ حضوری مین ہوتا ہے، ہجویریؒ نے دونون کو لازم ملزوم اس لئے قرار دیا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ خدا کا قرب ہدایت سے حاصل ہوتا ہے، نہ کہ کوشش سے،

اس کے بعد ہجویریؒ نے جمع کی دو قسمین بتائی ہین (۱) جمع سلامت (۲) جمع تکسیر، جمع سلامت مین بندہ مغلوب الحال رہتا ہے لیکن خداوند تعالیٰ اس کا محافظ ہوتا ہے، اور اپنے حکم کی تعمیل کرانے مین نگاہ رکھتا ہے، مثلاً حضرت ابویزید بسطامیؒ، ابوبکر شبلیؒ اور ابوالحسن حصریؒ ہمیشہ مغلوب الحال رہتے تھے لیکن نماز کے وقت اپنے حال مین لوٹ جاتے تھے اور جب نماز پڑھ چکتے تھے، تو پھر مغلوب الحال ہوجاتے تھے،

جمع تکسیر مین بندہ خداوند تعالیٰ کے حکم سے بیہوش ہوجاتا ہے، اور اس کی حالت مجنونون کی سی ہوجاتی ہے، اسی لئے یہ معذور اور اول الذکر مشکور کہلاتے ہین، ہجویریؒ نے مشکور بندون کو زیادہ فوقیت دی ہے،

گیارہوان فرقہ حلولیہ ہے جو ابوحلمان دمشقی کی طرف منسوب ہے، بارہوین فرقہ کا نام نہین لیا ہے، مگر اس سلسلہ کے بانی کا نام فارس (یعنی فارس بن عیسیٰ بغدادی) بتایا ہے،

ہجویریؒ نے فرقۂ حلولیہ کو زندیق اور کافر کہا ہے .... خدائے تعالیٰ مین بندہ کی روح کا حلول کرنا محال ہے، کیونکہ روح حادث ہے قدیم نہین، اس کو خدا کی صفت بھی کہہ سکتے ہین .... خالق اور مخلوق کی صفت یکسان نہین ہوسکتی، پھر قدیم حادث اور خالق و مخلوق کی صفت کیونکر ایک دوسرے مین حلول کرسکتی ہے، روح محض ایک جسم لطیف ہے، جو خدا کے حکم سے قائم ہے، اور اسی کے حکم سے آتی جاتی ہے، اس لئے حلولیہ کا مسلک توحید اور دین کے خلاف ہے، جو کسی طرح تصوف نہین کہا جاسکتا ہے،

(باقی)

تصوّف اسلام

اسلامی تصوف کا عطار اور قدماء صوفیہ کی تصانیف پر تبصرہ، قیمت :- عہ

"منیجر"

"اقبال انا اور تخلیق"

از

جناب اسد ملتانی

حضرت علامہ اقبالؒ کے شعر و فلسفہ کے متعلق بہت کچھ لکھا جا رہا ہے، اور علمی نقطۂ نظر سے یہ ایک مبارک علامت ہو لیکن اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ یا تو ان کے متفرق اشعار کچھ کہیں سے اور کچھ کہیں سے لیکر چند تشریحی جملوں کے ذریعہ باہم مربوط کر دیے جاتے ہیں، اور اس طرح ایک خاصا دلچسپ مگر بالکل سطحی قسم کا ادبی مضمون تیار ہو جاتا ہے، اور یا پھر کوئی مقالہ نگار اپنے ذہن میں چند مخصوص فلسفیانہ نظریات جمع کر لیتا ہے، اور جہاں جہاں اُسے اقبال کے اشعار سے اُن نظریات کی تائید ہوتی نظر آتی ہے، وہاں اُن اشعار کو بے تکلف استعمال کرتا چلا جاتا ہے، اور اس طرح ایک اچھا خاصہ فلسفیانہ مقالہ لکھ ڈالتا ہے، ظاہر ہے کہ اقبال کے شعر و فلسفہ کی صحیح تفسیر نہ ایسے مضامین سے ہو سکتی ہے، اور نہ اس قسم کے فلسفیانہ مقالات سے، اندریں حالات کوئی ایسا مضمون دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے جس میں ذرا محنت و کاوش سے اقبال کے نظریات اور تعبیرات کی اصلی روح کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہو، چنانچہ اسی قسم کا ایک قابلِ قدر مقالہ تھا جو خواجہ عبدالحمید صاحب ایم اے لکچرر گورنمنٹ کالج لاہور کے قلم سے بہ عنوان "انا اور تخلیق" اقبال۔ نومبر اور دسمبر کے معارف میں شائع ہوا، جیسا کہ تمہیدی نوٹ میں بتایا گیا ہے کہ خواجہ صاحب نے "کل ہند فلاسفی کانگریس" کے اجلاس لاہور میں اس موضوع پر انگریزی زبان میں ایک لکچر دیا تھا، اس کا ملخص رسالہ وشوا بھارتی شانتی نکیتن کے دو نمبروں میں اشاعت پذیر ہوا، اور وہی معارف میں ایک تفصیلی مقالے کی صورت میں نکلا ہے،

اس مقالے کا پہلا حصہ اس لحاظ سے خاص طور پر جاذبِ توجہ ہے، کہ اس میں علامہ اقبالؒ کے "نظریۂ خودی" کو نہایت وضاحت سے پیش کیا گیا ہے، اور جہاں کہیں اس نظریہ اور بعض فلاسفۂ قدیم و جدید کے نظریات میں مماثلت نظر آئی ہے، وہاں اس بنیادی فرق کو نمایاں کیا گیا ہے، جو اس ظاہری مماثلت کے پردے میں پایا جاتا ہے، اس طرح جہاں فلسفہ میں اقبال کی مجتہدانہ حیثیت آشکارا ہو جاتی ہے، وہاں اُن

سطحی تبصرہ نگاروں کی بھی قلعی کھل جاتی ہے، جو ذرا سی ظاہر مماثلت کی بنا پر اقبال کے نظریہ کو بعض مغربی فلسفیوں کی خوشہ چینی سمجھنے لگتے ہیں، اسی طرح مقالے کا دوسرا حصہ بھی خوب ہے لیکن موضوع کو بہت پھیلا کر سمیٹنے کی کوشش میں بہت سی باتیں تشنہ، تشریح رہ گئی ہیں، بلکہ بعض مقامات پر تو غلط فہمیوں کا بھی احتمال پیدا ہو گیا ہے، چنانچہ ان کے متعلق معارف کی طرف سے اختتامی نوٹ میں مناسب طور پر اشارہ کر دیا گیا ہے، یہاں اس مقالے کے ان اختلافی پہلوؤں پر بحث کرنا مقصود نہیں لیکن اس میں اقبال کے چند اشعار کی جو انوکھی تاویل کی گئی ہے، اس پر اظہار خیال کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا،

زبور عجم میں ایک نظم ہے :-

این جہان چیست؟ صنم خانۂ پندار من است	جلوۂ او گرو دیدۂ بیدار من است
ہمہ آفاق کہ گیرم بہ نگاہے او را	حلقۂ ہست کہ از گردش پرکار من است
ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من	چہ زمان و چہ مکان شوخی افکار من است
از فسون کاری دل سیر سکون غیب و حضور	این کہ غماز و کشاینده اسرار من است
آن جہانے کہ در و کاشتہ رامی درند	نور و نارش ہمہ از سبحہ و زنار من است
ساز تقدیر م و صد نغمۂ پنہان دارم	ہر کجا زخمۂ اندیشہ رسد تار من است

اے من از فیض تو پاینده، نشان تو کجاست!
این دو گیتی اثر ماست، جہان تو کجاست!

تعجب کی بات ہے کہ اس نظم کے سمجھنے اور سمجھانے میں اکثر اربابِ فکر نے ٹھوکر کھائی ہے اور اس کے صاف اور سیدھے معانی بیان کر دینے کے بجائے خواہ مخواہ بے سر و پا توجیہوں اور دور از کار تاویلوں سے کام لیا ہے،

علامہ اقبال کی شاعری کے متعلق اردو میں جس قدر کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں ڈاکٹر یوسف حسین خان کی تصنیف "روحِ اقبال" غالباً سب سے نمایاں حیثیت رکھتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ مندرجۂ بالا نظم کے ساتھ اس کتاب میں بھی مناسب سلوک نہیں کیا گیا، محترم مصنف نے "شاعر اور عالمِ فطرت" کا عنوان دیکر پہلے یوں تمہید باندھی ہے،

"یہ جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا آرٹسٹ یا شاعر کے اندرونی جذبات و کیفیات کا تجزیہ تھا،

ان کی بدولت وہ اپنے دل کو کائنات سے متحد کر لیتا ہے، اس کے دل کی ہنگامہ زائیان شورش حیات کی ایک بولتی ہوئی تصویر بن جاتی ہیں، اس کا نغمہ زندگی کے زیر و بم میں توازن پیدا کرتا ہے، اور اس کے درد کی کسک کائنات کی روح کو تڑپا دیتی ہے، شاعر کے دل کی اندرونی دنیا کا حال ہم سن چکے، اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنے دل کی دنیا اور خارجی عالم میں کس طرح رشتہ جوڑتا ہے، وہ اپنے آرٹ کے ذریعہ فطرت سے تعلق پیدا کرتا اور اپنے نفس گرم سے اس میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے، وہ فطرت کی سرگوشیوں کو کہتا ہے، یا یوں کہئے کہ اپنے جذبات کو فطرت پر طاری کر دیتا ہے، فطرت جو بات ہلکا ہلکا کر اکھڑے اکھڑے طور پر کہتی ہے، اس کو وہ اپنی شدت احساس کی بدولت موزوں طریقے سے بیان کر دیتا ہے، وہ اپنے جذب دروں سے حقیقت درک میں گہرائی پیدا کر دیتا ہے، فطرت کے جلوؤں کی رنگا رنگی اور رعنائی آرٹسٹ کے دل میں جب اپنا عکس ڈالتی ہے، اور اس کے جذبات میں حل ہو کر اظہار چاہتی ہے، تو اس وقت دراصل وہ اپنے وجود کی غایت پوری کرتی ہے، فطرت کا کمال وجود یہ ہے کہ وہ اہل نظر کو اپنی طرف مائل کرے، اور اس کی مشہود بنے تاکہ وہ اپنے تاثر جمال کو اس کے توسط سے ظاہر کر سکے، فطرت اس وقت تک حسن سے عاری رہتی ہے، جب تک انسانی نظر اس میں جمال آفرینی نہ کرے، شفق کے منظر میں اسی وقت دل کشی آتی ہے، جب کوئی صاحب نظر اس کو دیکھ کر پکار اٹھتا ہے کہ وہ دیکھو کیا خوبصورت منظر ہے، فطرت کا وجود آرٹسٹ کا ممنون نظر ہوتا ہے، اقبال نے اس مضمون کو کیا خوب ادا کیا ہے،

جہان رنگ و بو گلدستۂ ما — ز ما آزاد و ہم وابستۂ ما
خودی اور ابہ یک تار نگہ بست — زمین و آسمان و مہر و مہ بست
دل ما را بہ او پوشیدہ راہے است — کہ ہر موجود ممنون نگاہے است
گر او را کس نہ بیند زار گردد — اگر بیند یم و کسار گردد
جہان غیر از تجلی ہائے ما نیست — کہ بے ما جلوۂ نور و صدا نیست

(روح اقبال ص ۲۹-۳۰)

اور اس کے بعد نظم مذکور کے معانی کی طرف ان الفاظ میں رہنمائی کی ہے :-

" فطرت کے بے معنی طومار میں آرٹسٹ کی نظر نظم و معنی پیدا کرتی ہے، آرٹسٹ فطرت کے تضادوں اور غیر ضروری تفصیلات کو الگ کرکے اُن میں ربط قائم کر دیتا ہے، وہ جب اپنے تصورات میں ربط و نظم پیدا کرنا چاہتا ہے، تو عالم کو بھی اپنے ذہنی ربط و نظم سے وابستہ کر لیتا ہے، وہ ایک ایک کرکے ان سب رکاوٹوں کو دور کر دیتا ہے جو فطرت کے اظہار میں مانع آتی ہیں، اور اس کی راہ میں سنگِ گراں بنکر کھڑی ہوتی ہیں، وہ حقیقت کو آزاد کرتا، اور اس میں اپنی شوخیِ فکر سے نزاکت پیدا کر دیتا ہے، فطرت کے جلوؤں کی بوقلمونی اس کے دیدۂ بیدار کی رہینِ منت ہے، بغیر اس کے دستِ فطرت کی خانہ بدوشی کرنے والا کوئی نہیں، زمان و مکان بھی اس کی شوخیِ فکر کے آئینہ دار ہیں،

این جہان چیست؟ صنم خانۂ پندار من است	جلوۂ او گرو دیدۂ بیدار من است
ہمہ آفاق کہ گیرم بنگاہے اُورا	حلقۂ ہست کہ از گردشِ پرکار من است
ہستی و نیستی از دیدنِ نادیدنِ من	چہ زمان و چہ مکان شوخیِ افکار من است

(روح اقبال۔ ص ۳۰-۳۱)

اس کے برعکس خواجہ عبدالحمید صاحب پیشِ نظر مقالے میں اس طرح رقمطراز ہیں :-

انا جب اپنی خودی سے آگاہ ہوتا ہے، یا یوں کہئے کہ انا نے جب اپنی خودی کی تعمیر کر لی تو وہ اپنے سامنے نئی دنیائیں کھلتی دیکھتا ہے، اس کا پہلا ماحول اس کے لئے تنگ ہو جاتا ہے، (شایانِ جنون من پہنائے دو گیتی نیست) اس کی نظر زیادہ جسور اور شوخ، اس کی امنگ بے قید، اس کا باز وہمہ گیر اور اس کی گرفت مضبوط تر ہو جاتی ہے، نگاہ مایہ گریبانِ کہکشاں اُفتد، ایسا انا اپنے تخلیقی جوش سے سرشار و مجبور ہو کر بول اٹھتا ہے، ؎

این جہان چیست؟ صنم خانۂ پندار من است	جلوۂ او گرو دیدۂ بیدار من است
ہستی و نیستی از دیدن و نادیدنِ من	چہ زمان و چہ مکان شوخیِ افکار من است

کیا یہ دعوی مجذوب کی بڑ یا مبنی بر حقیقت ہے؟ شاعر کا مبالغہ ہے یا امر واقعہ کا اقرار؟ یہ بحث طلب ہے۔

اقبال مبالغہ کا قائل نہیں ہے، اس لئے اس کے منشا، کی صحیح تعیین کے لئے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان (اور ایسے دوسرے اشعار میں) من و ما سے کیا مراد لیتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ "من و ما" فرد ہے لیکن صوفیہ اور حکما، کا ایک گروہ ایسا گذرا ہے جن کی تعلیم یہ تھی، کہ یہ من درحقیقت بشری انا نہیں ہے، بلکہ اس کی وہ حالت ہے، جب وہ اپنی معراج پر پہنچ کر انائے کبیر میں مل جاتا ہے، اقبال کی تعلیمات سے اس عقیدہ کی تائید نہیں ہوتی، لیکن ایک دوسرا گروہ ہے، جن سے (کم از کم اس اہم امر میں) اقبال متفق نظر آتا ہے، انا کی معراج یہ نہیں ہے، کہ وہ انائے کبیر میں ضم ہو جائے، بلکہ وہ اس سے اس طرح سیراب اور فیضیاب ہوتا ہے، کہ انائے کبیر کی تخلیقی فعلیت کمال جوش و خروش سے اس میں جاری و ساری ہو جاتی ہے" (معارف نومبر ۴۴ء)

اور کچھ تمثیل و تشریح کے بعد بالآخر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں :-

"الغرض اقبال کے نزدیک انا ہر حالت میں فرد ہے، اور جب یہ فرد انا اقبال کی زبان سے پکارتا ہے کہ

ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من چہ زمان و چہ مکان شوخی افکار من است

تو ہمیں یہ اجازت نہیں ہے کہ ہم اس دعوی کی محض داخلی تاویل کریں، بلکہ صحیح تاویل یہ ہے کہ بشری انا ارتقا، کے اس درجے تک پہنچ گیا ہے، کہ جو کچھ وہ دیکھتا ہے، انائے کبیر کی نظر سے دیکھتا ہے، یا یوں سمجھئے کہ کم از کم ایک خاص لمحے کے لئے انائے کبیر کی ہمہ گیر نظر اسے مستعار مل گئی ہے، اور وہ سب قیود سے بالاتر ہو کر ہر چیز کو وسیع امکانی اور اضافی نظر سے نہیں بلکہ اسی مطلق نظر سے دیکھتا ہے، جو انائے کبیر سے مخصوص ہے....."

(معارف دسمبر ۴۴ء)

گویا ایک کے نزدیک آرٹسٹ عالم فطرت کی بے ترتیبی میں اپنے تخیل سے نظم و ترتیب پیدا کرنے کی کوشش کرتا اور اس بنا پر کائنات کو اپنی تخلیق سمجھنے لگتا ہے، دوسرے کے نزدیک کائنات کا یہ تصور انسان کی طاقت ہی سے باہر ہے، اور اس کا احساس اسے صرف اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب وہ اپنی نہیں بلکہ انائے کبیر کی نظر سے دیکھتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ دونوں تشریحیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہیں

لہذا دونوں تو صحیح ہو نہیں سکتیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دو میں سے کون سی شرح صحیح ہے،

جہاں تک میں نے غور کیا ہے یہ دونوں شرحیں حقیقت سے بہت دور ہیں، اور غلط فہمی کا باعث ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے، کہ پوری نظم بالخصوص آخری شعر کو مد نظر نہیں رکھا گیا، اور دوسرے یہ کہ اشعار کو کائنات کی تخلیق سے متعلق سمجھا گیا ہے، حالانکہ یہ محض ادراک و مشاہدہ سے تعلق رکھتے ہیں، پوری نظم کو سامنے رکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ نظم نہ شاعرانہ تخیل کا نتیجہ ہے، اور نہ خدائی نقطۂ نظر کی ترجمانی، بلکہ انسان اور محض انسان کے مطالعۂ کائنات پر مبنی ہے، یہ دعوے نہ مجذوب کی بڑ ہے، نہ شاعر کا مبالغہ بلکہ امر واقعہ ہے اور عین حقیقت، ان اشعار میں "من و ما" سے کوئی فوق البشر یا غیر معمولی انا نہیں، بلکہ انسان اور مطلق انسان مراد ہے، جو حواس خمسہ کے ذریعہ اس مادی دنیا کو محسوس کرتا، اور ذہنی طور پر اس دنیا کے مقابلے میں ایک عقبیٰ کا تصور کر سکتا ہے، اس نظم کے پہلے تین شعر "این جہان" یعنی اسی مادی دنیا کے متعلق ہیں، پانچواں، اور چھٹا شعر "آن جہان" یعنی عقبیٰ کے بارے میں ہے اور چوتھا شعر دونوں جہان پر حاوی ہے، آخری شعر کا استفہام پوری نظم کی جان ہے، اور ایسا سوال جس کے اندر جواب بھی پوشیدہ ہے،

اب آیئے ذرا دیکھیں کہ اقبال نے اس جہان کو اپنے پندار کا صنم خانہ کیوں کہا ہے، بات یہ ہے کہ اس مادی دنیا کا علم ہمیں اپنے حواس خمسہ کے ذریعہ ہوتا ہے، شروع شروع میں تو ماہرین طبیعیات نے اپنے معلومات کے گھمنڈ میں یہی خیال کیا، کہ بس کل کائنات یہی ہے جس کا پتہ ہمارے حواس خمسہ دے رہے ہیں، اس پر ادھیں ایک طرح کی ہمہ دانی کا احساس ہونے لگا، اور اسی سبب سے مادیت کو خاص فروغ حاصل ہوا، لیکن جوں جوں تحقیق کا دائرہ وسیع ہوتا گیا، بجلی کی رو، مختلف قسم کی شعاعوں اور ریڈیو کی لہروں جیسی چیزوں کا انکشاف ہوا، تو اہل سائنس کا نقطۂ نظر بدلنے لگا، اب انھیں اس بات کا یقین نہ رہا کہ کائنات صرف انہی اشیاء پر مشتمل ہے جن کا علم ہمیں حواس خمسہ کے ذریعہ ہوتا ہے، جب ہمیں اپنے گرد و پیش کی بعض چیزوں کا علم اتنے عرصہ کے بعد ہوا تو کیا عجب ہے کہ یہاں اور بھی بہت سی چیزیں ایسی موجود ہوں جن کا انکشاف ہماری مزید علمی ترقی کا منتظر ہو، اس انداز خیال نے مادیت کو بہت جلد لاادریت کی منزل میں پہنچا دیا، اب کوئی اہل علم بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے حواس خمسہ تمام موجودات عالم کا ادراک کر سکتے ہیں، علاوہ ازیں حواس خمسہ میں سے ہر ایک کا دائرۂ علم بالکل الگ ہے، آنکھ کسی آواز کو سن نہیں سکتی، اور کان کسی روشنی کو دیکھ نہیں سکتے، ظاہر ہے کہ اگر بنی نوع انسان کے کسی ایک حاسہ کی قوت سلب کر لی جائے تو کائنات کا

ایک جزو انسان کے دائرۂ علم سے خارج ہو جائے گا، اور اگر ان پانچ حواس پر کسی اور حاسہ کا اضافہ کر دیا جائے تو معلومات کا ایک نیا باب کھل جائے گا گویا موجودہ صورت میں ہمارے معلومات کی دنیا انہی حواس خمسہ کے دائرہ کے اندر محصور ہے،

پھر یہ حواس بھی اپنی اپنی جگہ بالکل محدود ہیں، مثلاً قوت سامعہ کے ذریعے ہم طرح طرح کی آوازیں سن سکتے ہیں لیکن ہم جانتے ہیں، کہ اس قوت کا دارومدار ہمارے پردۂ گوش کی مخصوص ساخت پر ہے، جو اوازوں کی لہروں سے متاثر ہو کر ان کے احساس کو ہمارے دماغ تک پہنچا دیتی ہے، آواز کی لہریں کچھ تو اتنی شدید ہوتی ہیں، کہ ان کی ضرب سے کان کا پردہ پھٹ سکتا ہے ایسی لہروں کی چوٹ ہم برداشت نہیں کر سکتے، اور جہاں ان کا احتمال ہوتا ہے ہم فوراً اپنے کانوں میں انگلی یا روئی دے لیتے ہیں، اسی طرح دوسری جانب آواز ہلکی ہوتی جائے اور آخر ایک ایسی حد آجاتی ہے، کہ اسکے بعد کان کا پردہ ان لہروں سے اثر پذیر نہیں ہو سکتا یعنی ہم اس آواز کو نہیں سن سکتے، گویا انسان کے کان میں سننے کی طاقت کی ایک حد بندی کر دی گئی ہے، کہ ایک طرف تو وہ مقررہ معیار سے بلند آواز نہیں سن سکتا، اور دوسری جانب مقررہ معیار سے باریک آواز سننے سے قاصر ہے یعنی اس کائنات کی بے شمار آوازوں میں سے صرف ایک محدود اندازے کی آوازیں انسان کے علم میں آسکتی ہیں، انسان شاید اپنے خیال میں یہی سمجھ لیتا، کہ کائنات کی تمام آوازیں ہیں ہی اتنی، لیکن مشکل یہ ہے کہ خود عقل انسانی نے بعض ایسے ذکی الحس آلات ایجاد کر لئے ہیں، جن سے ایسی آوازیں سنی جا سکتی ہیں جو ویسے پردۂ گوش کی گرفت میں نہیں آسکتیں،

علیٰ ہذا القیاس انسان کی نگاہ کی بھی حد بندی کر دی گئی ہے، چنانچہ خوردبین اور دوربین کی ایجاد نے ثابت کر دیا ہے، کہ زمین اور آسمان میں بے اندازہ ایسے اجسام موجود ہیں، جو ان آلات کی مدد کے بغیر آنکھوں کو نظر نہیں آسکتے، اس سلسلہ میں مطلب کو واضح کرنے کے لئے صرف ایک مثال کافی ہو گی، سورج کی سفید روشنی جب منشور شکل سے گذرتی ہے، تو قوس قزح کے سات رنگوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، یہ سات رنگ آنکھوں سے دیکھے جا سکتے ہیں، اور اسی بنا پر ایک عرصہ تک یہی خیال قائم رہا کہ سورج کی روشنی سات رنگوں سے مل کر بنی ہے، لیکن بعد کے تجربات نے روشن کر دیا کہ ان سات رنگوں کے علاوہ دو رنگ (الٹراوائلٹ اور انفراریڈ) اور بھی پیدا ہوتے ہیں، جو یوں تو بالکل نظر نہیں آتے، لیکن خاص قسم کی تیار شدہ لوحوں پر صاف دکھائی دیتے ہیں، ان تجربات نے اب سابقہ یقین کو شبہہ سے بدل دیا ہے، کہ سورج کی روشنی سے ان

نور رنگوں کے علاوہ شاید کچھ اور رنگ بھی پیدا ہوتے ہوں جن کا علم مزید آلات کی ایجاد کے بعد ہو سکے، بہر کیف جس طرح ہماری قوتِ سامعہ محدود آوازیں سن سکتی ہے، اسی طرح ہماری قوتِ باصرہ بھی محدود اشیاء کو دیکھ سکتی ہے، اور کم و بیش یہی حال باقی حواس کا ہے،

ان حالات میں صاف ظاہر ہے کہ خداوند تعالیٰ کی تخلیق کی ہوئی پوری کائنات کا علم ہمارے حیطۂ ادراک سے باہر ہے، ہمارے حواس اس کائنات کے ایک محدود جزو کو محسوس کر سکتے ہیں، اور اسی کو ہم عالم یا جہان سمجھتے ہیں، دوسرے الفاظ میں جس کو ہم جہان کہتے ہیں، وہ خدا کی تمام و کمال کائنات نہیں، بلکہ اس کا ایک محدود جزو ہے جس کے وجود کا علم ہمیں اپنے مخصوص حواس خمسہ کے ذریعہ ہوتا ہے، ایسی حالت میں کیا یہ دعویٰ بالکل امر واقعہ نہیں، کہ یہ جہان ہمارے ہی خیال کا تجانہ ہے، کیونکہ اس کا جلوہ ہمارے دیدۂ بینا پر منحصر ہے، ہم جب بھی کائنات پر نظر ڈالتے ہیں، تو اپنے آپ کو مرکز قرار دے کر ظاہری و باطنی حدِ نگاہ تک ایک دائرہ کھینچ لیتے ہیں، اور اپنے پرکار کے اس حلقے کو "جہان" سمجھتے ہیں، گویا جو کچھ ہمیں نظر آتا، یا حواسِ خمسہ کے ذریعہ محسوس ہوتا ہے، اُسے ہم "ہست" جانتے ہیں، اور جو کچھ ہمیں نہ نظر آتا ہے، اور نہ حواس کے ذریعہ محسوس ہوتا ہے، اسے ہم "نیست" ٹھہراتے ہیں، یہ تو ہوا مادی دنیا کے متعلق ہمارا احساس، اس کے ساتھ ہی ہمیں زمان اور مکان کا جو تصور ہوتا ہے، وہ ہمارے افکار کی شوخی کے سوا کچھ نہیں، اسی طرح سیر و سکون اور غیب و حضور بھی ہمارے اس دل کی فسون کاری کا نتیجہ ہیں، جو ہمارے بھید دن کا کھولنے والا ہے، غرضیکہ نہ صرف یہ مادی کائنات ہمارے حواس و تخیل کی رہینِ منت ہے، بلکہ زمان ہماری فکر کی شوخی اور غیب ہمارے دل کی فسون کاری کا نتیجہ ہونے کے باعث دوسرا جہان بھی ہمارے حواسِ باطنی کا ممنون ہے، چونکہ اس جہان کا بویا ہوا اُس جہان میں کاٹا جاتا ہے، اس لئے اس جہان کے نور و نار بھی ہمارے اسی جہان کے کفر و ایمان کا حاصل ہیں، مختصر یہ کہ ہم تقدیر کے ساز ہیں، اور ہمارے اندر سیکڑوں نغمے چھپے ہوئے ہیں، جہاں کہیں بھی خیال کا مضراب پہنچ سکتا ہے، وہاں ہمارا ہی تار موجود ہوتا ہے،

گلشنِ رازِ جدید کے وہ چند اشعار بھی جو "روحِ اقبال" کے محولۂ بالا ٹکڑے میں پیش کئے گئے ہیں صاف طور پر اسی تشریح کی تائید کرتے ہیں کہ یہ جہانِ رنگ و بو ہمارا گلدستہ ہے، بلحاظ بے جان اور بے حس ہونے کے ہم میں سے بالکل الگ ہے لیکن ہمارے مدرکات کا نتیجہ ہونے کے باعث ہم سے وابستہ ہے، ہماری خودی نے اُسے ایک تارِ نگاہ کے ساتھ باندھ دیا ہے اور اس طرح زمین و آسمان، چاند اور سورج کی صورت بندی

کر دی ہے، ہمارے دل کو اُس کے ساتھ ایک پوشیدہ تعلق ہے، کیونکہ ہر "موجود" کسی نگاہ کا ممنون ہوتا ہے، اگر کوئی نہ دیکھے تو اس کا عدم و وجود برابر ہو جائے، اگر دیکھے تو کہین دریا اور کہین پہاڑ کی صورت اختیار کر لیتا ہے، یہ جہان ہماری تجلیات کے سوا کچھ نہین، کیونکہ ہمارے بغیر نہ روشنی کا جلوہ ہے، نہ آواز کا،

یہان تک تو اقبال نے اس حقیقت کی ترجمانی کی ہے، کہ یہ دونون جہان ہمارے ادراک و تخیل کا نتیجہ ہین، اب اس تمہید کے بعد خالق کون و مکان کو مخاطب کر کے سوال کیا ہے کہ تیرا نشان کہان ہے؟ جب یہ دونون جہان ہمارے آثار ہین، تو تیرا جہان کونسا ہے؟ سوال نہایت نازک ہے، کیونکہ واقعی جو کائنات ہمارے ہی خیال کا نتیجہ نہ ہو، اس کے مطالعہ سے تو ہمین خود اپنی ذات کا پتہ چلے گا، ایسی محدود کائنات مین خدا کا نشان کیونکر مل سکتا ہے، لیکن شاعر نے بکمال حکمت اسی سوال مین "اے من از تو پایندہ" کا ٹکڑا رکھ کر انسان اور خدا کے تعلق کی طرف بلیغ اشارہ کر دیا ہے، یعنی انسان نے یہ پہلے ہی بے ساختہ طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ میرا وجود خدا کے فیض سے قائم ہے، یہ مان لینے کے بعد انسان کے فکر و خیال کے پیدا کردہ جہان بھی بالواسطہ خدا ہی کے فیض کا نتیجہ ثابت ہوتے ہین، لیکن شاعر کا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ خدا کو اس مادی کائنات کے اندر تلاش کرنا بے حاصل ہے، کیونکہ یہ مادی کائنات ہمارے ہی پندار کا صنم خانہ ہے، اس مادی کائنات سے تو انسان کے وجود کا پتہ چلتا ہے، ہان جب انسان اپنے نفس کا مطالعہ کرے تو یہان سے اُسے خدا کا سُراغ مل سکتا ہے، گویا یہ کائنات تو انسان کا جہان ہے، اور انسان کی خودی کا عالم خدا کا جہان، اس مضمون کو اقبال نے بہت سے مقامات پر مختلف انداز سے ادا کیا ہے، مثلاً ایک جگہ فرماتے ہین،

ز انجم تا بہ انجم صد جہان بود — خرد ہر جا کہ پرزد آسمان بود
ولیکن چون بہ خود نگریستم من — کران بیکران در من نہان بود

ذیل کے شعر مین تو مضمون کو اس قدر واضح کر دیا ہے کہ شبہہ و تاویل کی گنجایش ہی باقی نہین رہتی، انسان کائنات کو مخاطب کر کے پوچھتا ہے:-

عالم آب و خاک و باد! سر عیان ہے تو کہ مین
وہ جو نظر سے ہے نہان اس کا جہان ہے تو کہ مین

استفسار و جواب

"ختم رسالت"

جناب سید حسن امام صاحب حسین منزل گیا، } "برادرم (آنریبل) سید حسین امام سے ان کے ایک بی۔ ایس سی، زنانہ دار ہمسفر نے سوال کیا کہ "لکن رَسُول اللہ وَخَاتَمَ النَّبِیّن" سے نبوت کی خاتمیت تو ثابت ہو جاتی ہے لیکن اس سے رسالت کا ختم ہونا کہاں ثابت ہوتا ہے؟ اس کا جواب مطلوب ہے، بعد میں معلوم ہوا کہ ان کے وہ ہمسفر نہ ہیں بھائی تھے"

معارف:- پہلے "بی ایس سی زنانہ دار ہمسفر" سے پوچھنا تھا کہ وہ رسالت کے معنی کیا سمجھتے ہیں جو "رسالت" و "نبوت" میں فرق کرتے ہیں، قرآن مجید کے رو سے "رسول" مرسل" اور "ارسال" کے الفاظ رسالت و نبوت کے معنی میں خاص نہیں ہیں، بلکہ ان کا استعمال عموماً پیغامبری کے معنی میں آیا ہے، اور اسی لحاظ سے ملائکہ کو بھی رسول سے موسوم کیا گیا ہے، اسی طرح ارسال کا لفظ اچھوں اور بروں سب کے لئے بلا تخصیص استعمال کیا گیا ہے، اس لئے نفس رسالت کی خاتمیت کے متعلق سوال ہی سرے سے صحیح نہیں، قرآن مجید کے رو سے رسالت کے ان معانی کا اندازہ ذیل کی چند آیات پاک سے ہو سکتا ہے، فرمایا:-

۱- بلیٰ ورُسُلُنا لدیھم یکتبون (زخرف ع - ۷)	ہاں (ہم سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس ہیں، وہ بھی لکھتے ہیں،
۲- فلما جاءہ الرسول (یوسف ع)	پھر جب ان کے پاس وہ قاصد پہنچا،
۳- ان رسلنا یکتبون ما تمکرون (یونس - ۳)	بالیقین فرشتے تمہاری سب شرارتوں کو لکھ رہے ہیں،
۴- قال فما خطبکم ایھا المرسلون ؑ	فرمانے لگے اب تم کو کیا مہم درپیش ہے اے فرشتو،

۵- انّہ لقول رسول کریم، (تکویر ع - ۱) — یہ قرآن کلام ہے، ایک معزز فرشتہ کا لایا ہوا،

۶- انا رسل ربک، (ھود - ع - ۷) — ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں،

۷- الم ترانا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین، (مریم ع -) — کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم نے شیاطین کو کفار پر چھوڑ رکھا ہے،

۸- جاعل الملائکۃ رسلاً (فاطر ع - ۱) — جو فرشتوں کو پیغام رسان بنانے والا ہے،

پیغام رسان اور ملائکہ کے معنی میں عمومی استعمال کے علاوہ مرسل کا لفظ بعض جگہ "ممسک" کے بالمقابل استعمال کیا گیا ہے، ارشاد ہے،

۹- ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ، (فاطر ع - ۱) — اللہ تعالیٰ جو رحمت لوگوں کے لئے کھول دے تو اس کا کوئی بند کرنے والا نہیں، اور جس کو بند کر دے، تو اس کے بعد اس کا کوئی جاری کرنے والا نہیں،

آیاتِ بالا سے اندازہ ہوگا کہ لفظ رسول و مرسل وغیرہ کی حیثیت عمومی ہے، یہ لفظ خاص نبی کے معنی کے لئے مختص نہیں، بلکہ جیسے عام معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اسی طرح منصب نبوت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے،

اس کے برخلاف "النبی" کا لفظ خاص اس ذات گرامی کے لئے قرآن مجید میں آیا ہے جس کو منصب نبوت پر سرفراز کیا گیا ہو، قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال بجز نبی کی ذات گرامی کے کسی اور معنی میں نہیں آیا ہے، اس لئے دراصل منصب "منصب نبوت" ہے، نہ کہ "منصب رسالت" جس کے ذاتی اوصاف کی تعیین و توصیف و تحدید آئی ہو،

اس لئے جب رسالت کا لفظ "منصب نبوت" کے معنی میں بولا جائے گا، تو قدرتی طور پر نبوت کے منصب کی خاتمیت کے ساتھ اس معنی کی رسالت کی خاتمیت کے بھی سمجھے جائیں گے، اسی وجہ سے قرآن مجید میں کسی موقع پر نبی کی تبیین و تخصیص رسول سے نہیں کی گئی، بلکہ ہر جگہ "رسول" کی تبیین و تخصیص "نبی" سے کی گئی ہے، ارشاد ہوا :-

وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا، اور بھیجے ہوئے نبی تھے،

(مریم ع ۴)

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ۔ (اعراف ع ۱۹) جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں،

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ (اعراف ع ۲۰) تو اللہ پر اور اس کے رسول "نبی امی" پر ایمان لاؤ،

اسی طرح فرمایا،

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب ع ۵) لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں،

اس لئے جب "منصب نبوت" کی خاتمیت کا ثبوت "خاتم النبیین" سے ہو گیا، تو اس "رسالت" کی خاتمیت آپ سے آپ ہو گئی، جو "منصب نبوت" کے لئے تھی، اور اس خاص رسالت کے ختم ہونے کا سوال علیحدہ سے پیدا نہیں ہو گا،

بانی عمومی ارسال" یا رسل کا عالم بالا سے عالم دنیا پر آنا تو یہ آج بھی جاری ہے، ملائکہ بھی رسول کہے گئے ہیں، وہ عالم بالا سے عالم دنیا میں آیا جایا کرتے ہیں، اور بے شمار انعامات الٰہیہ کے ارسال کا سلسلہ ہر لمحہ و ہر آن جاری ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا، اس لئے عمومی معنی میں رسول، رسُل، مُرسِل، مرسل علیہ" اب بھی ہیں، اور تا قیامت رہیں گے لیکن اگر رسول بمعنی نبی لئے جائیں گے، تو منصب نبوت کا خاتمہ ہو چکا، اس خاتمیت کے بعد اب اس منصب کے معنی میں لفظ "رسول" کا اطلاق کسی نئے مدعی کے لئے صحیح نہیں ہو سکتا، کہ منصب نبوت کے خاتمہ کے ساتھ منصب رسالت (بمعنی نبوت) کا خاتمہ آپ سے آپ ہو چکا، اور "خاتم النبیین" ہی سے اس رسالت کی خاتمیت پر بھی مہر لگ چکی ہے،

یہ خیال شریف میں رہے کہ یہ جو کچھ عرض کیا گیا محض قرآن مجید کی آیات کریمہ کی روشنی میں کیا گیا ہے لیکن اگر آپ انہیں ان اصطلاحوں کے ذریعہ سمجھنا چاہیں، جو رسول و نبی کے معنی کے لئے بعد میں اختیار کی گئی ہیں تو اس لحاظ سے بھی لفظ نبی میں عموم اور لفظ رسول میں خصوص پایا جاتا ہے، اور عموم کی خاتمیت خصوص کی خاتمیت کو آپ سے آپ مستلزم ہوتی ہے، رسول وہ ہے جو صاحب کتاب یا صاحب شریعت جدید ہو، یا قدیم شریعت کو

کسی جدید قوم مین لایا ہو، اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو، اور ان قیود سے مقید ہو یا نہ ہو، دوسرے لفظون مین یون کہہ سکتے ہین، کہ ہر رسول جو منصب نبوت پر آئے، وہ نبی بھی ہو، یا نبی صرف نبی ہو، اس کو کوئی کتاب یا شریعت نہین ملی ہو، اس لئے جب عموم منصب نبوت کی خاتمیت علی الاطلاق ہوگئی، تو خصوص (رسالت) کا ختم اسی عموم (نبوت) کے تحت بھی ہوگیا اس لئے اس آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین مین رسول و نبی کے ان اصطلاحی معانی کے لحاظ سے پہلے لفظ خاص (رسول) پھر لفظ عام (نبی) لایا گیا ہے، اس موقع پر کلام عرب کا جنھین مذاق ہے، وہ اس کو بآسانی سمجھ سکتے ہین کہ اگر رسول و نبی مین معنیً مساوات ہوتی، تو اس محل پر "لظاہر" کے بجائے "ارجاع ضمیر" سے کام لیا جاتا، لیکن ارجاع ضمیر کے بجائے "خاتم النبیین" اسی لئے کہا گیا کہ ہر قسم کی نبوت کا خواہ وہ تشریعی ہو، یا غیر تشریعی، کلیتہً خاتمہ ہو جائے، اور جھوٹے نبیون کے لئے ادعاے نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے، "والسّلام" "س"

شجر ممنوعہ

مولوی ابو النور محمد فاضل صاحب مدرس اسلامیہ ہائی اسکول کوہاٹ (سرحد) } "مین آپ کی توجہ سیرۃ النبی جلد چہارم ص ۵، ۵ و ۶، ۵ (تقطیع کلان) کی طرف دلانا چاہتا ہون جہان آپ نے توریت کے تتبع مین لکھا ہے، کہ شجرۂ ممنوعہ نیک و بد کی شناخت کا درخت تھا اور اس کے کھانے سے ان کو اپنی برہنگی کا علم ہوا، (یعنی وہ برہنہ تھے، لیکن جانتے نہ تھے) قرآن مجید اس کے خلاف ہے :-

عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ (ای اسمیات) کلّھا مین تمیز نیک و بد شامل ہے، مندرجۂ ذیل آیات دال ہین، کہ وہ برہنہ نہ تھے،

۱- ینزع عنھما لباسھما لیریھما سواتھما (اعراف ۲-۳)	ان کا لباس بھی ان سے اتروادیا، تاکہ ان کو ان کے پردہ کا بدن دکھائی دیئے،
۲- فاکلا منھا فبدت لھما سواتھما (طٰہٰ ،)	پس دونون نے اس درخت سے کھالیا تو ان دونون کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے،

۳- اَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ (طٰہٰ ۷) تم نہ کبھی بھوکے رہوگے اور نہ ننگے ہوگے،

زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں امید ہے کہ آپ اس کے متعلق غور فرمادین گے،

والسّلام

معارف :- شجر ممنوعہ کو "نیک و بد کی شناخت کا درخت" توراۃ کے تتبع مین نہین کہا گیا، بلکہ اس آیت پاک سے اس کا اشارہ سمجھا گیا ہے، جس مین شیطان نے اس درخت کے پھل کو یہ کہہ کر حضرت آدم علیہ السلام کو کھلایا، کہ یہ حیات جاوید اور ملک جاودانی کا درخت ہے اور اس درخت کا پھل کھاتے ہی جو نتیجہ ظاہر ہوا وہ انھین "برہنگی کے علم" کا حاصل ہونا ہے، ارشاد فرمایا:-

فوسوس اليه الشيطان قال	پھر ان کو شیطان نے بہکایا کہنے لگا اے
يا آدم هل ادلك على شجرة الخلد	آدم کیا مین تم کو حیات جاودانی اور
وملك لا يبلى فاكلا منها فبدت	غیر فانی بادشاہی کا درخت بتلاؤن
لهما سوآتهما،	تو دونون نے اس درخت کا پھل کھایا
(طٰہٰ - ۷)	تو ان کی بری چیزین ان پر کھل گئین،

یہ دوسری بات ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت پاک سے جو اشارہ سمجھا گیا، اس کی تصریح توراۃ مین آئی ہے، پھر اس کو بھی ذہن مین رکھنا چاہئے کہ "تن پوشی" اور "برہنگی" اسماء نہین، بلکہ صفات و کیفیات ہین اس لئے اس درخت کا پھل کھانے کے بعد نیک و بد کی تمیز کا پیدا ہونا عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا کے منافی نہین ہے،

سیرت مین اس موقع کی جو عبارت ہے، اس کا یہ مفہوم نہین کہ "حضرت آدم علیہ السلام پہلے سے برہنہ تھے لیکن جانتے نہ تھے"، اس پھل کے کھانے کے بعد انہین اس کا علم ہوسکا، اور اس طرح سورۂ اعراف و طٰہٰ کی وہ آیتین جن کو مکتوب مین نقل کیا گیا ہے اس کے منافی ثابت ہون، بلکہ اس موقع پر مرتب سیرۃ کا مسلک بھی یہی ہے، جو عام مفسرین و سلف صالحین کا ہے، کہ ان کے جسم نورانی لباس سے ڈھکے ہوئے تھے، لیکن ان تفصیلات کے ذکر کا یہان موقع نہ تھا، یہان مرتب سیرۃ کو صرف یہ دکھانا مقصود ہے، کہ چونکہ اس درخت کا پھل کھانے کے بعد ان کے جسم پر برہنگی طاری ہوئی، اور انھین تن پوشی اور برہنگی مین تمیز کرنے کا موقع مل سکا، اس لئے اگر اس درخت کو نیک و بد کی شناخت کا درخت سمجھا جائے، تو اس کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت پاک کے اشارہ اور توراۃ کے بیان کی تصریح سے ہوتی ہے، اور چونکہ نیک و بد کی تمیز ہی پر

انسان کی شرعی تکلیف اور مواخذہ کی بنیاد ہے، اس لئے اس خیر و شر کی معرفت کا لازمی نتیجہ شریعت کی تکلیف تھی، جو انسان کے سر ڈالی گئی، اور یہ مصلحت الٰہی پوری ہوئی کہ انسان حیاتِ جاوید اور غیر فانی بادشاہی کو اپنی محنت، جد و جہد اور سعی و عمل سے حاصل کرے، اور اپنی فانی زندگی کی سعی و عمل سے آسمانی بادشاہی کی لافنا دال دولت پالے، اور یہ وہی "حیاتِ جاوید و ملک جاوید انی" ہے جس کو شیطان نے حضرت آدمؑ کو بلا سعی و محنت محض بخت و اتفاق سے حاصل کر لینے کی ترغیب دی تھی، اس موقع پر مرتب سیرت کا موضوع سخن ان حقائق کا بیان کرنا ہے، نہ کہ حضرت آدمؑ کا جنت مین جانا اور وہان مختلف واقعات کا پیش آنا، موضوع سخن کے اس فرق کو پیش نگاہ رکھین، تو یہ شبہات دور ہو جائین گے، چنانچہ اسی سلسلۂ بیان مین آگے چل کر سیرت مین مذکور ہے:

"آدم اس جنت سے نکلے تو ان کو بھوک بھی لگی، اور ننگے بھی ہوئے، پیاس بھی ان کو معلوم ہوئی، اور دھوپ کی تپش کی بھی تکلیف ہوئی، اور زمین مین آکر انھی چار چیزون کی مشقت مین گرفتار ہوئے، کھانا، پینا، پہننا، رہنا" (ج ۴ ص ۵۷۸)

اس سے معلوم ہوا کہ جنت مین وہ لباس سے ملبوس تھے، ننگے ہونے اور پہننے کی ضرورت کے پیش آنے کا سابقہ انھین جنت سے نکلنے کے بعد ہوا، لیکن جنت مین انھین اپنی تن پوشی کا احساس اسی طرح سے نہین تھا جیسے ماں کی گود کے بچے لباس مین ملبوس ہونے کے باوجود اس سے بے خبر ہوتے ہین اور جس طرح بچون کو شعور کے حاصل ہونیکے بعد اپنی تن پوشی یا برہنگی کا احساس ہوتا ہے، اسی طرح حضرت آدمؑ کو اس نیک و بد کی تمیز کے درخت کا پھل کھانے کے بعد اپنے برہنہ ہونے کا حال معلوم ہوا، اور انھین اپنی تن پوشی کی ضرورت پیش آئی،

بہرحال یہ نظریہ ہے کوئی یقینی اعتقاد نہین، اور ہر نظریہ محلِ نظر بھی ہو سکتا ہے،

"ص"

امیر شکیب لبنانی

مالک جدید پریس بیگم پور، پٹنہ } "ابراہیم بن محمد علی مصری نے ۱۸۳۳ء مین شام پر حملہ کیا، تو اس نے شام کا نظم کس کے سپرد کیا تھا؟ امیر شکیب لبنانی کون شخص تھا، اس کے سیاسی اثر و نفوذ کی کیا حیثیت تھی، یہ ترکون کا حامی تھا، یا ابراہیم پاشا کا؟"

معارف (الف) شام پر حملہ اور اس کے نظم کے سپرد ہونے کے سوا ل سے آپ کا شاید مقصود فتح شام کے بعد وہان کے اس نظم ونسق کو دریافت کرنا ہے جس کو ابراہیم بن محمد علی مصری نے وہان اختیار کیا، تو اس سلسلہ مین اجمالاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے وہان نوطریق حکومت کے مطابق کشوری وعسکری مجلسین ترتیب دے دی تھین، اور خراج و مالیات اور عدالت کے نظم ونسق کے لئے چند اصول مقرر کر دئے تھے، انہی مجلسون کے ہاتھ مین ان اصولون کے ماتحت وہان کے نظام حکومت کی باگ ڈور تھی،

(ب) امیر بشیر بن قاسم بن عمر شہابی لبنانی کو لبنان وشام مین نمایان سیاسی اثر ونفوذ حاصل تھا، وہ بیروت کے قریب ایک قریہ عزیزیہ مین ۱۱۷۳ھ مین پیدا ہوا، ابتدائی نشو ونما اور تعلیم وتربیت کے بعد احمد باشا الجزار والی صیدا کے دامن سے وابستہ ہوا، اس نے اس کو ۱۲۰۳ھ مین لبنان کی امارت پر مامور کیا، اور اس نے اپنے سیاسی فہم وتدبر اور شجاعت ودلاوری سے عام شہرت اور ہر دلعزیزی حاصل کی، وہ دل سے عثمانیون کا ہمدرد تھا، ابراہیم پاشا کے حملۂ شام کے موقع پر اولاً اوس نے اس کی مخالفت مین حصہ لیا، لیکن اس کی فتحمندیون کے بعد اس کی اطاعت قبول کر لی، پھر اس کے شام سے چلے جانے کے بعد انگریزون نے اس کو گرفتار کر کے مالٹا جلا وطن کر دیا تھا، اس کے بعد آستانہ مین اس کو قیام کرنے کی اجازت مل گئی، پھر مختلف سالون مین مختلف مقامون مین سکونت پذیر رہا، آخر الامر آستانہ مین آیا، اور ۱۲۶۶ھ مین وفات پائی، بیروت اور لبنان مین اس کی امارت کے دور کے مختلف آثار موجود ہین،

"س"

عرب کی موجودہ حکومتین

جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق وعقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانون کو نجد وحجاز کے علاوہ عرب کے دوسرے حصون اور حکومتون کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے، اس لئے اس کتاب مین عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر حکومتون نجد وحجاز، عسیر ویمن، حجر، نواحی تسعۂ بحرین، کویت اور فلسطین وشام کے مختصر حالات جمع کر دیئے گئے ہین، ضخامت ۱۷۰ صفحے قیمت ۴ر

منیجر

وفیات

ضیاء الحسن علوی مرحوم

افسوس کہ میرے رفیق قدیم اور صدیق حمیم مولوی ضیاء الحسن صاحب علوی ندوی نے ایک مختصر علالت کے بعد ۱۴ رجون ۱۹۴۵ء کو الہ آباد مین جہان وہ عربی مدرسون کے انسپکٹر اور مشرقی امتحانون کے رجسٹرار تھے ستاون برس کی عمر مین وفات پائی، اس حادثہ کی اطلاع مجھے ۱۸ رجون کو لکھنؤ مین اوسی مدرسہ مین ملی جہان مین اور مرحوم مل کر ایک جان دو قالب ہوئے تھے، افسوس کہ ایک قالب خالی ہوگیا، اور دوسرا نیم جان موجود ہے، مرحوم مجھ سے عمر مین تقریبًا پانچ برس چھوٹے (گو تعلیم کے درجہ مین وہ ایک سال بڑے تھے) اس لئے بظاہر امید یہی تھی، کہ انہی کو میری جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑیگا، مگر تقدیر یہی تھی کہ مجھے ان کے فراق کا غم سہنا پڑے اس لئے امید غلط ثابت ہوئی، اور تقدیر کا فرمان نافذ ہوکر رہا،

اکنون چہ توان کرد کہ تقدیر چنین بود

مرحوم کاکوری ضلع لکھنؤ کے مشہور علوی خاندان کے چشم و چراغ تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے حامیون بلکہ بانیون مین رؤسا، کا جو طبقہ شامل تھا، ان مین منشی محمد اطہر علی صاحب مرحوم کا نام بہت جلی ہے یہ خاندان قطب وقت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کا ارادتمند معتقد تھا، جو ندوہ کی تحریک کے روحانی مرکز و مدار تھے، اس لئے جب ۱۳۱۶ھ ۱۸۹۸ء مین لکھنؤ مین ندوہ کا دارالعلوم کھلا تو منشی صاحب مرحوم نے اس درس گاہ کو اپنے سب سے چھوٹے بچے اور ایک نھنے بھتیجے کو نذر کیا، یہی ننھا بھتیجا مولوی ضیاء الحسن صاحب علوی ندوی تھے، دارالعلوم کے طلبہ کے داخلہ مین ان کا نمبر شاید دوسرا تیسرا تھا، عربی کی پوری تعلیم یہین حاصل کی اور یہین سے فراغت پائی،

یون دارالعلوم کے سارے اساتذۂ وقت مولانا حفیظ اللہ صاحب، مولانا عبدالشکور صاحب (اڈیٹر الہجم) اور مفتی عبداللطیف صاحب سب ہی سے تعلیم پائی تھی، مگر جس کی تعلیم نے ان کے لوح دل

مین علم وفن کے ذوق کا نقش اولین بنایا، وہ دارالعلوم کے صدر مدرس مولانا فاروق صاحب چریاکوٹی تھے، وہ ادب اور معقولات کے امام تھے، اور یہی دونون فن مرحوم کی گھٹی مین پڑے، اور عمر بھر انہی سے ان کو ذوق رہا،

۱۹۰۲ء مین مولانا شبلی مرحوم حیدرآباد سے جب لکھنؤ دارالعلوم مین پہلے پہل آئے تو جو طلبہ ان کے حلقہ مین پہلے بیٹھے، ان مین سب سے پہلا نام مولوی ضیاء الحسن مرحوم کا ہے، چنانچہ مولانا کی مردم شناس نگاہ نے ان کے ذوق اور استعداد کو تاڑ لیا، مولانا کے حیدرآباد واپس چلے جانے کے بعد مرحوم نے جو سب سے پہلا خط ان کو لکھا، اس کا جواب مکاتیب شبلی[1] کی دوسری جلد مین موجود ہے، خط کے آخر مین ہے،

"میں چاہتا ہون کہ چند روز تک آپ کا اور میرا ساتھ رہتا، تاکہ مین ادب اور فلسفہ کی بعض کتابین آپ کو پڑھاتا، اور مضمون نگاری کی بھی تعلیم دیتا، دیکھئے کب خدا موقع لاتا ہے"

(شبلی ۴ جنوری ۱۹۰۴ء)

اس کے بعد جون ۱۹۰۵ء مین ندوہ تشریف لے آئے اور جس موقع کا انتظار تھا، وہ جلد مل گیا، مرحوم کے بعد اس طلب مین ان کا دوسرا رفیق سفر راقم الحروف تھا، ہم دونون نے حضرۃ الاستاذ کے سامنے زانوے ادب تہ کئے، اور علم کلام معقولات اور اعجاز القرآن کے اسباق شروع ہوئے، مرحوم مجھ سے زیادہ دلیر اور بے تکلف تھے، وہ پرائیوٹ صحبتون مین بھی شریک ہوتے تھے، اور ہر روز علم کا نیا فیض حاصل کرتے تھے، اسی زمانہ مین مولانا ابوالکلام آزاد ندوہ ہی مین مولانا کے پاس مقیم تھے، مولانا حمید الدین صاحب مصنف نظام القرآن بھی آیا کرتے تھے، اور ہفتون ندوہ مین رہا کرتے تھے، مولانا عبداللہ عمادی اڈیٹر البیان بھی لکھنؤ مین مقیم اور اکثر صحبتون مین شریک ہوتے تھے، خواجہ غلام الثقلین بھی آتے جاتے رہتے تھے مرحوم ان لوگون کے ساتھ بے تکلف ملتے جلتے تھے، اور اس خوان ادب سے بہرہ ور ہوتے تھے،

مرحوم کو جدید علوم کے حصول کی طرف میلان مرزا ہادی صاحب رسوا (سابق عربی پروفیسر کرسچین کالج لکھنؤ) کی صحبتون اور ملاقاتون سے ہوا، وہ عربی کے عالم، انگریزی کے گریجویٹ اور جدید فلسفہ اور ریاضیات کے ماہر تھے، آخر مین دارالترجمہ عثمانیہ سے متعلق ہو کر فلسفہ کی متعدد کتابین اردو مین ترجمہ کین، مولانا شبلی نے ایک دفعہ ان کو مدرسہ مین ہم چند طلبہ کو جدید فلسفہ پڑھانے کے لئے مقرر کیا تھا، مگر وہ بڑے لاابالی تھے، چند سبق سے زیادہ کا معاملہ ان سے نہ چل سکا،

---

[1] مکاتیب شبلی کی دوسری جلد مین بسلسلہ تلامذہ ان کے خطوط شامل ہین،

بہر حال مرحوم نے ۱۹۰۵ء مین عربی تعلیم سے فراغت پائی، اور ۱۹۰۶ء کے مشہور جلسۂ دستار بندی مین میرے ساتھ ہی ان کی بھی دستار بندی ہوئی، اس جلسہ مین انھون نے اعجاز القرآن کے موضوع پر ایک عالمانہ تقریر کی تھی، جو بعد کو مرتب ہوکر الندوہ مین شائع ہوئی، اور مدح و تعریف کی مستحق ہوئی،

مرحوم کو اردو ادب کا ذوق فطرۃً تھا، گھر کا ماحول مشاہیر نظم و نثر کی ان کے ہان آمد و رفت، پیارے صاحب رشید اور مرزا رسوا جیسے نظم و نثر کے ادیبون سے ان کے خاندانی مراسم تھے، اور پھر بچپن سے لکھنؤ کی سکونت ان سب کا اثر یہ تھا، کہ وہ اردو نثر کے جان دادہ تھے، شعر بھی کہتے تھے، مگر صرف اپنے لئے، علمی مضامین تو حضرۃ الاستاذ مرحوم کی پیروی مین لکھتے تھے، مگر عام انداز تحریر شوخ و شگفتہ زندہ کی بول چال کا تھا،

مرحوم کا پہلا مضمون "صحت اور عمر کی درازی" ہے، جو المقتطف مصر کے ایک مضمون کا ترجمہ تھا، اور رسالہ الندوہ ۱۹۰۵ء مین چھپا، اس کے بعد دوسرے مضامین لکھے، جو الندوہ ہی مین چھپا کئے، ان کا ایک ابتدائی ادبی مضمون اردو سے معلی علی گڈھ مین چھپا، خواجہ غلام الثقلین ان دنون دارالعلوم کے پاس ہی ایک مکان مین رہتے تھے، اور اسلامی کانفرنس علی گڈھ کے صیغۂ اصلاح و تمدن کے سکریٹری تھے، اور اس تعلق سے وہ عصر جدید نام ایک ماہانہ رسالہ نکالا کرتے تھے، خواجہ صاحب کے تقاضے اور اصرار سے اس مین بہت سے اصلاحی مضمون لکھے، اور وہ چھپے،

مرحوم نے عربی سے فراغت پاکر انگریزی کی طرف توجہ کی، جس کا آغاز لکھنؤ مین ہو چکا تھا، مگر انجام علی گڈھ مین ہوا، ۱۹۰۹ء مین وہان سے میٹرک پاس کیا، حضرۃ الاستاذ نے مبارک باد لکھی،

مبارک، تمھارے پاس ہونے سے بیحد خوشی ہوئی، اور تمھاری نسبت حسن ظن بڑھ گیا،..... اب تم ضرور کالج مین پڑھوگے، الندوہ مین تم پر نوٹ دون گا،

۱۹۰۹ء مین وہ کالج مین داخل ہوے، اور ۶ برس مین ایم اے تک تعلیم پائی، اس زمانہ مین عربی کے پروفیسر یوسف ہارویز نام ایک جرمن فاضل تھے جنھون نے طبقات ابن سعد کے بعض اجزاء کی تصحیح کی، اور جو علی گڈھ مین ۱۹۱۴ء کی گذشتہ جنگ عظیم کے شروع تک رہے، اور اس کے آغاز ہی مین قید ہوکر بعد کو جرمنی واپس چلے گئے تھے، مرحوم کالج مین پہنچ کر ان کے حلقہ مین داخل ہوئے، اور ان پر ایسے چھائے کہ ان کے جزو کل پر حاوی ہوگئے، اُن سے مستشرقین کے معلومات حاصل کئے کچھ جرمن زبان اور کچھ عبرانی زبان

کے سبق پڑھے، مولانا شبلی اور پروفیسر ہارڈینگ کے درمیان ربط وضبط کا واسطہ مرحوم ہی تھے،

۱۹۱۶ء مین غالباً انھون نے ایم اے پاس کیا، اس وقت یوپی کی گورنمنٹ عربی مدارس کی نگرانی کے لئے ایک انسپکٹر کے تقرر پر غور کر رہی تھی، مرحوم سے بڑھ کر اس کام کے لئے دوسرا موزون نہین ہوسکتا تھا، وہ ایک طرف ٹھیٹھ مولوی اور دوسری طرف ممتاز گریجویٹ تھے، چنانچہ ۱۹۱۷ء مین وہ عربی مدرسون کے انسپکٹر مقرر ہوے، اور اسی عہدہ پر اخیر تک قائم رہے، ابھی اسی جولائی مین وہ قید ملازمت سے چھوٹنے والے تھے، کہ اوس سے چند روز پہلے قید حیات ہی سے آزاد ہوگئے،

مرحوم نے عربی نصاب، اور اردو فارسی اور عربی کے سرکاری امتحانات کی اصلاح اور ترقی مین بہت بڑا کام کیا ہو جب وہ اس عہدہ پر فائز ہوئے تھے تو نام کے سوا اس صیغہ مین کچھ اور نہ تھا، لیکن انھون نے چند برس کے اندر اپنی محنت، لیاقت، اخلاق اور محبت سے چالیس پینتالیس مدرسون کو اپنا ہمنوا بنا لیا اور اصلاح نصاب کا وہ خاکہ جو استاذ مرحوم صرف ندوہ کی حد تک کھینچ سکے تھے ان کے لائق شاگرد کے ہاتھون وہ پورے صوبہ کے دائرہ مین وسیع ہوگیا،

مرحوم کو کتابون کا بہت شوق تھا، وہ خود بھی ہر قسم کی علمی کتابین عربی اور انگریزی کی خریداری کرتے تھے، ان کا مطالعہ برابر جاری رہتا تھا، اور اہل علم دوستون سے مسائل علمیہ پر مباحثہ کرتے تھے،

ان کی قلمی یادگار وہ چند ابتدائی مضامین ہین، جو الندوہ مین چھپے، یا اسلامی جنگی جہازون پر ان کا وہ مضمون ہے، جو ۱۹۱۰ء کے قریب علی گڈھ منتھلی میگزین مین چھپا، اور حضرت الاستاذ کی پسند سے انعام کا مستحق ہوا، اسی طرح عصر جدید کے اصلاحی مضامین بھی ہین، جو کبھی ان کے نام سے اور کبھی بے نام چھپے، آخر مین ان کا طویل مضمون جو "یادایام" کے عنوان سے جدید الندوہ مین ۱۹۴۱ء کے آٹھ نمبرون میں شائع ہوا تھا ذکر کے قابل ہے، یہ گویا ان کی آپ بیتی ہے جس میں جگ بیتی کے بہت سے دلچسپ منظر شامل ہین، اس مضمون مین لکھنو کی زبان کا مزہ اور روزمرہ کا چٹخارا ایسا تھا کہ سب اہل ذوق نے اس کو بیحد پسند کیا، افسوس کہ یہ کہانی ناتمام رہی،

ان کو ادب سے فطری ذوق تھا، الف لیلہ و لیلہ جو عربی داستان سرائی کی بے مثال کتاب سمجھی جاتی ہے، اس کے اردو ترجمہ کی امنگ ان کے دل مین ایک مدت سے تھی، چنانچہ انھون نے ایک زمانہ سے

اس کام کو شروع کر رکھا تھا، اس ترجمہ میں اس کا بھی خاص اہتمام تھا کہ عربی شعروں کا ترجمہ اردو ہی شعروں میں ہو، معلوم نہیں یہ چیز کہاں تک پہونچی، سبعہ معلقہ میں سے امرء القیس کے قصیدہ کا ترجمہ اردو نظم میں کیا تھا،

وہ دار المصنفین کے رکن تھے، اور استاذ مرحوم کی نسبت سے اس سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے ان کی فرمایش سے ہمارے فاضل رفیق مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے امام رازی کی سوانحعمری اور ان کے فلسفہ پر تبصرہ کا کام انجام دیا، میں نے مناسب سمجھا کہ اس پر مرحوم سے ایک مقدمہ لکھوایا جائے، جس میں امام رازی کے فلسفہ کو یورپ کے فلسفیوں کی نگاہ سے دیکھا جائے، اور موازنہ کیا جائے، افسوس کہ ان کی موت سے یہ کام بھی ناتمام رہ گیا،

مرحوم کا بچپن مذہبی و صوفیانہ ماحول میں گذرا تھا، اس لئے بایں ہمہ ان پر یہ اثر غالب تھا، طالب علمی ہی میں حضرت مولانا شاہ ابو احمد صاحب مخدومی بھوپالی (مرید شاہ عبد الغنی صاحب مجددی مہاجر) سے لکھنؤ میں بیعت کی تھی، جو اس وقت اتفاق سے لکھنؤ آگئے تھے، اور میں نے بھی ملا مبین کی مسجد میں ان کی زیارت کی اور بھوپال میں تو کئی دفعہ حاضری کا اتفاق ہوا، چونکہ میرے بڑے بھائی صاحب مرحوم بھی انہی سے بیعت تھے اور خلافت سے ممتاز تھے، اس لئے مرحوم ضیاء الحسن سے میری محبت کی نسبت میں اس نئے رشتہ سے اور مضبوطی پیدا ہوگئی تھی، حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد مرحوم نے حضرت شاہ نجم الدین صاحب فتحپوری سے تعلق پیدا کیا جن سے وہ بچپن سے واقف تھے، کیونکہ دار العلوم ندوہ کا افتتاح انہی کے مبارک ہاتھوں سے ہوا تھا، ان کی وفات کے بعد ایک اور بزرگ کی طرف انھوں نے رجوع کیا، جو غالباً کہیں آگرہ کے قریب کے تھے، مولانا شاہ ابو الخیر صاحب مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی کبھی کبھی حاضری دی ہے، ذکر و فکر و اشغال میں بھی مصروف رہتے تھے، اور ان کے برکات دوستوں میں کبھی کبھی بیان کرتے تھے،

افسوس کہ میرے تعلیمی مجد بت کا یہ نخل بار آور عمر کی ستاون بہاریں دیکھ کر اب ہمیشہ کے لئے مرجھا گیا، حضرۃ الاستاذ نے بھی عمر اتنی ہی پائی تھی، ستاون برس کی عمر کے حساب سے ۱۸۸۸ء یا ۱۸۸۹ء کی پیدایش ظاہر ہے،

وَكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَذِيمَةَ حِقْبَةً مِنَ الدَّهْرِ حَتَّى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا

ہم دونوں ایک مدت تک بادشاہ جذیمہ کے دو مصاحبوں کی طرح ایک ساتھ رہے یہاں تک کہا گیا کہ اب یہ الگ نہ ہونگے،

فلمّا تفرقنا کانی ومالکا بطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

پھر جب ہم الگ ہوگئے ہیں، ور مالک طول اجتماع کے ہوتے ہوئے بھی گو یا
ہم نے ایک رات بھی ایک ساتھ نہیں گذاری،

مرحوم کی دو شادیاں ہوئی تھیں، پہلی بیوی سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی، دونوں بالغ ہیں، لڑکے کا نام حسن ہے، جو امسال بی اے بی ٹی ہوئے ہیں، اور ادبی ذوق میں اپنے باپ کی یادگار ہیں، دوسری بیوی سے چند بچے ہیں، اور سب چھوٹے اور کم سن،

اللہ تعالیٰ مرنے والے کی قبر پر رحمت کے پھول برسائے، "س"

سیر الصحابہؓ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے لئے جن مقدس ہستیوں کے کارنامے اور سوانح حیات مشعل راہ ہیں، حضرات صحابہ کرام ہیں، دار المصنفین نے ۱۵ برس کی جانفشانی و کوشش سے اس عظیم الشان کام کو انجام دیا، اور اردو میں صحابہ کرام کے حالات و سوانح اور اخلاق و حسنات کی دس ضخیم جلدیں حدیث و سیر کے ہزاروں صفحے سے چن کر مرتب کیں، اور بحسن و خوبی شائع کیں، ضرورت ہو کہ حق طلب اور ہدایت و رہنمائی کے جویا مسلمان ان صحیفوں کو پڑھیں اور اس شمع ہدایت کی روشنی میں چلیں، جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ان کے سامنے جلائی گئی تھی، ان جلدوں کی علیحدہ علیحدہ قیمتیں حسب ذیل ہیں، جن کا مجموعہ ۱۰۰ ہے، لیکن پورے سٹ کے خریدار کو ۷۵ میں یہ دس جلدیں کامل نظر کیجاتی ہیں، پیکنگ ذمہ دار المصنفین، محصول ذمہ خریدار،

جلد اوّل	خلفاء راشدین رضؓ	للعہ	جلد ششم	سیر الصحابہ ششم	عہ
جلد دوم	مہاجرین اول	ہے	جلد ہفتم	سیر الصحابہ ہفتم	عہ
جلد سوم	مہاجرین دوم	سے	جلد ہشتم	سیر الصحابیات طبع دوم	ہے
جلد چہارم	سیر الانصار اول	ہے	جلد نہم	اسوۂ صحابہ اول	عہ
جلد پنجم	سیر الانصار دوم	عہ	جلد دہم	اسوۂ صحابہ دوم	ہے

مینیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

باب التقریظ والانتقاد

اسلام اور حرمتِ ربا

رسالہ "اسلام اور سود" مؤلفہ ڈاکٹر اقبال انور قریشی پر مقدمہ ریا تبصرہ، ضخامت ۲۳۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد سے، پتہ ادارۂ معاشیات، فاطمہ منزل حمایت نگر حیدرآباد،

یورپ کے موجودہ تمدن کی ظاہری چمک دمک اور رنگ وروغن نے لوگوں کے دلوں کو ایسا اپنی طرف لبھایا ہے، کہ دلائل کے بجائے یورپ کا طرزِ عمل ہی مسائل کے خطا وصواب اور اعمال کے خیر وشر کا معیار قرار پاگیا ہے، کسی رائے کے صواب اور عمل کے خیر ہونے کے لئے یہ دیکھنا کافی ہے، کہ یورپ نے اس کا کیا فیصلہ کیا ہے اور اس باب میں اس کا طریق کار کیا ہے، اب ہر وہ مسئلہ جو اس کے مطابق نہیں وہ خطا اور ہر وہ عمل جو اس کے موافق نہیں وہ شر ہے، چنانچہ آج کل کے اکثر مدعیانِ عقل کے نزدیک تحقیق کی یہی صحیح رائے ہے، نتیجہ یہ ہے کہ ہم کو اس کے بدولت اپنے بہت سے اصول چھوڑنے پڑے، بہت سے مسائل میں مذہبی احکام کی غلطی محسوس کرنے لگے، اور ہمارے بہت سے نوجوانوں کو اپنے مذہبی مسائل میں تبدیلی کا خیال پیدا ہونے لگا، اور بہت سے متکلمین جدید نے اسلام کی مدافعت میں معذرت اور اپالوجی کا رنگ اختیار کیا، مثلاً کوشش کرنے لگے کہ کاش کسی طرح اسلام کی پیشانی سے ربا کی حرمت کا داغ مٹایا جا سکتا، چنانچہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ مسلمانوں میں سودی رواج کو ترقی دینے کے لئے ایک سوسائٹی بنی، اور علی گڈھ سے اور پھر بدایوں سے اس کا اخبار بھی نکلا اور کئی رسالے چھاپے گئے اور لوگوں کو مسلمانوں کی موجودہ عدم ترقی کا سبب اسی مسئلۂ حرمتِ سود کے اعتقاد کو قرار دیا گیا، اور یہ دلائل اس زور وشور سے پیش کئے گئے، کہ خود قرآن پاک احادیث اور فقہی روایات تک کی توجیہ وتاویل سے جھجک نہیں رہی، اور کم از کم ایک صدی اس مناظرہ میں ختم ہوگئی، اور ہر طرح کوشش کی گئی کہ یہ ثابت کیا جائے کہ علمائے دین اس مسئلہ میں دین کا جو حکم سناتے ہیں، وہ قطعاً ان کی ذاتی رائے ہے، مگر کیا معلوم تھا، کہ ایک دن ایسا آئے گا، جب یورپ ان غلط اقتصادی مسائل اور

اعمال کا خمیازہ بھگتنے کے بعد اپنے گذشتہ نشہ سے چونکے گا، اور خود آزر کے گھر میں ایسے ابراہیم پیدا ہوں گے جو اپنی غلطی کو تسلیم کریں گے، اور ہر قسم کے ربا کی حرمت کا فتویٰ خود اپنے تجربوں اور علم اقتصاد کے حقیقی اصولوں سے صادر کریں گے، پہلے تو سوشلزم اور بالشویزم تحریکوں کے لازمی نتیجہ کے طور پر جواز سود کی اقتصادی کمزوری ظاہر ہوئی اور اب دوسرے ماہرین اقتصاد نے بھی اس کے نقصانات کا اندازہ کیا،

ہم کو خوشی ہے کہ ہمارے نوجوان ماہر اقتصادیات ڈاکٹر انور اقبال قریشی صدر شعبۂ اقتصادیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے اسلام کے مسئلہ حرمتِ ربا کو جدید ترین اقتصادی تحقیقات کی عینک سے دیکھا، اور موجودہ ماہرین اقتصادیات کے معیار پر جانچا، اور پرکھا، اور بتایا کہ اسلام نے حرمتِ ربا کا جو فتویٰ آج سے چودہ سو برس پیشتر صادر کیا تھا، وہ سراسر درست اور انسانیت کے لئے رحمت اور انسانی سوسائٹیوں کی خیر و فلاح کا باعث ہے، انھوں نے اس سلسلہ میں اپنے مباحث اور دلائل کو اس کتاب میں مرتب کر دیا ہے،

موصوف نے اپنی اس کتاب کو چھ بابوں پر تقسیم کیا ہے، پہلے باب میں مسئلۂ سود کے متعلق مغربی نقطۂ نظر کی تشریح ہے، اور شروع سے اس وقت تک اس مسئلہ کے جتنے نظریے بنے، اور پیش کئے گئے ان کے کمزور پہلوؤں کو فنی حیثیت سے کھول کر دکھایا ہے، دوسرے باب میں اسلام کے نظریۂ سود کو مدلل بیان کیا ہے، تیسرے باب میں سودی منافع اور بیاج کی حقیقت پر بحث کی ہے، چوتھے باب میں اسلام کے نقطۂ نظر سے بنکنگ سسٹم کے عدم جواز کو دکھایا ہے، اور فنی حیثیت سے اسلام کے اس فیصلہ کو درست ثابت کیا ہے، پانچویں باب میں سودی منافع اور بیاج کے ان اثرات کا ذکر کیا ہے، جو انسانی سوسائٹی پر پڑ رہے ہیں، اور پانچویں باب میں مقررہ و محدود سودی منافع کے نقصانات بتائے ہیں، اور ہر باب کو فنی دلائل سے مضبوط کیا ہے، اور جدید ترین اقتصادی مسائل اور نظریات اور موجودہ مغربی ماہرین اقتصادیات کے اصول و خیالات کو اپنی تائید میں پیش کیا ہے،

مصنف نے اسلامی مسائل کی تشریح میں ہمارے دو فاضل دوستوں اور جامعہ عثمانیہ کے لائق پروفیسروں مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے معلومات اور مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی تحریرات اور اپنے والد مفتی محمد یوسف علی قریشی کے خیالات سے فائدہ اٹھایا ہے، دوسری طرف اقتصادی مسائل کی تحریر میں اس زمانہ کے مشہور ماہر اقتصادیات مصنفین و مفکرین یورپ کے نظریات و افکار کی ترجمانی کی ہے،

سود کی حرمت ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر نہ صرف اسلام بلکہ دنیا کے تمام مذاہب اور اکثر قدیم حکما یکساں متفق ہیں، راقم نے سود اور صحف انبیاء کے عنوان سے الندوہ ۱۹۰۹ء میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں یہ لکھا

گیا تھا، کہ یونانی اور رومی مفکرین نے بھی اس کو اپنے وقت میں ناجائز بتایا ہے اور توراۃ اور انجیل میں بھی جو مغربی قوموں کے آسمانی صحیفے ہیں، ان کو اسی طرح حرام کیا گیا ہے جس طرح وہ اسلام میں حرام ہیں لیکن یہودیوں نے ان حدود کو توڑنے کے لئے جو ان کے دین نے ان پر عائد کی ہیں، ہمیشہ سے اور ہر ملک میں کوشش کی ہے، اور انہی کی پیروی عیسائیوں نے کی ہے اس باب میں سب سے آسان قدم یہ ہے کہ سود کے لئے جو اصل عبرانی یا یونانی لفظ ہوگا اس کا ترجمہ نارواں نفع (USURY) کرکے اس کے معنی کو تغیر و تبدل کے قالب میں ڈھال دیا گیا، (خروج ۲۳-۲۵-۲۶) اور اسی سے انٹرسٹ سودی منافع اور یوژری بیاج کی اصطلاحیں نمودار ہوئیں اور ان کو جائز اور دوسرے کو حرام ٹھہرایا گیا، حالانکہ یہ بالکل بے ثبوت بات ہے، ان دونوں میں فرق نقصان کی کمی اور بیشی کا ہے، نقصان اور عدم نقصان کا نہیں ہے،

اسی طرح شخصی و حاجی قرضہ پر سود کو فن کی حیثیت سے ناجائز بتانا اور چند اشخاص کی مجموعی کاروباری شکل کو جس کا نام ستر ہویں صدی کے شروع سے بنکنگ سسٹم پڑا ہے جائز کہنا گویا یہ کہنا ہے کہ چوری تو ناجائز ہے، مگر ڈاکہ جائز ہے یعنی ایک جرم جو تنہا ایک آدمی کرے، تو وہ تو ناجائز اور سوسائٹی کے لئے مضر ہے، مگر جب اس جرم کو سازش کرکے چند آدمی مل کر کریں تو وہ جائز ہو جائے گا،

اس سلسلہ میں مصنف نے انٹرسٹ یا محدود سودی منافع کے نظریہ جواز پر بڑی دلچسپ بحث کی ہے اور خود محدود منافع کی حد بندی کی تاریخ سے حد بندی کے معیار کی حد درجہ متغیر اور بے اصولانہ تبدیلی بتایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہر زمانہ اور ہر ملک بلکہ خود ہندوستان اور اس کے مختلف صوبوں میں اس حد بندی کے معیار کی تعیین میں کسی ایک متعین اصول کی پابندی نہیں کی گئی ہے، اس لئے محدود منافع کی حقیقت خود ہی مشتبہ ہے،

مصنف نے اسلامی نظریات کی جو تشریح کی ہے، اور جو آیات و احادیث اور فقہی مسائل و دلائل پیش کئے ہیں، چونکہ وہ مستند علماء کی امداد اور مشورہ سے پیش کئے ہیں، اس لئے ان کے استناد و اعتبار میں کیا کلام ہو سکتا ہے، اور میں نے بھی ان کو دیکھا اور درست پایا ہے،

اسلام کو چھوڑ کر مطابق سود سے کبھی بھی کوئی قومی فلاح یا دنیاوی بہبود پیدا نہیں ہو سکتی،

(قرآن شریف)

یمحق اللہ الربوٰ ویربی الصدقات (بقرہ-۳۸۰)

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقہ کو بڑھاتا ہے،

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سودی کاروبار سے ملک کی دولت مین ترقی ہوتی ہے لیکن بغور نظر اور دھوکا ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ مہاجنی قرضہ کے سود سے ملک کے صرف چند اشخاص کی دولت بڑھتی، اور سارے اہل ملک کی دولت گھٹتی تھی، اب بنک اور سوسائٹی کے سسٹم مین چند اشخاص کے بجائے سینکڑون اشخاص کی دولت کو ترقی ہوتی ہے۔ مگر اس کے مقابلہ مین لاکھون کی دولت کم ہوتی ہے، تب ان سینکڑون کی دولت بڑھتی ہے۔ اسی سے ظاہر ہوتا ہے، کہ سود کو جس حیثیت سے بھی رواج دیا جائے وہ اپنی تباہی پھیلائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ دیہاتی اتحادی بنک (کوآپریٹو بنک) کے رواج اور فوائد و برکات پر آج کل بہت زور دیا جاتا ہے، اور اس مین شبہہ نہیں کہ شرح سود کی نسبتہً کمی اور طریق وصول کی نسبتہً آسانی کی بنا پر کاشتکارون کے لئے شخصی مہاجنی سودی قرضون کے مقابلہ مین وہ رحمت ہے لیکن اس کے اندر بھی سوسائٹی کے بڑے زمیندار چھوٹے زمیندارون کو بے تکلف ہڑپ کرتے جاتے ہین، بلکہ کاشتکارون کو اپنی زمینون اور جانورون کو بیچنے کے لئے مجبور ہونا پڑتا ہے،

قرض انسان کی ایک ضروری حاجت ہے، اس حاجت کا دفعیہ اسلام نے قانون کے بجائے اخلاق سے کیا ہے، اوس نے ضرورتمندون کو قرض دینا ثواب کا کام بتایا، اور اس قرض پر مقروض سے کسی قسم کا بھی فائدہ اٹھانا سود قرار دیا ہے، اہل تقوٰی نے تو اس باب مین یہان تک احتیاط کی ہے کہ مقروض کے یہان دعوت کا قبول کرنا بھی مشتبہ بتایا ہے، بلکہ لوگون کو ہدیہ اس غرض سے دینا بھی کہ ان سے کچھ زیادہ وصولی کا موقع ملے ربا کے اندر شامل کیا ہے، اسی طرح اسلام نے ہم جنس اشیا کے مبادلہ مین زیادتی کو اگرچہ اچھائی اور برائی کا فرق ہو شبہہ ربا قرار دیا ہے، گو اس زیادتی اور جنس کی حقیقت اور اس کے قیود و شرائط مین فقہاء و مجتہدین کے اختلافات ہین، تاہم اس حقیقت پر سب کا اتفاق ہے، اسی طرح سونا چاندی کے مبادلہ مین اگر جنس ایک ہے تو زیادتی اسلام مین ربا ہے اس سے سکون کی کم و بیش شرح مبادلہ کا وہ ظالمانہ جوا آج ساری دنیا مین شائع ہے، اور جس کے بدولت یورپ مین ہزارون آدمی گھر بیٹھے بنتے اور بگڑتے ہین وہ تمام تر اسلام مین ناجائز ہے، اسلام مین چاندی اور سونے کی اصلی حیثیت صرف نقد کی تسلیم کی گئی ہے، اسی لئے اس کو سامان آرایش مین صرف کرنے کی اجازت حد مناسب سے آگے نہین دی ہے، مردون کیلئے چاندی کے چند ماشون کے علاوہ خالص سونا چاندی کا ہر استعمال قطعًا حرام ہے، اور عورتون کے لئے حد مناسب سے افراط کو کراہت کے درجہ مین بہرحال رکھا ہے، سونے اور چاندی کے ظروف اور سامان کے استعمال کی

قطعی حرمت ہے، اگر دنیا ان اصولوں پر عمل کرے تو آج ملک ہی میں نہیں دنیا میں ضروری کاموں کے لئے نقدین کی کتنی فراوانی ہو سکتی ہے،

اسی اصول کی بنا پر سونے چاندی کو خزانہ بنا کر زمین میں گاڑ کر یا بے وجہ روک کر رکھنا گناہِ عظیم ہے،

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (توبہ - ۵)	اور جو لوگ گاڑ رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اللہ کی راہ میں اس کو خرچ نہیں کرتے، سو ان کو دکھ والی مار کی خوشخبری سنا دے،
وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗ اَخْلَدَهٗ، (ہمزہ)	پھٹکار ہے ہر طعنہ دینے والے عیب چننے والے پر جس نے مال کو اکٹھا کیا اور گن گن کر رکھا، سمجھتا ہے کہ اس کا مال سدا رہے گا،

اسی اصول کی بنا پر احتکار جو مناپولی (MONOPOLY) کی بنیاد ہے، اسلام کے قانون میں ممنوع ہے، کیونکہ اس سے عام ضرورت کی کوئی خاص چیز کسی ایک شخص کے قبضہ میں کر رک جاتی ہے،

انسان کا ضرورت کے سبب سے مقروض ہونا واقعۃً کم ہوتا ہے، قرض کا سبب زیادہ تر عیاشانہ فضول خرچی ہوتی ہے، اس کی پہلی روک یہ ہے کہ سونا چاندی اور سونے چاندی کی چیزوں کی ادھار خرید و فروخت کی ممانعت کر دی گئی، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا، کہ بے ضرورت عیاشانہ سامان وہی خریدے گا جس کے پاس زائد از ضرورت روپیہ ہوگا،

اسی طرح نقرئی و طلائی اشیاء میں صنعت کاری کی قیمت کا اعتبار اسلام نے نہیں کیا ہے، گو بعض فقہاء کو اس میں اختلاف ہے، تاہم اس حد تک ماننا ضروری ہے، کہ نقرئی و طلائی اشیاء میں صنعت کاری کی قیمت یا اجرت کی ہمت افزائی اس نے نہیں کی ہے، اس کا منشا اس آرٹ کی مخالفت نہیں بلکہ طلائی و نقرئی اشیاء کے عدم استعمال کی صورت پیدا کرنا ہے، جو اسی صنعت کاری ہی کی بدولت قابلِ استعمال ہوتی ہیں،

اسراف اور فضول خرچی کو قرآن نے شیطان کا فعل قرار دیا ہے اور اس کا سبب بھی بتا دیا ہے کہ مسرف اور فضول خرچ سوسائٹی کے لئے وبال بن جاتا ہے، اور یہی آخر مجرم بن کر جرائم کا مرتکب بنتا ہے فتقعد ملوماً محسوراً، دوسری طرف بخل کو اس نے قیامت کے دن گردن کا طوق بتایا سیطوقون بما بخلوا به یوم القیامۃ کیونکہ اس کا وجود بھی سوسائٹی کے لئے نحوست ہے کہ اس کی دولت مخلوق کے کام نہیں آتی،

ضرورتمند کو قرض دینا اس نے ثواب کا بہترین عمل بتایا ہے، لیکن جو لوگ قرض لیکر استطاعت کے باوجود ادا کرنے میں دیر کریں ان کو ظالم کا خطاب دیا ہے، اور کہا مطل الغنی ظلمٌ جو لوگ بے قرض ادا کئے مرجائیں ان کے ترکہ میں سب سے پہلے قرض ادا کرنا ضروری قرار دیا، اور جو لوگ اپنا قرض ادا کئے بغیر مرجائیں ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے میں بھی تامل کیا گیا ہے،

اسلام نے ضروری قرض کے لئے خود حکومت کو بلا سود قرض دینے کے انتظام کی اجازت دی ہے، چنانچہ خلافتِ راشدہ میں بیت المال سے قرض لیا جاتا تھا جس کی ادائگی اگر ان کی زندگی میں نہیں ہوتی تو ان کی متروکہ جائداد، اور دولت سے اوس کی وصولی متوفی کی وصیت کے مطابق عمل میں آتی، اور اگر وصیت نہ بھی ہوتی، تو بھی متروکہ سامان سے تقسیم ترکہ سے پہلے قرض ادا کر دیا جاتا،

تجارتی مالی تعاون کے لئے اسلام نے جس طریقہ کو پسند کیا ہے، وہ مضاربت ہے، یعنی اہل سرمایہ سرمایہ دیں، اور کام کرنے والے اپنی محنت شامل کریں، اور اس طرح سرمایہ اور محنت سے مل کر جو نفع حاصل ہو، اس کی تقسیم بحصہ مشاع قرارداد کے مطابق کی جائے، جس کے قواعد تو اپنے کتب فقہ میں موجود ہیں اگر کوئی چاہے تو بنک کو اسلامی سسٹم کے مطابق قائم کیا جا سکتا ہے، بنک سے مقصود ایک خزانہ ہے، جس میں بہت سے لوگوں کی رقوم جمع ہو سکیں، ان کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں، ایک کا نام امانتی رکھا جائے اس کی دو شاخیں ہوں:-

۱- امانتِ خالصہ:- یعنی ایسی امانت جس کو بعینہٖ محفوظ رکھا جانا مشروط ہو اس امانت کی حفاظت اور انتظام کا خرچ امانت رکھوانے والوں سے وصول کیا جا سکتا ہے،

۲- امانت باجازت یعنی ایسی امانت جس میں تصرف کا اختیار بنک کو دیا جائے، مگر مطالبہ کے وقت بلا زیادتی وکمی اس کا بدل لیا اور دیا جائے،

۳- دوسری قسم ایسی رقوم کی ہوگی، جس کے جمع کرنے والے مدت متعینہ کے لئے اپنی رقم بنک کے

حوالہ کریں، بنک ان رقوم کو مختلف تجارتی صیغوں میں خود لگائے یا دوسری تجارتی ہوں کو بطور مضاربت دے اور منافع کو مالکان رقوم اور کام کرنے والوں میں بحصہ مشاع تقسیم کرے،

حصہ مشاع سے مقصود یہ ہے، کہ عدد معین جیسے تین فی صدی چار فی صدی کے بجائے حصہ متعین مقرر کیا جائے، مثلاً ثلثائی، چوتھائی، پانچوان چھٹا وغیرہ جس کا اطلاق کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ ہر مقدار پر کیا جا سکتا ہے،

ان رقوں کا کوئی حصہ قرض یا منافع پہ نہیں لگایا جا سکتا، البتہ قرض یا دین پر دیا جا سکتا ہے گو اس شے مرہون سے انتفاع میں فقہاء کا اختلاف ہے، مگر اس اختلاف کی تفصیلات کو حل کیا جا سکتا ہے لیکن فقہ حنفی اور شافعی میں اس کی گنجائش کم نکل سکتی ہے،

ہم کو امید ہے کہ یہ کتاب ایک طرف مسلمانوں میں اور دوسری طرف ماہرین اقتصادیات میں قبولیت کی نظر سے دیکھی جائے گی، اور مسئلہ حرمت ربا کی اہمیت کو سمجھ کر اس کی تباہی سے دنیا کو بچانے کی فکر کی جائیگی، اللہ تعالیٰ مؤلف کو اس عمل خیر کی جزائے خیر دے،

سید سلیمان ندوی

شبلی اکیڈیمی اعظم گڈھ

۳۰ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ

چند عربی کتابوں کی تلاش

طبقات ابن سعد، تفسیر احکام القرآن قرطبی، کلیات ابو البقاء کی ضرورت ہے، اگر کسی صاحب کے پاس ان میں سے کوئی کتاب ہو اور وہ علیحدہ کرنا چاہیں، تو مجھے اطلاع دیں،

عبد الماجد دریابادی ضلع بارہ بنکی

مطبوعاتِ جدیدہ

نصرت دین و اصلاح مسلمین کی ایک کوشش } از مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان تقطیع چھوٹی ضخامت صفحے، کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت مرتبہ الفرقان بریلی،

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک دعوت وتبلیغ اتنی متعارف ہو چکی ہے، کہ دینی تحریکات سے دلچسپی رکھنے والے اس سے ناواقف نہیں لیکن یہ تحریک عملی ہے، اور اس میں عملی شرکت اور تجربہ ومشاہدہ کے بغیر اس کی حقیقت واہمیت پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتی، مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے اس کے مقاصد، نظام اور طریقۂ کار پر الفرقان میں ایک طویل مقالہ لکھا تھا، اس کو انھوں نے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے، یہ تحریک بظاہر اسلام کی چند ابتدائی موٹی موٹی تعلیمات کی دعوت تک محدود ہے، لیکن اس کا جو نظام اور طریقۂ کار رکھا گیا ہے، اس میں دینی اصلاح کے تمام پہلو خود بخود آجاتے ہیں، چنانچہ اس میں سب سے زیادہ زور عملی شرکت پر دیا جاتا ہے، یعنی تبلیغی جماعتوں کے ساتھ اپنے مستقر اور ماحول سے دور تبلیغی سفر کئے جائیں، اور مبلغین کے لئے جو اصول وشرائط اور ان کا جو نظام رکھا گیا ہے، اس کا لازمی اور فطری نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ ان میں اپنی اور دوسرے مسلمانوں کی اصلاح کی ایک لگن پیدا ہو جاتی ہے، اور جو مسلمان اس تحریک میں شریک ہوتے جاتے ہیں وہ سب اسی سانچے میں ڈھلتے جاتے ہیں اس لئے نتیجہ کے اعتبار سے یہ تحریک مسلمانوں کی دینی اصلاح کا ایک وسیع پروگرام ہے جس کا تجربہ اس میں شرکت ہی سے ہو سکتا ہے موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی مذہبی اصلاح کی جتنی تحریکیں اور کوششیں ہوئیں ان میں نتیجہ کے اعتبار سے یہ تحریک سب سے زیادہ امید افزا ہے اس کی کامیابی کا مشاہدہ میوات کے علاقہ میں جاکر کیا جاسکتا ہے جہاں کے لاکھوں نام کے میواتی مسلمانوں کو اس تحریک کی برکت نے نہ صرف مسلمان بلکہ اسلام کا مبلغ بنا دیا اس تحریک کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے مسلمانوں کو اس رسالہ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے،

فنِ صحافت مؤلفہ جناب چودھری رحم علی صاحب ہاشمی بی اے تقطیع بڑی ضخامت ۲۲۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ہے، بے جلد عہ، پتہ انجمن ترقی اردو دہلی،

موجودہ زمانہ میں صحافت ایک مستقل فن بن گیا ہے، اس کے بہت سے اصول وشرائط اور ایک صحافی کی بڑی اہم ذمہ داریاں ہیں، اس کے لئے بڑے وسیع علم اور تجربہ کی ضرورت ہے، ترقی یافتہ ملکوں میں دوسرے

فنون کی طرح صحافت کی بھی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے، اس پر مستقل کتابیں ہیں، اب ہندوستان کی بعض یونیورسٹیوں میں بھی اس کا انتظام ہو گیا ہے لیکن ہندوستان کی صحافت ابھی ابتدائی منزل میں ہے، اردو میں اس فن پر غالباً کوئی مستقل کتاب نہیں ہے، لائق مصنف نے جو ایک تجربہ کار صحافی ہیں، اور کچھ دنوں تک مسلم یونیورسٹی میں اس فن کی تعلیم بھی دے چکے ہیں، فنِ صحافت پر یہ مفید کتاب لکھی ہے، اس کے تین حصے ہیں، پہلے حصہ میں شعبۂ ادارت کے عملہ اور کارکنوں ایڈیٹر، اسسٹنٹ ایڈیٹر، سب ایڈیٹر، رپورٹر، مترجم وغیرہ کے شرائط و فرائض و طریقۂ کار، اخباری مواد، خبر، ایڈیٹوریل، نوٹس، مضامین و مقالات، ترجمہ اور نقد و تبصرہ کے متعلق ہدایات، دوسرے حصہ میں شعبۂ طباعت اور تیسرے میں شعبۂ انتظامی کے متعلق معلومات ہیں، یہ کتاب فنِ صحافت کے تمام ضروری پہلوؤں پر حاوی ہے، اور اس فن کے متعلق اور بہت سے مفید و دلچسپ معلومات بھی آگئے ہیں، اردو میں یہ کتاب ایک قابلِ قدر اضافہ ہے، جن لوگوں کو فنِ صحافت سے دلچسپی ہے، اور انگریزی کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کر سکتے، انھیں ضرور اس کتاب سے فائدہ اٹھانا چاہیے،

تذکرہ بابِ حکومت مولفہ جناب محمد مظہر صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۵۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت قسم اول عہ قسم دوم صہ قسم سوم سے پتہ حیدری گشتی کتب خانۂ نظام شاہی روڈ حیدرآباد دکن،

دیسی ریاستوں میں دولتِ آصفیہ کا نظام اپنی وسعت و تنظیم کے اعتبار سے خاص امتیاز رکھتا ہے، خصوصاً عثمانی عہد کی اصلاح و تنظیم کے بعد اس میں اور زیادہ وسعت و ترتیب پیدا ہو گئی ہے، لائق مؤلف نے جو خود اس نظام کے ایک رکن رہ چکے ہیں، اس کتاب میں اس کے شعبۂ اعلیٰ یعنی بابِ حکومت کے حالات لکھے ہیں، کتاب کے شروع میں وزارت کے عہدے کن کی اسلامی حکومتوں اور دولتِ آصفیہ کے قیام کی مختصر تاریخ، اس کے قدیم وزراء کی فہرست اور غفران مآب میر محبوب علی خان کے عہد کی اصلاح و تنظیم کا مختصر حال ہے، پھر عثمانی دور میں بابِ حکومت کے قیام اور اعلیٰ انتظامی شعبوں کی تنظیمِ جدید کی تفصیل اور بابِ حکومت کے قیام سے لیکر موجودہ دور تک کے ارکان و عمالانِ حکومت کے حالات، ان کی کارگذاری، اس ۲۵ سالہ دور کے انتظامی تغیرات اور اس سلسلہ میں جو حالات و واقعات پیش آئے ان سب کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، اس طرح اس میں گویا دولتِ آصفیہ کی پچیس سال کی پوری انتظامی تاریخ آگئی ہے، کتاب دولتِ آصفیہ سے تعلق رکھنے والوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

پاکستان اور چھوت از چودھری افضل حق مرحوم، مترجمہ جناب اکرام قمر صاحب، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۵۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۴ر، پتہ مکتبہ اردو لاہور،

چودھری افضل حق مرحوم ان اصحابِ قلم میں تھے، جن کی تصانیف سنجیدہ طبقہ میں وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں، اپنے آخری ایام اسیری میں انھوں نے پاکستان پر انگریزی میں ایک کتاب لکھی تھی، مذکورۂ بالا کتاب اسی کا ترجمہ ہے، مرحوم احرار کی جماعت سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے پاکستان کے خلاف تھے لیکن پاکستان کے تخیل اور ہندو مسلم اختلاف کو دونوں قوموں کے سیاسی اور مذہبی اختلاف کے بجائے محض سماجی اور اقتصادی اختلاف اور چھوت کا نتیجہ سمجھتے تھے چنانچہ اس کتاب میں اسی نقطۂ نظر کو واقعات و دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور ہندو مسلمان دونوں کو آپس میں اور اچھوتوں کے ساتھ چھوت چھات اور تحقیر و تذلیل کا رویہ ترک کرکے باہم مساوات اور ایک دوسرے کے جذبات کے احترام کی تلقین کی ہے، مصنف کا یہ خیال کہ ہندو مسلم اختلاف اور پاکستان محض ان کے سماجی اور اقتصادی اختلاف اور چھوت کا نتیجہ ہے صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں مذہبی اور سیاسی اختلاف کو بھی دخل ہے اور اس کا سب سے بڑا سبب ہندوؤں کی تنگ نظری اور تنگ دلی کی چھوت بھی اسی کا نتیجہ ہے، مصنف نے اپنے خیال کی تائید میں جو واقعات و دلائل پیش کئے ہیں، اس سے زیادہ اس کے خلاف پیش کئے جاسکتے ہیں، تاہم مرحوم ایک صاحبِ فکر مسلمان تھے، اس لئے اس کتاب میں ہندو مسلمان دونوں کے لئے بہت سی مفید اور قابلِ غور باتیں بھی ہیں، ترجمہ صاف اور سلیس ہے،

کتاب الہند جلد دوم، مترجمہ جناب سید اصغر علی صاحب، تقطیع بڑی ضخامت ۴۴۸ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ بے جلد سے، پتہ:- انجمن ترقی اردو دہلی

حکیم ابوریحان محمد بن احمد المعروف بہ البیرونی کی مشہور تصنیف کتاب الہند ہندوؤں کے مذاہب، عقائد، تہذیب و معاشرت اور علوم و فنون کی مستند ترین تاریخ اور ہند قدیم کے حالات کا نہایت معتبر ماخذ ہے، حکیم مذکور نے برسوں ہندوؤں میں رہ کر ہندو علماء سے سنسکرت زبان اور ان کے علوم سیکھے، اور ان میں اتنا کمال حاصل کیا، کہ اس درجہ کے ہندو علماء بھی کم نکل سکیں گے، اور ہندوؤں کے علوم و فنون پر بہت سی کتابیں لکھیں، ان میں کتاب الہند سب سے زیادہ جامع اور مشہور ہے، اس کتاب کو جرمن فاضل ڈاکٹر ایڈورڈ سخاؤ نے ۱۸۸۸ء میں مقدمہ اور تصحیح کے ساتھ شائع کیا تھا، اس کتاب کی اہمیت اس کی متقاضی تھی کہ اردو میں اس کا ترجمہ کیا جاتا، لیکن یہ کام آسان نہیں تھا، اس کے علوم و فنون کے ابواب کو جن

کتاب کا بڑا حصہ مشتمل ہے، وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عربی زبان کی واقفیت کے ساتھ قدیم ریاضیات مین پورا درک رکھتا ہو، جس کا اجتماع شاذ و نادر نظر آتا ہے، اس لئے جناب سید اصغر علی صاحب نے اس اہم کام کو انجام دے کر اردو زبان کے علمی ذخیرہ مین ایک گران قدر کتاب کا اضافہ کیا ہے، راقم حروف ریاضیات سے ناآشنا ہے، اس لئے فنی مباحث کے ترجمہ کی صحت کے متعلق کوئی رائے نہین دیسکتا، لیکن توقع یہی ہے، کہ صحیح ہوگا، پوری کتاب الہند ۱۸۰ ابواب پر مشتمل ہے، ترجمہ کے پہلے حصہ مین ۳۰-۱ ابواب کا ترجمہ ہے، اور اس حصہ مین پچاس ابواب کا، امید ہو کہ یہ کتاب اہل علم مین قدر کی نگاہون سے دیکھی جائیگی،

الف لیلۃ ولیلہ حصہ چہارم مترجمہ ڈاکٹر ابو المحسن منصور احمد مرحوم سابق پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ تقطیع بڑی ضخامت ۴۰۸ صفحے، قیمت مجلد ۵ ربے مجلد للعہ،

پتہ:- انجمن ترقی اردو دہلی،

انجمن ترقی اردو نے عربی ادب اور افسانے کی مشہور اور بے مثل کتاب الف لیلۃ ولیلہ کا بھی ترجمہ کرایا تھا، جس کے تین حصے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہین، ایک حصہ پر معارف مین بھی ریویو ہو چکا ہے، زیر نظر حصہ چوتھا ہے، اس مین چار سو باسٹھوین رات سے لیکر چھ سو چوبیسوین رات تک کی داستان ہے، ترجمہ صحیح شستہ اور سلیس ہے،

واجد علی شاہ از جناب محمد تقی احمد صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے، کاغذ معمولی کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ:- دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ،

اس کتاب مین جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ کے حالات ہین، کتاب پانچ بابون پر تقسیم ہو، پہلے باب مین حکومت اودھ کی مختصر تاریخ ہے، دوسرے مین واجد علی شاہ کے دور کے سیاسی حالات اور حکومت اودھ کے خاتمہ کی تفصیل ہے، تیسرے مین واجد علی شاہ کے اخلاق وسیرت کا مختصر حال ہے، چوتھے مین نظام حکومت کا خاکہ، اور پانچوین مین لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت کا مختصر تذکرہ ہے، موضوع کی اہمیت کے لحاظ سے کتاب سرسری اور تشنہ ہے، لیکن سقوط اودھ کے اسباب پر خود انگریزون کی تحریرون اور سرکاری کاغذات سے اچھی بحث کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ اودھ کی حکومت کے خاتمہ کے اصلی اسباب کیا تھے اور پروپیگنڈے نے اس کو کیا شکل دیدی ہے کتاب گو مختصر ہے لیکن فائدہ سے خالی نہین، "م"

جلد ۵۶ ماشعبان المعظم و ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۷ء عدد ۲

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۶۶ - ۶۸
رومن کیتھولک تاریخ کی چند مسخ شدہ کہانیاں	″	۶۹ - ۷۷
عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام اور ان کی تصانیف،	جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب علیگ رفیق دارالمصنفین	۷۸ - ۹۲
معتمد الملوک حکیم علوی خان	جناب معین الدین صاحب رہبر فاروقی	۹۳ - ۱۰۵
اردو ادب کی تاریخ کے لئے ایک نصب العین	ڈاکٹر محمد حفیظ سید ایم اے پی ایچ ڈی، ڈی لٹ الہ آباد،	۱۰۶ - ۱۱۰
دکنی گجراتی کا کچھ غیر مطبوعہ کلام،	جناب غلام مصطفیٰ خان صاحب ایم اے ایل ایل بی علیگ لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)	۱۱۱ - ۱۱۵
عہد اسلامی میں جیلی ٹن کا موجد کون تھا؟	″س″	۱۱۶ - ۱۲۰
ہندو راجکماریوں کے بطن سے مسلمان سلاطین کی اولادیں،		۱۲۰ - ۱۲۱
مصحف عثمانی کا فوٹو،		۱۲۱ - ۱۲۲
عربوں کا اکتشاف امریکہ		۱۲۳ - ۱۲۳
مطبوعات جدیدہ	″م″	۱۲۴ - ۱۲۸

شذرات

شملہ کانفرنس کا حسرتناک انجام سب کے سامنے ہے، فریقین مین سے ہر ایک دوسرے کو اس کی ناکامی کا ملزم ٹھہرا رہا ہے، مگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کانفرنس کی تعمیر ہی مین خرابی کی ایک صورت مضمر تھی اور وہ یہ کہ ان مسلمانون کے انتخاب کا اختیار کس کو ہوگا، یہ ایک ایسا سوال تھا جو اول ہی دہلہ مین سامنے آتا تھا، اس کا جواب سوچے بغیر جو بزم رچائی گئی اوس کی برہمی کی پیشینگوئی کوئی بڑی مشکل نہ تھی اس لئے ہز ایکسلنسی وائسرائے کا یہ ارشاد کہ اس کانفرنس کی ناکامی کے وہی ذمہ دار ہین تو واضع کی بنا پر نہین، بلکہ واقعہ ہے اور اس تماشے سے مقصود شملہ کی بلندی سے دنیا کو اہل ہند کے باہمی اختلاف کی داستانون کو سارے عالم مین پھیلانا تھا، اور یہ مقصود حاصل ہو کر رہا،

لیبر پارٹی کی کامیابی سے ہندوستانی اہل سیاست کچھ مسرور سے نظر آتے ہین، کتنے احباب نے مزدور لیڈرون کو خوشی اور مبارکباد کے تار بھیجے ہین لیکن کیا لیبر پارٹی کا وہ زمانہ یاد نہین رہا جب ریمزے میگڈانلڈ صاحب کی وزارت مین مزدور حکومت برسر اقتدار آئی تھی، اس وقت بھی بہت سی امیدین بندھی تھین، مگر کیا وہ ایک ایک کر کے آخر ٹوٹ نہین گئین، پھر اٹیلی صاحب کی وزارت مین اس سے بہتر امیدون کا خواب دیکھنا ایک ہی حماقت مین دوبارہ گرفتار ہونا ہی ہم کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ہمارے حق مین انگلستان کی ہر پارٹی کنسرویٹو ہے،

یورپ صرف قوت کے دیوتا کا پجاری ہے، خواہ یہ جنگی ہو یا مالی، اس کے عدل و انصاف اور رحم و ترحم اور سوال و دریوزہ گری کے نام سے اوس سو کسی قوم کو کچھ نہین مل سکتا، یہود جو کبھی ذلیل تھے اور کسی سیاست مین اعتنا کے قابل نہ تھے ان کی دولت کے چشمہ نے لیبر پارٹی کے سیلاب کے بہاؤ کے رُخ کو بدل دیا ہے چنانچہ اس کے ایک نمایندہ کا یہ بیان پہلے بھی پڑھا گیا کہ وہ فلسطین مین یہود کی مدد کرین گے اور اب دباؤ پڑھا گیا کہ اس کی پارٹی فلسطین مین ایک آزاد یہودی ریاست کی تائید مین ہے،

عرب ریاستون کی جو متحدہ کوششیں اس وقت نظر آتی ہین وہ خود مختار عرب رئیسون اور امیرون کی ارادی حرکت نہین، بلکہ گذشتہ برسر اقتدار انگریز پارٹی کے چشم و ابرو کے اشارہ کا نتیجہ تھی، اور اس بھید کو خود لیبر پارٹی کے ایک ممبر نے کھول دیا ہے لیکن اب جب وہ کسی نہ کسی طرح اپنا متحدہ محاذ پیش کر چکے ہین، تو دیکھنا ہے کہ انگریزی اشارات کے ختم ہونے کے بعد بھی وہ کہان تک اپنی بات پر جمے رہتے ہین،

یہ کھلا ہوا راز ہے کہ نہر سویز انگریزی شہنشاہی کے گلے کی شہ رگ ہو جس کے کٹنے سے خود شہنشاہی معرض زوال مین آجائے گی، اس لئے اس کی حفاظت انگریزی قوم کی زندگی کا فرض ہو لیکن مصر کی خود مختاری کے اعتراف کے بعد نہر کی ایک جانب سے اگر ان کا پہرہ اٹھ جائے گا، تو لازماً دوسری جانب جو فلسطین کا ملک ہو، پہرہ کی چوکی بٹھانی پڑے گی، اور اس کے لئے ایک ایسی قلیل التعداد باشندون کی قوم سب سے زیادہ مناسب ہے، جو اپنے وجود کے لئے ہر وقت انگریزون کی محتاج رہے اور یہی انگریزی سیاست دانون کی اصطلاح مین فلسطین مین یہودی آبادی اور یہودی ریاست کے معنی ہین،

روسی بالشوزم آہستہ آہستہ جس طرح روسی نیشنلزم کی صورت مین بدل رہا ہو، ہر غور کرنے والے کو نظر آسکتا ہو، اب طنجہ پر بھی نظر ہو، دردانیال کی بھی ضرورت ہو، ایرانی تیل کے چشمے بھی چاہئین، اور شاید بعض ایرانی صوبے بھی اور ٹرکی صوبون مین سے قارص اور اردھان کے دو صوبے بھی مطلوب ہین، آخر زار کا تصور بھی اس سے زیادہ کیا تھا، عجب نہین کہ ان واقعات پر ہماری ملت کے غدار افراد فلسفہ رشکم کے کچھ نئے راز بتا کر ہم کو تسکین دینے کی کوشش کرین گے، تاہم واقعہ واقعہ ہو، فلسفہ کے اختراع سے واقعہ نہین بدل سکتا،

نگار کے ملحدانہ مضامین مین کچھ نئے نہین گو رنگ بدل کر کہتے ہی اسلوب اختیار کرو اس کا ماخذ اصل کفر ہی ہو، بھلی اس کے مدیر نے اپنے مذہب کا خاکہ کھینچا ہے جس کا خلاصہ یہ ہو کہ خدا کوئی چیز نہین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حساس قلب، مصلح دل و دماغ اور حکیم فطرت انسان تھے، انھون نے گرد و پیش کی قومون سے بہت سی عمدہ باتین سن کر اور ان کو اپنا کر اپنا شاعرانہ دیوان قرآن نام جمع کیا، اب اگر اس مین بقول ٹسڈل دوسری کتابون سے کچھ لیکر شامل کر دیا گیا ہو تو اس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات مین کوئی فرق نہین آسکتا، یہ ہو اس مضمون کا خلاصہ جس کا ماننے والا ظاہر ہے کہ کسی طرح مسلمان نہین کہلایا جاسکتا ہو، اور جس کا مقصود یہ ہوا کہ ٹسڈل کے ہفوات تمامتر صحیح ہین اور نگار کے عقیدہ کے مطابق ہین،

مدیر نگار سے مین نے خط لکھ کر مطالبہ کیا اور اب بھی کرتا ہون کہ ڈاکٹر ٹسڈل کے نام سے جس کتاب کا اشتہار وہ بار بار دے رہا ہو وہ اس کے صحیح نام اور اس مطبع سے جس مین وہ چھپی ہے، اور جو نسخہ اس کے پاس ہے اس کے سال و مقام طبع سے مطلع کرے یا وہ تھوڑی دیر کے لئے دفتر معارف مین بھیجدے تاکہ یہ معلوم ہو کہ جو ترجمہ اس نے شائع کیا ہو وہ ٹسڈل کی کسی کتاب کا ترجمہ ہو بھی یا نہین، یا اسی پرانے میانیج القرآن کا دوسرا اڈیشن ہے جس کو مدیر نگار کی جودت قلم نے خود گھڑ تیار کیا ہو اور اس کے لئے ھل من مبارز کا نعرہ بار بار لگ رہا ہے،

اعتراض کا یہ اچھا طریق ہے کہ آپ بااین ہمہ جہل و نادانی اپنے دفتر مین چودھری بن کر بیٹھیں اور علماء سے جواب کا مطالبہ کرین اور جو جواب دین اوس مین سے کسی کو ناقص اور کسی کو غیر تشفی بخش کہکر استہزا کرین گویا حافظ نے یہ شعر اسی کے لئے کہا تھا

نگارِ ما کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
بہ یک نگاہ ادب آموز صد مدرس شد

اس طرح تو کسی سوال کا کوئی جواب ہی نہیں ہو سکتا، معترض کا کام کتنا آسان ہو کہ لوگ اس کو جوابات دیتے جائیں اور وہ سب سن کر آخر میں یہ کہدے کہ تسلی نہیں ہوئی، ایسے ہی لوگوں کے باب میں قرآن پاک کا یہ فتوی ہے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ،

مدیر نگار نے اس مضمون مذکور میں اپنے اسلام کی جو حقیقت بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ وہ مذہب ہے جس کو عرب کے مصلح و حکیم نے زمانہ کے حالات کو دیکھ کر بنایا ہے، اور اپنے ان تجربات کے تاثرات کو قرآن میں اپنے لفظوں میں ادا کیا ہے، خدا کا عقیدہ قیامت اور جنت و دوزخ وغیرہ کے عقائد برائے بیت ہیں، عبادات وغیرہ رسوم ہیں، اصل میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کردار کو دیکھنا چاہئے اور وہی عین اسلام ہے لیکن کیا ایسے شخص کا کردار سند ماننے کے قابل ہو سکتا ہے جو عمر بھر یہ جھوٹ بولتا رہا ہو کہ وہ خدا کا بھیجا ہوا ہے، اور فرشتوں کے ذریعہ خدا کا پیغام اس کے پاس آتا ہے، اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہ خدائی بولی ہے حالانکہ وہ ساری اسی کی بنائی ہوئی ہے، اور اس کی اپنی ایجاد ہے مگر لوگوں کو سمجھانے اور منوانے کے لئے وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے، اس سے زیادہ شدید الزام کسی پاک ہستی پر اور کیا ہو سکتا ہے،

مدیر نگار نے اتنے پیچ و خم سے جو بات کہی ہے وہ نئی نہیں ہے، ہر زمانہ کے زنادقہ یہی کہتے آئے ہیں، کہ انبیاء علیہم السلام نے عوام کی بھلائی کے لئے یہ جھوٹ گھڑ کر پھیلایا ہے،

گویا مذہب اک دروغ مصلحت آمیز ہے،

باطنیہ اسی خیال کو تاویلات فاسدہ کے رنگ میں پیش کرتے ہیں، یہ زمانہ آزادی کا ہے، اس لئے تاویل کے پردہ کی ضرورت بھی نہیں رہی، بے پردہ بات کہدی گئی، اور پھر اس پر بھی اسلام کا دعویٰ ہے،

وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

ظاہر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مسلمانوں پر اس لحاظ سے واجب نہیں ہے کہ آپ عرب کے حکیم یا انسانیت کے مصلح تھے، بلکہ اس لئے واجب ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں اور رسول اللہ کا تصور بغیر اس کے کہ اللہ پر ایمان لایا جائے ممکن ہی نہیں ہے،

مقالات

چند من گھڑت کہانیاں

بنگال سنتے ہیں کہ مسلمانوں کا صوبہ ہے مگر وہاں کی تعلیم گاہوں سے وقتاً فوقتاً مسلمان اور اسلام اور تاریخ اسلام کے متعلق ایسی ہنگامہ خیز اطلاعیں آتی ہیں کہ ہم کو یہ سوچنا پڑتا ہے کہ کیا واقعی بنگال میں مسلمانوں کی کوئی قوت ہے بھی یا نہیں،

ابھی اکبر کی دین الٰہی والی کتاب کا ہنگامہ فرو نہیں ہوا تھا کہ معلوم ہوا کہ کلکتہ کے ایک مشنری کالج (سینٹ زیویرس کالج) کے ہائی اسکول سکشن میں ایک کتاب کیتھولک چرچ ہسٹری طالب علموں کو پڑھائی جاتی ہے، جس میں ایک باب اسلام کے سخت خلاف ہے، کتاب مذکور کے اس باب کا خلاصہ میں نے پڑھا تعجب ہوا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو مذہبی رواداری ہی کے خلاف نہیں، بلکہ علم اور واقفیت کے بھی خلاف ہے، عیسائیوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو یہ طعن دیا ہے کہ انھوں نے تلوار کے زور سے اپنے مذہب کو پھیلایا ہے، یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط، مگر بہرحال انھوں نے جھوٹ اور فریب سے اپنے مذہب کو کبھی نہ پھیلایا، جیسا کہ اس زمانہ کی مشنریوں کی تبلیغی کوششوں میں نظر آتا ہے، اس کتاب کے اس باب کا حاصل بھی یہی ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو بزور شمشیر پھیلایا ہے ممکن ہے بعض صورتوں میں یہ واقعہ صحیح ہو جس طرح جرمنی کے باب میں یہ واقعہ صحیح ہے کہ وہاں عیسائیت تلوار کی نوک سے پھیلائی گئی ہے،

اس باب میں پیغمبر اسلام علیہ السلام اور خلفاء کے بھی مختصر واقعات ہیں، دنیا اس تحقیق کو سن کر حیران رہ جائے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ یہودیہ تھیں، حضرت آمنہ بنت وہب جو قریش کی سیدہ تھیں ان کو یہودی نسل یا مذہب سے بتانا ایک ایسا جھوٹ ہے جس کی مثال مشکل سے مل سکے گی،

اس کتاب کا یہ بیان کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے تیسوین سال مین نبوت کا دعوی کیا مشہور جہالت کا آئینہ ہے، دنیا جانتی ہے کہ حضورؐ کی نبوت اس کے دس برس بعد کا واقعہ ہے، جب عمر شریف چالیس سال کی تھی، اور شباب کا عہد اپنے اختتام کو پہنچ چکا تھا،

ولادت کا سال ۵۷۰ء بتا کر ہجرت کا سال ۶۲۲ء بتانا بھی تاریخ کا خون کرنا ہے، اس کے معنی یہ ہین کہ ہجرت کا واقعہ آپ کی عمر کے بیالیسوین برس پیش آیا، حالانکہ آپ کی عمر اس واقعہ کے وقت باتفاق عام ترپن سال کی تھی، کیونکہ چالیسوین سال آپ کو نبوت ملی، اور اس کے بعد تیرہ سال مکہ مین رہ کر قریش کے ہر قسم کے ظلم و ستم سہے تب مدینہ کو ہجرت فرمائی، اور اس کتاب کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت ملنے کے بعد جب بت پرستی کے خلاف آپنے وعظ شروع کیا، تو بت پرست قریشیون کے غیظ و غضب کو دیکھ کر آپ فوراً اپنے ساتھیون کے ساتھ مدینہ چل دیئے، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے،

یہ بیان بھی تحقیق سے خالی ہے کہ قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جمع کیا گیا، کوئی کتاب جس کی سطرین یکجا اور آیات مرتب نہ ہون، نہ پڑھنے مین آسکتی ہے، اور نہ اُس کی تلاوت کیجا سکتی ہے، حالانکہ ہر ایک کو معلوم ہے، کہ قرآن پاک کا ہر حصہ اُس وقت بھی ہر مسلمان نماز مین پڑھتا تھا، اور ہر روز اس کی تلاوت کرتا تھا، ہان یہ صحیح ہے کہ کاغذ پر اس کی تمام آیتیں اور سورتین یکجا ترتیب کے ساتھ بشکل کتاب حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین لکھی گئین،

اس کتاب کا بیان ہے کہ جب آپؐ سے درخواست کی جاتی تھی، کہ آپ کوئی مافوق الفطرت نشانات اپنے دعوی کی تائید مین پیش کرین، تو آپ جواب دیتے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ نے معجزات دکھانے کے لئے نہین بھیجا بلکہ دعوت دینے اور لڑنے کے لئے بھیجا ہے" اس بیان کی صداقت کے لئے مصنف نے قرآن کی سورہ ۱۳، آیہ ۷ کا حوالہ دیا ہے، میرا چیلنج ہے کہ اس معنی کی کوئی آیت قرآن پاک مین نہین ہے تیرہوین سورہ رعد ہے اور اس کی جس تیرہوین آیۃ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ شاید حسب ذیل ہے:

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ	اور کافر کہتے ہین کہ اس پر اس کے پروردگار
عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ط إِنَّمَا أَنْتَ	کی طرف سے کوئی نشانی کیون نہین اتری
مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝	(اے محمد) آپ تو خبردار کرنے والے ہین
(رعد - ۱)	اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے،

لہ ولادت کی تاریخ بھی بالکل غلط ہے، ۵۷۰ء کی بجائے ۵۷۱ء ہونا چاہیئے ۱۲

اس آیت مین کوئی لفظ ایسا نہین جو معجزہ نہ دکھانے کے واقعہ کو ظاہر کرے، اور یہ کہنے کہ آپ "لڑنے" کو بھیجے گئے ہین، خیال ہوتا ہے کہ شاید قرآن پاک کے کسی ترجمہ مین مُنذِر کا ترجمہ خبردار اور ہشیار کرنیوالے کے بجائے ڈرانے والا یا ڈر سنانے والا کیا گیا ہے، اور اس سے لڑنے کا مفہوم حاصل کیا گیا ہے، ایسے لوگون کی اطلاع کے لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ منذر عربی زبان مین وقت سے پہلے آنے والی مصیبت کو بیان کرکے اوس سے بچنے کی تدبیر کے لئے تیار کرنے والے کو کہتے ہین، جیسے ڈاکٹر کسی مریض کو دیکھکر آیندہ خطرات سے اوس کو ہشیار اور متنبہ کرے کہ اگر اپنی حالت کی درستی کے لئے کوشش نہ کروگے تو تم کو فلان فلان بیماریان لاحق ہوجائین گی، اس "انذار" کو جنگ اور لڑائی سے کوئی تعلق نہین، یہ تنبیہ اوس عذاب الٰہی کے مقابلہ مین ہے جو دوسری دنیا مین اسلام کے پیغام کے نہ ماننے اور اوس پر عمل نہ کرنے سے پیش آنے والا ہے، قرآن کی بہت سی آیتون مین یہ لفظ آیا ہے، اور انہی معنون مین آیا ہے، جیسے سورۂ زمر مین ہے، فرشتے قیامت مین کہین گے :-

اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَتْلُوْنَ	کیا تمھارے پاس تمھارے مین سے رسول
عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ رَبِّکُمْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ	تم کو تمھارے پروردگار کے حکم کو پڑھکر سناتے
لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا،	اور اس تمھارے دن کی ملاقات سے ڈراتے
(زمر - ۸)	اور ہشیار کرتے نہین آئے،

کیا قیامت کا میدان لڑائی کا میدان ہے، دوسری جگہ ہے،

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰھَا	آپ اس کو ڈر سنانے والے ہین جو قیامت
(نازعات-۲)	سے ڈرتا ہے،

دیکھئے اس مین ٹھیک وہی لفظ مُنذِر ہے جو پہلی آیت مین ہے،

سورۂ یٰسین مین ہے :-

وَسَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ	اور برابر ہے ان کو تم ہشیار کرو یا نہ کرو وہ ایمان
لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ اِنَّمَا	نہین لائین گے، تم اسی کو ہشیار کرسکتے ہو
تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکْرَ وَخَشِیَ	جو نصیحت کی پیروی کرتا اور بن دیکھے رحمت والے
الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ فَبَشِّرْہُ بِمَغْفِرَۃٍ	خدا سے ڈرتا ہے، تو اس کو گناہون کی
وَّاَجْرٍ کَرِیْمٍ، (یٰسین - ۱)	معافی اور نیک مزدوری کی خوشخبری سنادے

کیا یہ "انذار" اعلان جنگ ہے، اور کیا اسی کو اعلان جنگ ہے، جو نصیحت کو مانتا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو، یہ کیسا حماقت کا خیال ہے،

قرآن کہتا ہے:-

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا	اور دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں
نَذِيْرٌ، (فاطر - ۳)	ایک ڈر سنانے والا نہیں آیا،

کیا ہر قوم میں آنے والا ڈر سنانے والا پیغمبر ہے، جو قوموں کو ان کے اعمال بد کی پاداش سے ہشیار اور باخبر کرکے ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرتا ہے، یا وہ جنگ کا الٹی میٹم دینے والا ہوتا ہو،

ایک اور آیت ہے:-

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا	اے پیغمبر تم تو اس کو جو قیامت سے
(نازعات - ۲)	ڈرتا ہو ہوشیار کرنے والے ہو،

یہاں صاف تصریح ہے کہ عربی میں لفظ انذار کا مفہوم ہشیار و باخبر کرنا اور عمل بد کی پاداش سے متنبہ کرنا ہو نہ کہ لڑائی اور جنگ جوئی،

اب یہ کہنا ہے کہ اس آیت میں بے شبہہ عجائب و غرائب اور خوارق عادت کے مانگنے والے کو خوارق اور معجزات کے بجائے اسلام کی تعلیم و ہدایت کی صداقت میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے، اور عجائب پرستی کے عامیانہ جذبہ کے بجائے عقل و خرد کو کام میں لانے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، مگر اس سے اس کا انکار نہیں نکلتا، کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ معجزات دکھانے سے انکار کیا ہے، قرآن خود معجزہ ہے، اور اس میں متعدد معجزوں کا بیان مذکور ہے جن میں ایک شق القمر کا معجزہ بھی ہو، جو سورۂ قمر میں ہے اسی طرح بدر اور خندق کے معجزوں اور روم کی فتح کی پیشینگوئی کا ذکر بھی ہے،

اس آیت میں معجزوں کے دکھانے سے جو پہلوتہی ظاہر کی گئی ہے، اس کے وہی معنی ہیں، جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ان فقروں کے ہیں جن میں معجزوں کے دکھانے سے انھوں نے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ "اس قوم کو یونس کے معجزہ کے سوا اب کوئی اور معجزہ نہیں دکھایا جائے گا" (تفصیل منظور ہو، تو میری کتاب سیرۃ النبی کی تیسری جلد میں اس کو پڑھیں)

اتفاق سے انجیل کا ایک نسخہ اس وقت مل گیا ہے، اس سے یہ دو درس بالفعل

نقل کر دیئے جاتے ہیں :

"اے استاد ہم تجھ سے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں، اوس نے جواب دیکر اُن سے کہا اس زمانہ کے بُرے اور زناکار لوگ نشان چاہتے ہیں، مگر یونا نبی کے نشان کے سوا کوئی اُور نشان ان کو نہ دیا جائے گا، (متی ۱۲ - ۳۹)

مرقس میں ہے :-

"پھر فریسی نکل کر اوس سے بحث کرنے لگے، اور آزمانے کے لئے اوس سے کوئی آسمانی نشان طلب کیا، اوس نے اپنی روح میں آہ کھینچ کر کہا اوس زمانہ کے لوگ کیوں نشان طلب کرتے ہیں؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا، اور وہ ان کو چھوڑ کر پھر کشتی میں بیٹھ گیا، (۸ - ۱۱)

اس انجیل میں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزوں سے بھری ہوئی ہے، آزمایشی اور فرمایشی معجزوں کے جواب میں انکار کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے تائیدی معجزے گو بکثرت ہوتے ہیں مگر متحدی بہ معجزہ کے دکھانے سے وہ انکار کرتے ہیں، کہ قانون الٰہی کے مطابق ایسے معجزوں کے ظہور کے بعد نافرمان امت کی ہلاکت یقینی ہے۔ اس لئے وقت مقرر سے پہلے یہ فرمایش پوری نہیں کی جاسکتی، ٹال نہیں جاتی کیا عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس انکار کی توجیہ اس سے بہتر کر سکتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب میں آخرت کو صرف مادی شکل میں پیش کیا گیا ہے، اور اس کے روحانی تخیل سے خالی ہے یہ بھی معترض کی بے خبری ہے، اوّل تو یہ عرض ہے کہ انجیل میں کیا قیامت کے بعد جنت میں اپنے ساتھیوں کے پہلو میں افشردہ انگور خواہ وہ شربت ہو یا شراب پینے کا ذکر نہیں (متی ۲۶-۲۹) اور کیا دوزخ کی "آگ" کا منظر انجیل میں جا بجا نہیں دکھایا گیا ہے، (لوقا ۱۲ - ۵ و ۱۶ - ۲۳ - متی ۲۳ - ۳۳) تفصیل منظور ہو تو میری کتاب سیرۃ نبوی کی چوتھی جلد میں دوزخ اور جنت کا بیان پڑھیں، اس میں بائبل کے اکثر حوالے لکھے ہیں جن کو روشن خیال عیسائی چھپاتے ہیں جہنم کے عذاب کا ذکر (متی ۲۳ - ۳۳) میں ہے،

فریسی یہودی جو قیامت کو مانتے تھے، وہ جنت و دوزخ کو سراسر مادی، اور عیسائی ان کو سراسر روحانی فرشتوں کی سی زندگی بتاتے ہیں، اسلام میں جنت و دوزخ کے تصور میں مادی و روحانی دونوں منظروں کی جامعیت ہے، بہشت باغ و بہار بھی ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور

خوشنودی اور دیدار کے روح پرور جمال کا نظارہ گاہ بھی ، جیسا کہ قرآن کہتا ہے ،

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اور اللہ کی خوشنودی آخرت کی سب

(توبہ - ۹) نعمتوں سے بڑھ کر ہے،

(تفصیل میری مذکورۂ بالا کتاب کی چوتھی جلد میں ہے)

زیر اعتراض باب کا آخری حصہ اس بیان میں ہے، کہ اسلام کی اشاعت صرف تلوار کے زور سے ہوئی ہے، یہ بالکل ٹھیک ہے، انہی معنوں میں جن معنوں میں آج بھی عیسائی یورپ اپنی عیسائی تہذیب کی اشاعت توپ و تفنگ اور ہوائی جہازوں اور ٹینکوں کے ذریعہ سے کر رہا ہے، جس کے زیر سایہ عیسائی سامان عیش و مسرت اور مشنری صلح پسندوں کا غول ملکوں میں داخل ہوتا ہے، اور ان پڑھے جنگلیوں کو بے خبری کی حالت میں عیسائی بناتا ہے، افریقہ کے نگرو اگر عیسائیت کے بجائے اسلام کو قبول کرتے ہیں، تو اس سے ہمارے عیسائی دوستوں کو فکرمند ہونے کی کیا بات ہے،

اسلام کی تلوار ابی سینیا میں کبھی نہیں چمکی، پھر وہاں مسلمانوں کی تعداد کہاں سے آئی، جزائر ملایا و سیام میں کبھی اسلام نے کوئی لشکر نہیں بھیجا، پھر یہ کروروں مسلمان ان جزیروں میں کہاں سے آباد ہو گئے، فلپائن اور مدگاسکر وغیرہ جزیروں میں اسلام کس کشور کشا جلاد کے خوف کا نتیجہ ہے، چین میں مسلمانوں کی حکومت کبھی نہیں ہوئی، پھر وہاں کے کروروں مسلمان کس تلوار کے زور سے مسلمان بنائے گئے، ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ان کی حکومت کے ختم ہونے کے بعد بھی تین چار کروڑ سے زیادہ نہ تھی، جیسا کہ پہلی انگریزی مردم شماری میں درج ہے، مگر سو برس کے عرصہ میں ان کا بے تلوار کے دس کروڑ کے قریب ہو جانا کس مادی ہیبت کا نتیجہ ہے، پھر آج یورپ کے مختلف ملکوں اور گوشوں میں اسلام کی نو واری جب کہ اس کی تلوار زنگ آلود ہو چکی ہے کس اعجاز کا کرشمہ ہے، افریقہ کے ریگستان کے ہر ٹکڑے میں آج عیسائیت تلوار کے زور سے قائم ہے تاہم روحانی مفتوحوں کی بڑی تعداد عیسائیت کے بجائے اسلام کے آغوش میں آتی ہے کیونکہ اسلام افریقہ کو ایمان کی تازگی کے ساتھ حکومت کی آزادی بھی بخشتا ہے لیکن عیسائیت تثلیث کی بت پرستی کے ساتھ یورپ کا غلام بناتی ہے،

رومن کیتھولک چرچ کی تاریخ میں یہ بھی لکھا تھا، کہ رومن کیتھولک چرچ انسانوں کو پوپوں کو معتقد بنایا کرتا تھا، اسلام نے آکر انسانوں کو صرف ایک خدا کا معتقد بنایا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہودیوں نے

حضرت مریم صدیقہ پر جو اخلاقی تہمت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو الزامات لگائے تھے، اسلام ہی ہے جس نے ان معصومون کی عصمت کی گواہی دیکر کروڑون بندگان خدا کے دلون مین ان کی سچائی اور صداقت کا سکہ بٹھایا، اور عیسائیون نے ان کو انسانون کے بجائے جو دیوتا کی شکل عطا کی تھی، اس کو مٹا کر مقدس انسانون اور محبوب بندگان الٰہی کی صورت مین جلوہ گر کیا،

مصنف کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تیغ زن سپاہیون سے بڑی شکایت ہے لیکن کیا کارلائل کی زبان مین اوس سے پوچھ سکتا ہون کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تیغ زن سپاہیون کو تن تنہا کس تلوار کے زور سے مسلمان بنایا، ایسے تیغ زن سپاہیون، بہادرون کو جن مین سے کسی نے ایران کا تخت الٹ دیا، کسی نے قیصر سے مصر و شام اور شمالی افریقہ کا سارا علاقہ چھین لیا، اور کسی نے خراسان و ترکستان کی سرزمینون کو روند ڈالا،

مشنریون نے اسلام کے خلاف جو یہ خیال پھیلا رکھا ہے، کہ وہ کوئی نیا مذہب نہین، بلکہ وہ صرف عیسوی اور یہودی مذہب کا مجموعہ ہے، کوئی نیا اعتراض نہین، یہ تو پیغمبر اسلام علیہ السلام کے عہد مین بھی کفار نے کہا تھا،

لیکن یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ بجائے خود اسلام کا دعوی بھی یہی ہے، کہ یہ کوئی نئی چیز نہین بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جو کچھ انبیاء علیہم السلام سے کہا گیا تھا اور جس کو ان کے پیروون نے بھلا دیا تھا، اسلام کے ذریعہ سے وہی پیغام پھر دنیا مین بھیجا گیا، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے معترضون سے یہ کہا تھا کہ مین تورات کے قانون کو مٹانے کیلئے نہین بلکہ اس کو پورا کرنے کے لئے آیا ہون، اور جب تک دنیا قائم ہے، تورات کا ایک نقطہ نہین بدل سکتا، اسی طرح قرآن کا دعوی ہے کہ وہ تورات اور انجیل کا مصدق ہے،

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (بقرہ ۱۷) اگلی کتابون کو سچا بتانے والا،

اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ دین الٰہی ایک ہی ہے جو آدم علیہ السلام سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یکسان پیغمبرون کے ذریعہ بھیجا جاتا رہا، اور قرآن پاک مین جو کچھ ہے، وہی اگلی کتابون مین بھی تھا، چنانچہ وہ اپنی نسبت آپ گواہی دیتا ہے، تورات اور انجیل کے ذکر کے بعد ہے،

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ اور ہم نے تیری طرف قرآن اتارا حق
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ کے ساتھ اپنے سے پہلے کی کتابون کی

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (مائدہ - ۷) تصدیق کرتی ہے، اور ان کتابوں "مہیمن" ہے،

لفظ مہیمن کا ترجمہ محافظ، مشتمل اور جامع بھی کیا گیا ہے،

سورۂ شعراء مین ہے:-

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ (شعراء - ۱۱) اور یہ مضمون (جو قرآن مین ہے) اگلوں کی کتابون مین (بھی) ہے،

ایک اور سورہ مین ہے :-

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی (اعلیٰ) یہ مضمون اگلے صحیفون مین ہے، اور ابراہیم اور موسیٰ کی کتابون مین،

سورہ شوریٰ مین ہے :-

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی، (شوریٰ - ۲) اللہ نے تمھارے لئے وہی دین مقرر کیا جس کا اوس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے تمھارے پاس وحی کیا اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا،

اب جس بات کا قرآن خود دعویٰ کر رہا ہو، اور جو اوس کی متفقہ اور متحدہ صداقت کی دلیل ہو، اوس کو اعتراض کے موقع پر پیش کرنا کہان تک صحیح ہے، اسلام کا عقیدہ یہی ہے کہ تمام انبیاءؑ ایک ہی دعوت ایک ہی تعلیم اور ایک ہی شریعت لے کر آئے، مگر ان کے متبعون نے اس کو کھو دیا، اور بگاڑ دیا، اب وہی چیز قرآن کے قالب مین آخری بار آئی ہے۔ اور اب اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی ہے، وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ،

اب جہان تک عقائد حقہ، تعلیمات صحیحہ اور انبیاءؑ کے صحیح واقعات و قصص کا تعلق ہے، قرآن پاک اور تورات اور انجیل کی یکسانی بالکل کھلی بات ہے لیکن جہان ان کتابون کی تحریفات اور انسانی آمیزشون کا تعلق ہے، قرآن ان سب سے الگ اور ان سب سے ممتاز ہے، تثلیث کا عقیدہ اور ان عقائد کے ذکر سے جن کو پاولوس نے دین عیسوی مین شامل کیا ہے قرآن پاک بری ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے قصون کے

اُن عناصر کی جو توراۃ مین بُری طرح آج مذکور ہین، قرآن نے علانیہ . . . . تردید کی ہے اور انبیا علیہم السّلام کی عصمت کو دنیا مین دوبارہ ظاہر کیا ہے، اگر قرآن پاک موجودہ انجیل اور موجودہ توراۃ کا مجموعہ ہوتا، تو یہ امتیاز کیون نظر آتا،

مقصود یہ ہے کہ خدا، انبیاء، قیامت، جزا و سزا اور قصص انبیاؑ کی حد تک قرآن اور دیگر آسمانی کتابون کا اتحاد، قرآن پاک کی صداقت کی دلیل ہے، نہ کہ بطلان کی، کہ یہ سب چشمے ایک ہی ربانی سرچشمہ سے نکلے ہین اور اگر مقصود یہ ہے کہ اگلی کتابون کی کوئی بات پچھلی کتاب مین دہرائی نہ جائے، تو اس نقص سے عیسائیون کی یہ موجودہ انجیل بھی خالی نہین، وہ بھی یہودی کتب و اسفار کے اقوال کی تکرار سے معمور ہے، حضرت عیسیٰؑ کا آخری فقرہ ایلی ایلی لما سبقتنی (مرقس ۱۵-۳۴ متی ۲۷-۴۶) زبور ۲۲-۱ مین مذکور ہے اور حضرت داؤدؑ کی دعا کا ٹکڑا ہے، خدا کے باپ اور حضرت عیسیٰؑ کے بیٹے ہونے کا دعویٰ بھی زبور ۲ کی نقل ہے، جس مین حضرت داؤدؑ نے خدا کو مجازاً باپ اور اپنے کو بیٹا کہا ہے، انجیل کی بہت سی خوبصورت تمثیلین بھی عہد قدیم کے صحیفون مین ملتی ہین، اور ان کے علاوہ مصری اور یونانی بیتھالوجی بلکہ بودھ تک کے فقرے بھی موجودہ انجیل کے نسخون مین مذکور ہین، مصر کے ایک فاضل نے التطبیق بین الدیانۃ الوثنیۃ والدیانۃ المسیحیۃ مین ان سب کو پوری تفصیل سے جمع کر دیا ہے،

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حصۂ سوم

اس کے مقدمہ مین نفس معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفہ قدیمہ، فلسفہ جدیدہ، علم کلام اور قرآن مجید کی روشنی مین مفصل بحث و تبصرہ ہے، اس کے بعد خصائص نبوت، یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول، ملائکہ، عالم رویا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے،

زیر طبع ہے،

منیجر

عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب رفیق دارالمصنفین

(۲)

گذشتہ صفحات مین شیخ ہجویریؒ نے تصوف پر نظری اور تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے جس سے اس کی اصل تاریخ اور اس کے مختلف فرقون اور گروہون کے عقائد کا اندازہ ہوتا ہے، لیکن آیندہ ابواب مین تصوف کے عملی مسائل پر مباحث ہین، اور راہ سلوک مین بارہ حجاب یعنی پردے بتائے ہین، ان مین سے ہر ایک کی علٰحدہ علٰحدہ تشریح اور توضیح ہے،

پہلا پردہ خدا کی معرفت کا ہے، معتزلہ کہتے ہین کہ معرفت علم اور عقل سے حاصل ہوتی ہے، مگر ہجویریؒ نے اس کی تردید کی ہے، وہ کہتے ہین کہ اگر معرفت علم اور عقل سے ہوتی تو ہر عالم اور عاقل عارف ہوتا، حالانکہ ایسا نہین ہے، ہجویریؒ کا خیال ہے، کہ معرفت اسی بندہ کو حاصل ہوتی ہے، جس پر خداوند تعالیٰ کی عنایت ہو، وہی دل کو کھولتا ہے، اور بند کرتا ہے، کشادہ کرتا ہے اور مہر لگاتا ہے، عقل اور دلیل معرفت کا سبب ہوسکتی ہین، مگر علت نہین، علت صرف اس کی عنایت ہے، چنانچہ حضرت علیؓ نے فرمایا، کہ خدا کو مین نے خدا ہی سے پہچانا، اور خدا کے سوا کو اس کے نور سے پہچانا،

معرفت کیا ہے؟ اس پر ہجویریؒ نے صوفیہ کرام کے اقوال کی روشنی مین بحث کی ہے، حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہین، کہ معرفت یہ ہے کہ کسی چیز پر تعجب نہ ہو، کیونکہ تعجب اس فعل سے ہوتا ہے جو مقدور سے زیادہ ہو، لیکن خدائے تعالیٰ ہر کمال پر قادر ہے، پھر عارف کو اس کے افعال پر تعجب کیون ہو، حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بیم لطائف کے انوار سے بندہ کو اپنے اسرار سے آگاہ یعنی اس کے دل کو روشن اور آنکھ کو بینا کرے اسکو تمام آفتون سے محفوظ رکھے، اس کے دل مین خدا کے سوا

موجودات اور ثبات کا ذرہ برابر وزن قائم ہونے نہ دے جس کے بعد بندہ ظاہری اور باطنی اسرار کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے
شیخ شبلی علیہ الرحمہ فرماتے ہین کہ معرفت حیرت دوام کا نام ہے، حیرت دو طرح پر ہوتی ہے، ایک ہستی مین، دوسرے
چگونگی مین، ہستی مین حیرت کا ہونا شرک اور کفر ہے، اور چگونگی مین معرفت، کیونکہ خدا کی ہستی مین شک نہین
کیا جا سکتا، مگر اس کی ہستی کی چگونگی سے یقین کامل پیدا ہوتا ہے، اور پھر حیرت، حضرت بایزید بسطامیؒ کا
قول ہے کہ معرفت یہ ہے کہ بندہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ مخلوق کی تمام حرکات وسکنات خدا کی طرف سے
ہین کسی کو خدا کے اذن کے بغیر اس کے ملک مین تصرف نہین ہے، اور ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے،
ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شے کی صفت اس کی صفت سے ہے، متحرک اس سے متحرک ہے، اور ساکن
اس سے ساکن ہے، بندہ کا فعل محض مجازاً ہے، ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے،

دوسرا پردہ توحید کا ہے، توحید تین طرح پر ہوتی ہے (۱) یعنی خداوند تعالیٰ کو خود بھی اپنی
وحدانیت کا علم ہے (۲) خداوند تعالیٰ بندون کو اپنی وحدانیت تسلیم کرنے کا حکم دیتا ہے (۳) بندون
کو خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا علم ہوتا ہے، اور جب سالک کو یہ علم بدرجۂ اتم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ محسوس
کرتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک ہے جو فصل وصل کو قبول نہین کرتا، وہ قدیم ہے، اس لئے حادث نہین، وہ
محدود نہین جس کے لئے طرفین ہون، وہ مکین نہین جس کے لئے مکان ہو، وہ عرض نہین جس کے لئے جوہر ہو
وہ کوئی طبع نہین کہ اس مین حرکت اور سکون ہو، وہ کوئی روح نہین کہ اس کے لئے بدن ہو، وہ کوئی جسم
نہین کہ اس کے لئے اجزا ہون، وہ قوت اور حال نہین، کہ اور چیزون کی جنس ہو، وہ کسی چیز سے نہین کہ کوئی
چیز اس کا جزء ہو، اس کی ذات وصفات مین کوئی تغیر نہین، وہ حی ہے، وہ جاننے والا ہے، سننے والا ہے
دیکھنے والا ہے، کلام کرنے والا ہے، اور باقی رہنے والا ہے، وہ جو کچھ چاہتا ہے، وہی کرتا ہے، اور وہی چاہتا ہے
جو جانتا ہے، اس کا حکم اس کی مشیت سے ہے، اور بندون کو اس کے بجالانے کے سوا کوئی چارہ نہین،
وہی نفع اور نقصان کا باعث ہے، وہی نیکی اور بدی کا اندازہ کرنے والا ہے،

تیسرا پردہ ایمان کا ہے، اس مین یہ بحث ہے کہ ایمان کی علت کیا ہے، معرفت یا طاعت، ایک گروہ
کا خیال ہے کہ ایمان کی علت معرفت ہے، اگر معرفت ہو اور طاعت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بندہ سے مواخذہ
نہ کرے گا لیکن طاعت ہو اور معرفت نہ ہو تو بندہ نجات نہین پائے گا، ہجویریؒ کے نزدیک وہ معرفت
پسندیدہ نہیں ہے، جس مین طاعت نہ ہو، ان کے نزدیک معرفت شوق اور محبت کا نام ہے اور شوق اور

محبت کی علامت طاعت ہے، شوق اور محبت جس قدر زیادہ ہوتی جائیگی، اسی قدر فرمانِ الٰہی کی تعظیم زیادہ بڑھتی جائے گی، یہ کہنا غلط ہے کہ طاعت کی ضرورت اسی وقت تک ہے، جب تک کہ خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ ہو، اور حصولِ معرفت کے بعد دل شوق کا محل بن گیا اور جسمانی طاعت کی تکلیف اٹھ گئی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ جب قلب خدا کی دوستی کا محل، آنکھیں اس کے دیدار کا محل، جان عبرت کا محل اور دل مشاہدہ کا مقام ہو گیا، تو پھر تن کو اس کی طاعت نہ کرنی چاہئے،

چوتھا پردہ طہارت کا ہے، ہجویریؒ کے نزدیک ایمان کے بعد طہارت فرض ہے، اس کی دو قسمیں ہیں (۱) طہارت ظاہر (۲) طہارتِ باطن، طہارتِ ظاہر سے مراد بدن کا پاک ہونا ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں اور طہارت باطن سے مراد دل کا پاک ہونا ہے، جس کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہو سکتی، باطن کی طہارت خدا کی بارگاہ میں توبہ سے ہوتی ہے، جو سالک کا پہلا مقام ہے، توبہ کے معنی ہیں خداوند تعالیٰ کے خوف سے اس کے نواہی سے باز رہنا، توبہ کے لئے تین شرطیں ہیں (۱) خدا کے حکم کی مخالفت پر تاسف ہو (۲) یہ مخالفت فوراً ترک کر دی گئی ہو (۳) اس کی طرف لوٹنے کا خیال نہ ہو، یہ شرطیں اسی وقت ممکن ہیں، جب ندامت ہو، اس ندامت کے لئے بھی تین شرطیں ہیں (۱) عقوبت کا خوف ہو (۲) یہ خیال ہو کہ بُرے کاموں کا حاصل کچھ بھی نہیں (۳) نافرمانیوں سے پشیمانی ہو کہ خدا سب کچھ دیکھتا ہے،

ندامت سے توبہ کرنے والوں کی بھی تین قسمیں ہیں،

(۱) عذاب کے ڈر سے - اس کو توبہ کہتے ہیں جو عام بندے کیا کرتے ہیں،

(۲) ثواب کی خواہش سے - یہ انابت ہے جو اولیاء اللہ کے لئے مخصوص ہے،

(۳) حصولِ عرفاں کے لئے - یہ اوابت ہے، جو انبیاء و مرسلینؑ کے لئے ہے،

آگے چل کر توبہ کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں :-

(۱) خطا سے صواب کی جانب ہو، یعنی گناہ کرنے والا بخشش کا خواستگار ہو، یہ توبہ عام ہے،

(۲) صواب سے صواب کی طرف ہو، یہ اہل ہمت اور خاص لوگوں کی توبہ ہے،

(۳) خودی سے حق تعالیٰ کی طرف ہو، یہ محبت کی دلیل ہے،

پانچواں حجاب نماز کا ہے، اس میں شیخ ہجویریؒ نے صوفیانہ رنگ میں بتانے کی کوشش کی ہے کہ نماز بندوں کو خدا کے راستہ پر پہنچاتی ہے، اور ان پر اس راہ کے تمام مقامات کھل جاتے ہیں، وضو یعنی جسم کی طہارت

توبہ (یعنی باطن کی طہارت) ہے، قبلہ رو ہونا، مرشد سے تعلق پیدا کرنا ہے، قیام نفس کا مجاہدہ ہے، قرات ذکر ہے، رکوع تواضع ہے، سجدہ نفس کی معرفت ہے، تشہد انس یعنی محبت کا مقام ہے، اور سلام دنیا سے تنہا ہو کر مقامات سے باہر آنا ہے،

نماز کے سلسلہ میں بہت سی بحثیں ہیں، مثلاً صوفیہ کا ایک گروہ نماز کو حضور کا ذریعہ (آلہ) اور دوسرا غیبت کا محل سمجھتا ہے لیکن ہجویریؒ نے دونوں کی تردید کی ہے، ان کے دلائل یہ ہیں، کہ اگر نماز حضور کی علت ہوتی تو نماز کے سوا حضوری نہ ہوتی، اور اگر غیبت کی علت ہوتی تو غائب نماز کو ترک کرنے سے حاضر ہوتا، چنانچہ ہجویریؒ کے نزدیک نماز محض اپنی ذات کا ایک غلبہ ہے، جس کا تعلق غیبت اور حضور سے نہیں،

ایک بحث یہ بھی ہے کہ نماز سے تفرقہ ہوتا ہے، یا جمع، جن کو نماز میں تفرقہ ہوتا ہے، وہ فرض اور سنت کے سوا نمازیں بہت کم پڑھتے ہیں، اور جن کو جمع کی کیفیت حاصل ہوتی ہے، وہ رات دن نمازیں پڑھا کرتے ہیں، شیخ ہجویریؒ کے نزدیک نماز پڑھنے والوں کے لئے نفس کا فنا کرنا ضروری ہے، مگر اس کے لئے ہمت کو جمع کرنے کی ضرورت ہے، اور جب ہمت جمع ہو جاتی ہے تو نفس کا غلبہ ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ نفس کی حکومت تفرقہ سے قائم رہتی ہے، تفرقہ عبادت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا ہے،

شیخ ہجویریؒ کی رائے میں اصلی نماز یہ ہے کہ جسم عالم ناسوت میں ہو اور روح عالم ملکوت میں، صوفیائے کرام نے ایسی نمازیں پڑھی ہیں، حضرت حاتم اصمؒ فرمایا کرتے تھے، کہ جب میں نماز پڑھتا ہوں تو بہشت کو اپنی سیدھی جانب اور دوزخ کو پشت کی جانب دیکھتا ہوں، حضرت ابو اخیر قطعؒ کے پاؤں میں آکلہ ہو گیا تھا، اطبا نے پاؤں کاٹنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئے، ایک روز وہ نماز سے فارغ ہوئے، تو پاؤں کو کٹا ہوا پایا، ایک بی بی کو نماز میں بچھو نے چالیس بار ڈنک مارا، مگر ان کی حالت میں کسی قسم کا تغیر نہ ہوا، وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان سے پوچھا گیا، کہ بچھو کو کیوں نہیں اپنے سے دور کیا، بولیں خدا کے کام کے درمیان اپنا کام کیسے کرتی،

چھٹا حجاب زکوٰۃ ہے، جو ایمان کا جزو ہے، اس سے روگردانی جائز نہیں، سالک کو زکوٰۃ میں نہ صرف سخی، بلکہ جواد ہونا چاہئے، سخی سخاوت کے وقت اچھے اور بُرے مال میں اور اس کی زیادتی و کمی میں تمیز کرتا ہے مگر جواد کے ہاں اس قسم کا فرق و امتیاز نہیں ہوتا،

اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ صوفی کے فقر مین زکوٰۃ کی گنجایش کہان؟ مگر ہجویری کے نزدیک زکوٰۃ صرف مال ہی کی نہیں ہر شے کی ہوتی ہے زکوٰۃ کی حقیقت نعمت کی شکر گذاری ہے تندرستی ایک نعمت ہے، جس کے لئے زکوٰۃ لازم ہے، اس کی زکوٰۃ سب اعضاء کو عبادت مین مشغول رکھنا ہے باطن بھی ایک نعمت ہی اس کی زکوٰۃ عرفان حاصل کرنا ہے، الخ الخ

ساتوان حجاب روزہ ہے شیخ ہجویریؒ کے نزدیک روزہ سے مراد حواس خمسہ کو اس طرح مقید کرنا ہی کہ نفس و ہوا کا گزر نہ ہو، بھوک سے بحث کرتے ہوے بتایا ہے کہ اس سے نفس مین فتادگی اور دل مین عاجزی پیدا ہوتی ہے، اگرچہ بھوک سے جسم بلا مین مبتلا ہوتا ہے لیکن دل کو روشنی جان کو صفائی اور سر کو بقا حاصل ہوتی ہے، حضرت ابو العباس قصابؒ فرمایا کرتے تھے، کہ جب مین کھاتا ہون، تو اپنے مین گناہون کا مادہ پاتا ہون، اور جب کھانے سے ہاتھ اٹھا لیتا ہون، تو سب طاعتون کی اصل پاتا ہون، حضرت عبد اللہ تستریؒ پندرہ روز مین ایک دفعہ کھانا کھاتے تھے، اور جب ماہ رمضان المبارک شروع ہوتا تھا، تو معمولی افطار کے سوا عید تک وہ کچھ نہین تناول فرماتے تھے، حضرت ابراہیم ادہمؒ بھی رمضان المبارک مین کوئی چیز نہ کھاتے تھے، حالانکہ سخت گرمی کا موسم ہوتا تھا، روزانہ گیہون کاٹنے کی مزدوری پر جایا کرتے تھے، اور جو کچھ مزدوری ملتی تھی اس کو فقراء اور مساکین کو دیدیا کرتے تھے،

آٹھوان حجاب حج کا ہے، ہجویریؒ کے نزدیک حج کے لئے ایک صوفی کا نکلنا گناہون سے توبہ کرنا ہی کپڑے اتار کر احرام باندھنا انسانی عادتون سے علیحدہ ہونا ہے، عرفات مین قیام کرنا مشاہدہ کا کشف حاصل کرنا ہی مزدلفہ جانا نفسانی مرادون کو ترک کرنا ہے، خانہ کعبہ کا طواف کرنا خدائے تعالیٰ کے جمال باکمال کو دیکھنا ہی صفا اور مروہ مین دوڑنا دل کی صفائی اور اس مین مروت حاصل کرنا ہے منیٰ مین آنا آرزوؤن کو ساقط کرنا ہی قربانی کرنا گویا نفسانی خواہشون کو ذبح کرنا ہے اور کنکریان پھینکنا بُرے ساتھیون کو دور کرنا ہے جس صوفی کو حج مین یہ کیفیات حاصل نہین ہوئین، اس نے گویا حج نہین کیا،

شیخ ہجویریؒ نے حج کو مقام مشاہدہ قرار دیا ہے، اس لئے اس باب مین مشاہدہ پر بحث کی ہے حضرت ابو العباسؒ نے فرمایا کہ مشاہدہ یقین کی صحت اور محبت کا غلبہ ہے یعنی جب خداوند تعالیٰ کی محبت کا غلبہ اس درجہ پر ہو کہ اس کی کلیت اس کی حدیث ہو جائے، تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہین دیتی، حضرت شیخ شبلیؒ فرماتے ہین، کہ مین نے جس چیز کی طرف دیکھا، خداوند عالم کے لئے دیکھا یعنی اس کی محبت کا غلبہ اور اسکی

قدرت کا مشاہدہ کیا، ان دونوں اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشاہدہ مین ایک گروہ فاعل کو اور دوسرا فاعل کے فعل کو دیکھتا ہے، ہجویریؒ کے نزدیک مشاہدہ دل کا دیدار ہے، دل پر تو انوار الٰہی ہے، اس لئے ظاہر اور باطن مین حق تعالیٰ کا دیدار کرتا ہے، اور یہ دیدار ادراک کیفیت ہے، جو ذکر و فکر مین حاصل ہوتی ہے،

اس کے بعد مختلف ابواب مین ہجویریؒ نے سالک کے طریق آداب پر بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) سالک ہر حال مین حق کے احکام کا اتباع کرتا ہو (۲) بندون کا حق بھی ادا کرتا ہو (۳) اس کے لئے کسی شیخ کی صحبت ضروری ہے، کیونکہ تنہائی اس کے لئے آفت ہے، (۴) جب کوئی درویش اس کے پاس آئے تو عزت کے ساتھ اس کا استقبال کرے (۱۶) سفر کرے تو خدا کے واسطے کرے یعنی اس کا سفر حج یا غزوہ یا علم یا کسی شیخ کی تربت کی زیارت کے لئے ہو (۶) اس کا کھانا اور پینا بیمارون کے کھانے اور پینے کے مانند ہو اور حلال ہو، وہ دنیا دار کی دعوت قبول نہ کرے (۷) چلے تو خاکساری اور تواضع سے چلے، رعونت اور تکبر اختیار نہ کرے (۸) اسی وقت سوئے، جب نیند کا غلبہ ہو (۹) خاموش رہے، کیونکہ خاموشی گفتار سے بہتر ہے، لیکن اس کی گفتار کے ساتھ حق ہو تو وہ خاموشی سے بہتر ہے (۱۰) کسی چیز کی طلب کرے تو خدا سے کرے (۱۱) تجرد کی زندگی سنت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ تجرد مین نفسانی خواہشات کا غلبہ رہتا ہے، لیکن اگر سالک خلق سے دور رہنا چاہتا ہو تو مجرد رہنا اس کے لئے زینت ہے،

آخر مین سماع پر بحث ہے، ہجویریؒ کے نزدیک سماع مباح ہے، مگر اس کے لئے حسب ذیل شرطین ہین، سالک سماع بلا ضرورت نہ سنے، اور طویل وقفہ کے بعد سنے تاکہ اس کی تعظیم دل مین قائم رہے، محفل سماع مین مرشد موجود ہو، عوام شریک نہ ہون، قوال فاسق نہ ہون، سماع کے وقت دل دنیا دی علائق سے خالی ہو، طبیعت لہو و لعب کی طرف مائل نہ ہو، اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے، تو اوس کو تکلف کے ساتھ نہ روکے، اور یہ کیفیت جاتی رہے تو تکلف کے ساتھ اس کو جذب کرنے کی کوشش نہ کرے، وجد کے وقت کسی سے مساعدت کی امید نہ رکھے، اور کوئی مساعدت کرے، تو اس کو نہ روکے، قوال کے گانے کی اچھائی اور برائی کا اظہار نہ کرے، محفل سماع مین لڑکے نہ ہون، ہجویریؒ نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال مین بھی پسند نہین کیا ہے، بلکہ اس کو فرقۂ حلولیہ کا طریقہ بتایا ہے جو ان کے نزدیک کافر اور زندیق ہین،

خواجہ معین الدین چشتیؒ ہندوستان مین سلسلۂ چشتیہ کے بانی خواجہ معین الملۃ والدین حسن چشتی سجزی قدس سرہ العزیز بلدۂ سجستان مین پیدا ہوئے[1]، سلسلۂ نسب یہ ہے،

---

[1] سیر العارفین مین آپکے مولد شریف کا نام وارسنجان (؟) اور سیر الاقطاب مین اصفہان لکھا ہے، تاریخ فرشتہ

خواجہ معین الحق والدین بن غیاث الدین بن سید کمال الدین بن سید احمد حسین بن سید طاہر بن سید عبدالعزیز بن سید ابراہیم بن امام علی رضا بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر بن محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سید الکونین امام حسین بن علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین،

بارہ سال کی عمر میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، ترکہ میں ایک باغ ملا، اس کی نگہبانی کرتے تھے، ایک روز ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب باغ میں آئے، خواجہ معین الدین نے انگور کے خوشے پیش کئے، لیکن انھوں نے انگور نہ کھایا، اور کھلی (کنجارہ) کو دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کے منہ میں دیا، کھلی کا کھانا تھا، کہ خواجہ صاحب کا دل انوار الٰہی سے روشن ہوگیا، علائق دنیا سے برگشتہ ہو کر طلب خدا میں اٹھ کھڑے ہوئے، اور سمرقند پہونچے، یہاں کلام پاک حفظ کیا، اور علوم ظاہری کی تعلیم میں مشغول رہے،

سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے، قصبہ ہارون میں حضرت شیخ عثمانی ہارونی قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا، سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ خواجہ صاحب شیخ عثمانی ہارونی کی خدمت میں ڈھائی سال رہے، اور ریاضات و مجاہدات میں زندگی بسر کی،

سیر الاقطاب، اخبار الاخیار، مونس الارواح، سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ بیس سال تک اپنے پیر کی

(بقیہ حاشیہ ص ۸۳) جلد دوم صفحہ ۳۷۵ میں ہے، تولد او در بلدۂ سجستان بود، اکبر نامہ میں ہے، خواجہ از سیستان است و او را سنجری نویسند کہ معرب سنگری است (جلد دوم ص ۱۵۴) تزک جہانگیری میں ہے "مولد آنجناب سیستان ست ازین جہت ایشان را سنجری نویسند کہ معرب سنگری است" (ص ۴) راقم الحروف کے خیال میں سنجری کتابت کی غلطی ہے جو عوام و خواص میں پھیل گئی، دراصل صحیح لفظ سجزی ہے، عرب جغرافیہ نویس سیستان یا سجستان کو سجز بھی کہتے ہیں جس کی نسبت سجزی ہے، اس لئے معین الدین سنجری کے بجائے سجزی صحیح ہے، سیر الاقطاب کے مصنف کا یہ کہنا کہ آن حضرت اصل از سادات سنجرستان است" محض قیاس ہے،

سیر الاقطاب ص ۱۰ اور مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) میں پندرہ سال مذکور ہے سیر العارفین (اردو ترجمہ شمس المطابع) ص ۵ خزینۃ الاصفیا، (مطبع نمر ہند لکھنؤ) ص ۲۵، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) سیر العارفین میں ہے کہ حفظ کلام پاک اور تحصیل علوم ظاہری سمرقند اور بخارا میں کی یہ قصبہ نیشاپور کے حدود میں واقع ہے، خیر المجالس میں ہے:- خواجہ فرمود کہ ہارونی نیست ہرونی است، ہرون دیہی است، خواجہ دران دہ بود،

(بحوالہ اخبار الاخیار ص ۵۰)

خدمت میں رہے، اس مدت میں خواجہ صاحب نے اپنے پیر و مرشد کے ساتھ دس سال تک سیاحت کی (مونس الارواح) اسی سلسلہ میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی بھی زیارت کی، پیر و مرشد نے ان کے حق میں خدا اور اس کے رسول کی بارگاہ میں دعائیں کیں، عالم غیب سے ندا آئی،

"معین الدین دوست ماست او را قبول کردم و برگزیدم"

مدینہ منورہ ہی میں بارگاہ رسالت سے خواجہ صاحب کو ہندوستان جانے کی بشارت ملی، (سیر الاقطاب و مونس الارواح)

شیخ عثمان ہارونی کو خواجہ صاحب سے بڑی شیفتگی اور محبت تھی، وہ فرمایا کرتے تھے، کہ

"معین الدین محبوب خدا است و مرا فخر است بر مریدی او"[1]

چنانچہ خواجہ صاحب کو خرقۂ خلافت سے سرفراز کیا، اس وقت ان کا سن شریف ۵۲ برس کا تھا، (مونس الارواح) اور جب وہ پیر سے رخصت ہونے لگے، تو ان کو عزیز مرید کی فرقت گوارا نہ ہوئی، اور بغداد کے سفر میں ساتھ رہے[2]

ہارون سے خواجہ صاحب بغداد کی طرف روانہ ہوئے، اسنجان پہنچ کر شیخ نجم الدین کبری کی خدمت میں ڈھائی سال مقیم رہے[3]، وہاں سے چل کر جیل پہونچے، اور حضرت شیخ محی الدین ابی محمد عبد القادر جیلانی سے شرف نیاز حاصل کیا، اور ان کی معیت میں بغداد آئے، جہاں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی، اور ان کے پیر شیخ ضیاء الدین کی صحبت سے مشرف ہوئے، اور یہیں خواجہ اوحد الدین کرمانی قدس سرہ سے فیضیاب ہو کر ان سے خرقۂ خلافت پایا[4]

بغداد سے ہمدان آکر خواجہ یوسف ہمدانی سے ملاقات کی، ہمدان سے تبریز پہونچے، اور شیخ جلال الدین تبریزی کے پیر طریقت حضرت ابو سعید تبریزی کی زیارت کی، اور ان کی صحبت سے متمتع ہوئے، وہاں سے استرآباد استرآباد میں شیخ ناصر الدین استرآبادی کی صحبت سے مشرف ہوئے، شیخ ناصر الدین بایزید بسطامی کی اولاد میں تھے، اس وقت ان کا سن شریف ایک سو تائیس سال کا تھا، استرآباد سے ہری ہوتے ہوئے خواجہ صاحب سبزوار پہونچے، اور وہاں سے حصار روانہ ہوئے، حصار سے بلخ آئے، اور عرصہ تک شیخ احمد خضرویہ کی

---

[1] سیر العارفین ص، سفینۃ الاولیاء ص ۱۵۸، سیر الاقطاب ص ۱۰۳، نولکشور پریس و مونس الارواح [2] سیر العارفین ص ۵ و خزینۃ الاصفیاء ص ۲۵۶ [3] ایضاً [4] ایضاً

خانقاہ مین مقیم رہے، بلخ سے غزنی کی طرف روانہ ہوئے، یہان شیخ نظام الدین ابو المؤید کے پیر شیخ عبد الواحد غزنوی کی زیارت کی، اور پھر وہان سے ہندوستان کی طرف قصد کیا،

جس وقت وہ ہندوستان آئے، اس وقت شیخ علی ہجویری کا انتقال ہو چکا تھا لیکن لاہور مین شیخ سعد الدین حمویہ کے پیر شیخ حسین زنجانی بقید حیات تھے، انھون نے بڑے خلوص و محبت سے خواجہ صاحب کا خیر مقدم کیا، وہان سے خواجہ صاحب ملتان آئے، اور وہان پانچ سال رہکر ہندوؤن کی زبان (شاید سنسکرت اور پراکرت) سیکھی، یہان سے وہ دہلی فروکش ہوئے، اور دہلی سے اجمیر، وسوین محرم ۵۶۱ھ مین نزول اجلال فرمایا، اور یہین آخر وقت تک قیام رہا، اس زمانہ مین اجمیر اور دہلی کا حکمران چوہان خاندان کا مشہور راجپوت راجہ پتھورا تھا، اس کے حکام نے خواجہ صاحب کے قیام مین بڑی مزاحمت کی، اور جب وہ خود ان کے مقابلہ مین بے بس اور لاچار رہے، تو ہندو جوگیون کو اپنے سحر اور جادو سے خواجہ صاحب کو مغلوب کرنے کے لئے مامور کیا، لیکن خواجہ صاحب اپنی روحانی قوت اور کرامت سے ان پر غالب رہے اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا، ان کی تعلیم سے راجہ پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے، راجہ نے خواجہ صاحب کو اجمیر سے نکال دینے کی دھمکی دی، مگر خواجہ صاحب نے دھمکی پر صرف یہ ارشاد فرمایا کہ ما اور ایرون کردیم و دادیم[۵۱] یہ پیشینگوئی صحیح ثابت ہوئی، سلطان شہاب الدین غوری نے پتھورا کے خلاف ۵۸۷ھ اور ۵۸۸ھ مین دو حملے کئے، اور آخری حملہ مین پتھورا گرفتار ہو کر مارا گیا، اس کے بعد مسلمانون کے سیاسی اقتدار اور خواجہ صاحب کے فیوض و برکات سے ہندوستان اسلام کے نور سے منور ہو گیا، اسی لئے خواجہ صاحب کا لقب "وارث النبی فی الہند" ہے،

اجمیر کے قیام کے زمانہ مین خواجہ صاحب نے دو شادیان کین جن مین ایک تو سید وجیہ الدین مشہدی کی دختر نیک اختر تھین، اور دوسری کسی ہندو راجہ (؟) کی لڑکی تھین جو مشرف باسلام ہو گئی تھین، پہلے نکاح کے ستائیس برس[۵۲] کے بعد عالم بقا کو رحلت فرمائی، تاریخ وفات روز دوشنبہ ۶ رجب المرجب ۶۳۳ھ ہے سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے، کہ وفات کے وقت سن شریف ۹۷ سال تھا[۵۳] لیکن سفینۃ الاولیا مین رحلت کے وقت آپکا سن ۱۰۴ اور مونس الارواح مین ۱۰۱ سال لکھا ہے[۵۴]

---

[۵۱] اخبار الاخیار مین یہ الفاظ اس طرح ہین، فرمود پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم (ص ۲۲) [۵۲] بعض تذکرہ نویس سات اور بعض سترہ برس بھی لکھتے ہین، (مونس الارواح) [۵۳] سیر العارفین ص۱۶ [۵۴] سفینۃ الاولیا، ص ۱۵۹،

ہندوستان کے صوفیاء کرام میں خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے زیادہ بلند ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کو "قطب المشائخین"[1] کے لقب کی بشارت ملی،

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے ان کو "ملک المشائخ، سلطان السالکین، منہاج المتقین، قطب الاولیا شمس الفقراء، ختم المہتدین" کے لقب سے یاد کیا ہے[2]

سیر العارفین کے مؤلف نے ان کو سلطان العاشقین اور برہان العارفین[3] لکھا ہے،

سیر الاقطاب کے مصنف نے قطب الاقطاب، حجۃ الاولیاء، مہبط انوار، مخزن المعرفت والحقیقت، پردہ انداز اسرار غیبی چہرہ کشائے صور لاریبی"[4] صاحب سفینۃ الاولیاء نے "زبدۂ مشائخ اجل وقدوۂ اولیائے اکمل" کہا ہے[5] مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے ان کو "سرحلقۂ مشائخ کبار" لکھا ہے،

خواجہ صاحب کے فیوض و برکات اور کرامات و خوارقِ عادات عام طور سے بہت مشہور ہیں، اور آج بھی ان کی ابدی خوابگاہ کی زیارت کے لئے ہندوستان کے ہر گوشہ کے لوگوں کا ہجوم رہتا ہے،

خواجہ صاحب نے کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی ہے :-

"فریدالدین گنج شکر فرمود کہ شیخ نظام الدین می فرمود کہ من ہیچ کتابے نہ نوشتہ ام نہ دیدہ کہ شیخ الاسلام فریدالدین و شیخ الاسلام قطب الدین و خواجگان چشت ہیچ شخصے تصنیف نہ کردہ است، (خیر المجالس بحوالہ اخبار الاخیار ص ۶۷)

مگر خواجہ صاحب کے ملفوظات کو ان کی تصانیف سمجھ کر مندرجۂ ذیل کتابیں ان کی جانب منسوب کرتے ہیں :-

"انیس الارواح (۲) رسالہ درکسب نفس (۳) دلیل العارفین،

انیس الارواح میں خواجہ صاحب نے اپنے مرشد خواجہ عثمان ہارونی کی ۲۰ صحبتوں کے ملفوظات جمع کئے ہیں، ان ملفوظات میں تصوف کے مہمات مسائل و نکات پر بحث نہیں کی گئی ہے، بلکہ اقوال کے ذریعہ سے بعض شرعی، اخلاقی اور دنیاوی مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً نماز اور شریعت کے فرائض کا منکر کافر ہے، صدقہ دینا ہزار رکعت پڑھنے سے افضل ہے، مومن کو گالی دینا اپنی ماں بہن سے زنا کرنا ہے، ایسے شخص کی دعا

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۰۳ و مونس الارواح [2] دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۲ [3] سیر العارفین ص ۲ [4] سیر الاقطاب ص ۱۰۳ [5] سفینۃ الاولیاء ص ۵۸ [6] اخبار الاخیار ص ۲۲،

تنوین تک مستجاب نہیں ہوتی ہے، پیشہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ پیشہ ہی کے ذریعہ سے روزی ملتی ہے، وہ کافر ہے، کیونکہ رزاق مطلق خدا ہے، مصیبت میں چلانا، نوحہ کرنا، اور کپڑے پھاڑنا ستر مسلمانوں کے خون کرنے کے برابر ہے، مومن وہ شخص ہے، جو تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے، درویشی، بیماری اور موت، حاجتمندوں کی مدد کرنے والا اللہ کا دوست ہے، اگر کوئی شخص اوراد و وظائف میں مشغول ہو، اور کوئی حاجت مند آجائے تو لازم ہے، کہ وہ اوراد و وظائف کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو، اور اپنے مقدور کے مطابق اس کی حاجت پوری کرے، افضل ترین زہد موت کو یاد کرنا ہے، تین گروہ بہشت کی بو تک نہ پائیں گے۔ ایک جھوٹ بولنے والا درویش، دوسرا کنجوس تیسرا خیانت کرنے والا سوداگر۔

دلیل العارفین اس کتاب میں خواجہ صاحب کی گیارہ صحبتوں کے ملفوظات ہیں، جن کو ان کے مرید حضرت بختیار کاکی نے جمع کیا ہے، یہ ۵۶ صفحہ کا ایک مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مجتبائی دہلی سے چھپ کر شائع ہوگیا ہے، اس میں مختلف دینی مسائل و صوفیانہ رموز مثلاً نماز، وضو، طہارت، جنابت، غسل، صدقہ، شریعت، حقیقت، طریقت، محبت الٰہی، عشق الٰہی، معرفت الٰہی، عذاب قبر، توقیر گورستان، گناہ کبیرہ، عبادت اہل سلوک، دوزخ، فضیلت سورۂ فاتحہ، وسورہ یٰسین، کشف و کرامت، صحبت نیک و بد، توکل، توبہ اور تجرید پر جستہ جستہ مختصر مگر جامع اور بصیرت افروز اشارے اور کنایے ہیں، جن کو سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے،

ان ملفوظات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ صاحب کے نزدیک اہل سلوک کا ہر قسم کے صوری و معنوی اخلاق و محاسن کا حامل ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان کے نزدیک تصوف نہ علم ہے، اور نہ رسم بلکہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کا ایک خاص اخلاق ہے، (ص ۴) جو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہئے،

صوری حیثیت سے اس اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ سالک اپنے ہر کردار میں شریعت کا پابند ہو، جب اس سے کوئی بات خلاف شریعت سرزد ہوگی، تو وہ دوسرے مقام پر پہنچے گا، جس کا نام طریقت ہے اور جب اس میں ثابت قدم رہے گا، تو معرفت کا درجہ حاصل کرے گا، اور جب اس میں بھی پورا اترے گا، تو حقیقت کا مرتبہ پائے گا، جس کے بعد وہ جو کچھ مانگے گا، اس کو ملے گا، اسی لئے خواجہ صاحب نے شریعت کے تمام ارکان اور جزئیات خصوصاً نماز کی پابندی پر بڑا زور دیا ہے، نماز کو مومن کی معراج کہا ہے، چنانچہ فرمایا کہ

کہ جب وہ نماز پڑھے، تو اس طرح کہ وہ گویا انوار تجلی کا مشاہدہ کر رہا ہے[۵۱] اس سلسلہ میں اور بہت سی ضمنی باتوں کا ذکر آگیا ہے، مثلاً خواجہ صاحب کا ارشاد ہے، کہ راہ سلوک میں چار گناہ کبیرہ ہیں[۵۲] (۱) گورستان میں قہقہہ لگانا (۲) گورستان میں کھانا پینا، کیونکہ یہ عبرت کا مقام ہے (۳) مردم آزاری کرنا (۴) خدا کا نام لے کر لرزہ اندام نہ ہونا، سالک کو ان گناہوں سے بچنا لازمی ہے،

خواجہ صاحب نے اہل سلوک کی منجملہ عبادتوں میں پانچ اور عبادتیں بتائی ہیں (۱) والدین کی خدمت (۲) کلام اللہ کی تلاوت (۳) علماء و مشائخ کی تعظیم اور دوستی (۴) خانہ کعبہ کی زیارت (۵) پیر کی خدمت[۵۳]

ایک عارف کی معنوی خوبیوں کا اندازہ خواجہ صاحب کے مندرجۂ ذیل ارشادات عالیہ سے ہوگا،

"عارف علم کے تمام رموز سے واقف رہتا ہے، اسرار الٰہی کے حقائق اور انوار الٰہی کے دقائق کو آشکارا کرتا ہے"[۵۴]

عارف عشق الٰہی میں کھو جاتا ہے، اور اٹھتے بیٹھتے سوتے اور جاگتے اسی کی قدرت کا ملہ میں محو اور متحیر رہتا ہے"[۵۵]

عارف پر جب حال کی کیفیت طاری ہوتی ہے، تو وہ اس میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے، کہ اگر ہزاروں فرشتے بھی اس سے مخاطب ہوں تو وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، عارف ہمیشہ مسکراتا رہتا ہے عالم ملکوت میں خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مقربین پر اس کی نظر پڑتی ہے، اور وہ ان کے حرکات و سکنات کو دیکھ کر مسکراتا ہے"[۵۶]

عرفان میں ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے کہ عارف ایک قدم بڑھا کر عرش سے حجاب عظمت، اور حجاب عظمت سے حجاب کبریا تک پہنچ جاتا ہے، اور دوسرے قدم میں واپس آجاتا ہے، یہ تو عارف کا کمترین درجہ ہے، ایک عارف کامل کہاں تک پہنچ جاتا ہے، وہ خدا ہی جانتا ہے"[۵۷]

عارف وہ نوجوان ہے جو قطع تعلق کر کے یکتا (فرد) ہو جاتا ہے، اور جب یہ یکتائی (فردانیت) حاصل کر لیتا ہے، تو وہ ہر چیز سے بیگانہ نظر آتا ہے"[۵۸]

عارف وہی ہے کہ وہ جہاں بھی ہو، اس کی خواہش کے مطابق کام انجام پائے، وہ نہیں ہے جو

---

۵۱ دلیل العارفین مطبع مجتبائی ص ۵۲ دلیل العارفین ص ۱۵-۱۶، ۱۷-۱۸ ۵۳ ص ۲۱-۲۲ ۵۴ ص ۵

۵۵ ص ۵۶ ص ۵۷ ص ۵۸ ص ۵۹ ص

کسی چیز کے پیچھے پریشان ہو[۱]

عارف کے مراتب ہوتے ہین، جب ان کو وہ طے کر لیتا ہے تو وہ دنیا کو اپنی انگلیون کے حلقہ مین دیکھتا ہے[۲]

عارف کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس مین صفاتِ الٰہی کا ظہور ہو، اور خدائے تعالیٰ سے عارف کی محبت کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے اوپر دل کے نور کو ظاہر کر دے، اور کوئی شخص دعویٰ کے ساتھ آئے تو اس کو اپنی کرامت سے مغلوب کرے[۳]

"اگر کسے پر دعوی بدعوی آید آن را بقوت کرامت ملزم کند"

اگر کوئی شخص کرامت دیکھنا چاہے تو اس کو خدا کی اجازت سے کرامت دکھلانی چاہیئے،

عارف خاموش رہتا ہے، تو وہ گویا خدائے تعالیٰ سے باتین کرتا ہے، اور جب آنکھین بند کر لیتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اس وقت تک سر نہ اٹھائے، جب تک صورِ اسرافیل کی آواز اس کے کانون تک نہ پہونچ جائے[۴]

عارف وہ ہے جو اپنے دل سے ساری باتین نکال کر یگانہ ہو جائے، عارف کا کمال یہ ہے کہ دوست کی راہ مین اپنے کو جلا کر خاک سیاہ کر دے[۵]

عارف اسی قدر معرفت کی باتین کر سکتا ہے جس قدر اس کو عبور ہے، کوے یار مین دوڑتا ہو اور معرفت کو اس وقت تک نہین پہنچتا، جب تک معارف کو یاد نہ کرے[۶]

عارف وہ ہے کہ دم حاصل کرے، اور جب یہ دم حاصل ہو جائے تو پھر زمین اور آسمان کے بیچ مین اس کو نہ پائے، عارف کا دم ذکر خدا ہے اور اسی دم پر اپنے کو وہ فدا کر دے[۷]

عارف کی فضیلت اس مین ہے کہ وہ خاموش رہے، اور اندوہ مین ہو،

عارف دنیا کا دشمن اور خدا کا دوست ہوتا ہے اس کو دنیا کے شور اور ہنگامے کی کوئی خبر نہین رہتی ہے[۸]

عارف گریہ کرتا ہے لیکن جب اس کو قربت نصیب ہوتی ہے، تو وہ گریہ بند کر دیتا ہے،

---

[۱] دلیل العارفین ص ۱۱ [۲] ص ۱۱، [۳] ص ۱۱، [۴] ایضاً ص ۲۳ [۵] ص ۲۳ [۶] ص ۲۳

[۷] ص ۲۲، [۸] ص ۲۷، [۹] ص ۲۷، [۱۰] ص ۲۸

دنیا مین تین چیزین عزیز ترین ہین (۱) عالم کا وہ سخن جو اپنے علم سے بیان کرے (۲) وہ شخص جس کو طمع نہ ہو (۳) وہ عارف جو ہمیشہ دوست کی ثنا وصفت بیان کرتا رہے (ص ۴۰)

عارف جب وحدانیت اور ربوبیت کے جلال کو دیکھتا ہے تو وہ نابینا ہو جاتا ہے تاکہ غیر پر اس کی نظر نہ پڑے[۵۱]

عارف کا ایثار بے نیازی ہے[۵۲]

عارف کی خصلت اخلاص ہے[۵۳]

عارف محبت مین کامل ہوتا ہے، اور جب وہ اپنے دوست سے گفتگو کرتا ہے، تو وہ ہوتا ہے یا دوست کا دوست[۵۴]

عارف صادق وہ ہے کہ اس کی ملک مین کچھ نہ ہو، اور نہ وہ کسی کی ملک ہو[۵۵]

عارف کا توکل یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی سے التفات نہ رکھے، حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف اور رنج پہنچے، تو وہ نہ ان کی شکایت کرے، اور نہ حکایت[۵۶]

عارف وہ ہے جو صبح کو اٹھے، تو رات کو یاد نہ کرے[۵۷]

عارف کی محبت یہ ہے کہ ذکرِ حق کے سوا کسی چیز سے لگاؤ نہ رکھے[۵۸]

عارف کی صفت آفتاب جیسی ہے، تمام دنیا اس سے منور ہے، دنیا کی کوئی چیز اس کی روشنی سے محروم نہین ہے،

عارف کے لئے تین ارکان ضروری ہین، ہیبت، تعظیم، حیا، اپنے گناہون سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت گذاری تعظیم ہے، اور خدا کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے، (سیر الاقطاب ص ۱۳۹)

خواجہ صاحب کی طرف ایک دیوان بھی منسوب ہے، مگر اہلِ نظر کی رائے مین یہ جعلی ہے، اس لئے ہم اس پر کسی قسم کی بحث کرنی نہین چاہتے،

دلیل العارفین کے علاوہ خواجہ صاحب کے ملفوظات بعض تذکرون مین بھی محفوظ ہین، ان ملفوظات مین ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ راہ سلوک مین چودہ مقامات ہین (۱) توبہ (۲) عبادت (۳) ہ

---

۵۱ دلیل العارفین صفحہ ۴۰ ۵۲ ،، صفحہ ۵۰ ۵۳ ،، صفحہ ۵۰ ۵۴ صفحہ ۵۰ ۵۵ ،، صفحہ ۵۱، ۵۶ ،، صفحہ ۵۲ ۵۷ ،، صفحہ ۵۳ ۵۸ ،، صفحہ ۵۲ ۵۹ ،، صفحہ ۵۵

(۴) رضا (۵) قناعت (۶) مجاہدہ (یا جہد) (۷) صدق (۸) تفکر (۹) استرشاد (۱۰) اصلاح (۱۱) اخلاص (۱۲) معرفت (۱۳) شکر (۱۴) محبت،

ان مین سے ہر ایک مقام ایک پیغمبر کے ساتھ منسوب ہے، یعنی توبہ حضرت آدمؑ، عبادت حضرت ادریسؑ، زہد حضرت عیسیٰؑ، رضا حضرت ایوبؑ، قناعت حضرت یعقوبؑ، مجاہدہ حضرت یونسؑ، صدق حضرت یوسفؑ، تفکر حضرت شعیبؑ، استرشاد حضرت شیثؑ، اصلاح حضرت داؤدؑ، اخلاص حضرت نوحؑ، معرفت حضرت خضرؑ، شکر حضرت ابراہیمؑ اور محبت افضل الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے،

سلوک کے مراتب مین اہل طریقت کے لئے مندرجۂ ذیل دس شرائط ضروری قرار دی ہین:-

(۱) طلب حق (۲) طلب مرشد کامل (۳) ادب (۴) رضا (۵) محبت و ترک فضول (۶) تقویٰ (۷) استقامت شریعت (۸) کم کھانا اور کم سونا (۹) لوگون سے کنارہ کش ہونا (۱۰) صوم وصلوٰۃ کا پابند ہونا،

اسی طرح اہل حقیقت کے لئے بھی دس چیزین لازمی ہین،

(۱) معرفت مین کامل ہونا (۲) کسی کو رنج نہ پہنچانا، اور نہ کسی کی برائی کرنا (۳) لوگون سے ایسی گفتگو کرنا جس سے ان کی دنیا اور آخرت بنے (۴) متواضع ہونا (۵) عزلت نشین ہونا (۶) ہر شخص کو عزیز اور محبوب رکھنا، اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر سمجھنا (۷) رضا و تسلیم کو راہ دینا (۸) ہر درد اور تکلیف مین صبر اور تحمل کرنا (۹) عجز و نیاز اور سوز و گداز پیدا کرنا (۱۰) قناعت اور توکل پسند ہونا[1] (باقی)

---

[1] سیر الاقطاب ص ۲۸، ۱۳۰،

تصوف اور اسلام

خالص اسلامی تصوف اور قدماے صوفیہ کے حالات و تصنیفات کا مفصل بیان،

ضخامت :- ۲۴۲ صفحے، قیمت :- ہے

فیہ ما فیہ

ملفوظات مولانا روم جو ایک نایاب کتاب تھی، مولانا عبد الماجد صاحب دریاآبادی نے مختلف نسخون سے مقابلہ کرکے اس کو مرتب کیا، اور معارف پریس اعظم گڈھ مین چھپوایا، قیمت عار

منیجر

معتمد الملک حکیم علوی خان

از

جناب معین الدین رہبر صاحب فاروقی

"مغل عہد کے اطبا مین آج تک جس طبیب کا نام زندہ، اور سب سے زیادہ زبان زد خاص و عام چلا آرہا ہے، وہ حکیم علوی خان کا نام ہے لیکن اتنا ہی کم، ہم ان کے حالات سے واقف ہین جس کی وجہ یہ ہے، کہ مشہور قلمی و مطبوعہ متداول تذکرے اور تاریخین ان کے ذکر سے خالی ہین یہی سبب تھا کہ راقم الحروف کو اپنی تالیف اسلامی طب کی ترتیب و اشاعت کے وقت تک بھی کوئی خاص مواد دست یاب نہ ہوسکا تھا، چونکہ اپنی کتابکے سلسلہ مین ابتک میری تلاش و تحقیق کا سلسلہ جاری ہے، اور عرصہ کی جستجو کے بعد، حکیم صاحب سے متعلق جس قدر معلومات تاحال جمع ہوسکے ہین وہ پیش ہین، اور ہم سمجھتے ہین، کہ یہ بڑی حد تک تشنہ نہین ہین،

ہمارا ذاتی ایقان ہے کہ ان جلیل القدر اسلاف کے حالات کے ساتھ ساتھ آج بھی ان سے مستفید ہونے کے لئے ان کے تصانیف کا تذکرہ بھی شرح و بسط سے لکھا جانا ضروری ہے، اسی لئے مین نے عموماً ایسے مواقع پر ہر جگہ اس اصول کی پابندی کی ہے، اور اس مضمون مین بھی اس پر عمل کیا ہے، ۱۲

(رہبر فاروقی)

حکیم صاحب کا اصل نام، مرزا محمد ہاشم، والد کا مرزا ہادی شیرازی، اور دادا کا سید مظفر الدین حسین علوی تھا، جو حضرت امام محمد بن حنفیہ کی اولاد سے تھے، مظفر الدین دیار تورآن کے رہنے والے تھے، بعد مین شیراز آکر سکونت پذیر ہوگئے، یہان ان کا فاضل عصر اور نامی اطبا مین شمار ہوتا تھا،

حکیم صاحب کے والد بزرگوار ان کے صاحب زادے میرزا ہادی غالباً شیراز ہی مین پیدا ہوئے اور وہان کے مشہور "دارالعلم" مین تعلیم و تربیت پانے کے بعد خود بھی علم و فضل مین نام پیدا کیا، خصوصیت سے طبابت، جراحی اور خوشنویسی مین تو استادانہ کمال حاصل تھا، چون کہ نرے قلندر مشرب تھے، اور قلندرانہ زندگی بسر کرتے تھے اس لئے مشاعرون اور دوسری محفلون مین اسی ڈھنگ کا لباس پہنے نظر آتے، اور لوگ انھین مرزا ہادی قلندر پکارا کرتے تھے، ان کی شہرت کا بڑا سبب ان کے معالجات تھے، شاگردون کی ایک بڑی تعداد تھی جنھون نے، ان سے فضل و کمال کا اکتساب کرکے ہند و ایران مین کافی عزت و مرتبہ پایا، جن مین سے چند کے نام یہ ہین :-

(۱) حکیم الممالک شیخ محمد حسین شہرت جو آخری دور مغلیہ کے مشاہیر اطبا سے گذرا ہے، بہت سے فنون مین ان کا شاگرد تھا،

(۲) حکیم محمد اسماعیل، جو شیراز ہی کا رہنے والا شخص تھا، فن طب مین ان سے کمال حاصل کیا، اور اکبرآباد مین آکر مقیم ہو گیا، یہان بڑی شہرت حاصل کی، اور آخر مین اپنے مقام سکونت کے لحاظ سے اکبرآبادی پکارا جانے لگا تھا،

(۳) حکیم علی نقی پدر حکیم علی نقی خان جو نواب عظیم اللہ خان سے تعلق رکھتا تھا،

(۴) حکیم مرتضیٰ،

(۵) مولوی نصیر عظیم آبادی،

مرزا ہادی شاعر بھی تھے، اور شرر تخلص تھا، صاحب دیوان گذرے ہین، لکھا ہے کہ حکیم علوی خان جب ہندوستان آئے، تو ان کا دیوان اپنے ساتھ لیتے آئے تھے،

مرزا صاحب نے ۶۳ سال کی عمر مین اس جہان فانی کو چھوڑا، سال وفات ۱۱۰۶ھ ہے، امام زادہ احمد بن حضرت امام موسیٰ کاظم معروف بہ شاہ چراغ کے جوار مین مدفون ہوئے، مرحوم نے قانونچہ پر شرح لکھی ہے جس سے ان کے پایۂ علمی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

انھون نے اپنی یادگار دو لڑکے چھوڑے، جن مین سے ایک کا نام مرزا عبدالحسین تھا، اور دوسرے خود مرزا محمد ہاشم (علوی خان) تھے، اول الذکر بھی ایک طبیب حاذق گذرا ہے،

علوی خان کے حالات زندگی حکیم علوی خان نے اپنے آبائی وطن شیراز ہی مین رمضان ۱۰۸۰ھ کو

عرصۂ وجود پر قدم رکھا، جب پڑھنے لکھنے کی عمر ہوئی تو ان کے والد نے خود دل چسپی لی، اور گھر ہی پر تمام متداول علوم کی تکمیل کرائی، اس کے بعد ان کو ایما سے مولانا لطف اللہ شیرازی، مولانا شاہ محمد اور اخوند مسیحائے فسائی کے سامنے زانوے ادب تہ کرکے اپنے منازل علمی کو درجۂ تبحر و کمال پر پہنچایا، جسے ان کی فطری اور خداداد صلاحیت نے چار چاند لگا دیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ علوی خان کا انکے اقران و امثال مین جواب نہ تھا،

ہندوستان کی کشش اور قدر دانی نے ان کو بھی اپنی طرف کھینچا، اور حکیم صاحب شیراز سے نکل کر ۱۱۱۱ھ مین براہ بندر سورت گجرات آئے، اور شہنشاہ عالم گیر کی ملازمت مین قلعہ ستارہ پہنچے، جو اس وقت اس کے محاصرہ مین مصروف[1] تھا، بادشاہ نے انھین خوش آمدید کہا، اور منصب و خلعت شاہی سے نوازا، ابھی چند ماہ بھی نہ گذرے تھے کہ شہزادۂ محمد اعظم نے شہنشاہ سے عرض کرکے حکیم صاحب کو اپنی سرکار مین ملازم رکھ لیا،

حکیم محمد شفیع شوستری نے علوی خان کی آبائی شرافت، اور ان کے علم و فضل سے متاثر ہو کر اپنی لڑکی ان سے منسوب کر دی،

اعظم کے مارے جانے کے بعد محمد معظم (بہادر شاہ اول) نے بھی ان کی بڑی قدر کی، اور مخالف بھائی سے تعلق رکھنے کے باوجود، ان کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سے، بغیر اپنے دربار مین نہ صرف جگہ دی، بلکہ مناصب بلند پر سرفراز کیا، اور "علوی خان" کا خطاب بخشا، جو اتنا مبارک ثابت ہوا کہ حکیم صاحب کو اسی زمانہ ہی مین نہین، بلکہ ہمیشہ کے لئے اسی کی بدولت زندگی جاوید نصیب ہو گئی، اور جب فرخ سیر تخت دہلی پر سریر آرائے حکومت ہوا تو اس نے بھی ان کی توقیر مین کوئی کمی نہ کی، اور اس عہد مین بھی وہ کامیاب زندگی بسر کرتے رہے،

حکیم صاحب کے کمال عروج کا زمانہ محمد شاہ بادشاہ کا دور ہے، جس نے ہمیشہ ان کو اپنا انیس و جلیس خاص بنائے رکھا، اور بے حد قدر دانی کی، چنانچہ شش ہزاری منصب اور تین ہزار روپے نقد ماہوار مقرر کئے، خطاب "معتمد الملوک" مرحمت کیا، اور متعدد مرتبہ زر و نقرہ مین تلوا دیا، اسی عہد مین علوی خان نے بڑے بڑے معرکے کے علاج کئے، اور کثرت سے نادر اور پیچیدہ امراض مین ان کے دست شفا سے لوگون نے "دم عیسوی" اور "ید موسوی" کا سا اثر دیکھا، جس کی وجہ سے ان کی شہرت حدود ہند سے گزر کر مختلف امصار و بلاد تک پہونچ گئی، اور جب تک زندہ رہے، یکہ و تنہا مشرقی دنیا مین عزت و عظمت کے آفتاب بنے رہے،

نادر شاہ کی رفاقت | جب قہرمان ایران نادر شاہ ہندوستان آیا، اور دلی کی لوٹ، اور غارت گری کے بعد

---

[1] یہ قلعہ اسی سال فتح ہوا، جس کا مادۂ تاریخی "شق ستارۂ آمد" ہے، ۱۱۱۱ھ

لوٹنے لگا تو حکیم صاحب کو اپنے ساتھ لیتا گیا، تقریباً تین سال تک وہ اس کے پاس رہے، اور پھر اجازت لے کر حج کے واسطے مکہ معظمہ گئے، اور اس سے فارغ ہو کر ہندوستان لوٹ آئے، اور دربار محمد شاہی مین حسب سابق منسلک ہو گئے،

علوی خان جب نادر کے ہمراہ روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ عبد الکریم (کشمیری) نامی ایک شخص بھی تھا جس نے اس سفر کے واقعات قلم بند کئے ہین، جو "بیان واقع" سے موسوم ہین، اس کو مولف نے نادرنامہ کی صورت مین بھی علٰحدہ مرتب کیا ہے، اسی کا خلاصہ یا ترجمہ اردو مین "وقائع نادری" کے نام سے معصوم علی محشر نے ۱۹۰۵ء مین کیا تھا، جو مطبع منشی جے نارائن ورما لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے، عبد الکریم اپنی اصل کتاب مین بضمن "رفاقت نادری" تحت "وقائع کہ در ایام قزوین بظہور پیوست" تحریر کرتا ہے کہ

اسی زمانہ مین علوی خان کو بادشاہ نے واپسی کی اجازت دی، نادر شاہ (ہندوستان پر حملہ کرنے سے پیشتر ہی سے) امراض سوداوی اور استسقا مین گرفتار تھا، چونکہ چھوٹے بڑے سبھون کی زبانی ان کی حذاقت کے واقعات سنے تھے، اس لئے ان کو ہندوستان سے اس شرط کے ساتھ لیتا گیا، کہ صحت کے بعد بیت اللہ بھیج دے گا، اسی بنا پر حکیم صاحب نے رضامندی ظاہر کر کے رفاقت اختیار کی تھی،

اپنے قیام کے دوران مین حکیم صاحب نادر شاہ کو مہربان اور اپنا نہایت قدرشناس پا کر جب تک رہے حق گوئی مین برابر بے باکی سے کام لیتے رہے، ان کی یہ باتین اس پر دوا سے زیادہ تلخ گزرتین، مگر نادر شاہ پر ان کا کچھ ایسا اثر تھا کہ وہ ان کو سنتا اور ان پر عمل بھی کیا کرتا تھا، ان کے علاج سے اس کی طبیعت اس قدر سنبھل گئی تھی، کہ کسی کو قتل کرنا تو کجا، چوب زنی تک کا حکم نہ دیتا تھا، اس اصلاح مزاج کا اندازہ اس موقع پر خوب لگایا جا سکتا تھا جب کہ نواحی مازندران مین نادر کا ہاتھ تیر و تفنگ سے مجروح ہو گیا تھا اور یہ وقت اس کی تکلیف و جوش غضب کا تھا لیکن کسی کو کوئی ایذا نہ پہنچائی"

الغرض جب تک علوی خان نادر کے پاس رہے، انھون نے بادشاہ کا بڑی خوبی اور کامل سے علاج کیا، اور مناسب ادویہ کا استعمال جاری رکھا، اس کی بدپرہیزی کے باوجود بڑی حد تک امراض کا ازالہ ہو گیا تھا، اس واسطے اس وقت یہان حکیم صاحب نے نادر سے واپسی کی اجازت طلب کی، علوی خان کی یہ استدعا شاہ پر موت سے زیادہ گران گزری، ابتدا نہایت ہی شفقت آمیز گفتگو، اور حسن سلوک و احسانات سے باز رکھنے کی کوشش کی، اور اپنے وعدے اور ان کے مدعا سے چشم پوشی شروع کر دی

حکیم صاحب نادر کے اس طرز کو سمجھ گئے، چونکہ ان کے مزاج میں بھی حدت اور غصہ بہت تھا، ایک دن بے اختیار اس سے کہہ دیا کہ طبیب کو اس کی ناراضی کی صورت میں اپنے پاس یہ جبر روک رکھنا ایک ضرر رسان امر ہے، نادر جیسے قہار نے جوان کا بے حد احترام اور عزت کرتا تھا، جب یہ باتیں سنیں تو اپنی شفقت کا پاس کرکے سہم گیا، حکیم صاحب نے صاف صاف سنا دیا تھا جو اس پر اثر کر گیا ان باتوں کی حقیقت پر غور کرنے کے بعد اس نے بالآخر مجبور ہو کر اجازت روانگی دے دی، اور سفر کا انتظام کر دیا،

"جب تک علوی خان نادر کے پاس رہے سب لوگوں سے بڑھ کر وہ ان کی قدر کرتا رہا، اور ہر وقت ان کی رفاقت کو سب سے زیادہ ضروری سمجھتا تھا، ان کے لئے علیحدہ خیمہ ایستادہ ہوتا اور سواری کے لئے اپنی سواری خاص کا تخت روان بھی دے رکھا تھا، نیز جو خود کھاتا انھیں بھیجتا جو خود پہنتا انھیں پہناتا تھا، اور دوسرے تمام امور میں بھی یہی شرائط ملحوظ رکھی تھی،

اس مقام پر مؤلف کہتا ہے:-

"بندۂ عاصی محرر این اوراق بے سیاق کہ محض بارادۂ حج بیت اللہ الحرام و زیارت مقابر اولیاے عظام، ملازمت سلطان اختیار کردہ بود، بوساطت حکیم باشی ترک ملازمت و حصول رخصت نمودہ، برفاقت ایشان متوجہ حجاز گردید، و نادر شاہ از دارالسلطنت قزوین حرکت فرمودہ"

محمد خان بنگش کا علاج | آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ ہم حج سے فارغ ہو کر بندر چنیاپٹن (مدراس) آئے اسی سفر میں غالباً فرخ آباد بھی پہونچے، یہاں کا حاکم محمد خان بنگش بیمار تھا حکیم صاحب کو بلا گیا، یہ پہونچے اس کا معائنہ کیا نبض دیکھی، اور نسخہ بھی شاید لکھ دیا، جب علوی خان اسے دیکھ کر لوٹے، تو انھوں نے مجھ (عبدالکریم) سے کہا کہ یہاں سے جلد کوچ کی تیاری کرو، کیوں کہ نواب چھ سات روز کا مہمان ہے، یہ سن کر میں نے پوچھا کہ "تعین وقت مرگ از روے علم طبابت است یا کشف و کرامات"، جواب میں کہا، "بکثرت شغل معالجہ و وفور تجربہ"

جب علوی خان نادر کے پاس سے چلے آئے، تو دوسرے اطبا رشاہ کے غضب و غصہ کے باعث اس کے مزاج کی اصلاح نہ کر سکے، اور دوبارہ اس کی سفاکی اور غیظ و غضب عود کر آیا پھر یہ حال ہو گیا تھا کہ ہر روز معمولی معمولی قصور پر لوگوں کی آنکھیں نکال ڈالنے کا حکم دیتا تھا،

غرض تقریباً ۵۰ سال ہندوستان مین زندگی گذارنے کے بعد بیاسی سال کی عمر مین ۲۵ رجب ۱۱۶۲ھ کو دارالخلافہ شاہجہان آباد مین مرض استسقا سے داعی اجل کو لبیک کہا، اور وصیت کے مطابق درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء (قدس سرہ) مین مدفون ہوئے،

آخر عمر تک عینک کی احتیاج نہ ہوئی، دران حالیکہ شب و روز بے شمار مخلوق خدا کے معالجہ ونسخہ نویسی کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف مین بھی مشغول رہے، حکیم صاحب کو کوئی اولاد نہ ہوئی،

وفات پر بادشاہ نے حکیم صاحب کے متروکہ کو ضبط کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن صفدر جنگ وزیر کی سفارش پر فرمان ہوا کہ ان کے اموال و املاک، نقود و جواہر آلات ان کے حقیقی خواہرزادہ حکیم علی نقی خان کو دے دیئے جائین،

علوی خان نے تصانیف کے علاوہ ایک بہترین کتب خانہ بھی یادگار چھوڑا تھا، جسے اپنی وفات سے ایک سال قبل ہی وقف کرکے علی نقی خان کو اس کا متولی بنا دیا تھا، اور اجازت دی تھی کہ جو شخص مطالعہ کیلئے کتاب مانگے، اُسے دی جائے، اور پھر واپس لے لی جایا کرے،

اکثر شعراء نے انتقال کی تاریخین کہی ہین، جن مین سے حسب ذیل دو مادے بہت مشہور ہین:-

(۱) بر فلک رفت مسیحاے جدید،

(۲) طبابت از جہان رفت،

لیکن موخر الذکر تاریخ سے (۱۱۶۱ھ) برآمد ہوتے ہین، چونکہ اس کے پورے اشعار اس وقت پیش نظر نہین ہین، ممکن ہو تدخلہ ہو،

جب تک حکیم صاحب حیات رہے، اکثر سرآمد شعراے زمانہ نے ان کی مدح مین بہت سے قصائد و اشعار لکھے، جن مین سے قطعۂ ذیل تو اب تک لوگون کی زبانون پر ہے، جو محتشم علی خان محتشم کا کہا ہوا ہے ؎

اے دوست تو دستگیر ہر شاہ و گدا — از فیض تو در مان طلبان کام روا
خلقے گوید کہ می کند کار مسیح" — من می گویم کہ می کند" کار خدا"[1]

---

[1] "کار خدا" دو معنی استعمال کیا گیا ہے، ایک تو یہ کہ پیمبر کا کام نہین بلکہ خدائی کرتا ہے، اور دوسرے یہ کہ "خدا کا کام" یعنی مخلوق کی خدمت کرتا ہے،

صاحب تذکرۂ ریاض الشعراء والہ داغستانی سے حکیم صاحب کے دوستانہ تعلقات تھے، اور بوقتِ ترتیبِ تذکرہ وہ بقیدِ حیات تھے، والہ نے ان کی نسبت اپنے ان تاثرات کا اظہار کیا ہے:-

"آن کہ ارسطو و فلاطون، بلکہ علمائے دُہور و قرون اگر در زمانش بودندے مفاخرہ و مباہات باستفادۂ مجلسِ عالیش نمودندے ..... توصیف علوشانش درخور بیان نیست بارا قم حروف بسیار مربوط، و ابوابِ دوستی فی مابین ہمیشہ مفتوح است"

حکیم صاحب کو شعر و سخن سے دلچسپی تھی، بطور تفننِ طبع کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے، عبدالکریم اور والہ نے کوئی تخلص بیان نہیں کیا ہے، دونوں نے نمونۂ کلام میں ایک ہی غزل لکھی ہے، جس کو ہم بھی یہاں نقل کئے دیتے ہیں:-

ز صافِ شعلۂ حل کردہ پرسازید جامم را — بجوش آرد مگر در مغز من سودائے خامم را
بجائے سبزہ و گل شعلہ و دود از زمین روید — فشانم گر بخاک از دے مستی در جامم را
اسیر داغِ حرمان را فریب دانہ کے سازد — زنار شعلۂ جوالہ باید ساخت دامم را
ہوا گر دد تموم از شعلہ ہائے سوز پنہانم — گداز در بغل غافل اگر یک دم بپایم را

ایک قصہ ایک تاریخ میں ہماری نظر سے ایک ایسا واقعہ گذرا ہے، جو "افسانہ الیست و افسون" سمجھا جا سکتا ہے، مگر ایسے قصوں کے متعلق ایسی بھی شہادتیں اور مشاہدات گذرے ہیں، کہ ان سے انکار نہ کیا جا سکا، ہم زیرِ بحث قصہ کی نسبت کچھ کہے بغیر اُسے یہاں درج کئے دیتے ہیں،

مولف تاریخ گوہر شہوار فیض حق بیان کرتا ہے، کہ محمد شاہ بادشاہ اپنے جلوس کے تیسرے سال ۲ رجب کو "سمن برج" کی سیر میں مشغول تھا، کہ سامنے ایک فقیر پر نظر پڑی، حکم دیا کہ اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے، فقیر نے عرض کی کہ وہ صرف بادشاہ کے دیدار کے لئے آیا ہے، اس کے سوا اس کی کوئی حاجت نہیں، جب یہ اطلاع گوش گذار ہوئی، تو کہا کہ اس کو حاضر کیا جائے، جب فقیر باریاب ہوا تو بادشاہ نے نام پوچھا، کہا نور شاہ ہے، اس کے ساتھ بغل میں ایک چھوٹا شیشہ تھا نکال کر محمد شاہ کے سامنے رکھا، اور کہنے لگا اگر سلطان چاہے تو اس عرق سے روزانہ اتنی مقدار میں سونا تیار کر کے سو سال تک خرچ کر سکتا ہے، بادشاہ نے کہا کہ ہم اتنا تو ہر روز خیرات کر دیا کرتے ہیں، اگر تم اس سے پہاڑ سونے کا بنا سکتے ہو تو

البتہ یہ مقدار شاہی اخراجات کے لئے کفایت کرسکے گی،

فقیر نے عاجزی ظاہر کی اور اس کے بعد خواہش کی کہ پاندان خاصہ طلب کیا جائے، حسب الحکم پاندانِ زمرد مع لوازم لایا گیا، فقیر نے کہا کہ تین بیڑے بناؤ، باری داروں نے تیار کرکے صدفِ زمرد مین رکھ کر گذرانے، درویش نے اپنے شیشے سے تین قطرے تینون بیڑون پر ٹپکائے، پہلا بیڑہ تو خود کھایا، دوسرا حکیم علوی خان کو دیا، اور تیسرا بادشاہ کی خدمت مین پیش کیا، محمد شاہ نے اسے کھالیا، اس کے بعد فقیر چلا گیا، اور پھر اس کا پتہ نہ لگا،

بیان کیا جاتا ہے کہ ان ہی بیڑون کے اثر سے محمد شاہ سخت عیش پرست ہوگیا، اور آخر مین علوی خان بھگندر مین مبتلا ہوگیا[1]

علاج کے افسانے | حکیم علوی خان صاحب کے معالجات مین سب سے زیادہ مشہور قصہ نادر شاہ کے دردسر کا علاج کا ہے، بعض اس کو بزمانہ قیام دہلی، اور بعض مراجعت ایران کے بعد کا واقعہ بیان کرتے ہین، اسکی تفصیلات مین بھی اختلاف ہے، ان مین جو زیادہ قرین فہم ہے، ہم اس کو درج ذیل کرتے ہین، جسے ہم نے اپنی کتاب اسلامی طب میں بھی نقل کیا ہے،

(۱) لکھتے ہین کہ ایک دن نادر نے علوی خان کو بلایا اور کہا کہ مین مریض ہون، علاج کرو مگر شرط یہ ہے کہ مین نہ کوئی دوا پیون گا، اور نہ بیرونی طور پر۔۔۔۔ لگاؤن گا، حتی کہ نبض وقارورہ تک نہ دکھاؤن گا، ان سب باتون کے باوجود مجھے صحت ہوجانی چاہیئے، حکیم صاحب نے تعمیل حکم مین کہدیا، انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا، لیکن اس حکم نادری سے کچھ مضطرب سے ہوگئے، چون کہ خداداد عقل و ذہن پایا تھا، دربار سے اٹھتے وقت بادشاہ کے چہرے پر غائر نظر ڈالی، تو دیکھا کہ آنکھین سرخ ہین، چہرہ پر یبوست و بدمزاجی کی کیفیت پیدا ہے، اس روز گرمی بھی شدت کی تھی، فوراً تاڑ لیا کہ بادشاہ دردسر مین مبتلا ہے، اٹھنے سے قبل اس سے عرض کی اجازت ہو تو فدوی گھر جاکر علاج کی تدبیر کرے، نماز ظہر پڑھ کر بارگاہ عالی مین حاضر ہوگا اور خدمتِ سلطانی بجالائے گا، حکیم صاحب نے دربار سے آکر نماز ادا کی، اور خدمتگار کو حکم دیا، کہ وہ اس عرصہ مین "سدا گلاب" کا پنکھا تیار کرکے رکھے، اور اس پر عطر حسن بھی چھڑک دے، نماز سے فارغ ہوکر علوی خان اس کو لیکر نادر کے پاس گئے، اور عرض کی کہ علاج کی تدبیر کر رہا ہون،

---

[1] تاریخ گوہر شاہ وارد (قلمی) صفحہ ۴۲۳،

مجھے پنکھا نہایت اچھا جھلنا آتا ہے، اس لئے علاج شروع کرنے تک ناچیز کو اجازت دی جائے، کہ پنکھا جھلنے کا شرف حاصل کرے، اجازت ملنے پر حکیم صاحب پنکھا جھلنے لگے جس کے پھولوں کی خوشبو ہوا کے ساتھ بادشاہ کے دماغ میں پہونچنے لگی، اور عطر کے قطرے غیر محسوس طریقہ پر اس کے چہرہ اور اور پیشانی پر پڑنے لگے، اس کا اثر یہ ہوا کہ روح اور قلب کو فرحت پہنچی، اور شاہ پر غنودگی کے آثار طاری ہوگئے، یہاں تک کہ وہ نہایت غفلت کے ساتھ سوگیا، ادھر علوی خان نادر کو سوتا پاکر اپنے خیمہ میں واپس چلے آئے، بادشاہ جب بیدار ہوا تو درد کا مطلق اثر نہ تھا حکیم صاحب کو بلاکر ان کی دانائی کی بے حد تعریف کی،

(۲) مؤلف وقائع نادری لکھتا ہے، کہ نادر کی بیگم کو ایک خاص مرض یہ لاحق ہوگیا تھا، کہ ایک طرف کا پستان متورم اور بہت سخت ہوگیا تھا اور بیگم بضد تھیں کہ کسی کو نہ دکھاؤں گی علوی خان کو یہ روداد سنائی گئی، انھوں نے علاج پر آمادگی ظاہر کی، اور کہا کہ فلان کمرہ میں باریک میدہ بچھایا جائے، اس کی تعمیل ہوئی تو بیگم صاحبہ سے خواہش کی کہ وہ ایک مرتبہ اس فرش پر سے گذر جائیں جب وہ پیر رکھتی ہوئی گزر گئیں، تو حکیم صاحب نے نشاناتِ قدم کا بغور معائنہ کیا، اور پیر کی رگ پہچان کر اسی نقشِ قدم پر لوگوں کی نظریں بچاکر ایک نشتر چھپا دیا، اور دوبارہ عرض کی کہ ایک بار اور بیگم صاحبہ اس پر سے تشریف لے جائیں لیکن شرط یہ ہے کہ سابقہ نشانات پر ہی قدم جماکر جائیں بیگم نے ایسا ہی کیا جہاں نشتر چھپا تھا، وہاں پیر رکھتے ہی وہ چیخ گئیں بیگم چیخ مار کر فوراً گر پڑیں، لونڈیاں دوڑی آئیں، اور نشتر کو نکال لیا،

اس تدبیر سے غالباً حکیم صاحب کا مقصد فصد کھولنا تھا، جو پورا ہوگیا، ورنہ بیگم یوں تو ہرگز فصد کے لئے راضی نہ ہوتیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد ازالۂ مرض ہوگیا،

تصنیفات و تالیفات | علوی خان کی علمی یادگاروں میں سے اب تک ہمیں حسب ذیل کتابوں کے نام ملے ہیں جن میں سے ہر ایک پر اجمالاً روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے، تاکہ اہلِ فن ان سے استفادہ کی طرف توجہ کریں،

(۱) تحفہ محمد شاہی یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری لیکن اس کی نسبت یہ تاریخی واقعہ ملتا ہے کہ جب انھوں نے اس کو مکمل کرکے محمد شاہ کی خدمت میں پیش کیا، تو بادشاہ نے مالا سے مروارید سر پیچ

مع شمشیر و لاہتی، خلعت اکیس پارچہ، اور ساٹھ ہزار روپے نقد مرحمت کئے،

(۲) کتاب النبات۔ یہ کتاب عربی زبان مین ہے جس کو سات مباحث پر تقسیم کیا گیا ہے، اس مین اُن نباتات پر جو بطور ادویہ استعمال ہوتی ہین، ردیف وار، عالمانہ اور نہایت مفید بحث کی ہے، جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے، وہ قلمی اور نہایت آب رسیدہ ہوگیا ہے، اس کے پڑھنے مین کافی دقت ہوتی ہے، اس وجہ سے ہم اس پر کوئی تفصیلی یادداشت فی الحال مرتب نہ کرسکے، محنت و جانفشانی کے بعد اس سے کچھ نہ کچھ استفادہ ہوسکتا ہے، جو حیدرآباد کے کتب خانۂ آصفیہ مین موجود ہے،

(۳) خلاصۃ التجارب۔ یہ کتاب فارسی زبان مین ہے، جو مطبع محمدی واحدی سے ۱۲۸۲ھ مین چھپ بھی چکی ہے، نہین معلوم ناشرین نے سرورق پر اسے حکیم علوی کی تالیف کیسے لکھ دیا، اس غلطی کی وجہ سے بعض اصحاب اس کو اب تک ان ہی کی تالیف سمجھتے ہین، واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب حکیم صاحب کی مؤلفہ نہین ہے، اس کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے، کہ اس کو ۹۰۷ھ مین بہاؤالدولہ نامی کسی ایرانی طبیب نے لکھا ہے جس کے تقریباً ہزار صفحات ہین، اور ایک بے نظیر و نہایت قابل قدر کتاب معلوم ہوتی ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ بھی ہم نے کتب خانۂ آصفیہ مین دیکھا ہے، جو حکیم عبدالعلی تلمیذ حکیم ارشد کے کتاب خانہ کا ہے، غالباً اسی کتاب کو نولکشور پریس کانپور نے بھی مجربات حکیم علوی خان موسوم بہ خلاصۃ التجارب کے نام سے ۱۲۹۲ھ مین شائع کیا ہے، جس کے (۶۴۶) صفحات ہین،

(۴) مطب علوی خان کے نام سے بھی علٰحدہ ایک مختصر رسالہ نولکشور نے ۱۸۷۲ء مین چھاپا ہے، اس مین کوئی تمہید وغیرہ نہین ہے، معلوم نہین کس نے اور کہان سے حکیم صاحب کے مجربہ نسخے حاصل کئے، غرض کہ ایک مختصر سی کتاب ہے جو (۹۱) صفحات پر مشتمل ہے،

(۵) جامع الجوامع۔ یہ حکیم صاحب کی سب سے ضخیم اور مشہور ترین کتاب ہے، اس کا نام کسی نے "جمع الجوامع" اور کسی نے "مجمع الجوامع" بھی لکھا ہے،

اسی کو سید محمد حسین بن حکیم محمد ہادی العقیلی العلوی خراسانی ثم شیرازی نے کچھ تبدیلی کے ساتھ یا نئی ترتیب سے ۱۱۰۹ھ مین مرتب کیا ہے، جو ۱۲۴۵ھ مین ٹائپ مین چھپی ہے[1] جس کی دو جلدین ہین، پہلی کے (۴۳۲)

---

[1] معارف :- پہلی جلد ۱۲۵۵ھ مین اور دوسری ۱۲۵۶ھ مین چھپی ہے، دونون جلدین ہمارے کتب خانہ مین موجود ہین، پہلی کے صفحات کی تعداد (۴۰۷) اور دوسرے کے (۴۳۹) ہے،

اور دوسری کے (۳۴۴) صفحات ہیں، اس کا نام مجمع الجوامع مشہور بہ قرابا دین کبیر لکھا ہے،

دیباچہ میں مولف نے لکھا ہے کہ اس نے علوی خان کی کتاب "جامع الجوامع" جو منتشر تھی اس کو جمع کر کے فرید اضافے کے ساتھ مرتب کیا ہے،

غالباً یہی کتاب پانچ حصوں میں مطبع محمدی میں بھی ۱۲۷۵ھ میں طبع ہوئی ہے محمد حسین نے مقدمے میں یہ بھی لکھا ہے کہ علوی خان اس کے والد کے خال ہوتے تھے، ان کے اسناد طب یہ ہیں :-

"بدان کہ سند (خال والد ماجد) حکیم محمد ہاشم المخاطب بہ حکیم معتمد الملک سید علوی خان بوالد اوشان (استاد الاطبا، وسید الحکما) میر محمد ہادی العلوی وازوشان باستاد الاطبا میرزا مسیح (والا مرزا محمد تقی موسوی) وازمرزا مسیح بوسائط باطبائے خوز وطبرستان وازوشان باطبائے حران وحرانیان بہ بقراط حکیم وازوشان باسقلیبوس وازو بحضرت سلیمان بن داؤد پیغمبر ..... می رسد"

اصل جامع الجوامع حکیم علوی خان کا ایک حصہ ہماری نظر سے گذرا ہے: یہ قلمی ہے، جس کے متوسط سائز کے (۱۵۰) صفحات ہیں، جو اپنے اصل کا اٹھارواں جزو ہے، اس میں صرف "گردہ" کے احوال و معالجات کا بسیط تذکرہ ہے، اور دو مقالوں پر محتوی ہے،

اس کتاب کی اہمیت کے اندازے کے لئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں، کہ یہاں اس کی فہرست مضامین نقل کر دیں،

(۱) مقالۂ اوّل

در بیان فائدہ گردہ و تشریح آن، و در ذکر کلیات احوال گردہ و حصاۃ آن و ذکر جملہ ادویہ و اغذیۂ مفردہ آن و ذکر از جملہ ادویہ مرکبہ آن،

مقصد اول :- در بیان فائدہ گردہ و تشریح آن،

مقصد دویم :- در ذکر کلیات احوال گردہ و حصاۃ آن،

(۱) مطلب اول ..... در ذکر امراض گردہ بقول کلی، (۲) مطلب دوم ..... در ذکر علاماتے کہ استدلال کردہ می شود از ان بر احوال کلیہ گردہ (۳) مطلب سوم ..... در علاجات اقسام سوء المزاج گردہ

مقصد سیوم :- در ذکر جملہ ادویہ و اغذیہ مفردہ کہ آن ہا را افعال کلی ست باحوال گردہ،

(۱) فصل اول ..... در دیگر ادویہ واغذیہ مفردہ نافعہ از برائے گردہ (۲) فصل دوم ..... در ذکر ادویہ واغذیہ مسخنہ گردہ (۳) فصل سوم ..... در ذکر ادویہ واغذیہ مسکنہ حرارت گردہ (۴) فصل چہارم ..... در ذکر ادویہ واغذیہ مفردہ مرطبۂ گردہ،

مطلب دویم:- در ذکر ادویہ واغذیہ مفردہ مفتح سدہائے گردہ ومنقی گردہ،

(۱) فصل اول ..... در ادویہ واغذیۂ مفردہ مفتح سدہائے گردہ (۲) فصل دوم ..... در ادویہ واغذیۂ مفردہ منقی گردہ،

مطلب سیوم:- در ذکر ادویہ واغذیہ مفردہ مضر بگردہ ومصلحات آن ہا،

مقصد چہارم:- در ذکر جملہ ادویہ مرکبہ نافعہ از برائے گردہ واعراض آن،

(۲) مقالۂ دوم

در ذکر امراض چربی گردہ واسباب وعلامات ومعالجات وادویہ واغذیہ مفردہ ومرکبۂ آنہا

مقصد اوّل ..... در بیان ہزال کلیہ،

(۱) مطلب اوّل ..... در بیان ہزال گردہ واسباب آن (۲) مطلب دوم ..... در بیان علامات ہزال گردہ (۳) مطلب سوم ..... در بیان معالجات ہزال گردہ (۴) مطلب چہارم ..... در ذکر ادویہ واغذیہ مفردہ سودمند برائے ہزال گردہ (۵) مطلب پنجم ..... در ذکر جملہ ادویہ مرکبہ مسمن گردہ

مقصد دوم ..... در بیان اسباب ضعف کلیہ وعلامات ومعالجات ادویہ واغذیہ مفردہ ومرکبہ،

(۱) مطلب اوّل ..... در بیان اسباب ضعف کلیہ (۲) مطلب دوم ..... در ذکر علامات ضعف گردہ (۳) مطلب سوم ..... در ذکر معالجات ضعف گردہ (۴) مطلب چہارم ..... در ذکر جملہ ادویہ ہا وغذاہائے مفردہ نافع از برائے ضعف گردہ (۵) مطلب پنجم ..... در ذکر جملہ ادویہ مرکبہ نافع برائے ضعف گردہ،

مقصد سوم ..... در ریح ونفخ گردہ،

(۱) مطلب اول ..... در سبب وعلامات ریح ونفخ کلیہ (۲) مطلب دوم ..... در ذکر جملہ ادویہا ے مفردہ نافع از برائے ریح گردہ،

مقصد چہارم:- در ادجاع،

لہ مطلب اوّل موجود نہیں ہے،

(۱) مطلب اوّل:- در ذکر اسباب و علامات و معالجات اورام جاریہ گردہ (۲) مطلب دوم:- در ذکر ادویہ و اغذیہ مفردہ سودمند از برائے اورام جاریہ گردہ (۳) مطلب سوم:- در ذکر جملہ از جملہ ادویہ و اغذیہ مرکب سودمند از برائے اورام جاریہ گردہ

مقصد پنجم:- در اورام گردہ،

(۱) مطلب اول.... در ذکر اورام حارۂ گردہ و اسباب و علامات و معالجات آن ہا،

فصل اول.... در ذکر اورام حارۂ گردہ و دبیلہ در آن، فصل دوم... در بیان اسباب اورام حارۂ کلیہ، فصل سوم در بیان علامات اورام حارہ در کلیہ و علامات دبیلہ، فصل چہارم در علاجات اورام حارہ گردہ و دبیلہ،

(۲) مطلب دوم..... در اورام بلغمی کلیہ و اسباب و علامات و معالجات (۳) مطلب سوم... در ورم صلب کلیہ و اسباب و علامات معالجات (۴) مطلب چہارم، در ذکر جملہ از دواہا و غذاہا مفردہ سودمند برائے ہر قسم اورام گردہ (۵) مطلب پنجم... در ذکر اوصاف جملہ از دواہا مرکبہ سودمند برائے ہر قسم اورام گردہ،

فصل اول ... در ذکر اوصاف جملہ ادویہ مرکب سودمند از برائے اورام حارہ و دبیلہ، فصل دوم... در ذکر اوصاف جملہ ادویہ مرکب سودمند از برائے اورام بلغمی، فصل سوم ... در ذکر اوصاف جملہ ادویہ مرکب سودمند از برائے صلب کلیہ

(۶) مطلب ششم.... در ذکر جملہ ادویہ مرکبہ سودمند از برائے اورام گردہ ذکر اوصاف آن ہا در قرابادین جامع الجوامع ذکر شدہ

مقصد ششم.... در قروح گردہ،

(۱) مطلب اوّل .... در بیان اسباب قروح گردہ (۲) مطلب دوم در بیان علامات قروح گردہ (۳) مطلب سوم.....؟ (۴) مطلب چہارم .... در ذکر جملہ از دواو غذا مفردہ سودمند برائے قروح گردہ (۵) مطلب پنجم در بیان اوصاف جملہ ادویہ مرکبہ سودمند برائے قروح گردہ (۶) مطلب ششم.....؟

مقصد ہفتم:- در چرب گردہ و مجاری آن،

(۱) مطلب اول .... در بیان چرب کلیہ و اسباب و علامات و معالجات (۲) مطلب دوم.... ذکر جملہ ادویہ و اغذیہ مفردہ نافع برائے چرب گردہ (۳) مطلب سوم ... در ذکر جملہ ادویہ و اغذیہ مرکبہ نافع برائے چرب گردہ،

مقصد ہشتم:- در رمل و حصاۃ گردہ،

(۱) مطلب اوّل .... در بیان اسباب تولد رمل و حصاۃ در کلیہ (۲) مطلب دوم.... در علامات آن (۳) مطلب سوم... در معالجات آن، (۴) مطلب چہارم.... در ذکر جملہ دواو غذائے مفردہ سودمند (۵) مطلب پنجم.... در ذکر جملہ دواو غذائے مولد رمل و حصاۃ (۶) مطلب ششم... در جملہ دواو غذائے مرکبہ از برائے رمل کلیہ و حصاۃ (۷) مطلب ہفتم... در ذکر جملہ مرکبات کلیہ

اردو ادب کی تاریخ کے لئے ایک نصب العین

از

جناب ڈاکٹر ام حفیظ سید، ام اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ - الہ آباد،

قدیم یونانیون نے ہر علم کو فلسفے کی شان دے رکھی تھی، ان کی اس بظاہر عجیب و غریب عادت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو انھون نے خود علم فلسفہ کی اس طور سے تدوین کی کہ آج تک ہر خیال کی بنا اور ہر عقیدے کے آغاز کا سُراغ یونان کے فلسفہ تک ملا دیا جاتا ہے، دوسری طرف یہ کہ ہر علم و فن کے اصول مین ایک خاص فلسفے کی تلاش کی جاتی ہے، اور اس کے طرزِ عمل اور اسلوب کو ایک فلسفہ قرار دیا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ انسان کا ہر فکر اور ہر عمل ایک فلسفے کے ماتحت نظر آتا ہے، لیکن اس تمام تفلسف کی جڑ مین ایک چیز کارفرما تھی، اور ہے، انسان کی زبان، انسان حیوانِ ناطق ہے، وہ بولتا ہے اور اپنی بولی کے ذریعہ سے اپنے افکار، خیالات اور عقائد کا اظہار کرتا ہے، وہ کیا بولتا ہے، کیون بولتا ہے اور کیونکر بولتا ہے؟ ان سوالات کے جواب نے علم اللسان اور علم الصوت پیدا کیا، اور اس علم کی کند ذہنی اور موشگافی نے وہ تمام نازک بحثین پیدا کین، جو مختلف علوم کے نام سے موسوم ہین،

مختصر یہ کہ زبان کا وجود انسان کے تمام افکار و اعمال کے اظہار کا ضامن اور ذمہ دار ہے، اور یہی وہ سرچشمہ ہے جہان سے علوم انسانی کے وسیع و عریض گنگ وجمن پھوٹ کر نکلتے، اور انسان کی ہستی کو سیراب کرتے ہین، نہ اس سے انکار ہو سکتا ہے، اور نہ انکار مقصود ہے، کہ انسان کی زندگی کے لئے تمام علوم، اپنی کمی و بیشی کے ساتھ مفید ہین لیکن اس حقیقت کا اعتراف بھی ناگزیر ہے کہ زبان کا علم تمام علوم کا سرچشمہ ہے، ذرا سے غور سے یہ بھی حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ زبان کا مطالعہ انسان کی ہستی کی تمام کیفیت اور چگونگی کو واضح کر دینے کے لئے کافی ہے، انسان کے "کیا اور کیونکر" بولنے کے سوال نے جو جوابات پیدا کئے، ان مین سے ایک تو علم اللسان ہے، اور اس کے بعد نظم اور پھر نثر ہے، علم اللسان تو صرف چند اہل دماغ"

کا حصہ ہو کر رہ گیا، مگر نظم اور نثر کی نوازش عام ہو گئی، اور ہمیشہ عام رہے گی، نظم اور نثر نے زندگی کی ہر حالت مین انسان کی مدد کی ہے، یہ دونون وحشت، بربریت، تمدن اور تہذیب، ہر حالت مین انسان کی ہمدم رہی ہین، اور ہمیشہ رہین گی، لہذا جہان فلسفہ انسان کے محض افکار بیان کرتا ہے، نظم و نثر اس کے افکار و اعمال کی روزانہ کیفیات اور ان کی ترقی اور تنزل کا نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہین، اسی لئے ہر متمدن قوم اپنی زبان کی نظم و نثر کی کیفیات اور ان کی ترقی، ان کے نشو و نما اور ان کی ترمیم و تبدیل کا محاطعہ کرتی ہے، اور اسی مطالعہ سے اقوام کے مافی الضمیر سے لے کر ان کی ذہنیات کی باریکیون تک کا حال معلوم ہوتا ہے، اس علم سے جو جو کام نکلتے ہین، اور اس سے جو جو فوائد حاصل کئے جاتے ہین، اس کی تفصیل کی نہ یہان ضرورت ہے نہ گنجایش،

نظم و نثر کی بدلتی ہوئی کیفیات کا معلوم کرنا اور معلوم کرتے رہنا، انسان کی اس عادت کا ایک ظہور ہے، کہ وہ اس کائنات مین اپنی ہستی کو ابدی ہستی بنانے کے لئے اپنے تمام اعمال و افعال کو یاد رکھتا ہے، اور اس غرض سے ان کو کسی نہ کسی صورت مین "قلمبند" کرتا رہتا ہے، یہ قلمبندی "پتھرون اور پتھرون کی بھدی تصویرون سے لے کر ریڈیو گراف کے نازک اور خوردبینی نقوش تک کی شکل مین رونما ہوتی ہے، اسی قلمبندی اور اسی تحریر کا نام "تاریخ نویسی" ہے، انسان اپنی اور سب باتون کی یاد کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہتا ہے، کہ وہ آج سے ہزارون برس پہلے کیون کر بولتا تھا، وہ یہ دیکھ اور سمجھ کر خوش ہوتا ہے، کہ اب فلان وقت مین وہ اپنے مافی الضمیر کو یون اور یون ادا کرتا ہے، اور پھر یہ بھی نتیجہ نکالنا چاہتا ہے، کہ غالبًا آیندہ زمانہ مین وہ اس اس طرح اپنے خیالات کو ادا کیا کرے گا، اور اس تمام یادگار پر وہ فخر کرتا ہے، اور بلاشبہہ اسے فخر کرنے کا حق بھی ہے، کیونکہ اپنی زبان اور اس کی تدریجی ترقی و عروج اور ترمیم و تبدیل کا یاد رکھنا اور اس پر نگاہ جمائے رکھنا اس کی حیات و بقا کا ضامن ہے،

نظم اور نثر کے امتزاج سے ادب پیدا ہوتا ہے، اور ان کی تاریخ اور احوال کے ضبط کا نام تاریخ ادب ہے، جس طرح ہر چیز کا ایک فلسفہ ہے، اسی طرح ہر چیز کی ایک تاریخ بھی ہے، تاریخ ہر چیز کی ہستی، اس کی گذشتہ تدریجی ترقی، پھر اس کی آیندہ بقا و حیات کے امکانات اور اس سے وابستہ امیدون کا پتہ دیتی ہے، اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز بیک وقت اہم بھی اور نازک بھی ہے، لہذا کسی زبان کے ادب کی تاریخ نویسی مین احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے،

بظاہر یہ امر عجیب معلوم ہوتا ہے ، مگر یہ ایک امر واقعہ ہے کہ دنیا کی اکثر و بیشتر زبانون کے قواعد صرف ونحو اور ان کی ترقی اور نشو و نما کی تاریخ غیر اقوام نے قلمبند کی ہے ، اردو زبان بھی اس عمومی خصوصیت سے خالی نہین رہی ، چنانچہ اردو کی صرف ونحو اور اس کے ادب کی تاریخ بھی بڑی حد تک غیر ہندی مصنفون اور مولفون کی رہین منت ہے ، ان غیر ہندی مصنفون کے بعد خود ہندوستانی اہل قلم کا زمانہ آتا ہے ، اور انہی سے ہمین اس وقت سروکار ہے ،

اردو کے وطنی یعنی ہندوستانی اہل قلم نے اردو ادب کی جو تاریخین لکھی ہین ، ان مین معلوم و مشہور چیز اردو شعراء کے تذکرے ہین ، جو صرف شعر و سخن سے تعلق رکھتے ہین ، اردو کے کلاسیکی دور کے تذکرہ نویسون کے بعد حال کے تذکرہ نویسون کا زمانہ آتا ہے ، ان مین پیش پیش محمد حسین آزاد ہین جن کی کتاب "آب حیات" بعد کے تذکرون کے لئے نمونہ بن گئی ، خم خانہ جاوید ، شعر العجم اور گل رعنا حامد حسن قادری کی داستان اردو اور احسن مارہروی کی تاریخ نثر اردو اس سلسلہ کی قابل تعریف کتابین ہین ، ان کے بعد رام بابو سکسینہ کی انگریزی تالیف History of Urdu Literature اور عسکری کے قابل قدر ترجمہ مع تصحیح و اضافہ یعنی تاریخ ادب اردو کا نمبر ہے ، اور انہی پر یہ فہرست تقریب قریب ختم ہو جاتی ہے ،

یہ سب صحیح ، مگر یہ سمجھ مین نہین آتا ، کہ ان سب بزرگون نے اردو ادب کو محض شعر ہی مین محدود کیون تصور فرمالیا تھا ؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ ان کتابون کے فاضل مصنفون کو صرف شعر ہی سے دلچسپی تھی ، دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے اور بعض وقت دیا بھی جاتا ہے ، کہ اردو ادب مین شعر کو اکثریت (اور لہذا فوقیت) حاصل ہے ، پہلے جواب کو تو ظاہر ہے کہ سوا تسلیم کرنے کے اور کوئی چارہ ہی نہین ، مگر دوسرا جواب ہرگز پوری طرح صحیح نہین قرار دیا جا سکتا ، اردو کے کلاسیکی دور مین بھی نثر کی کمی نہین رہی ہو جیسا کہ اب حال کی تحقیقات اور تفتیش سے ثابت ہو رہا ہے ، بہت اچھا ہوا کہ دکن مین اردو اور پنجاب مین اردو ، اور بہار مین اردو کی (خالص ہندوستانی ذہنیت کی) بحث نے ہمین قدیم (یا کلاسیکی کہئے) اردو نثر سے بھی آشنا کر دیا ، مگر تماشا یہ ہے کہ اس بحث کے مردان میدان نے بھی زیادہ تر شعر ہی سے سروکار رکھا ، اور وہ غالباً اس بنا پر کہ اہل اردو کا عقیدہ تھا ، اور اب بھی اس کے حامیون کی تعداد قابل لحاظ شمار تک موجود ہے ، کہ "زبان اور محاورہ تو وہی ہے جو شعر مین بندھ سکے" یہ عقیدہ ہی بذات خود ایک عجیب و غریب چیز ہے مگر

اس بحث کا یہ موقع نہیں ہے،

پھر بھی غنیمت ہے کہ ارباب فورٹ ولیم، ارباب نثر اردو، نئے ادبی رجحانات اردو کا پہلا ناول نگار وغیرہ قسم کی تالیفوں نے نثر کو بھی اس قابل سمجھا کہ اس کی طرف توجہ کی جائے، اس سلسلہ میں رسالہ ہائے اردو، النظر، نگار، ہمایوں وغیرہ کے ان مضامین اور مقالات کا ذکر بھی ضروری ہے، جو ان کے خاص نمبروں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں، مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان مقالات میں بھی زیادہ تر شعر و شاعری کا تذکرہ رہا ہے، اور ہوتا ہے، اور نثر و نثار نادرات ہی سے ہیں، جب کبھی اردو ادب کی قرار واقعی طور پر ایک تاریخ لکھی جائے گی، تو اس وقت کا مصنف اور اہل رائے ان سب امور پر ضرور حیرت اور تاسف کے ساتھ گفتگو کرے گا، اور اس وقت بھی ہیں اس حیرت اور تاسف کا اظہار کرتے ہوئے ارباب ذوق و رائے کی توجہ کو اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اردو ادب کی تاریخ صحیح معنی میں ابھی تک نہیں لکھی گئی ہے، اور یہ کہ اب وقت آگیا ہے کہ یہ کام صحیح اسلوب کیا جائے،

صورت حال یہ ہے کہ اب تک اس اہم موضوع پر جو کچھ بھی لکھا گیا ہے، وہ زیادہ تر شعر و سخن کے دائرے میں محدود ہے، یا یہ کہ ہر مصنف جو اس موضوع پر کچھ لکھتا ہے، دو کتابوں اور ان کے مصنفوں کی فہرست پر اکتفا کرتا ہے، اور اگر کبھی رائے زنی بھی کرتا ہے، تو زیادہ تر وہ اس کے شخصی اور ذاتی رجحانات کا پرتو ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ کوئی تصنیف اسی وقت لائق توجہ اور قابل قدر ہوتی ہے، کہ جب اُسے اس کے مجموعی ماحول میں رکھ کر اس تخلیقی ادبیات کے اندازے سے جانچا جائے جس کا پیدا کرنا تاریخ انسانی کا ایک جزئی منصب ہے، لہٰذا اردو ادب کی تاریخ کی کتاب کو سب سے پہلے مجموعی طور پر اردو ادب سے سروکار ہونا چاہئے، اور اس کا مقصد صرف یہ نہ ہونا چاہئے کہ وہ نامور مصنفوں کے کارنامون کو ایک صحیح اور ضابطے کے مطابق بیان کردے، بلکہ اس کا لحاظ بھی رکھنا چاہئے کہ اس میں اردو بولنے والی قوم کے حالات اور رجحانات کا بھی قرار واقعی اظہار ہوجائے،

ایک مورخ ادب کا کام یہ ہے کہ مختلف ادوار کی ادبی تحریک کا پتہ لگائے، اور تاریخ انسانی کی ساخت میں جو شخصی اور غیر شخصی افکار اور رجحانات کے باہمی تاثرات کارفرما رہتے ہیں، ان کی توضیح اور نشان دہی کرے، ایسے مورخ کو محض ان امور اور واقعات سے سروکار نہ ہونا چاہئے، بلکہ ان امور کی کیفیت اور اسباب سے بھی بحث کرنا چاہئے، اور اس توضیح اور تشریح کے سلسلے میں اہل زبان و ادب کے حالات زندگی، ان کے تمدن، اور ثقافت اور اس کے مختلف ادوار کی قوتوں کا بھی جائزہ لینا چاہئے، جب تک وہ ایسا نہ کرے گا، اور ان سب

امور کا خطا لعہ نہ کرے گا، وہ ان نتائج تک پہونچنے مین کامیاب نہ ہوگا جن کو تاریخ ادب مین مصنفون اور تصنیفون کا ذوق، رجحان قدر وغیرہ کہا جاتا ہے، مثلاً اردو ادب کے مورخ کو اپنے مصنفین کے ذاتی رجحانات اور تاثرات کو بیان کرکے یہ واضح کرنا چاہئے کہ اردو ادب اور ہندوستانی زندگی اور ملکی ماحول کے مابین وہ کیا تعلقات تھے، اور کیا آویزشیں تھین جن کے سبب سے اردو ادب کے مختلف اور متفرق ادوار مین وہ خاص خاص رنگ پیدا ہوگئے تھے جن کے حامل اور نمایندے وہ سب مصنف تھے،

یاد رہے کہ ادب یون نہیں پیدا ہوا کرتا کہ گویا چند اشخاص - مرد و زن - زمان و مکان کی حدود سے باہر ہوکر کسی خلا مین بیٹھے ہوئے کچھ کہہ رہے ہین، ادب الفاظ کے ذریعہ ان امور کو بیان کرتا ہے جو مصنف کے وقت مین زندگی کے لئے گہرے معنی اور اہمیت رکھتے تھے، ادب کے مزاج مین وہ تخلیقی قوت ہوتی ہے جو حیاتِ انسانی کی ان تجربون کی طرف راہ نمائی کرتی ہے جو اس ادب کی پیدایش کے وقت کے روزمرہ تجربات اور حالات سے ماورا ہوتے ہین، یون تاریخ ادب کا ایک ضروری منصب یہ ہے کہ وہ اپنے مصنفون کے بارے مین اس امر کی توضیح کرے، کہ اس نے انسان کی تہذیب اور ثقافت مین اپنے خیال اور رائے کے اظہار سے کیا قابلِ قدر اضافہ کیا ہے، اور اس کی اہمیت کیا ہے، جب ہم تمام مصنفون اور ان کی تصنیفون کی صحیح قدر و قیمت اور اہمیت سے واقف ہوجائین گے، تو ہمین ایک طرف تو اس ادب کے کردارون کی شخصیتون کا پتہ چل جائے گا، اور دوسری طرف ان کے دور کے اہل ملک کی ذہنیت اور روح ملی کا بھی صحیح اندازہ ہوجائے گا،

اس سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا، کہ اگر اس طور پر اردو ادب کی تاریخ لکھی جائے تو اس کی ایک شخصی قیمت اور ایک قومی اور ملکی اہمیت ہوگی، اور اس سے ہمین اپنے اہل ملک کی ذہنی قابلیت اور کمالات اور ان تمام قوتون کا حال معلوم ہوگا، جو ان مصنفون کے زمانون مین برسرکار تھین، یون کہنا چاہئے کہ اگر معمولی ملکی تاریخ ایک قوم کی سوانح عمری ہے تو اس کے ادب کی تاریخ گویا اس کا خود نوشت تذکرۂ حیات ہے،

اس قسم کی تاریخ ادب ہی صحیح معنون مین تاریخ ادب ہوگی، اور اردو زبان و ادب کی ایسی تاریخ ہمارے ملک اور ہماری قوم کو بیرونِ ہند کی اقوام اور اہلِ ادب سے روشناس کرکے ان پر یہ واضح کرے گی کہ اردو کے اہل ادب کا دنیا کی تہذیب و ثقافت کی ساخت اور اس کے نشو و نما مین کیا اور کس قدر اہم حصہ ہے،!!

ولی گجراتی کا کچھ غیر مطبوعہ کلام

از

جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ) لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)

اب سے تقریباً بیس برس پہلے استادی حضرت احسن مارہروی مرحوم نے ولی کا دیوان مختلف نسخوں کی مدد سے مرتب کیا تھا، اور محترم ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے اُسے اختلافِ قرات کے ضمیمون کے ساتھ شائع بھی کرا دیا تھا لیکن جون جون زمانہ گذرتا گیا، ان بزرگون کو بھی ولی کے کلام اور حالات کے متعلق مزید تحقیقات کی بنا پر اپنے نظریے بدلنے پڑے، چنانچہ ولی دکنی اب ولی گجراتی (احمد آبادی) مانے جاتے ہین کیونکہ گجرات بھی دکن مین شامل تھا، اور مثنوی روضۃ الشہدا اُن کی نہین بلکہ ولی دیلوری[1] کی سمجھی جاتی ہے، ولی گجراتی کی تاریخ وفات جو کتب خانۂ جامع مسجد بمبئی کے ایک نسخہ (دیوان ولی۔ نوشتہ ۱۱۵۲ھ) مین شاید راقم کو سب سے پہلے نظر آئی تھی، اور اب بہتر اہلِ قلم بزرگون کے ہاتھون سے شرف اشاعت حاصل کر چکی ہے، اس طرح ہے :-

مطلع دیوان عشق سید ارباب دل — ولی ملک سخن صاحب عرفان ولی

سال وفاتش خرد از سر الہام گفت — بادشاہ ولی ساقی کوثر علی[2] ۱۱۱۹ھ

[1] حکیم شمس اللہ قادری صاحب کے "تذکرہ قدیم" صفحہ ۱۰۰ مین اس ولی کا نام سید محمد فیاض ہے، لیکن میرے ایک عزیز شاگرد سمیع الدین حسن صاحب کے یہان ایلچپور (برار) مین روضۃ الشہدا کا جو نسخہ ہے، اس کے آخر مین اس کا نام میر ولی فیاض ہے عبارت یہ ہے :- "کتاب روضۃ الشہدا من تصنیف میر ولی فیاض علیہ الرحمہ در بلدہ ایلچپور بتاریخ بست و پنجم شہر جمادی الاول ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۲۱۹ فصلی بہ اتمام رسید" یہ معلوم ہوا ہے کہ محترمی پروفیسر نجیب اشرف صاحب ندوی نے ولی گجراتی کے متعلق تفصیل سے لکھنا شروع کیا ہے [2] عجیب اتفاق ہے کہ مین بعض دیگر ماخذون کی تلاش اور انتظار ہی مین تھا کہ خوش قسمتی سے یہ قطعہ تاریخ ڈاکٹر عبدالحق صاحب اور فاضل پروفیسر حافظ

اسی طرح مثنوی روضۃ الشہداء کے متعلق عرصہ سے یہ فیصلہ ہو چکا ہے، کہ وہ ولی ویلوری کی ہے لیکن اُس کی دو اہم اور نایاب مثنویاں یعنی روضۃ العقبیٰ اور روضۃ الانوار جن کے متعلق معارف (جنوری ۱۹۴۰ء) مین راقم الحروف تفصیل لکھ چکا ہے، ہنوز اہلِ نظر سے پوشیدہ ہین، افسوس ہوتا ہے کہ بعد والی کتابون مین بھی ولی ویلوری کی صرف پہلی مثنوی ہی یاد کی جاتی ہے،

بہرحال یہ تو معترضہ جملے تھے، مین یہان دیوان ولی گجراتی کے ایک ایسے نسخہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہون جو باوجود ناقص ہونے کے اہم ہے، یہ نسخہ مجھے بھوپال میں پیر دروازہ کے قریب ایک بہت معمر کتب فروش کے یہان ملا تھا، جو نواب محمد یار خان (المتوفی ۱۱۶۷ھ) کے عہد مین لکھا گیا تھا، اس کے شروع اور آخر کے کچھ اوراق نہین ہین، خصوصاً وہ قطعہ نہین ہے، جو روضۃ الشہداء کے متعلق ہے، لیکن غلطی سے انجمن ترقی اردو کے نسخہ (ص ۳۰۶) مین شائع ہو گیا ہے، اس نسخہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس مین کچھ اشعار ایسے بھی ہین، جو مطبوعہ نسخہ مین نہین ہین، اور کچھ ایسے بھی ہین جن کی قرأت (بہ نسبت مطبوعہ نسخے کی قرأت کے) زیادہ قرینِ قیاس ہے، اور ان اختلافات قرات سے بھی مختلف ہے، جو بطور ضمیمہ، مطبوعہ نسخہ مین شامل ہین، مثلاً مطبوعہ نسخہ کے ص ۹۴ پر ایک غزل "خدا سوں ڈر" ردیف کی ہے، اس کے حسبِ ذیل اشعار کسی نسخہ مین نہین ہین، صرف اسی نسخہ مین ملتے ہین :-

اب جدائی نہ کر خدا سوں ڈر — جگ ہنسائی نہ کر خدا سوں ڈر
دل ربائی مین ہے تو شہرہ شہر — دل ہوائی نہ کر خدا سوں ڈر
عاشقان سوں ہو رنگ کا دلبر — اور جائی نہ کر خدا سوں ڈر
پاک بازان سوں صدق کر پیشہ — رو ریائی نہ کر خدا سوں ڈر
حاضر الوقت عاشقان سیتی — ماجرائی نہ کر خدا سوں ڈر

اب ہم اس نسخہ کے اختلافِ قرأت کو پیش کرتے ہین، جس مین کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی ملے گا، صفحات اور اشعار (جن کا شمار شروع غزل سے ہے) کا حوالہ انجمن ترقی اردو کے مطبوعہ نسخہ سے دیا جاتا ہے، اور ان

(حاشیہ ص ۱۱۱) محمود خان صاحب شیرانی نے شائع کرا دیا، اسی طرح ایک مرتبہ مین مثنوی "فیض عام" (نوشتہ ۱۱۴۱ھ) کے متعلق لکھنا چاہتا تھا، کہ حافظ صاحب موصوف کے قلم سے اس کے متعلق مضمون نظر سے گذرا، ان اتفاقات سے مجھے دلی خوشی ہوئی، کہ یہ کام خدا نے مجھ سے زیادہ بہتر لوگون کے ذریعہ انجام کو پہنچایا،

صفحات کی تقدیم و تاخیر سے ہمارے نسخے کی ترتیب بھی کسی حد تک سمجھ مین آسکے گی،

ص۱ شعر ۵ کرے تا تجھ شکر لب سون طلب یک بوسۂ شیرین — مرے دل نے لیا ہے اس سبب شیوہ گدائی کا

ص۲ ۱-۳-۴ تجھ مکھ کے آب حسن کا کہتے تھے جب حساب

ص۳ ۱۹-۳- تجھ نین کی دیکھن کا دل ٹھاٹھ کر چلا تھا — غمزے کے دیکھ ٹھٹ کوں لاچار ہو کے ٹھٹ کا

(یہ کسی حدیث ضعیف کے مطابق ہے)

ص۴ ۱-۴ چاند کوں ہے آسماں پر عکس تجھ رخسار کا

ص۵ ۲-۵- جب سون تیری زلف کوں دیکھا ہے زاہد اے صنم — ترک کر تسبیح، ہے مشتاق تجھ زنار کا

ص۶ ۲-۶- بلبل و پروانہ گریاں دل کے تئین — کام ہے تجھ چہرۂ گلنار کا

ص۷ ۱-۴-ع شرمندہ ہوں تجھ مکھ کے دیکھے نور سکندہ — ص۱۲ ۴-ع یہاں بیم کے بھنور مین گرداں ہے کشتی عقل

ص۱۳ ۵-ع ہوا ہے رام بن حسرت دوجا لکھمن سو رام اُس کا — ص۱۸ ۸-ع تجھ نگہ سون بہ شکل کان نمک

ص۱۰ ۱۰- ہر طرف جگ مین ہے روشن نام شمس الدین کا — کیا عجب گر تجھ سے یو مین درس سب تمکین کا

ص۵۰ ۵۰-ع سب سے ممتاز ہوا سلسلۂ معنی مین

ص۵ ۲-۵- بند کرنے دل وحشت زدہ کوں، — دام رو زلف گرہ گیر کیا،

ص۵ ۶-۵- شمع مانند جلی اوس کی زبان — جن نے مجھ سوز کوں تقریر کیا،

ص۵۲ ۵- غزل نمبر ۳، کا مطلع ثانی اس نسخے مین بھی نہین ہے، استاذی حضرت احسن مارہروی مرحوم کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے، کہ وہ الحاقی ہے،

ص۵۳ ۲-ع یو مکھ ترا ہے جون کعبہ، بھواں ہیں جون محراب - (ساتواں شعر اس نسخے مین بھی ہے)

ص۵۵ ۱-ع جو کنٹھا برہ کی پہنے اُسے گھر بار کرنا کیا،

ص۵۵ ۲-ع سکھی تمنا کون ارزانی یو کسوت ہور زینت سب،

ص۵۵ ۴- خجالت کی گرد انچھوان کے پانی سون ملا کر کر — بنائے غم کھ گھر مجھ کو دوجا معمار کرنا گیا

ص۵۶ ۶-ع محل دل کا تیری خاطر بنایا ہے مین الفت سون،

ص۴۰ ۲- دیکھا ہے تیری زلف کے حلقے منی کوں یک نظر — تجھ خال کے نقطے نمن وہ بے سر و بالا ہوا

ص۴۲ ۳- جس وقت سون تجھ قد کے تئین لایا ہے شاعر ذکر — اُس وقت سون البتہ کر نرخ سخن بالا ہوا

ص۲۳-۹- یہ شعر اس نسخے مین بھی نہین، ہی استاذی حضرت احسن کا خیال صحیح ہے، کہ وہ حاتم کا شعر ہے،

ص۲۴-۰،ع شہرہ ہوا ہے جب سے ترے شعر کا ولی،

ص۲۵-۳- نور کا ہے گنج یو تیرا جمال ، حُسن کے گوہر کا دل معدن ہوا،

ص۲۶-۱ع- سر اُپر اُس کے بگولا چتر سلطانی ہوا

ص۲۹-۱- یو آج جو سینہ شاد دستا مطلب ہے جو با مراد دستا

ص۲۹-۵ع مرے دل کا جو گوہر غرقِ بحرِ حُسن ہے نایاب

ص۳۵-۴- نہ پوچھ دل میں دوجی کا لبان برابر تجھ شکر گھلی ہے جُدا ہو رگھلا ہے قند جدا

ص۴۰-۰،ع نکلا اسیر جامۂ خاکستر آفتاب

ص۴۰-۱۴- جاناں کو بس کہ خوفِ رقیبان ہے دمبدم ہوتا ہی جان بوجھ کے ہم سون آجان آج

ص۴۲-۰،ع کہ مے پرست کے سینے مین ہے دعاے قدح،

ص۴۳-۲ع آپس کی دونوں زُلف کون نہ کرا تا گستاخ،

ص۴۵-۹ع کیا ہے طرز تغافل نے شوخ کے جگ مین ،

ص۹۳-۲ع ترے گلزار رنگین کا جو کوئی مقتول ہے اے گل،

ص۹۵-۱ع سنایا جیون خبر شادی کی قاصد صبح دم آکر،

ص۹۶-۳ع گر فتاران کی غم خواری اتا لازم ہوئی تجکوں

ص۱۰۴-۳ع آوے گر انکھیان میں وہ نور بصر ص۹۹-۰ع مجھ عاشق بے کل سون نہ تون دیدہ کل کر

ص۹۶-۱ع عاشقان کے اُپر ستم مت کر، ص۱۲۲-۵ع جو کوئی باندھا ہے تیری زلف سون دل

ص۹۳ یہان وہ زائد اشعار ہین جو شروع مین نقل ہو چکے ہین،

ص۱۱۶-۶ع بن اُس کے جا کیا ہے یو تجھ کون خار محض

ص۱۲۱-۱ع اس شوخ شعلہ خیز سون حیران ہے جیون چراغ،

ص۱۳۰-۰،ع خوشبو بدن پہ تیری زلفان نہیں ہیں مو ہن،

ص۱۲۹-۰،ع نہ پایا ہے البستہ تیرا مثال ص۱۳۰-۴ع پہنچا ہے جا کے رُخ کون صنم کے زیب جب

ص۱۳۲-۴ع نہیں کچھ زر و مال کی دل مین طمع ص۱۳۵-۶ع نام تیرا ہوا ہے ابنرت لعل

ص۱۴۵-۲ع تا یک نگہ میں آوے تجھ پاس مثل شبنم،

ص۱۴۱-۵ع لطف سوں کر یک نگہ تجکوں موتت کی قسم،

ص۱۴۵-۳ع تجھ سنبل پُرپیچ کی خوبی میں نظر کر ص۱۵۲-۳ع قران کب ہو میسر ترا اے زہرہ جبین

ص۱۵۳-۰ع ولی کے دل کی حقیقت بیان سو کیوں کہ کروں،

ص۱۵۹-۴ع تجھ باجیا کی پگ پر آکر سورج حیا سوں ص۱۶۶-۱ع رکھتا ہے پنہاں برنہیں جوں شمع دُزنار کیوں

ص۱۷۰-۴ع تجھ پا نو آگے فرش کروں آج پیری کوں ص۱۷۹-۱ع طاقت جواب کی نہ رہے آفتاب میں

ص۱۸۵-۲ع نشۂ ہوش ہے اس بادۂ حیرانی میں ص۱۸۹-۱ع اگر گلشن میں وہ رنگیں قبا نہیں،

ص۱۹۰-۵ع یو مری جان کے نامے ستی آگاہ قاصد نہیں،

ص۱۹۲- غزل نمبر ۲۵۹ کا یہ شعر کسی اور نسخے میں نہیں ہے :-

بوالہوس سوں غرض نہیں دھرتے عاشقاں پر یو وند کرتے ہیں،

ص۱۹۳-۱ع نقد ہستی نثار کرڈالے ہیں، ص۱۹۱-۱ع فکر ناموس و ننگ و نام نہیں،

ص۱۶۳-۱ع آتی ہے فوج حسن تری جلوہ گاہ میں،

ص۲۰۹-۳ع ہر یک سوں ترا جگ میں آوازہ ہوا تازہ،

ص۲۰۸- یہ شعر بھی کسی اور نسخے میں نہیں ہے، صرف ہمارے نسخے میں ہے :-

شتابی جیوں کروں تسلیم باندازہ اُس کا دھرے گر مجھ طرف موہن چرن آہستہ آہستہ

ص۲۱۰-۵ع مت کہہ آپس کا حال پریشاں رمال آگے ص۲۲۷-۳ع کہا مژگان نے اُس کی شوخیاں کوں

ص۲۵۲-۴ع مہر ہے، لطف ہے، مدارا ہے، ص۲۶۶-۶ع دل نہ دے دوجے کوں غافل دیکھ اسے

ص۲۵۴-۴ع پیا ہے جام دل سوں بادۂ خون ص۲۵۶-۲ع جیوں ادا محبوب سوں محبوب ہے

ص۲۶۰-۶ع حرف شیریں ہر گھڑی ہوتے ہیں اُس سوں جلوہ گر، ص۳۴۴-۰ع دستگیری تری ہو ظاہر تب،

ادب قدیم سے شغف رکھنے والے اصحاب جب مطبوعہ نسخے کی مختلف قرأتوں کا اس نسخے سے تطابق فرمائیں گے تو انھیں معلوم ہوگا کہ اس کی قرأت کس قدر اس کے مقابلہ میں بہتر ہے، ولی کے اس طرح کے اور کتنے اشعار ہوں گے جو ہنوز پردۂ خفا میں ہیں، اگر انجمن ترقی اردو چاہے تو کلیاتِ ولی کے دوسرے اڈیشن میں بطور ضمیمہ اس مضمون کے ضروری اجزا کو شامل کرسکتی ہے اور مزید تطابق کے لئے یہ نسخہ حبیب گنج سے منگوایا جاسکتا ہے جہاں وہ اب محفوظ ہے،

سوال و جواب

عہد اسلامی میں جیلخانون کا موجد کون تھا؟

جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر
جوناگڑھی قاضی واڑہ جوناگڑھ

علامہ شبلی مرحوم نے جیلخانون کی ایجاد کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا ہے،[1] اور مقریزی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درم پر خریدا اور اس کو جیلخانہ بنایا، پھر اور اضلاع میں بھی جیلخانے بنوائے۔ اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں جیلخانے بنوائے اور کہ جیلخانون کے پہلے موجد وہی ہیں، لیکن شہاب الدین احمد الخفاجی (گیارہویں صدی) عہد اسلام میں جیلخانون کا موجد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بتاتے ہیں، ان کا بیان حسب ذیل ہے :-

(سجن) ولم یکن فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سجن وکان یحبس فی المسجد او فی الدھلیز حیث امکن فلما کان زمن سیدنا علی رضی اللہ عنہ احدث السجن وکان اوّل من احدثہ فی الاسلام وسماہ نافعا ولکن حصینا فانفلت الناس

(جیلخانہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت میں اور حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں جیلخانے نہ تھے، اس وقت مجرموں کو مسجد یا کسی کوٹھری میں بند کر دیتے تھے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو آپ نے جیلخانہ بنوایا، اور آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام میں جیلخانہ کی ایجاد کی، اور اس کا نام نافع رکھا، چونکہ وہ مضبوط نہیں تھا

[1] الفاروق حصہ دوم ص ۳، طبع آگرہ

منه فلبنی آخر وسمّاہ مخیّسا
بالخاء المعجمة والیاء المشددة
ففتحًا وکسرًا وقال فیه:
نزلتُ بعد نافع مخیّسا
بابًا شدیدًا وامینًا کیّسا
أَلا ترانی کیّسا مکیّسا
وانما ذکرته هذا لان هذه
الاسماء حدثت بعد العصر
الاوّل[1]؛

اس لئے قیدی اس مین سے نکل کر بھاگ جایا کرتے تھے، لہذا دوسرا جیلخانہ بنوایا اور اس کا نام مخیس رکھا (یعنی پکڑ کر بند کر دینے کی جگہ) اس کے متعلق آپنے فرمایا:

نافع کے بعد مین نے مخیس بنوایا جس کا دروازہ مضبوط ہے، اور اپنے اندر بند کر دینے والا امانت دار ہے، کیا تو نہین دیکھتا کہ کیسا چالاک اور عقلمند ہون، مین نے اس کا ذکر یہان اس وجہ سے کیا کہ یہ نام عصر اوّل (عہد نبوی) کے بعد حدیث ہوا ہے

اشعار مندرجۂ بالا علامہ فیروزآبادی نے خیس کے مادہ مین نقل کئے ہین[2]، اس کے متعلق علامہ سیّد مرتضیٰ زبیدی اپنی شرح قاموس مین لکھتے ہین:-

ومنه سمی سجن کان بالعراق للحجاج
وقیل بالکوفة بناہ امیر المومنین
علی رضی اللہ عنه وکان اوّلًا
جعله من قصب وسماہ نافعًا
وکان غیر مستوثق البنا فتقبه
اللصوص وهربوا منه فهدمه
ونبی المخیس لهم من مدر فقال
اما ترانی کیّسا مکیّسا
بنیت بعد نافع مخیّسا
بابًا حصینا وامینا کیّسا
.....
.....

اس نام سے موسوم تھا وہ جیلخانہ جس کو حجاج نے عراق مین بنوایا تھا، اور کہا جاتا ہے کہ کوفہ مین حضرت علیؓ نے بنوایا تھا، پہلے اس کو نرسل کا بنوایا اور نافع نام رکھا، مگر چونکہ اس کی بنا مضبوط نہ تھی اس لئے چور اس سے نقب لگا کر بھاگ جایا کرتے تھے، پھر اس کو گرا کر مخیس بنوایا اینٹون سے چنانچہ فرماتے ہین،.....

---

[1] شفاء الغلیل ص ۱۰۹، مطبعہ السعادۃ بمصر [2] القاموس المحیط المجلد الثانی ص، ۳۵

وفی بعض الاصول "بابا کبیرا" قال شیخنا متعالله بدروهذا انبا فی ما سیاتی فی وقت انه لم یثبت عند الله قال شعرا الی آخره فتامل قلت ویمکن ان یجاب انّ هذا رجز ولا یعد من الشعر عند جماعة وقد تقدم البحث فی ذالك فی رجز فراجعه،

بعض اصل نسخون مین بابا کبیرا لکھا ہے ہمارے شیخ نے بدر (بدرالدین محمد بن القاضی شمس الدین بن محمد لقرانی المالکی المتوفی ۹۰۲ھ بدائع الزہور ج ۲ ص ۱۰۸) کے تتبع مین فرمایا ہے کہ یہ بات اس امر کے منافی ہے، (جو مادہ ووقت مین آگے آئے گی) کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اخیر وقت تک شعر کہنا ثابت نہین ہے پس یہ امر غور طلب ہے کہ مین کہتا ہون کہ یہ اشعار رجز ہین، جو ایک جماعت کے نزدیک شعر مین شمار نہین ہوتا، اس پر مادہ رجز مین بحث گذر چکی ہے، وہان ملاحظہ ہو،

مندرجۂ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے، کہ جہان اور کتابون مین جیلخانون کی ایجاد کا سہرا حضرت عمرؓ کے سر رکھا گیا ہے، وہان بعض کتابون مین حضرت علیؓ سے بھی اس کی ایجاد منسوب کی گئی ہے، حضرت علیؓ سے متعلق روایت لفظ قیل کے ساتھ نقل کی گئی ہے، اور سید مرتضی کے شیخ نے اس کو اس بنا پر تسلیم نہین کیا کہ حضرت علیؓ سے شعر کہنا ثابت ہی نہین ہے، گو اس سے یہ روایت مشتبہ ہو جاتی ہے، بااین ہمہ یہ شہادتین اس کی تکذیب کے لئے کافی نہین، لہذا سوال یہ ہے کہ

(۱) ان متضاد روایات کی موجودگی مین کون سا بیان صحیح مانا جائے ؟

(۲) علامہ شبلی مرحوم نے فتوح البلدان اور مقریزی کے حوالے دیئے ہین، وہ مجھے ان کتابون مین نہین ملے، لہذا یہ بتایا جائے کہ یہ کس مقام پر کس عنوان کے ماتحت درج ہین ؟"

معارف :- مولانا شبلی مرحوم نے الفاروق مین عہد اسلام مین جیل خانون کی ابتدا کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے تحقیقی طور پر اس وقت بھی حرف اخیر وہی ہے، اتفاق کی بات ہے کہ اس موقع پر الفاروق مین مقریزی کی جلد اور صفحہ کا حوالہ غلط چھپ گیا ہے، غالبًا یہ غلطی اس کے پہلے اڈیشن مین ہوئی اور وہ نقل در نقل

آخری اڈیشن تک موجود رہی، آپ مستحق شکریہ ہیں کہ آپ کے استفسار سے اس کی تصحیح کا موقع ہاتھ آیا، غالباً آپنے الفاروق کے درج کردہ حوالہ میں اس عبارت کو موجود نہ پاکر مزید تحقیق کی ضرورت سمجھی، اور گیارہویں صدی کا وہ بیان آپکے سامنے آیا جس کو آپ نے استفسار میں نقل کیا ہے، مولانا شبلی مرحوم نے مقریزی کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے، وہ اس کی جلد دوم ص ۸۰ کے بجائے جلد سوم ص ۳۰۳ میں موجود ہے، آپکے ملاحظہ کے لئے اس کی عبارت ذیل میں پیش ہے :-

وھذا کان ھو الحبس علی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ عنہ ولم یکن لہ حبس معد للحبس الخصوم ولکن لما انتشرت الرعیۃ فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ابتاع من صفوان بن امیۃ رضی اللہ عنہ دارا بمکۃ باربعۃ الاف درھم وجعلھا سجنا یحبس فیھا۔

قید کرنے کا یہ طریقہ (جس کا تذکرہ اوپر گذرا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تھا، اس زمانہ میں ملزم کو محبوس کرنے کے لئے کوئی تیار شدہ قید خانہ نہیں تھا، مگر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رعایا پھیلی، تو انھوں نے حضرت صفوان بن امیہؓ سے مکہ میں ان کا مکان چار ہزار درہم میں خرید لیا، اور اس کو قید خانہ بنایا جس میں لوگ قید کئے

اس سے بہ تصریح معلوم ہوا کہ عہد رسالت و صدیقی میں قید خانہ کا رواج نہیں تھا، اس کی ابتدا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں انہی کے ہاتھ سے ہوئی، پھر آگے چل کر دیوانی کے مجرموں کو جیل بھیجنے کا جو ذکر الفاروق میں آیا ہے، اور اس کا حوالہ بھی اتفاق سے درج نہیں ہے، اس کو بھی مقریزی جلد سوم ص ۳۰۴ میں ملاحظہ فرمائیں

لیکن اس موقع پر مولانا مرحوم نے دوسرے اضلاع کے جیل خانوں کے سلسلہ میں بلاذری کا جو حوالہ دیا ہے، وہ تو فتوح البلدان کے اسی صفحہ ۴۶۳ (طبع لیدن ۱۸۶۶ء) میں موجود ہے تعجب ہے کہ یہ عبارت آپ کی نگاہ سے کیسے اوجھل رہی، شاید کوئی دوسرا اڈیشن آپکے پیش نظر ہو، اس کا ذکر عنوان "اہرا انجام تم" کے ذیل میں آیا ہے، مولانا مرحوم نے جو یہ لکھا ہے کہ علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے، کہ کوفہ کا جیل خانہ نرسل سے بنا تھا" وہ فتوح البلدان کے اس فقرہ سے ماخوذ ہے "وکان السجن یومئذ من قصب"

جنی قید خانہ اس زمانہ مین نرکل کا تھا، نیز یہ اشارہ کردیا جائے تو مناسب ہوگا، کہ علامہ بلاذری کی یہ تصریح یک ایسے مجرم کے ذکر مین آئی ہے، جس نے حضرت عمرؓ کا نقش خاتم بنواکر کوفہ سے فریب سے خراج وصول کرلیا تھا حضرت عمرؓ نے کوفہ مین اس کو گرفتار کرایا، اور اس کو قید خانہ مین بند کیا گیا، جو نرسل کا بنا تھا، اس مین سے نکل بھاگا، پھر تابانہ حضرت عمرؓ کی خدمت مین مدینہ منورہ حاضر ہوا، یہان پھر اس کو قید کردیا گیا، کچھ دنون کے بعد قید خانہ سے باہر نکالا گیا، پھر دوبارہ بھیج دیا گیا، اور کچھ زمانہ کے بعد اس کو رہائی نصیب ہوسکی (ص ۴۶۳)

ان تفصیلات سے یہ پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ اس زمانہ مین قید خانہ کا مستقل نظام قائم تھا، جس ن لوگ مستقل طور پر قید رہتے تھے، اور ضرورت کے وقت نکالے جاتے، پھر داخل کردیئے جاتے تھے، اس لئے سری صدی کے مورخ بلاذری المتوفی ۲۷۹ھ کی اس تصریح کے بعد گیارہوین صدی کے علامہ شہاب الدین ناجی کے اس بیان کے متعلق جس کو آپ نے نقل کیا ہے یہی سمجھا جاسکتا ہے، کہ انھین عہد فاروقی کے ان جیلخانون ، اطلاع نہین مل سکی، اس لئے ان کی یہ تحقیق صحیح نہیں کہ عہد رسالت و صدیقی کی طرح عہد فاروقی مین بھی ل خانے موجود نہین تھے۔

باقی علامہ سید مرتضیٰ زبیدی کی شرح القاموس المحیط سے جو کچھ آپ نے نقل کیا ہے، اس مین تو صرف ض ایسے جیل خانہ کا ذکر آیا ہے، جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تعمیر کرایا تھا، اس سے یہ نتیجہ تو نہین نکلتا جیل خانہ کی تعمیر عہد اسلام مین پہلی مرتبہ انہی کے ہاتھون ہوئی تھی۔ والسّلام "س"

ہندی راجکماریون کے بطن سے مسلمان سلاطین ہند کی اولادین

جناب سید شاہ فخر عالم صاحب سجادہ نشین خانقاہ بھاگلپور } معارف ماہ مئی وجون مین استفسارات کا باب دیکھ کر خوشی ہوئی، جنگ کے بعد بھی قائم رکھین، لیکن تشنگی و اختصار نہ ہو، اور نہ علمی جوابون مین فتوی کی شان پیدا ہونی چاہئے، معارف جلد ۱۵ نمبر ۵ ص ۴۴۸ کے سوال نمبر ۵ کا جواب مبہم ہے، اور جواب میں گریز پائی معلوم ہوتی ہے، یہ سوال واضح طور پر جواب طلب ہے"

معارف:۔ محولۂ بالا استفسار مین پوچھا گیا تھا، کہ

"اکثر اشخاص یہ اعتراض کرتے ہین، کہ اکبر بادشاہ نے جو ہندو راجپوت گھرانون سے

شادیان کی تھیں،.....ان کے بطن سے جو اولاد ہوئی، وہ شرعاً و اخلاقاً ناجائز تھی"

اس استفسار کا تعلق بہرحال شرعی مسئلہ سے پیدا ہوتا تھا، اس لئے جواب میں عمومی حیثیت اختیار کرکے یہی بات کہی جاسکتی تھی جو کھلے لفظوں میں کہدی گئی کہ

"اگر کسی غیر کتابیہ مشرکہ کے بطن سے کسی مسلمان کی اولاد ہو تو شریعت اسلام کے رو سے اوس کا حکم وہی ہوگا، جو آپ فرماتے ہیں" (معارف جلد ۵۱ ص ۴۶۲)

یعنی اُن کے بطن سے جو اولاد ہوئی، وہ شرعاً و اخلاقاً ناجائز تھی" لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ کسی متعین شخص کے متعلق ہم یقین کے ساتھ کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے، کیونکہ ہمارے پاس کوئی ایسی شہادت نہیں جس سے ہم ان خواتین ہند کو جو شاہی محلسراؤں میں آگئی تھیں، کافرہ قرار دیں،

پھر شرعی نقطۂ نظر سے ایک موشگافی یہ بھی ہوگی، کہ اس عہد کے بعض سلاطین خود اپنی رائے سے یا اپنے ہم نوا مدعیان علم مذہبی کی رائے سے اس عقیدہ پر بھی تھے، کہ ہندوستان کے ہندو "کفار غیر اہل کتاب" نہیں ہیں، بلکہ "مشابہ بہ اہل کتاب" یا کفار اہل کتاب ہیں، اگر اس عقیدہ کی بنا پر کوئی عمل کیا گیا تو سبب خطا ان "مجتہدین عصر" کی "اجتہادی غلطی" قرار پائے گا، یا ان مجتہدین کو ماننے والوں کی تقلید جاہلانہ!

جو لوگ گذر چکے انھوں نے اچھا کیا یا بُرا، اگر ان کی خوش اعمالیوں یا بداعمالیوں کا کوئی اثر اب ہماری جماعت قومی تک نہیں پہونچتا تو ہمیں ان کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں، وہ خود اب ایسی عدالت کے سامنے ہیں جہاں انھیں ان کے اعمال کی جزا و سزا کا فیصلہ سنایا جائے گا، اس لئے ان کے اعمال پر ہمیں آپ کو اب احتساب اور فیصلہ کرنے کی ضرورت نہیں،

مصحفِ عثمانی کا فوٹو

جناب قاضی سید احمد حسین صاحب، پھلواری شریف، ضلع پٹنہ، "ترکی حکومت نے شاید مصحف عثمانی کا فوٹو شائع کرایا تھا، کیا وہ پورے قرآن مجید کا فوٹو ہے، یا اس کے کسی جزء کا، اس کے علاوہ کیا مصحف عثمانی کے کسی دوسرے نسخہ کا فوٹو بھی کہیں چھپا ہے،؟ اور کہاں دستیاب ہوسکتا ہے"؟

معارف:- جامعہ عثمانی، حیدرآباد کے استاذ جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا ایک مضمون

راقم سطور کی نظر سے گذرا تھا جس مین مصحف عثمانی کے فوٹو کا ذکر آیا تھا لیکن یہ یاد نہ رہ سکا کہ وہ کب اور کس رسالہ مین شائع ہوا تھا، اس لئے اس سلسلہ مین موصوف کی طرف رجوع کیا گیا تو حسب ذیل جواب موصول ہوا :-

اسلامک کلچر اکتوبر ۱۹۳۵ء مین ایک مضمون "Some Arabic Inscriptions of Madina" اسی مین حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب قرآن مجید کے نصف ورق کا فوٹو ہے،

ترکی حکومت نے جہان تک مجھے علم ہے، صرف ایک ورق کا فوٹو چھپوایا جس کا نسخہ مدینہ منورہ مین دیکھ کر خادم نے فوٹو لے لیا تھا، یہ تقریباً دو فٹ x ڈیڑھ فٹ کی تقطیع پر چھپا ہے،

تاشقند کے مصحف عثمانی کا مکمل فوٹو البتہ روسی حکومت نے شائع کیا ہے جس کا نسخہ کابل میوزیم مین میری نظر سے گذرا ہے، یہ بھی ویسی ہی بڑی تقطیع پر ہے۔ "س"

عربوں کا اکتشاف امریکہ

جناب تابش صدیقی بی اے
اسسٹنٹ فنانس ڈیپارٹمنٹ وایرانچ
گورنمنٹ گیسل، شملہ

"امریکہ کے متعلق آج تک ہم یہی پڑھتے اور سنتے آئے ہین کہ اس کو کولمبس نے دریافت کیا لیکن چند دن ہوے کہ مجھے ایک دوست نے بتایا کہ آپنے یا شاید کسی اور مصنف نے تحقیق کر کے ثابت کیا ہے کہ اس براعظم کے دریافت کرنے والے عرب تھے، اگر یہ بات صحیح ہو تو براہ نوازش اس سلسلہ مین مطلع فرمائین کہ کیا یہ تحقیقی مضمون معارف مین شائع ہوا ہے، یا کتابی صورت مین، کیا اس مسئلہ کے متعلق اور کتابین بھی ہین، اگر ہین تو ان کے نام تحریر فرمائین۔

معارف :- کولمبس سے پہلے عربون کے ورود امریکہ کے موضوع پر ہمارے ہان سب سے پہلے راقم سطور کے قلم سے ماہ اگست ۲۶ء کے معارف مین صفحہ دو صفحون کے شذرات مین ذکر آیا ہے جس مین اس موضوع پر بعض امریکی اہل قلم کے بعض مضامین و اکتشافات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور مضامین کے حوالے مندرج ہیں، اس کو دیکھ کر جناب سردار محمد صاحب اسسٹنٹ پروفیسر کیمسٹری زراعتی کالج لائل پور نے بعض نشان دیئے ہوئے رسالے منگائے، اور بعض مضامین کا ترجمہ اگست ۲۷ء کے معارف

میں شائع کرایا، ان دونوں پرچوں سے اس موضوع پر خود امریکہ کے بعض اہلِ قلم نے جو کچھ لکھا ہے، وہ آپ کے علم میں آسکے گا،

جناب سید صاحب قبلہ نے عربوں کی جہازرانی کے عنوان سے ایک مستقل کتاب لکھی ہے، جو اس موضوع پر مستند معلومات وتحقیقات کا بہترین مجموعہ ہے لیکن "عرب وامریکہ" کا باب جو عربی ماخذ سے مرتب کیا گیا ہے اس میں شائع نہ ہوسکا ہے، یہ کتاب کے شائع ہونے کے بعد مکمل ہوسکا، اور مقالہ کے طور پر معارف کے دو نمبروں مارچ و اپریل ۳۹ء میں شائع ہوا ہے، اس سے آپ کو اس موضوع پر نئی تحقیقوں کا پتہ چل سکے گا،

اگر آپ تفصیلی معلومات چاہتے ہوں تو "عربوں کی جہازرانی" اور معارف کے چار دن پرچے یعنی بابت ماہ اگست ۳۶ء و اگست ۳۷ء اور مارچ و اپریل ۳۹ء ملاحظہ فرمائیں، "س"

سیر الصحابہ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے لئے جن مقدس ہستیوں کے کارنامے اور سوانح حیات مشعلِ راہ ہوسکتے ہیں وہ حضرات صحابۂ کرام ہیں، دارالمصنفین نے ۱۵ برس کی جانفشانی و کوشش سے اس عظیم الشان کام کو انجام دیا، اور اردو میں صحابہ کرام کے سوانح اور حالات اور اخلاق وحسنات کی دس ضخیم جلدیں حدیث وسیر کے ہزاروں صفحے سے چن کر مرتب کیں اور بحسن وخوبی شائع کیں، ضرورت ہے کہ حق طلب اور ہدایت رہنمائی کے جویا مسلمان ان صحیفوں کو پڑھیں اور شمع ہدایت کی روشنی میں چلیں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ان کے سامنے جلائی گئی تھی، ان جلدوں کی علٰحدہ قیمتیں حسب ذیل ہیں جن کا مجموعہ ۳۰ روپے ہوتا ہے لیکن پورے سٹ کے خریدار کو جو ۲۵ روپے میں یہ دس جلدیں کارٹن نظر کیجاتی ہیں، پیکنگ ذمہ دارالمصنفین، محصول ذمہ خریدار،

جلد اول	خلفائے راشدین	للعہ	جلد ششم	سیر الصحابہ ششم	عار
جلد دوم	مہاجرین اول	ہے	جلد ہفتم	سیر الصحابہ ہفتم	عار
جلد سوم	مہاجرین دوم	ہے	جلد ہشتم	سیر الصحابیات طبع دوم	ہے
جلد چہارم	سیر الانصار اول	ہے	جلد نہم	اسوۂ صحابہ اول	عار
جلد پنجم	سیر الانصار دوم	عار	جلد دہم	اسوۂ صحابہ دوم	ہے

"فیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

ہمارے ہندوستانی مسلمان مترجمہ ڈاکٹر صادق حسین صاحب ایم بی بی ایس تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۰۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت مجلد عہ، پتہ:- اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاجپورہ لاہور،

یہ کتاب سر ولیم ہنٹر کی مشہور کتاب "Indian Musalmans" کا اردو ترجمہ ہے، مصنف اٹھارہوین صدی کے وسط کے بنگال کے ایک لائق آئی سی ایس تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانون کی حکومت قریب قریب ختم ہو چکی تھی، حضرت مولانا سید احمد بریلویؒ کی شہادت پر ایک تہائی صدی گذر چکی تھی لیکن انگریزون کے خلاف ان کے خلفاء اور متبعین کا جہاد جاری تھا، اور اس کا نظام پورے ہندوستان مین پھیلا ہوا تھا، اور حکومت مسلمانون سے پورا انتقام لے رہی تھی، اس کتاب مین اس جہاد کی تاریخ، مسلمانون کے جوش جہاد، اس کے وسیع نظام اور مسلمانون کے ساتھ حکومت کی زیادتیون اور ناانصافیون کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، اور اس سلسلہ مین جہاد کے احکام، دارالحرب و دارالاسلام کے مسائل اور انگریزون کے خلاف مسلمانون کے جہاد کی دینی حیثیت وغیرہ کی بحثین بھی ہین، اس طرح اس مین گویا آج سے صدی ڈیڑھ صدی پیشتر ہندوستان مین مسلمانون کے جہاد آزادی کی اجمالی تاریخ آگئی ہے، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ مسلمانون نے اس زمانہ مین جب کہ ہندوستان کی دوسری قومون کے دماغ مین آزادی کا تصور بھی نہ پیدا ہوا تھا، بلکہ وہ اس راہ مین مزاحمت اور مسلمانون کے دبانے مین انگریزون کی اعانت کر رہی تھین، مسلمانون نے اجنبی حکومت سے آزادی کے لئے جتنی زبردست قربانیان کین اس کی مثال آج بھی نہین پیش کی جاسکتی، اور اس جہاد آزادی کا نظام اتنا وسیع اور مکمل تھا، کہ کابل کی سرحد سے لے کر مشرقی بنگال تک پھیلا ہوا تھا، اور انگریزون کو اس کے دبانے مین کتنی دشواریان پیش آئین، اور کتنے نقصانات اٹھانا پڑے، اور اس کے انتقام مین انھون نے مسلمانون کو کن کن طریقون سے تباہ کرنے کی کوشش کی، ہنٹر کو چونکہ صرف بنگال کا تجربہ تھا، اس لئے انھون نے

زیادہ تر بنگال کے حالات لکھے ہیں، ورنہ سارے ہندوستان میں یہی حال تھا، اس کتاب کے کل معلومات سرکاری کاغذات اور انگریز حکام کے بیانات اور ان کی تحریروں اور تصانیف سے ماخوذ ہیں جس سے زیادہ مستند اس بارے میں دوسرے بیانات نہیں ہو سکتے، جہاد کا حصہ چونکہ مخالف نقطۂ نظر سے لکھا گیا ہے، اس لئے اس میں جا بجا تلخی اور سخافت آگئی ہے، اور کہیں کہیں واقعات کی بھی غلط تعبیر کی گئی ہے، بعض اور خفیف فروگذاشتیں بھی ہیں لیکن ان سے اصل مقصود پر کوئی اثر نہیں پڑتا ضرورت تھی، کہ حاشیہ میں ان کی تصحیح کر دیجاتی، مسلمانوں کے ساتھ حکومت کی زیادتیوں کے حالات خود ایک انگریز حاکم کے قلم سے پڑھنے کے لائق ہیں، یہ کتاب اپنی اہمیت کے لحاظ سے اردو میں ترجمہ کے لائق تھی، لائق مترجم نے یہ خدمت انجام دے کر اردو کے ذخیرہ میں ایک مفید اور قابل قدر کتاب کا اضافہ کیا ہے، ہر پڑھے لکھے مسلمان کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے، ع

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را گاہے گاہے باز خوان ایں قصۂ پارینہ را

سیدہ کی بیٹی مؤلفہ جناب رازق الخیری صاحب تقطیع بڑی کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ قسم خاص سے، پتہ عصمت بک ڈپو دہلی،

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں جن تین مسلمان خواتین کے نام آتے ہیں، ان میں ایک حضرت علیؓ کی صاحبزادی زینب بھی ہیں، سیدہ کی بیٹی انہی کی سوانح عمری ہے، حضرت زینبؓ معرکۂ کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھیں اور اس سلسلہ میں ان کی جرأت اور دلیری کے بعض واقعات بھی تاریخوں میں ملتے ہیں، لیکن بعد کے افسانہ نگاروں نے ان کی پوری زندگی کو ایک داستان بنا دیا ہے، عام طور سے ان کی جانب جو افسانے منسوب ہیں، ان کی کوئی اصلیت نہیں حتیٰ کہ مستند شیعہ مورخین یعقوبی، مسعودی اور ابن طقطقی وغیرہ نے بھی ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے، مذکورۂ بالا کتاب کا بڑا حصہ بھی اسی قسم کے افسانوں پر مشتمل ہے، جو غیر معتبر کتابوں سے ماخوذ ہیں، اس قسم کے موضوعوں پر لکھنے کے لئے اصل عربی ماخذوں پر ناقدانہ نگاہ کی ضرورت ہے، مستند تاریخوں میں حضرت زینبؓ کے حالات مشکل سے دو چار صفحوں کے بقدر مل سکتے ہیں، اور مصنف نے ایک پوری ضخیم کتاب لکھدی ہے اس لئے انھیں مجبوراً ہر قسم کے رطب و یابس متعلق و غیر متعلق واقعات کو لینا پڑا، بعض معتبر کتابوں کے نام بھی نظر آتے ہیں لیکن اُن سے جو اقتباسات لئے گئے ہیں، ان کو حضرت زینبؓ کی سوانح سے کوئی تعلق نہیں، اور ان میں بھی غلطیاں ہیں جن کی تفصیل کی گنجایش نہیں، سیدہ زینب کی عظمت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی اور حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما جیسے ماں باپ کی نور نظر تھیں کہ

ان کے مرتبہ میں اضافہ کے لئے ان کی جانب غلط اور مبالغہ آمیز واقعات کے انتساب کی ضرورت ہو، ع

بہ آب و رنگ و خال و خط چہ حاجتِ روئے زیبارا

مصنف نے یہ کتاب درحقیقت شیعوں کے لئے لکھی ہے، چنانچہ حضرت زینب کے سوانح کا حصہ تمامتر انہی کی کتابوں سے ماخوذ ہے، خلافت راشدہ اور اس دور کے دوسرے تاریخی واقعات میں بھی شیعوں کے عقائد کی خاص رعایت رکھی گئی ہے، اس لحاظ سے مصنف کی کوشش یقیناً کامیاب ہے، اور امید ہے کہ ان میں یہ کتاب مقبول ہوگی، سُنّی خواتین بھی تاریخی حیثیت سے قطع نظر اخلاقی سبق کی حیثیت سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں، اس لئے کہ سبق آموزی کے لئے واقعہ کی صحت ضروری نہیں ہے،

جوامع الحکایات و لوامع الروایات | حصہ اوّل و دوم میرزا محمد جناب اختر شیرانی تقطیع بڑی ضخامت حصہ اوّل ۲۳۰ صفحے و حصہ دوم ۲۶۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت علی الترتیب مجلد و غیر مجلد ۳ عا، ۲ عا، للعہ سے پتہ انجمن ترقی اردو دہلی

عربی اور فارسی میں ادب و محاضرات کی بہت سی کتابیں ہیں، جو انسان کی ذہنی و دماغی جلا، اخلاقی تعلیم، زندگی کے مختلف تجربات، مختلف النوع سبق آموز تاریخی و نیم تاریخی واقعات، قصص و حکایات، اور نوادر و لطائف پر مشتمل ہیں، جن سے معلومات میں اضافہ کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق مفید سبق حاصل ہوتے ہیں، فارسی کی اس نوع کی کتابوں میں موضوع کے تنوع اور مواد کی کثرت کے لحاظ سے محمد عوفی کی جوامع الحکایات و لوامع الروایات بہت مبسوط اور مشہور کتاب ہے، اس کی چار جلدیں ہیں، اور ایک سو ابواب میں کئی ہزار حکایتیں ہیں، یہ کتاب کمیاب ہے، اور ابھی تک چھپی نہیں، دارالمصنفین کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے، انجمن ترقی اردو نے اس کی منتخب حکایات کا ترجمہ کرایا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، اس قسم کی کتابیں اپنے گوناگون مفید اور دلچسپ معلومات کے اعتبار سے عوام و خواص سب کے لئے یکساں دلچسپ ہوتی ہیں، اس لئے امید ہے کہ یہ کتاب اردو خوانوں میں مقبول ہوگی،

ہمارے بینک از جناب محمد احمد صاحب سبزواری ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۱۵۸ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱- مجلد عا، بلا مجلد عم، پتہ انجمن ترقی اردو دہلی،

بینک دنیا کے موجودہ معاشی و تمدنی نظام کا نہایت ضروری جزء ہیں، اور انہی کے بل پر تمدن کی ساری عمارت قائم ہے، کسی ملک کی اقتصادی و معاشی ترقی کا معیار اس کے بینکوں کی کثرت و وسعت ہے، ان کا نظام اور

اس کے مسائل نہایت پیچیدہ ہیں، انجمن ترقی اردو نے موجودہ دور کے مسائل پر اردو میں کتابوں کی تالیف و اشاعت کا جو مفید سلسلہ شروع کیا ہے، ہمارے بینک بھی اسی سلسلہ کی کتاب ہے، بقول مصنف "اس میں اس کی کوشش کی گئی ہے کہ بینکوں کی تفصیل، ان کی اہمیت اور ان کے کاموں کی تشریح، زر کی الجھنوں سے بچا کر سیدھے سادے طریقہ سے کر دیجائے"، اس سلسلہ میں بینک کے قیام کی ضرورت، اس کی ابتدا اور ترقی، اس کے کاموں کی تفصیل، دنیا کے بعض بڑے بینکوں کے حالات، ہندوستان میں بینک کے قیام کے آغاز سے لے کر موجودہ دور تک ہندوستانی بینکوں کی سرگذشت، ہندوستان کے اور دوسرے سرکاری اور پرائیوٹ مالی ادارے، سیونگ بینک، کوآپریٹو سوسائیٹز وغیرہ اور سودی لین دین کے دیسی طریقوں کے حالات تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، جس سے بینکوں کے نظام کے متعلق جملہ ضروری معلومات حاصل ہوجاتے ہیں،

تنقیدی جائزے از جناب سید احتشام حسین صاحب لکچرار اردو لکھنو یونیورسٹی،
تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۹۸ صفحے کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر، قیمت :- ۱۲ ہے
پتہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

مصنف ممتاز ترقی پسند ادیب اور نئے ادب کے پرجوش مبلغ ہیں، تنقیدی جائزے ان کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جن میں ترقی پسند ادب کے نقطۂ نظر سے نفس ادب، قدیم ادب اور ترقی پسند ادب کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، کہ ادب کیا چیز ہے، اس کے مقاصد کیا ہونے چاہئیں، قدیم اور جدید ادب کے نقطۂ نظر میں کیا فرق ہے، اور اس کے اعتبار سے قدیم ادب میں کیا خامیاں اور جدید میں کیا خصوصیات ہیں، اور وہ کہاں تک ادب کے اصلی مقاصد کو پورا کرتا ہے، اور اس قبیل کے دوسرے مسائل پر بحث کی گئی ہے، اسی سلسلہ کے حسب ذیل مضامین ہیں، اردو ادب میں ترقی پسندی کی روایت، نئی شاعری کے نقاد، ادب و اخلاق، نئے ادبی رجحانات، قدیم ادب اور ترقی پسند نقاد، چکبست بحیثیت پیامبر دور جدید، نظیر اکبرآبادی، جدید شاعری میں مواد اور ہیئت، ان کے علاوہ فانی بدایونی بحر البیان پر ایک نظر، سراج نگاری، تحفظ زبان کا مسئلہ، خالص ادبی و تنقیدی ہیں، ترقی پسند ادیبوں کا نقطۂ نظر، خیالات، اور ان کے دلائل و مباحث معلوم و متعین ہیں، اس مجموعہ میں بھی کوئی نئی بات نہیں ہے، انہی پرانے مباحث و مسائل پر مشتمل ہے، جن پر معارف میں ایک سے زیادہ مرتبہ اظہار خیال کیا جا چکا ہے، اس لئے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، خیالات کی بے اعتدالی ان مضامین میں بھی نمایاں ہے تاہم اس مجموعہ میں تنقیدی حیثیت سے بعض مفید اور قابل لحاظ باتیں بھی ہیں،

تعارفِ قرآنی، مرتبہ جناب ایم عبدالرحمٰن خان صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مرقوم نہیں، پتہ ایم ثناء اللہ خان پبلشر اینڈ بک سیلر ۲۶ ریلوے روڈ لاہور،

کلام مجید کی مختلف حیثیتوں پر اردو میں کافی کتابیں ہیں لیکن ایسی عام فہم اور آسان کتابیں کم ہیں جن سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکے، یہ کتاب اس ضرورت کو پورا کرتی ہے، اس میں مصنف نے کلام مجید کی ان تمام آیات کو جن میں قرآن پاک کے کسی وصف کسی خصوصیت کسی کمال یا اس کی کسی حیثیت کا تذکرہ ہے جس سے کلام مجید کے کسی پہلو پر روشنی پڑتی ہے، مختلف سرخیوں کے تحت میں جمع کر دیا ہے، اور اس کا ترجمہ بھی دیدیا ہے، موٹے موٹے آداب فواہی کی بھی کچھ آیات لکھدی ہیں، اور جا بجا ضروری حواشی بھی دیدیئے ہیں، گو اس کتاب میں زیادہ تر قرآن مجید سے متعلق آیات جمع کی گئی ہیں لیکن ان میں اس کی کی بہت سی تعلیمات آگئی ہیں، کتاب مفید اور عام مسلمانوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

قصص النبیین از مولانا سید ابوالحسن علی استاذ ندوۃ العلماء تقطیع چھوٹی ضخامت ۶۴ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- غالباً مصنف ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملے گی،

عربی ادب کی ابتدائی نصابی کتابیں عموماً غیر مفید قصے کہانیوں پر مشتمل ہیں جس سے زبان کی تعلیم کا مقصد تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن بچوں کے معلومات میں کوئی مفید اضافہ نہیں ہوتا، اور نہ کوئی اخلاقی سبق ہی حاصل ہوتا ہے، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی استاذ ندوۃ العلماء نے یہ کتاب لکھ کر اس کمی کو پورا کیا ہے، اس میں کلام مجید سے حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہما السلام کے واقعات کو قصے کے پیرایے میں اس انداز سے لکھا گیا ہے، کہ بچے دلچسپی کے ساتھ پڑھیں بھی، اور زبان کی تعلیم کے ساتھ دلچسپ القدر پیغمبروں کے سبق آموز حالات بھی ان کے علم میں آجائیں، یہ کتاب عربی کے ابتدائی درجوں میں پڑھانے کے لائق ہے،

"م"

تصحیح: ص ۸۰ سطر ۵ میں طاعت کے بعد لفظ ترک چھوٹ گیا ہے ناظرین تصحیح کرلیں،

جلد ۵۶ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۵ء عدد ۳

مضامین

شذرات	شاہ معین الدین احمد ندوی	۱۳۰ - ۱۳۲
جامعۂ حسینیۂ راندیر میں تقریر،	سید سلیمان ندوی	۱۳۳ - ۱۵۲
عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام اور ان کی فارسی تصانیف،	سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب بی اے رفیق دار المصنفین،	۱۵۳ - ۱۷۰
اقبال کے تصورِ خودی کا ماخذ	جناب بشیر صاحب مخفی قادری	۱۷۱ - ۱۷۹
جبر و قدر	س	۱۸۰ - ۱۸۲
کیا خلقی معذورین کی پیدائش انصافِ الٰہی کے خلاف ہے،	"	۱۸۲ - ۱۸۴
عثمانی و حسینی شہادتین	"	۱۸۴ -
اسلامی عقیدہ کے مطابق بچوں کے پیدائشی احوال کا اختلاف	"	۱۸۴ - ۱۸۸
طمانیتِ مستفسر	جناب خان محمد صابر صاحب خانقاہ ڈوگران شیخوپورہ پنجاب،	۱۸۸
مطبوعاتِ جدیدہ	" م "	۱۸۹ — ۱۹۲

شذرات

حضرۃ الاستاذ مدظلہ نے جامعہ حسینیہ راندیر اور مدرسۂ اشرفیہ کی مجالس امتحان سالانہ میں شرکت کے لئے گذشتہ شعبان کو سورت اور بمبئی کا سفر کیا تھا، موصوف کا ارادہ تھا کہ اس مہینہ کے شذرات میں اس سفر کے حالات لکھیں گے لیکن ۱۹ رمضان المبارک کو حوالی قلب میں ریاحی درد کا سخت دورہ پڑ گیا جس نے صاحب فراش کر دیا، گو بفضلہ اب مزاج رو باصلاح ہے لیکن ابھی کمزوری بہت ہے، اور کچھ دنوں تک لکھنے پڑھنے کا کام انجام نہ دے سکیں گے، اس لئے سفر کی روداد نہ لکھ سکے، جامعہ حسینیہ میں جو تقریر فرمائی تھی وہ اس پرچہ میں شائع ہو رہی ہے، مدرسہ اشرفیہ کے جلسہ میں خشیت الٰہی پر تقریر فرمائی تھی لیکن وہ قلمبند نہ ہو سکی،

بمبئی میں یوں تو عربی کے متعدد مدرسے ہیں لیکن وہ سب سیٹھ صاحبان کی فیاضی اور ان کے نیک نیت بزرگوں کے اوقاف کی آمدنی سے چل رہے ہیں، مگر ان مدارس کی حیثیت ان کی ذاتی املاک کی ہے، اس کا سارا نظام انہی کی مرضی پر ہے، اور وہ اپنے مذاق اور رجحان کے مطابق جس طرح چاہتے ہیں، ان کو چلاتے ہیں اور ان کے منشاء کے مطابق ان کا قالب بدلتا رہتا ہے، بمبئی جیسے شہر میں عام مسلمانوں کا کوئی مدرسہ نہیں ہے جو غریب مسلمانوں کی مدد سے چلتا ہو، اور ان کی رائے اور مشورہ کو اس میں دخل ہو، اس لئے حضرت الاستاذ نے جمعیۃ العلماء بمبئی کے اجلاس کے موقع پر جو گذشتہ صفر میں ہوا تھا، اپنے خطبۂ صدارت میں بمبئی کے مسلمانوں کو ایک آزاد اور عام مسلمانوں کے مدرسہ کے قیام کی جانب توجہ دلائی تھی، جس میں صحیح دینی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو، اور جس کے ذریعہ بمبئی میں رد بدعات و قیام سنت اور دوسرے مذہبی و اصلاحی کام انجام پا سکیں،

خوشی کا مقام ہے کہ اہل بمبئی نے اس تجویز کو گرمجوشی کے ساتھ قبول کیا، اور چند مہینوں کے اندر ایک مدرسہ کے قیام کا انتظام ہو گیا چنانچہ راندیر کے سفر کے موقع پر موصوف ہی کے ہاتھوں سے اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا، آپ نے افتتاحی تقریر میں طلبہ کی مذہبی تربیت و اخلاقی نگہداشت اور ان کو بمبئی جیسی تماشا گاہ کی دلچسپیوں

سے الگ اور محفوظ رکھنے کی جانب خاص طور سے توجہ دلائی، اگر یہ مدرسہ صحیح اصولوں پر چلایا گیا، تو امید ہے، کہ ہندوستان کے دوسرے بڑے مدارس کی طرح مرکزی حیثیت حاصل کرے گا، اور اس کے ذریعہ بمبئی کے مسلمانوں میں صحیح دینی تعلیم کی اشاعت کے ساتھ دوسرے مفید دینی کام بھی انجام پاسکیں گے جس کی وہاں بڑی ضرورت ہے۔

غالباً ناظرین کو معلوم ہوگا کہ حیات شبلی کو ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی جانب سے انعام ملا تھا، مدیر نگار کے لئے یہ حادثہ ناقابل برداشت ثابت ہوا، وہ اس کو ضبط نہ کرسکے، اور حیات شبلی کی تنقیص پر اتر آئے، اور اکیڈمی پر یہ الزام قائم کرکے اس سے باز پرس کی ہے کہ اس نے ایک غیر مستحق کتاب کو انعامی مقابلہ کے شرائط کے خلاف کیوں انعام دیا، اکیڈمی کے اعلان میں یہ شرط رکھی گئی تھی، کہ مقابلہ میں صرف وہ کتابیں شریک کی جائیں گی جو اکتوبر ۳۵ء اور مارچ ۳۶ء کے اندر شائع ہوئی ہوں اور حیات شبلی اس کے بعد شائع ہوئی ہے، اس لئے وہ شرائط مقابلہ میں نہیں آتی، مصنف چونکہ انعامی کمیٹی کے ممبر تھے، اس لئے انھوں نے اپنے اثر سے انعام حاصل کرلیا، اس سلسلہ میں حیات شبلی کی تنقید میں ایک لغو سا مضمون بھی شائع کیا ہے جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حیات شبلی مولوی اقبال احمد خان صاحب سہیل ایڈوکیٹ اعظم گڈھ کے ان مضامین سے ماخوذ ہے جو انھوں نے سیرت شبلی پر رسالہ الاصلاح سراے میر میں لکھے تھے اور اس کے ثبوت میں دونوں کی چند مشترک عبارتیں نقل کردی ہیں،

ان خرافات کی جانب توجہ کی ضرورت نہ تھی، مدیر نگار نے ہندوستانی اکیڈمی پر جو الزام رکھا ہے اور انعامی کمیٹی کے ممبروں کی دیانت پر جو حملہ کیا ہے، اس کا جواب تو وہ خود دیں گے، لیکن اس تحریر سے ناواقف اشخاص کو غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے اس لئے واقعہ کی اصل صورت بیان کردینا مناسب معلوم ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ سارا بیان سراسر لغو ہے، حیات شبلی انعامی مقابلہ میں سرے سے بھیجی ہی نہیں گئی تھی، مصنف اور تصنیف دونوں کی حیثیت اس سے بلند ہے، کہ اس کو مقابلہ میں بھیجا جاتا، اور نہ اس قسم کے انعامون سے مصنف کے اعزاز میں کوئی اضافہ ہوسکتا ہے، خود ہندوستانی اکیڈمی نے اس کو خریدنا چاہا تھا، اتفاق سے اس زمانہ میں حضرۃ الاستاذ تشریف بھی نہیں رکھتے تھے، ورنہ شاید وہ اس کو بھی گوارا نہ فرماتے، اکیڈمی نے ان کو انعامی کمیٹی کا ممبر ضرور بنایا تھا لیکن انھوں نے صحت کی خرابی کی بنا پر اس کو قبول نہیں کیا تھا، اور نہ

انجمن کمیٹی کے کسی جلسہ مین شریک ہوئے، مدیر نگار نے اکیڈمی کے اعلان کی نقل مین بھی تحریف سے کام لیا ہے اس اعلان کے آخر مین یہ نوٹ بھی تھا، کہ اکیڈمی موصولہ کتابون پر انعام دینے کے لئے مجبور نہین ہے، بلکہ اگر اس کی نگاہ مین کوئی دوسری کتاب انعام کی مستحق ہوگی، تو وہ اس کو خود منگا کر مقابلہ مین شریک کر سکتی ہے، مدیر نگار اس نوٹ کو اڑا گئے،

حیات شبلی مین اقبال صاحب کے مضمون کے چند صفحے ضرور ہین لیکن یہ کوئی راز نہین تھا، جسے افشا کیا گیا ہو، مدیر نگار کو غالباً اس کا علم نہین ہے کہ اقبال صاحب سہیل مولینا شبلی رحمہ اللہ کے شاگرد بھی ہین، اور ہم وطن اور عزیز بھی، ان کو علامۂ مرحوم کے خاندانی اور ابتدائی حالات سے زیادہ واقفیت ہے، اس لئے خود حضرۃ الاستاذ کی تحریک پر انھون نے یہ مضمون لکھا تھا جس کے چند صفحے انھون نے حیات شبلی مین نقل کر دیئے ہین، اور کتاب کے شروع مین اس کا اظہار بھی کر دیا ہے جس پر شاید مدیر نگار کی نظر نہین پڑی، البتہ اس کی تصریح نہین ہے کہ کہان سے کہان تک نقل ہے، اس نقل کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے، کہ حیات شبلی کے تقریباً ایک ہزار صفحات مین کل ملا کر آٹھ دس صفحے اس مضمون سے لئے گئے ہین، جو زیادہ تر صاحب سوانح کے ابتدائی اور خاندانی حالات سے متعلق ہین، حضرت اقبال خود بھی اسکا جواب دین گے، جس سے اس کے فاضل مدیر کی ابتدائی عربی و فارسی اور آمد نامہ اور میزان الصرف جیسی کتابون سے ناواقفیت کا بھی اندازہ ہو جائے گا،

مدیر نگار کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان خفیف حرکتون سے ان کے علمی جرائم ہلکے نہین ہو سکتے اور اس سے سیر الصحابیات، شہاب کی سرگذشت، نگار کے تاریخ ہند نمبر وغیرہ کے سرقون کی پردہ پوشی نہین ہو سکتی، اگر حیات شبلی کے انعام یافتہ کو ایسا ہی شک و حسد ہو تو ان کے لئے بھی اکیڈمی کا دروازہ کھلا ہوا ہے آئندہ وہ بھی اپنی کوئی تصنیف پیش کر کے انعام حاصل کرنے کی کوشش کیون نہین کرتے لیکن ان کو خوب معلوم ہے کہ اہل علم کی نگاہ مین ان کی تصانیف عالیہ کی کیا وقعت ہے، اس لئے وہ اس کی جرأت نہین کر سکتے

کل ہند مصنفین و صحافت نگارون کی انجمن (آل انڈیا پی، ای ان ایسوسی ایشن بمبئی) کا سالانہ اجلاس ۲۰، ۲۱، ۲۲ اکتوبر کو جے پور مین منعقد ہوگا، ہندوستان کے بہت سے ممتاز مصنفین اور دوسرے اصحاب علم مقالات پڑھین گے بیرون ہندوستان کے فضلاء کی شرکت کی بھی توقع ہے جن بعض مقالہ نگارون کے نام آئے ہین ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اجلاس مذکور مین اچھا علمی اجتماع ہوگا، امید ہے کہ یہ اجتماع مختلف نسل و زبان رکھنے والی قومون کے درمیان اتحاد کا ذریعہ ثابت ہوگا،

مقالات

الجہد والجہاد لعلی المعاش والمعاد

جامعہ حسینیہ راندیر کے جلسۂ امتحان میں تقریر

بتاریخ ۱۳ شعبان ۱۳۶۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونومن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضلل فلا ھادی لہ، ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ اجمعین

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، قال اللہ تعالیٰ وعلم آدم الاسماء کلھا وقال وعلم الانسان مالم یعلم

برادران اسلام! آج مجھے بارہ تیرہ برس کے بعد اس کا موقع ملا ہے کہ ایک بار پھر آپ حضرات کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کروں، ہمارے ملک کا یہ خطہ جو گجرات کے نام سے مشہور ہے، اور خصوصیت کے ساتھ آپ کا یہ شہر سورت اور اس سے بالکل متصل تاپتی دریا کے کنارہ آپ کا یہ قصبہ راندیر بھی ایک زمانہ سے باب کعبہ کے نام سے مشہور ہے، ہجری کے عروج سے پہلے یہی مقام زائرین کعبہ کی پہلی منزل تھی، نہ صرف ہندوستان بلکہ ترکستان وچین وافغانستان وروس کے اہل شوق اسی راستہ سے حجاز کی منزل طے کرتے تھے، آپ کا یہ دریا تاپتی اور پھر آگے بڑھکر بھروچ کا دریا سے نربدا بحر عرب کی دو نالیاں ہیں، انہی نالوں یا نالیوں کے ذریعہ سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے زائر عرب کے ساحل کو روانہ ہوتے تھے، آپ کے قصبہ کی قدیم مسجد کا کتبہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ۵۹۱ھ سے اس قصبہ میں اسلام کی حکومت قائم ہے، لیکن عرب کے جغرافیہ نویس پہلی ہی صدی سے اس ملک کے

ساحل پر اسلام کے قدم کا نشان پاتے ہیں، حضرت عمرؓ یا حضرت عثمانؓ کے عہد میں تھانہ (متصل بمبئی) اور بھروچ میں اسلامی جہازوں کے بیڑے کی آمد کی خبر ملتی ہے، سنہ ۱۴ھ میں بھروچ کے قریب گندھار کے بندرگاہ میں سب سے پہلی مسجد بنی اور سنہ ۱۶ھ میں باربدین جس کو کوئی بھاڑبھوت اور کوئی بروودھن کہتا ہے وہاں کے اثر سے مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی کی بڑی کا تذکرہ تاریخوں میں سنائی دیتا ہے، سنہ ۶۹۷ھ میں سلطان علاء الدین خلجی اور ملک کافور کے حملوں سے صدیوں پہلے گجرات کے سواحل مسلمان تاجروں کے دم قدم سے آباد تھے کہیں کہیں دس دس ہزار کی اون کی آبادی تھی، اون کے قاضی اون کے فیصلے کرتے تھے اور ہنرمند کہلاتے تھے، اون کی مسجدیں بڑی آباد اور ان کی خانقاہیں معمور تھیں ابن بطوطہ نے جو محمد تغلق کے زمانہ میں تھا، اپنے سفرنامہ میں ان کا حال لکھا ہے، اور اس پیچھے اس نے اپنی کتاب عرب ہند کے تعلقات میں اس کی کچھ تفصیل دی ہے،

جب سے سلاطین گجرات نے جو آل مظفر کہلاتے ہیں دلی کے مرکز سے الگ ہو کر اس ملک میں خود مختار سلطنت کی بنیاد ڈالی، یہ کہنا مبالغہ سے خالی ہے کہ اس سلطنت نے اپنے سو برس کے زمانہ میں علم و ہنر، تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت اور تجارت میں وہ ترقی حاصل کی جو ہندوستان کے کسی دوسرے حصہ کو نصیب نہیں ہوئی، ساری دنیا سے علماء و حکماء اور عجائب و غرائب ایشیا یہیں سے ہندوستان کے دوسرے علاقوں کو جاتے تھے اور جاتی تھیں، اور اسی طرح ہندوستان کے بڑے بڑے اہل ہنر اور اکابر اور عجیب و غریب مصنوعات اسی کے ساحلوں سے ہو کر ملکوں ملکوں سیر کرتے تھے، اور پھیلتی تھیں،

برکت و سعادت کی سب سے بڑی چیز یہ تھی کہ مصر و شام و حجاز سے جو فقہاء و محدث آتے تھے اون کے فضل و ہنر کی پہلی بساط یہیں بچھتی تھی، اور ان کے قال اللہ و قال الرسول کی مجلس پہلے یہیں جمتی تھی، عرب اور گجرات کے درمیان صرف پانی حائل تھا، اسلئے جو موج اوس ساحل سے اٹھتی تھی وہ اس ساحل سے آکر ٹکراتی تھی، اور جو طوفان اُدھر سے اٹھتا وہ دم کے دم میں اِدھر پہنچ جاتا، یہی سبب ہے کہ حجاز سے علم حدیث کا جو سرمایہ ہاتھ آیا وہ سب سے پہلے اسی سرزمین کے حصہ میں آیا، سب سے آخری زمانہ میں شیخ علی متقی، شیخ عبدالوہاب متقی، شیخ طاہر فتنی اور الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام کے مصنف قطب الدین نہروالی جو کی مشہور ہیں، اور جو حجاز میں سلاطین گجرات کی طرف سے متولی اوقاف اور مہتمم مدرسہ تھے، اور مظفر الوالہ بمظفر والہ کے مصنف محمد بن عمر آصفی ایسے اکابر ہیں جن کو ایک ہی وقت میں گجراتی اور مکی دونوں کہہ سکتے ہیں، مسند الوقت آصف خان جو گجرات کی سلطنت کے آخری وزیر تھے، ان کا خزانہ حجاز ہی کو منتقل ہوا، اور اس مقدس ملک میں علم و ہنر کی پرورش کا سامان بنا، سلاطین گجرات کے زمانہ

ہیں اور اس کے بعد مغلیہ سلطنت کے زمانہ میں بھی گجرات کی اکثر سیر حاصل زمینیں اسی وادی غیر ذی زرع کی سرسبزی وسیرابی کے لئے وقف تھیں، یہ داستان گو پرانی ہے مگر یہاں اس لئے دہرائی گئی کہ

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را گاہے گاہے باز خوان ایں قصۂ پارینہ را

گو اب گجرات کی وہ شان نہیں رہی، مگر شکر کا مقام ہے کہ اگلے کاروان کے نقش قدم اب بھی باقی ہیں

کاروان رفتہ و اندازۂ جاہش پیداست
زان نشانہا کہ بہر راہگذار افتادہ است

ایک طرف تجارت اور بیوپار کی رونق اور دوسری طرف دینداری اور دین پروری کے جذبات اب بھی نمایاں ہیں، مسجدیں پر رونق اور نمازیوں سے آباد، اور ہندوستان بھر کے مذہبی مدارس اس کے توجہات کے ممنون ہیں، اس وقت بھی راندیر، ڈابھیل اور سملک کے ادارے اور مدرسے ہمارے فخر کے لئے کافی ہیں، ماشاء اللہ یہاں کے مسلمان تاجر اور کاروباری دین کا درد رکھتے ہیں، علماء کی قدر پہچانتے ہیں، اور اپنے مال کو خدا کی راہ میں دیکر اس دنیا کے ساتھ اُس دنیا کی نیکیاں بھی خریدتے ہیں، اور ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ کے مظہر بنتے ہیں،

ما احسن الدین والدنیا اذا اجتمعا ما اقبح الکفر والافلاس بالرجل

غرض معاش کے ساتھ معاد کی فکر سے بھی غافل نہیں رہتے، اور یہی وہ خصوصیت ہے جو اسلام کو دوسرے موجودہ مذاہب سے ممتاز کرتی ہے، اوس کی تعلیم یہ ہے کہ یہ دنیا اوس آیندہ دنیا کی خریداری کا بازار ہے، ان اللہ اشترٰی من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ،

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہو کوئے دوست اس نوید جاں فزا سے سر و بالِ دوش ہے

رضائے الٰہی کے باغستاں کی جس کا دوسرا نام جنت ہے و رضوان من اللہ اکبر کی قیمت کتنی ارزاں اور سستی بتائی گئی ہے، جان و مال کی بازی!

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتۂ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

یہ دنیا اس لئے دی گئی کہ یہاں رہکر اُس دنیا کا سودا کیجئے، آپ جس طرح اخرتیہ اور برما میں رہکر راندیر کو آباد کرتے ہیں، اسی طرح اس دنیا میں سودا کرکے آخرت کی آبادی کی فکر میں رہیں، اس دنیا میں رہکر اور اس دنیا کے کاروبار کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق انجام دے کر اور خواہشاتِ دنیا سے بچ کر اطاعتِ الٰہی کی تعمیل کرکے معرفتِ الٰہی

اور رضائے الٰہی کی جو سرفرازی پائیں، تو یہ وہی مجاہدہ ہے جو آدم اور بنی آدم کے لئے مخصوص ہوا ہے، اور جو فرشتوں کے حدود سے خارج ہے،

خاکسار نے ابھی تقریر کے شروع میں دو آیتیں پڑھی تھیں جن کو پھر دہرائے دیتا ہوں،

قَالَ اللّٰہ تعالیٰ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا وقال تعالیٰ وَعَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ،

پہلی آیت سورہ بقرہ کی ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ہے، اور دوسری آیت سورۂ علق کی ہے، جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی وحی کا ٹکڑا ہے، یا یوں کہئے کہ پہلی آیت آفرینش عالم کی درسگاہ کا، اور دوسری آیت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز درس کا پہلا سبق ہے، اس نکتہ سے یہ حقیقت پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے، کہ دین اسلام کے عقیدہ اور تعلیم میں علم کی کتنی اہمیت ہے، کہ اسی نقطۂ علم سے کائنات کے دائرہ کا آغاز ہوتا ہے، اور اسی نقطہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا خط مستقیم شروع ہوتا ہے، وہ تعلیم جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ساری دنیا کو محیط ہے،

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم فرمائی، ہمارے مفسرین اور علماء نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اسماء کی تفسیر میں بہت سے اقوال بیان کئے ہیں کسی نے اس کو ذات وصفات الٰہی تک محدود کر دیا ہے، اور کسی نے صرف چیزوں کے نام جیسے درخت، جانور، کتے، بلے کے نام تک پھیلا دیا ہے، اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو چیزوں کے نام بتا دیئے، سو یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی تعیین اشارۂ نص کے خلاف ہے کیونکہ فرشتوں سے سوال میں استفسار ہوتا ہے انبئونی باسماء ھٰؤلاء ان کنتم صادقین ھٰؤلاء کا اشارہ تو مسمیات کی طرف ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات مسمیات کی شکل میں متشکل نہیں ہو سکتیں، اور دوسرے قول میں آدم کی تعلیم لفظوں سے آگے نہ تھی، حالانکہ یہ لفظی تعلیم کوئی بڑے شرف کی چیز نہیں، حدیث شفاعت سے بھی، جو صحیح بخاری کی کتاب التوحید والرد علی الجہمیہ میں ہے، اس کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ اس میں اسماء کی تصریح آئی ہے، وعلّمک اسماء کل شیٔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء نہیں، بلکہ اشیا کے اسماء تھے،

عربی میں اسماء کے معنی بے شبہ نام کے ہیں، جیسے ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم (یہ صرف نام ہیں، جن کو تم نے نام رکھ چھوڑا ہے) لیکن چیزوں کے اکثر نام اوصافی ہوتے ہیں، اس لئے اسماء کے دوسرے معنی صفات اور اوصاف کے ہیں، جیسے وللہ الاسماء الحسنیٰ (سب سے اچھے نام یا اوصاف اللہ ہی کے ہیں) ظاہر ہے

کہ اللہ تعالیٰ کا علم تو صرف اللہ یا بقول بعض دوسرا نام رحمان بھی علم ہے، ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اور سب نام حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے اوصاف ہیں، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آدم علیہ السلام کو اشیاء کے تمام اوصاف وصفات وخواص وآثار بتائے گئے، اور یا وہ الفاظ جو ان اوصاف وآثار پر دلالت کریں، خوب غور کیجئے کہ آغاز عالم سے لے کر اس وقت تک بنی آدم نے جو کچھ جانا، اور معلوم کیا ہے، وہ اس حد سے جس کا دائرہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں کھینچ دیا تھا، ایک ذرہ زیادہ نہیں جانا اور نہ جان سکتا ہے، اور اس نے جو کچھ جانا اور معلوم کیا ہے، جس کا نام اوس نے علم اور تحقیق رکھا ہے، وہ اشیاء کے ظاہری اوصاف وخواص وآثار سے ایک حرف زیادہ نہیں ہے، اشیاء کے حقائق کا نہ اس کو علم بخشا گیا، اور نہ وہ جان سکتا ہے، اس کو معلوم ہوا کہ آگ کی صفت جلانا ہے، مگر یہ کہ آگ کی حقیقت کیا ہے اور اس کی صفت جلانا کیوں ہے، نہ اس نے جانا ہے اور نہ وہ جان سکتا ہے، یہی حال ساری اشیاء کا ہے، کہ ان کے خواص وآثار کے علم کا دروازہ تو اس کے لئے کھول دیا گیا ہے، مگر ان کے حقائق کا باب اس پر ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے، اور پھر جو کچھ اس نے جانا بھی ہو اس کے مقابلہ میں جو اس نے نہیں جانا ہے، بہت ہی کم ہے، اور اس کی خبر بھی اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دی، ارشاد ہوا، وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (اے انسانو تم کو علم کا بہت ہی تھوڑا حصہ ملا ہے) صحیح بخاری میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم حقیقی کے مقابلہ میں انسان کے علم کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے سمندر میں سے کوئی چڑیا اپنی چونچ میں پانی لے لے، اس سے اندازہ ہوگا، کہ انسان کے دعوائے علم کی بساط کیا ہے، اور یہ وہ حقیقت ہے، جس کو نہ صرف اہل نقل مانتے ہیں، بلکہ اہل عقل بھی اس سے زیادہ کے مدعی نہیں، پرانے فلسفیوں کا قول ہے جس کو ایک شاعر نے ایک مصرع میں ادا کر دیا ہے، ع

معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

اہل معرفت کہتے ہیں کہ اگر کسی کو یہ معلوم ہو گیا، کہ اس کو کچھ معلوم نہیں، تو اس نے بڑا علم پایا، اور یہ حقیقت ہے کہ جاہل تو جاہل عالم بھی اگر اس حقیقت کو سمجھ لے، تو وہ عقل وشیطان کے بڑے کید سے نجات پا جائے، اور پھر انا خیر منہ کا شیطانی فقرہ اس کی زبان سے نہ نکلے،

عام اہل عقل کو جس چیز کے جاننے کا دعویٰ بھی ہے، اس کے متعلق ابھی کہہ چکا کہ وہ علم بھی اشیاء کے اسماء، اور آثار وصفات کے دائرہ سے باہر نہیں، اور ان کی حقیقت بھی ہنوز راز ہے، اور راز رہے گی عارف

شیراز فرماتے ہین :-ع

این ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

یعنی انسان جس کے جاننے کا دعوی کرتا ہے، اوس کو بھی وہ نہین جانتا ہے، اور جس کا سمجھنا وہ ظاہر کرتا ہو اس کو بھی وہ نہین سمجھتا، استاذ مرحوم کا شعر ہے،

فلسفی سرّ حقیقت نتوانست کشود گشت راز دگران راز کہ افشا می کرد

قدیم فلسفہ کہتا ہے کہ جسم ہے جسم کیا ہے ہیولی اور صورت سے مرکب، ہیولی کیا ہے اور صورت کیا ہے، ایک حامل دوسرا محمول، ایک قابل دوسرا مقبول، ایک امتداد مطلق اور دوسرا اس امتداد مطلق کا محل، یہ سارے لفظون کے گورکھ دھندے ہین، آج کل کا سائنس دان کہتا ہے، کہ جسم کیا ہے، چھوٹے چھوٹے ذرون سے مرکب (ایٹمز) یہ ذرے کیا ہین، برقپارے (الکٹرون) ہین، یہ برقپارے کیا ہین قوت ہین، قوت کیا ایتھر، ایتھر کیا ہے نامعلوم حقیقت، غرض دعواے علم کا ہر قدم جہالت پر ختم ہوتا ہے، یہ ہے انسان کا علم، یورپ کا وہ سائنٹسٹ جس نے مسئلۂ کشش اجسام کو ثابت کیا نیوٹن ہے، جس کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ وہ موجودہ سائنس کا بانی اوّل ہے، اوس نے مرتے وقت یہ اقرار کیا، کہ اس کے علم کی حیثیت وہی ہے جو اس بچہ کی جو سمندر کے ساحل پر بیٹھا ہوا ..... ریت پر سنگریزون اور کنکریون سے کھیل رہا ہو، یہ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا کی الٰہی حقیقت کا انسانی اعتراف ہے،

آج کل کائنات کی وسعت اتنی مانی جاتی ہے، جو پہلے کبھی نہین مانی جاتی تھی، پہلے فلسفی کائنات کو آسمانون کے اندر بند مانتے تھے، اور کہتے تھے، کہ آسمان کے نیچے آگ کا کرہ ہے، پھر ہوا کا، پھر پانی اور مٹی کے کرے، اور ان سارے کرون کو اور آفتاب اور ماہتاب اور ستارون کو محیط فلک نہم ہے، لیکن اس زمانہ مین یہ کہا جاتا ہو کہ وسعتِ عالم کا اندازہ ہی نہین لگایا جا سکتا، جو کچھ ہمارے سامنے ہے، وہ صرف ہمارے اس ایک آفتاب کا نظام کائنات ہے، اور یہ دور سے جو چھوٹے چھوٹے ثوابت ستارے معلوم ہوتے ہین، ان مین سے ہر ایک اپنی جگہ پر ایک آفتاب ہے، اور ہر ایک آفتاب کے گرد اسی طرح چاند ستارے اور دوسرے متعلق کرے، اور نظام کائنات ہین، اس سے قیاس ہوگا کہ کائناتِ علم کی وسعت کا کیا عالم ہے، اب انسان کے علم پر غور کیجئے، کہ ان لاکھون کرون مین سے انسان کا علم صرف ایک نظام شمسی تک محدود ہے جس میں وہ آباد ہے، اب دیکھیے کہ نظام شمسی مین سے بھی اس کا علم آفتاب و ماہتاب اور بعض

ستارون کی روشنی اور حرکت تک محدود ہے، یہ کس سے بنے ہین، ان کے اندر کیا ہے، ان کے اوپر کیا عجائبات ہین، ان سے قطعاً ہم واقف نہین، اب آسمان سے زمین پر آیئے، زمین کی ظاہری سطح کو آپنے ناپ ڈالا ہے، اس کے کچھ طبقون کو کھود ڈالا ہے، پانی کی تہ کی سیر کی ہے، اس کے اندر کچھ اُترے ہین، پہاڑون کو کھودا ہے، ان کی چوٹیون کو ناپا ہے، گھنے جنگلون مین گھسے ہین، ریگستانون کو عبور کیا ہے تاہم یہ دعویٰ نہین کیا جا سکتا، کہ ہم کو ساری مخلوقاتِ ارضی و بحری و ہوائی کا علم ہو گیا ہے ہر جڑی بوٹی کا خاصہ ہم نے جان لیا ہے، اور ہر موجود کی تحقیق کر لی ہے، اب انسان کے علم کی وسعت کتنی ہی ہو گئی ہو، تاہم اس کے معلوم سے اوس کے مجہول کا پایہ بڑھا ہی ہوا ہے، گویا سارے نظاماتِ عالم مین سے جن کی تعداد لاکھون تک ہو گی، ہم کو صرف ایک نظامِ شمسی کے صرف ایک گوشہ کا کچا پکا علم حاصل ہوا ہے، اور اس پر انسان کو علم کا غرور اور واقفیت کا ناز ہے، استغفر اللہ،

اب ہم یہ فرض کرتے ہین کہ اس زمین کے اوپر کی چیزون کا سارا حال ہم کو معلوم ہو گیا ہے، اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہین کہ ہم کو کیا معلوم ہوا ہے، ہم کو آگ، پانی ہوا، اور مٹی کا علم ہوا، ہم کو بجلی معلوم ہوئی ہم کو آفتاب کی روشنی اور گرمی دریافت ہوئی، ہم پر ان کی قوتون کا راز ظاہر ہوا ہم کو جڑی بوٹیون کے خواص معلوم ہوے، ہم نے ان اشیاء کو کبھی جوڑ کر اور کبھی توڑ کر بہت سی چیزین بنائین، آلات ایجاد کئے، مشینین چلائین، بھاپ اڑائی، بجلی دوڑائی، پانی مین جہاز چلائے، ہوا مین ہوائی جہاز اُڑائے، بڑی بڑی توپین بنائین زہریلی گیسین پھینکین اور وہ سب کچھ کیا، جو اس بڑی لڑائی مین ہم نے دنیا کو دکھایا، لیکن غور کیجئے اس علم کی وسعت مین نام اور اشیاء کے خواص و آثار و صفات کے حدود سے ہمارا ایک قدم بھی باہر نکلا، کیا آگ، پانی، ہوا اور مٹی، بجلی اور بھاپ اور دیگر عناصر اور موجودات مین سے کسی کی حقیقت تک ہماری رسائی ہوئی ہم کو صرف یہ معلوم ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ان بنائی ہوئی چیزون سے کیسے فائدے اٹھا سکتے ہین لیکن ان چیزون کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے، اس پر وہ پردہ پڑا ہوا ہے جو نہ کبھی اٹھا ہے، اور نہ کبھی اٹھ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا (بقرہ ۳) اور سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ،

کہ ہم نے ان سب چیزون کو انسانون کے کام مین لگا دیا ہے، اب ہم کو جو کچھ علم اللہ تعالیٰ نے بخشا ہے، وہ صرف یہی علم ہے کہ ہم ان چیزون سے کیونکر فائدے اٹھا سکتے ہین، اور کیونکر ان سے نفع حاصل کر سکتے ہین، لیکن یہ علم کہ

ان چیزوں کی حقیقت کیا ہے، ان کو ہمارے علم کے حدود سے باہر رکھا گیا ہے یعنی اس حریم راز میں قدم دھرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، ہماری مثال ایسی ہے، جیسے کوئی دہقان کسی بادشاہ کا مہمان ہو، بادشاہ نے اس کے لئے محل خاص میں اس کے آرام و آسایش کے تمام سامان مہیا کر دیئے، پانی کے فوارے، بجلی کے قمقمے، فرش فروش اور ظروف و آلات قرینے سے لگا دیئے، عجیب و غریب سامانوں سے سارے محل کو معمور کر دیا، اب یہ سارے سامان تو مہمان کو لئے ضرور ہیں، اور ان سامانوں سے فائدہ اٹھانے کی ترکیب اور تدبیر تو مہمان ضرور جان سکتا ہے لیکن ان اشیاء کے حقائق و معارف اور مصنوعات کی صنعت کاری کی تحقیق کی نہ اس کو اجازت ہے اور نہ اس دہقان کے پیمانۂ علم میں اس کے سمانے کی گنجایش ہے،

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نہ خوری

یہ سارا عالم آفتاب سے لیکر زمین تک قلیوں کی طرح کام میں لگا ہوا ہے، تاکہ آدم کے بچوں کو جو اس فیض عام کے دسترخوان پر مہمان ہیں، کھانے کو روٹی، پینے کو پانی، اور پہننے کو کپڑے اور سایہ کرنے کو گھر ملیں، یہی چار دن چیزیں انسان کی اصلی ضرورتیں ہیں، حضرت آدمؑ کی جنت کی تعریف یہ فرمائی گئی تھی، انّ لک الا تجوع فیھا ولا تعری وانک لا تظمأ فیھا ولا تضحیٰ ہماری دنیاوی جنت یہی ہے، جہاں بھوک پیاس، اور دھوپ اور برہنگی سے بچاؤ ہو، انہی چیزوں کے مہیا کرنے کے لئے سارا عالم چکر کاٹ رہا، اور گردش کر رہا ہے، اور اس سامان کے ہاتھ آنے کی غرض یہ تھی کہ انسان اپنی بقا کو مدت متعینہ تک محفوظ رکھے اور اس میں اپنے میزبان خلاق عالم کے شکر و طاعت کا فرض بجالائے، وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون، ہم نے جن و انس کو اپنی طاعت و معرفت کے لئے پیدا کیا، غرض سارا سامان انسان کی محدود بقا کے لئے ہے، اور انسان خود اللہ تعالیٰ کی طاعت کے لئے بنا ہے، یہی مفہوم خطبوں میں ہم کو ان الفاظ میں سنایا جاتا ہے، انّ الدنیا خلقت لکم وانتم خلقتم للآخرۃ دنیا تمہارے لئے اور تم آخرت کے لئے بنے ہو، جدید تعلیم کے ایک پروردہ آئی سی ایس وستے مجھ سے نظام عالم کی وسعت کا تذکرہ کرکے کہا اس وسیع دنیا میں انسان کی حیثیت ایک ذرہ سے زیادہ نہیں، پھر کیا یہ ساری کائنات اسی ذرہ کے لئے بنی ہے، ان کا تعجب ایسا تھا کہ جی میں آیا کہ پوچھوں کہ اگر اشیاء کی قیمت کا پیمانہ ناپ ہے، تو آپ جیسے چار پانچ فیٹ کے آدمی کے لئے یہ سیکڑوں گز کی لمبی چوڑی عمارت اور ایک دو فرلانگ کی کوٹھی سر کارنے کیوں بنا رکھی ہے، اور یہ سوال بھی کیا جا سکتا تھا، کہ اس اصول کے مطابق آدمی ہاتھی کے لئے بنا ہے، ہاتھی آدمی کے لئے نہیں، غالباً عوام فلسفی ہی

عقل والے آدمیوں کے لئے یہ امتحانی سوال مقرر کیا ہے، کہ عقل بڑی کہ بھینس؟ دنیا کی اس وسعت وعظمت میں کوئی شبہ نہیں، لیکن اس سارے نظام عالم میں عقل ومعرفت، ہوش ورائے، علم واحساس اور قصد وارادہ کی سب سے بڑی نعمت سے سب محروم ہیں، اور صرف یہی دو فیٹ والا ایک انسان اوس سے سرفراز کیا گیا ہے اس لئے تکلیف وشریعت اور بالارادہ طاعت کی امانت کا وہی ذمہ دار بنایا گیا ہے،

انا عرضنا الامانۃ علی السمٰوٰت	ہم نے اپنی امانت آسمانوں پر، زمین پر، اور
والارض والجبال فابین ان یحملنھا	پہاڑوں پر پیش کی، تو سب نے اس کے اٹھانے
واشفقن منھا وحملھا الانسان	سے انکار کیا، اور ڈر گئے، اور انسان نے
انہ کان ظلوما جھولا، (احزاب-۹)	اٹھالیا، وہ ظالم وجاہل تھا،

اب یہیں سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ انسانوں کو بارگاہ الٰہی سے جو کچھ خاص چیزیں ملی ہیں، وہ اس کی اپنی نہیں، بلکہ بطور امانت اوس کو بضرورت اور مصلحۃً سپرد ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کرکے اور اسماء وصفات وخواص کا علم عطا فرماکر اس کو اپنی بقا کی ضرورتوں کی بہم رسانی کا سامان بخشا، لیکن خود اس کی حیثیت ملائکۂ عالم کو یہ بتائی گئی، انی جاعل فی الارض خلیفۃ "یعنی زمین میں ایک اپنا نائب اور نمایندہ بنارہا ہوں، نائب اور نمایندہ وہی ہوتا ہے، جو اصل کی طرف سے اصل کے دیئے ہوئے احکام کو جاری کرتا، اور اس کے بخشے ہوئے اختیار کو کام میں لاتا ہے، اور ان احکام کے اجرا اور اختیار کے کام میں لانے کے لئے جو ساز وسامان ضروری ہے، وہ اسی اصل سے عاریۃً اوس کو ملتا ہے، اور امانۃً اس کے پاس رہتا ہے پس انسان کو عقل وقدرت، ہوش وخرد اور علم ومعرفت کا جو سامان ملا ہے، وہ اصل کی نقل اور مالک سے مستعار ہے، ان اللہ خلق آدم علی صورتہ اسی بات کی خبر ہے، اور صوفیہ کے اس قول کی شرح ہے، کہ عالم میں جو کچھ ہے وہ سب اسمائے الٰہی کے مظاہر ہیں اور ان میں سے انسان اللہ تعالیٰ کے شئون وصفات کا سب سے بڑا مظہر ہے، اور اس طرح تخلقوا باخلاق اللہ کا منشا، اوس سے پورا کرانا ہے،

یہ سب کچھ کیوں ہوا، تاکہ انسان خالق کی معرفت حاصل کرے اور طاعت بجالائے لیکن غافل انسان کیا کرتا رہا، اس عظیم الشان فرض سے جو اوس پر عائد ہے غفلت برتتا رہا، اور برت رہا ہے، اس کو اس زمین میں متعینہ مدت کی بقا، کیلئے کھانے پینے رہنے اور پہننے کی چار چیزوں کی پیدائش اور سامان کے لئے جو محدود علم اور قوت ملی تھی، اس کو اس نے ان چار ہی چیزوں کے حصول کی غیر محدود بھوک اور پیاس پیدا کرکے

صرف ان کے حصول مین صرف کرنے لگا اور کر رہا ہے، اس کا سارا وقت اور اس کی ساری جسمانی و دماغی قوت صرف اس مین خرچ ہو رہی ہے، کہ کس طرح ساری دنیا کا کھانا اور پانی اسی کو مل جائے، ساری زمین اس کے قبضہ مین آجائے، اور سارا سامان صرف اسی کے تصرف مین رہے، غرض اسی سامان کے غیر ضروری ہمہ گیر حصول وحفاظت اور پیداوار اور بہتات اور سب کو صرف اپنی ملکیت بنانے مین وہ اپنی قوت اور طاقت کا ہر ذرہ فنا کر رہا ہے، اور اس کھانے پینے اوڑھنے اور رہنے کے سارے ذخیرہ پر بلا شرکت غیرے زیادہ سے زیادہ تصرف کے پیچھے وہ دیوانہ ہو رہا ہے، اور اس مشغولیت اور انہماک مین اس کو اس دنیا کے چھوڑنے اور دوسری دنیا مین جانے، اور اس کے لئے اپنے اوپر عائد کردہ فرائض کی بجاآوری مین خالق کی معرفت اور اس کے احکام کی تعمیل کو بالکل بھلا بیٹھا ہے، بادشاہ سے لے کر مزدور تک سب اسی مین مبتلا ہین، اس کا سارا زور وظلم، جبر وقہر، چوری اور سینہ زوری، غصب، سرقہ، ڈاکہ، قتل کی وارداتین اور زنا اور بدکاری، طمع وحرص، عدم قناعت ساری برائیان اسی سے پیدا ہوئی ہین، حدیث مین ہے لا یملأ بطن آدم الا التراب آدم کے پیٹ کو صرف قبر کی مٹی بھرے گی، پھر فرمایا اگر آدم کے پاس ایک وادی ہو تو وہ دوسری وادی کا جویا رہتا ہے، شیخ سعدی نے لکھا ہے کہ کسی نے سلطان محمود کو خواب مین دیکھا، کہ اس کی آنکھین کھلی ہین، ایک صاحب معرفت نے اس کی تعبیر دی "چشمش نگرانست کہ ملکش بادیگرانست"

ہفت اقلیم ار بگیرد بادشاہ ہم چنان در بند اقلیمے دگر

بادشاہ کو اگر ساتون اقلیمون کی سلطنت بھی مل جائے، تو وہ اس پر بھی ایک دوسری اقلیم کی فکر مین رہے گا، یہ حقیقت آج بھی عیان ہے، بادشاہ بادشاہ سے، قوم قوم سے اور ملک ملک سے صرف اس لئے لڑنے مین مصروف ہے، کہ اس کو وہ بھی چاہئے، جو دوسرے کے قبضہ مین ہے، اسی سے انسانون مین بیقراری، قومون مین تباہ کاری، ملکون مین پریشان روزگاری اور بادشاہتون مین ستمگاری کی کوئی حد اور انتہا نہین ہے، اب چاہے کوئی کتنی ہی لیگ آف نیشنس اور سان فرانسسکو کی مجلسین بنائے دنیا مین امن اور اطمینان اور قومون مین سکون اور ملکون مین تسکین پیدا نہین ہو سکتی، اس کا علاج صرف ایک ہی ہے، سیاسی واجتماعی قناعت، اور آیت کُلّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَہٗ اور اَنْ تُؤَدُّوا الامانات اِلیٰ اَھْلِھا پر عمل، جو جس کا ہے وہ اس کو دو، ورنہ کوئی قوم سب کچھ پاکر بھی تسلی نہین پا سکتی، اسی طرح کوئی انسان سب کا سب کھا جائے تب بھی اس کا پیٹ نہین بھر سکتا، کیونکہ وہ اسی کھانے اور پینے کو زندگی کا اصل مقصد

سمجھتا ہے، اور ظاہری زندگی کی اسی چہل پہل اور رونق کو اصلی زندگی جانتا ہے لیکن ہم غور کریں اور سوچیں کہ یہ صفت اصل میں کفر کی ہے، ایک مومن اور کافر کا فرق یہی ہے، کہ مومن بقدر ضرورت کفاف پر بسر کرکے مالک کے حکم کے مطابق دوسری زندگی کے لئے اس پہلی زندگی کے عائد کردہ فرائض کو بجالاتا ہے، اور اس دنیا کی ضروریات میں ضرورت کی حد تک جو بقا کے لئے ضروری ہے، مصروف ہوتا ہے، اور باقی وقت کو اصل کام میں لگاتا ہے لیکن وہ لوگ جو دوسری دنیا کے قائل نہیں، اپنے اعمال کی جوابدہی، اور اپنے کاموں کے مواخذہ سے بے خبر ہیں، دیکھ لیجئے کہ ان کا سارا انہماک خواہ نوکری، زراعت، تجارت، سلطنت کسی کام میں ہو محض خورد و نوش کی بہتات، اور مسکن و ملبس کی رونق اور افراط کے لئے ہے، اور اس کے لئے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ ہو سکے تو غیروں کا حصہ بھی چھین کر جھپٹ کر، چوری کرکے، غصب کرکے، ڈاکہ مار کے، فریب دیکے، دھوکا دیکے قتل کرکے حاصل کرے، اور اس خوشی میں مگن رہے، کہ سب کچھ ہمارے پاس ہے، اور قیامت تک کے لئے ہمارے پاس سامان ہے، حالانکہ خود زیست جس کے لئے یہ قیامت کا سامان ہے، چند روز سے زیادہ کی نہیں، کیا ان سے زیادہ کوئی احمق ہو سکتا ہے، کیا جانوروں کی زندگی یہی نہیں ہے، انہی کی شان میں اللہ تعالیٰ کا بار بار ارشاد ہے،

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ	کیا تو سمجھتا ہے کہ ان کافروں میں سے
اَوْ يَعْقِلُوْنَ ط اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ	اکثر لوگ سنتے یا سمجھتے ہیں، یہ نہیں ہیں مگر
بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (فرقان ۴)	جانوروں کے مثل بلکہ ان سے بھی زیادہ

سورۂ محمدؐ میں ہے،:-

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ	اور جو کفر میں مبتلا ہیں، وہ اسی طرح
كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى	دنیا کے فائدے اٹھاتے، اور پیٹ
لَّهُمْ (محمد ۲)	بھرتے ہیں، جیسے جانور ان کا ٹھکانا

ایک اور آیت ہے :-

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ	ان کو چھوڑ دیجئے کہ یہ کھاتے اور دنیا
الْاَمَلُ،	سے تمتع اٹھاتے ہیں، اور دنیا کی آرزو
(حجر-۱)	ان کو غفلت میں ڈالے رہے،

دوسری آیت مین ہے :-

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَ	ان کافرون کے دل ہین جن سے سمجھ
لَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَ	کا کام نہین لیتے، اور آنکھین ہین جن سے
لَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا	نہین دیکھتے، اور کان ہین جن سے نہین
أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ	سنتے، یہ جانورون کے مثل ہین، بلکہ
(اعراف - ۲۲)	ان سے بھی زیادہ گمراہ،

ان کی آنکھین ہین مگر دیکھتے نہین، کان ہین مگر سنتے نہین، جو عضو جس کام کے لئے بنا ہے جب اوس سے اس کا کام نہ لیا جائے، تو وہ بیکار ہے، گویا اوس کا وجود ہی نہین، ان آیتون مین ان کفار کو جانورون سے بھی زیادہ گمراہ اور جاہل بتایا گیا ہے، اس لئے کہ بہرحال ہر جانور طوعًا و کرہًا زبردستی یا اپنے جی سے اس کام کو بجالا رہا ہے جس کے لئے وہ دنیا مین لایا گیا ہے، مگر جو اپنی خلقت اور دنیا مین اپنی آمد کی غرض کو بھولے ہین، وہ تو ان سے بھی بڑھکر بے عقل اور احمق اور گمراہ ہین،

آج کل مسائل اعتقادی مین جس اعتقاد سے سب سے زیادہ غفلت برتی جارہی ہے، وہ یوم الدین اور روز قیامت کا مسئلہ ہے، قیامت سے قیامت کی غفلت ہے، کافر تو کافر مسلمان تک اگر اس سے غفلت نہین تو تغافل ضرور برتتے ہین یعنی ایمانًا تو بہرحال اس کا عقیدہ ظاہر کرتے ہین لیکن عملًا اس عقیدہ پر یقین ہونے کی صورت مین انکے طرز عمل مین جو تبدیلی ہونی چاہئے، وہ نہین ہے، اس لئے بطور نظریہ کے تو وہ مانتے ہین لیکن زندگی کے کاروبار اور اعمال مین اس ایمان سے اگر وہ کامل ہوتا جس نتیجہ کی امید تھی وہ پوری نہین ہورہی ہے، اور سمجھتے ہین،

اب تو آرام سے گذرتی ہے　　عاقبت کی خبر خدا جانے

حالانکہ یہ آرام ویسے ہی ہے، جیسے جانورون کو مزبلہ مین، اور کیڑون کو نجاستون اور گندگیون مین ملتا ہے،

ہم ایسے رہے یان کہ ویسے رہے　　وہان دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

خدا فرماتا ہے :-

وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ، (عنکبوت - ۷) اور آخرت ہی کی زندگی زندگی ہے،

آج کل اسی دنیاوی زندگی کے عیش و نشاط کی بہتات اور افراط کا نام ترقی رکھا گیا ہے، جس کی ہر طرف پکار ہے، دولت پرست اور سرمایہ پسند قوموں کی تقلید میں ترقی کی تعبیر بڑی بڑی ملازمتوں، بڑی بڑی تنخواہوں اور حکومت کی نگاہ میں اعزاز و اکرام اور جاہ و منصب کی طلب اور حصول سے کی جاتی ہے، حالانکہ یہ دولت اور جاہ و منصب ایسا ہی ہے جیسے شاہی غلاموں کی کمر اور گلے میں طلائی اور نقرئی پٹے اور کمربند پڑے ہوئے ہوں، یا قفس کی سنہری تیلیوں کے اندر خوش نوا پرندوں کو بند کر دیا جائے،

آج کل اس راہ میں دو قسم کی گمراہیاں یکجا ہیں، ایک طرف سرمایہ دار قومیں ہیں جنھوں نے سونے چاندی کی اینٹوں کے بت تراشے ہیں، وہ دنیا کے سارے سرسبز علاقوں پر اس لئے حکومت کرنا چاہتی ہیں کہ ساری دنیا کی دولت کو اپنے خزانوں میں جمع کر لیں، دوسری طرف اب سوشلزم کا زور ہے، جو حقیقت میں سرمایہ داری کی پہلی غلطی کا ردعمل ہے، پہلا گروہ اگر صرف تاجروں، زمین کے مالکوں، بنک کے حصہ داروں اور دولت کے ٹھیکہ داروں کے خزانوں کے بھرنے میں مصروف ہے، اور اس کو عام انسانوں سے بحث نہیں تو دوسری طرف یہ دوسرا گروہ عام انسانوں کے پیٹ کے بھرنے کے لئے کوشاں ہے، اور اس حد تک تو بات صحیح بھی ہے، لیکن اس کی افراط یہ ہے کہ اوس نے انسان کو صرف پیٹ سمجھا ہے، اور اس پیٹ کے مسئلہ کو دنیا کا اصلی مسئلہ بنا رکھا ہے، اور اس کو اس قدر اہمیت اور وسعت دی ہے، کہ ساری دنیا ایک پیٹ میں سما گئی ہے، مذہب، اخلاق، تمدن، تاریخ سے لے کر کاروباری زندگی کی صلح و جنگ کے ہر ایک حادثہ کی تشریح اسی پیٹ سے کی جاتی ہے، ہم کو پیٹ کی اہمیت سے انکار نہیں، حدیث میں جس طرح شر فتنۃ الغنیٰ سے پناہ مانگنے کی دعا کی تعلیم ہے، اسی طرح شر فتنۃ الفقر سے بھی پناہ مانگنے کا حکم ہے، اس لئے اسلام میں دولت کے طغیان اور مفلسی کی ذلت دونوں سے بچنے کی تعلیم یکساں ہے جس طرح طغیانِ دولت کا نتیجہ استکبار اور تمرد یعنی فرعونیت و نمرودیت اور شدادیت ہو کر کفر کا موجب ہوتا ہے تو دوسری طرف ذلت اور مسکنت غضب الٰہی کا مظہر ہے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ قرآن پاک میں ہے کاد الفقر ان یکون کفرا روایتوں میں ہے لیکن ضرورت افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کی ہے، موجودہ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک فقرہ منسوب ہے، کہ آپ نے فرمایا کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا" سو یہ بات ٹھیک ہے، انسان کے جسم میں پیٹ ہے جس کی مشکل کے حل کرنے کا نام علم معاش ہے لیکن اس کے سینہ میں دل بھی ہے، اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ یہ جنت موعودہ اس کے لئے ہے، جو باطل

حفیظ ج مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ۔ (ق-۳) کو چھوڑ کر حق کو قبول کرتا ہو اور حقوق و آداب کی نگرانی کرتا ہو جو اللہ سے بن دیکھے ڈرا اور لایا دل جس میں رجوع ہو اُن سے قیامت میں کہا جائیگا کہ

ایک دوسری آیت میں یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم وارد ہے یعنی وہ قلب جو ہر باطل اور کجی سے سلامت رہا، حدیث شریف میں وارد ہے:۔

الا ان فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی قلب۔

ہاں انسان کے بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جب وہ ٹھیک ہوگا تو سارا بدن ٹھیک ہوگا، اور جب وہ بگڑے گا تو سارا بدن بگڑ جائے گا، ہاں وہ دل ہے

اس سے معلوم ہوا کہ پیٹ کا کام اسی لئے ضروری ہے کہ اس سے قلب کو حیات مادی اور بقا حاصل ہو جب تک کے لئے اس دنیا میں اس کی بقا مقدر ہے، اور قلب کا کام یہ ہے کہ سارے نظام جسم کو صالح بنائے رکھے اور فساد سے بچائے اس لئے ہمارے لئے جس طرح پیٹ کے سامان کی ضرورت ہے، قلب کے سامان کی بھی ویسی ہی ضرورت ہے، دو میں سے ایک سے بھی تغافل نہیں برتا جا سکتا، اگر پیٹ سے غفلت برتئے، اور صرف قلب کے کام میں لگ رہئے تو عجب نہیں کہ بقول عارف شیراز جب پچھلی پہر رات کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، اور آپ تہجد کی نماز کو بھوکے پیاسے کھڑے ہوں، تو کان میں یہ آواز آئے،

ع چہ خورد بامداد فرزندم

اگر پیٹ پورا بھرا ہو، اور قلب کی اصلاح کی طرف توجہ نہ ہو تو قرآن پاک کے بموجب بطرت مَعِیْشَتَهَا عیش و دنیا میں ناز و غرور کی شان پیدا ہو کر خود حق تعالیٰ سے بغاوت اور طغیان پیدا ہو جائے فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بستی تباہ ہوتی ہے، تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے، کہ اوس بستی کے دولتمند اور اصحاب نعمت اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس کو تباہ کر ڈالتا ہے اس لئے بڑی ضرورت ہے، کہ پیٹ کی طرح قلب کی بھی فکر کی جائے، پیٹ کی فکر رکھنے والے علم کا نام ہم نے پہلے علم معاش بتایا ہے، اور قلب کی فکر رکھنے والے علم کو علم معاد کہتے ہیں، اور حقیقۃً یہی دو علم ہیں، جو انسان کے لئے ضروری ہیں، بقیہ فنون تفریح و آرایش ہیں جنکا آرٹ نام رکھا گیا ہے

بھرے پیٹ کی ڈکار اور آسودہ حالوں کا دل بہلاؤ ہے،

ہم نے تقریر کے شروع میں دو آیتیں پڑھی تھیں، ایک کا تعلق اوس علم سے ہے، جو شروع آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو سکھایا تھا، اور جس کو تعلیم اسماء فرمایا ہے، اور جس کی تشریح ہم نے علم آثار و اوصاف وصفات وخواص اشیا سے کی ہے، اور انہی چیزوں کی تحقیق اور علم پر دنیا میں بقائے انسانی اور اس کے لئے غذائے انسانی اور سامان ضروریاتِ انسانی موقوف ہے، اس لئے میرا ذوق ادھر جاتا ہے کہ یہ تعلیم ان علوم کی تھی، جن کا تعلق علم معاش سے ہے، وہ علم معاش جو حق تعالیٰ کی معرفت اور اطاعت اور شکر نعمت کی طرف لے جائے، وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اگر تم اوسی کی عبودیت اور بندگی کرتے ہو،

انسان کی وہ ساری عبادتیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، دراصل وہ شکر ہی کی صورتیں ہیں، ملائکہ کی پیدائش تو طاعت اور اطاعت ہی کے لئے ہوئی ہے، لَا يَعْصُوْنَ مَا اَمَرَهُمُ اللّٰهَ ان کی شان ہے، اور تسبیح وتقدیس ان کی غذا ہے لیکن یہ اطاعت اُن کے قصد واختیار سے نہیں، اس لئے موجب ثمرات قصد وارادہ نہیں، اور پھر وہ طاعت واطاعت مشاغلِ دنیا اور افکار ومساعی حصول خورد ونوش ودفع مضرات ورفع موانع اور مواقع صبر وشکر وقطع حرص وطمع وغیرہ رذائل وفضائل اور انہماک حیات دنیا کے لذائذ وآلام سے تمامتر خالی ہے، ملائکہ نے حضرت آدمؑ کی پیدائش کی غرض وغایت اطاعت وطاعت کی وہ صورت سمجھی تھی، جو ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنائی تھی، کہ دن رات وہ اسی طاعت وعبادت میں مصروف ہیں، اور ان کا دوسرا کوئی شغل ہی نہیں ہے، جو اس طاعت وعبادت سے مانع ہو، اور نہ ان میں جذباتِ بہیمیہ اور ہوائے نفس ہے، جو ان کو بے قابو کرے، اس لئے انھوں نے جب عرض کی،

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ (بقرہ - ۴) ہم تو آپ کی حمد وثنا میں لگے ہی رہتے ہیں

تو ارشاد ہوا:-

اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ، (بقرہ - ۴) یعنی میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے،

اور وہ یہ تھا کہ آدم کو طاعت وعبادت کی وہ راہ بتانی مقصود تھی، جو مادیات وجذبات اور خواہشوں کے بیچ سے ہو کر نکلی ہے، اس کے لئے ان کو آثار وصفات وخواص اشیا کی تعلیم ہوئی، جو فرشتوں کو نہیں ملی تھی کیونکہ ان کے کاموں کے لئے ان کی ضرورت نہ تھی، انھوں نے کہا:-

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ، (بقرہ-۴)

یعنی پاک ہے پروردگار، یعنی تیرا کام ہر اعتراض سے پاک ہے، ہم کو وہی معلوم ہے، جو تو نے سکھایا، اصلی علم اور حکمت تو تیرے ہی پاس ہے،

غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت آدم کی صورت میں ایسی مخلوق کو بنا رہا تھا، اور اس کو اپنے اخلاق وصفات کی امانت سپرد کر رہا تھا، جو دنیا کو برت کر وین کو حاصل کرے، جو پیٹ کے جھگڑے میں پھنسکر قلب سے غفلت نہ کرے، جو دنیا کے لذائذ اور نعم سے گذر کر لذتِ ابدی کی طالب ہو، جو ضلالت اور غفلت کے ہر تماشے کے سامنے سے ولیرانہ گذرے، مگر اوس میں پھنسکر خالق سے بے نیاز نہ ہو، جو دنیا کے مشاغل میں الجھکر یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو جس کی یہ شان ہو،

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ، (نور-۵)

ایسے لوگ جن کو دنیا کے کاروبار اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے،

ہمارے حضرتِ والا رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ملائکہ کی راہ مشاہدہ کی، اور انسان کی راہ مجاہدہ کی ہے، اب ظاہر ہے کہ خالص طاعت و اطاعت اور تسبیح و تقدیس کی وہ شکل جو ملائکہ کو عنایت ہوئی ہے اور جس کا ان کو دعویٰ تھا، اوس طاعت و اطاعت اور تسبیح و تقدیس کی شکل سے الگ ہے، جو بنی آدم کے لئے مقدر فرمائی گئی، اس لئے آدم کو جو تعلیم فرمائی گئی اس کا تعلق انہی علوم سے ہو سکتا تھا، جن کی ضرورت ملائکہ کو نہ تھی، پس یہ علوم جو شروع میں آدم کو عنایت ہوئے، وہ وہی ہیں جن کا تعلق دنیا میں رہکر حصولِ معاش سے ہے، جو نفوسِ انسانی میں آغازِ عالم سے ودیعت ہیں، اور جن کو خالقِ فطرت نے ان کے دل و دماغ کے سپرد کیا ہے، اور جس کو تجربہ و اختیار، غور و فکر اور قیاس و عقل کے راستوں سے وہ حاصل کرتا ہے، دوسرا علم جس کا دوسری آیت میں ذکر ہے،

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (علق-۱) یعنی انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا،

اس کا اشارہ علومِ معاد کی طرف ہے، جو تجربہ و اختیار، غور و فکر اور قیاس و عقل کے بجائے انبیاء علیہم السلام کی براہِ راست وحی کے ذریعہ سے انسان کو عنایت ہوئے اور اسی لئے یہ آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی ہی وحی میں اتری، پہلے علوم کا مقصد بقائے انسانی، غذائے انسانی اور فراہمی سامانِ ضروریات

انسانی سے ہے، اور دوسرے علم کا مقصد انسان کے اصل مقصد کی طرف رہنمائی ہے جس سے طاعت و اطاعت کی شریعت معلوم ہو اور قلب کے صلاح و فساد، اعمال کے خیر و شر اور معاملات کی خطا و صواب سے آگاہی ہو، جس سے اس دنیاوی بقا و غذا کی راہ سے آخرت کی زندگی اور راحت کا سامان ہو، غرض آغاز عالم میں تعلیم فطری کے گر بتا کر جو علم بخشا گیا، اس کا تعلق ان علوم سے ہے، جو انسانوں میں بغرض کسب معاش ودیعت رکھے گئے ہیں، اور جن کو ہم تجربہ اور عقل و قیاس سے معلوم کرتے ہیں، اور دوسرا علم علم شریعت ہے، جو انسان کی مادی بقا کا اصلی مقصد و غایت ہے، اور جس کا ماخذ محض وحی الٰہی ہے، پہلے علوم پیٹ کے علاج ہیں، اور دوسرا علم قلب کی صلاح کی تدبیر، اور انہی دونوں پر عالم کی بقا و صلاح کا مدار ہے، علوم معاش پر بقار کا اور علوم قلب پر صلاح کا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کھانے کے بعد یہ دعا تعلیم فرمائی،

الحمد للہ الذی اطعمنی وسقانی وجعلنی — یعنی شکر ہے اوس اللہ کا جس نے مجھے کھلایا

من المسلمین۔ — اور پلایا، اور مجھے مسلمان بنایا،

درحقیقت اس دعا میں ان دونوں نعمتوں کو یکجا کیا گیا، پیٹ کو جس کا متکفل علم معاش ہے، اور دل کو جو مسلم سے عبارت ہے جس کی ضمانت علم معاد و شرع کے ذریعہ سے فرمائی گئی ہے، اس موقع پر غذائے جسمانی کے ساتھ غذائے روحانی بھی یاد فرمائی گئی، اور پیٹ کے بھرنے کے ساتھ قلب کے سنورنے پر بھی انسان نے اس مالک کی حمد ادا کی، جو اس پیٹ سے اصل مقصود ہے، پیٹ بھرنا نفس کی شرارت کے لئے نہیں، جیسا کفار و فساق نے سمجھا ہے، بلکہ پیٹ بھرنا قلب کے صلاح کے لئے ہے، کہ وہ دلجمعی سے حق تعالیٰ کی یاد میں مصروف اور اس کی طاعت و اطاعت میں مشغول رہے،

تا تو نانے بکف آری و غفلت نخوری

دین اسلام میں بندہ پر طلب رزق حلال واجب ہے، اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اوس کو ابتغاء فضل اللہ سے تعبیر فرمایا، یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی تلاش، تاجر صدوق کے بڑے بڑے مراتب ظاہر فرمائے ہیں، اور ان تاجروں کو جو جھوٹی قسموں اور جھوٹی لفاظیوں سے اپنی تجارت کو فروغ دیں سخت وعید فرمائی گئی ہے، اسی طرح زراعت اور باغبانی کو بھی ایک نوع کی عبادت بتایا گیا ہے کیونکہ ہر دانہ جو اس محنت سے نکلتا ہے، اور ہر پھل جو اس سے پیدا ہوتا ہے، انسان تو انسان پرندے بھی جو اس کو کھاتے ہیں وہ انسان کے ثواب کے ثمرات کو بڑھاتے ہیں، اسی طرح اہل و عیال کے رزق کے لئے جو

کوشش کی جاتی ہے، اور ان کے منہ میں جو لقمہ بھی جاتا ہے وہ مرد مومن کے لئے اجر کا باعث ہوتا ہے اسی طرح معاملات داد و ستد میں حسن سلوک، قرضۂ حسنہ، صدقات و خیرات و تبرعات، غرض جملہ مالی معاملات جو وجہ اللہ اور تحت احکام الٰہی ہوں رضاے الٰہی کا موجب ہیں، علی ہذا سلطان عادل بھی زمین پر خدا کی رحمت کا سایہ ہے، سلطنت و حکومت، نظم و نسق، عدل و انصاف، جہاد و غزا، فصل قضا، اور وہ تمام امور جو سیاست سے متعلق ہیں، وہ تحت احکام الٰہی عبادات میں داخل ہیں، پھر مصائب پر صبر، مشکلات میں توکل علی اللہ، استقامت فی الدین، اور اسی قسم کے دوسرے اخلاق و فضائل بھی قرب الٰہی کے ذرائع ہیں، میرا مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں جب آدم کو مسجود ملائکہ بنایا، تو یہ طے فرما دیا تھا، کہ نسل آدم کے لئے معرفت و عبادت اور قرب الٰہی کے راستے اور وسیلے اور ذریعے فرشتوں کی خالص تسبیح و تقدیس کے ذریعوں سے جن کو وہ قرب و رضاے الٰہی کا تنہا ذریعہ سمجھتے تھے، الگ ہیں اور اس نے مجاہدہ کی اس دشوار گذار گھاٹی سے نکال کر بنی آدم کے لئے اپنی معرفت و اطاعت کی شاہراہ الگ مقرر فرما دی تھی، سورۂ بلد میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے، ارشاد ہے:۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ	ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے،
اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ	کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہیں پا سکتا،
اَحَدٌ، یَقُوْلُ اَهْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًا	کہتا ہے کہ ہم نے بڑا مال اپنا برباد کیا کیا اس کا
اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗٓ اَحَدٌ اَلَمْ	یہ گمان ہے کہ اس کو کوئی نہیں دیکھتا کیا ہم نے اسکی
نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ	دو آنکھیں ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں بنائے اور اسکو
وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ فَلَا اقْتَحَمَ	(خیر و شر کے) دونوں راستے سوجھائے وہ گھاٹی میں
الْعَقَبَةَ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ	ہو کر نہیں نکلا، تمہیں کس نے بتایا کہ وہ گھاٹی کیا ہے
فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ	(غلامی یا قرض سے دبی ہوئی) گردن (کی بندش)
ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ	کو کھولنا یا بھوک کے دن میں کسی قرابت دار یتیم
مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ كَانَ مِنَ	یا خاک میں پڑے ہوئے محتاج کو کھانا کھلانا پھر کہ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ	وہ ایمان والوں میں سے ہو اور مجاہدات میں برداشت کی
تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ	اور آپس میں مہر و شفقت کی ایک دوسرے کو نصیحت کرتے

اب اجمال کے طور پر یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، کہ انسان اس دنیا میں مشقت اور محنت اور مجاہدہ ہی کے لئے پیدا ہوا ہے، اس کو دین میں یا دنیا میں جو کچھ ملے گا، اوس کی محنت و مشقت ہی سے مل سکے گا جیسے دوسری جگہ فرمایا ہے:-

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى، یعنی اور نہیں ہے انسان کے لئے لیکن وہی
(نجم - ۳) جس کی اوس نے کوشش کی،

اسی لئے اس کو دولت عطا فرمائی، اسی لئے آنکھیں، زبان اور ہونٹھ اور دوسرے اعضاء اس کو عنایت ہوئے کہ ان سب کو حکم الٰہی کے ماتحت کام میں لاکر دنیا اور آخرت کے مدارج حاصل کرے، اوس کو خیر و شر کی دونوں راہیں بتادی گئی ہیں،

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا، یعنی اس کو گناہگاری اور پرہیزگاری
(شمس - ۱) دونوں کا الہام کر دیا گیا،

اب اوس کا فرض ہے کہ وہ اس گھاٹی میں سے ہوکر پار نکلے اور منزل مقصود تک پہنچے، یہ گھاٹی کیا ہے؟ ایمان اور عمل صالح کا حصول اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کو پوری طرح ادا کرنا ہے،

غرض یہ ساری آیتیں بنی آدم کی شاہراہ معرفت کی نشاندہی کر رہی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح و تقدیس کے ملکوتی طریق معرفت کے ساتھ ساتھ اس کے علاوہ بنی آدم کے لئے مزید ذریعے اور طریقے جو خاص انہی کے لئے مخصوص تھے، مقدر فرمائے اور

اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بقرہ - ۴) یعنی میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے،

کا ارشاد الٰہی پورا ہوا،

حاصل کلام یہ ہے کہ فرشتوں سے الگ انسانوں کے لئے اور نسل بنی آدم کے لئے جو امور و معاملات ان کی زندگی کے مقررہ اوقات کے بخوبی بسر کرنے کے لئے مقدر فرمائے گئے ہیں، وہ معرفت الٰہی اور اطاعت الٰہی کے ذرائع اور وسائل ہیں، اور یہی نسل بنی آدم کی مزیت اور فضیلت ہے، کہ وہ معاشی و معادی دونوں مجاہدات سے گذر کر اللہ تعالیٰ تک پہونچ سکتی ہے،

اس تقریر کی بنا پر ہمارے ذمہ دو قسم کے علوم کی تعلیم اور طلب ضروری ہوئی، ایک وہ جس سے امور معاش حاصل ہوں، اور دوسرے وہ جن سے علوم معاد کی راہ کھلے اور دونوں اگر احکام الٰہی کے تحت میں ہوں

تو ہمارے لئے قرب ورضا کے حصول کے ذرائع ہیں،

ہمارے یہ مدرسے اس زمانہ میں جب اسلام کی سلطنت تھی دونوں علوم کے لئے کافی تھے، علماء ہی ان علوم کو پڑھکر سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر پہنچتے تھے یا تجارت کی دوکانوں پر بیٹھتے تھے اور دوسرے ذرائع معاش پیدا کرتے تھے ساتھ ہی علوم دین کے سرچشمے سے بھی سیراب ہوتے تھے مگر اب جبسے زمانہ کا رنگ بدل گیا ہے ہمارے یہ مدرسے زیادہ تر علوم معاد کی تعلیم کے لئے مخصوص ہو گئے ہیں اور علوم معاش کے لئے سرکاری انگریزی مدرسے کھولے گئے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ ان معاشی مدرسوں کے طالب علم معاد کے علوم سے بے بہرہ رہتے ہیں، اور عربی مدرسوں کے فارغ معاش کی طرف سے پریشان رہتے ہیں، اور یہی سبب ہے کہ عربی تعلیم شریف اور اونچے خاندانوں سے رخصت ہو رہی ہے اور اب ہمارے عربی مدرسے صرف غریبوں سے آباد ہیں ضرورت ہے کہ ہمارے اہل فکر اس کے تدارک کا سامان کریں اور اس کی صورت یہی ہے، کہ معاشی مدرسوں میں مذہبی تعلیم کا انتظام کیا جائے، مذہبی تعلیم گاہیں ایسی تعلیم کا بھی بندوبست کیا جائے، جو رزق کی راہ بھی کھولے،

ہمارے علوم معاد تو درحقیقت تفسیر وحدیث فقہ وکلام ہیں اور ان کے لئے بطور آلہ کے صرف ونحو وادب ہیں ان کے علاوہ یونانی عقلیات کا بڑا دفتر ہے، ضرورت ہے کہ علوم آلیہ یعنی صرف ونحو وادب کی تعلیم میں سہولت کی راہ اختیار کی جائے اور سخت ومشکل وپیچیدہ کتابوں کی جگہ آسان سہل اور واضح کتابیں رکھی جائیں اور علوم عقلیہ کے متعلق اب ہمارے علماء کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ علوم ہمارے اسلاف نے صرف اس لئے اختیار کئے تھے کہ ان کے ذریعہ سے اپنے زمانہ کے شکوک وشبہات دور کئے جائیں اب نہ وہ لوگ رہے ہیں، نہ ان کے وہ شکوک رہے ہیں اب ان شکوک وشبہات کے دروازے دوسرے علوم ہیں، اب ضرورت یہ ہے کہ ہمارے علماء ان نئے علوم سے واقف ہوں اور ان کے ذریعہ سے اس زمانہ کے شکوک وشبہات کا ازالہ کریں،

ہمارے زمانہ میں ہمارے مدارس میں دوسری سب سے بڑی کمی یہ ہو گئی ہے کہ ہمارے سلف صالحین کی مجالس تعلیم اگر یُعَلِّمُهُمُ اور یُزَكِّيهِمْ یعنی تعلیم اور تزکیہ دونوں نبوی طریقوں کی جامع تھیں تو یہ صرف یعلمھم یعنی تعلیم کا مظہر رہ گئے ہیں اور یزکیھم یعنی تزکیہ کا نور ہماری درسگاہوں سے مٹتا جا رہا ہے اب نبوی طریق اور مدرسہ اور خانقاہ میں بٹ گیا ہے مدرسے تزکیہ کے نور سے اور خانقاہیں تعلیم کی روشنی سے خالی ہیں، بڑی ضرورت ہے کہ ان دونوں کی خصوصیتوں کو پھر ایک چہار دیواری میں جمع کیا جائے اس کے بغیر یہ عربی مدرسے مذہبی مدارس نہیں کہے جا سکتے، اور نہ ان کے فارغین کے ذریعہ سے مسلمانوں کی ہدایت کا کام پورا ہو سکتا ہے اس لئے ضرورت ہے کہ نصاب تعلیم میں بھی اس پہلو پر زور دیا جائے اور تربیت میں اس پر سختی کے ساتھ عمل کیا جائے، ایسے مدرسین کا انتخاب کیا جائے جو علم وعمل دونوں کے جامع ہوں اور خصوصیت کے ساتھ اہل دل کی صحبتوں اور کتابوں کے مطالعہ کا شوق ان کے دل میں پیدا کیا جائے، اِنْ اُرِيدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيبُ،

عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن (علیگ) رفیق دارالمصنفین

(۳)

خواجہ بختیار کاکیؒ خواجہ قطب[۱] الدین بختیار اوشی کاکی قدس سرہٗ قصبہ اوش (ماوراء النہر) مین پیدا ہوئے بختیار نام اور قطب الدین خطاب تھا، حسینی سادات مین سے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے :-

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بن سید کمال الدین بن سید موسیٰ بن سید احمد اوشی بن سید کمال الدین ابن سید محمد بن سید احمد بن سید رضی الدین بن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن حضرت نفی الجود ابن علی موسیٰ رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہم[۲]

ڈیڑھ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے پوری ذمہ داری سے تعلیم و تربیت کا فرض انجام دیا، اور پانچ برس کے سن سے ایک نیک اور صالح بزرگ ابوحفص سے تعلیم حاصل کرنی شروع کی، اور ان سے ظاہری علم کے علاوہ باطنی علوم اور سلوک کے آداب و طریق کی بھی تعلیم حاصل کی اور اوائل عمر سے ریاضات و مجاہدات مین مشغول رہنے لگے، جب خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ورود اوش میں ہوا تو ان سے شرفِ بیعت حاصل کیا، اور سترہ سال کی عمر مین ان سے خرقۂ خلافت پایا[۳]

---

[۱] گذشتہ صفحات مین خواجہ معین الدینؒ اجمیری کی ایک تصنیف "رسالہ در کسب نفس" کا ذکر کیا گیا تھا یہ رسالہ میری نظر سے نہین گذرا، اس لئے اس پر کسی قسم کی روشنی نہین ڈالی جاسکی، اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ مین ہے دیکھو کٹلاگ نمبر ۶، ۱۱ [۲] سیر الاقطاب ص ۱۴۳ و خزینۃ الاصفیا ص ۲۶، ۲ [۳] سیر العارفین ص ۴۶، سیر الاقطاب ص ۱۴۵ مین ہے کہ اوش سے نکلکر حضرت بختیارؒ کاکی بغداد پہونچے، اور یہان امام ابواللیث سمرقندی کی مسجد مین خواجہ

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ وہ رات دن میں پچانوے رکعت نماز ادا کرتے تھے، اور ہر رات کو تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر حضور قبلۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں ہدیہ بھیجا کرتے تھے، شادی کی ابتدائی تین راتوں میں یہ معمول ناغہ ہو گیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رئیس احمد نامی ایک زاہد کو خواب کے ذریعہ سے یہ پیام دیا کہ وہ قطب صاحب سے دریافت کریں کہ آخر بے نیازی کیوں؟ یہ سن کر قطبؒ صاحب نے اسی وقت بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دیا، حالانکہ شادی کو کُل تین روز گذرے تھے[1] دنیاوی علائق سے چھٹکارا پا کر وہ بغداد گئے، اور شیخ بہاؤالدین سہروردیؒ، اوحدالدین کرمانیؒ اور جلال الدین تبریزیؒ جیسے بزرگوں کی صحبت میں شریک رہے، اسی اثنار میں ان کو خبر ملی کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ خراسان سے ہندوستان جا رہے ہیں، مرشد کے شوق ملاقات میں وہ بھی ہندوستان روانہ ہو گئے، شیخ جلال الدین تبریزیؒ ان کی فرقت گوارا نہ کر سکے، اس لئے وہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے،

ملتان میں یہاں کے مشہور بزرگ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا قدس سرہٗ کمال محبت و شفقت سے ملے، اس لئے قطبؒ صاحب نے وہاں کچھ دنوں تک قیام فرمایا، اسی اثنار میں مغلوں نے ہندوستان پر یورش کی، ملتان کا حاکم قباچہ قطب صاحب سے فیوض و برکات کا طلب گار ہوا، اور کہا جاتا ہے کہ انہی کی کراحت سے مغل شکست کھا کر فرار ہوئے[2] ملتان سے قطب صاحبؒ دہلی آئے، اور جلال الدین تبریزیؒ کو وہاں سے غزنین کی طرف بھیجا، قطب صاحبؒ دہلی کے قریب پہنچے تو سلطان شمس الدین التمش نے ان کا استقبال کیا، اور ان کے قیام کا انتظام شہر کے اندر کرنا چاہا، لیکن قطب صاحبؒ نے کیلوکھری میں سکونت پسند کی، سلطان التمش ہفتہ میں دو بار قطب صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے فیوض سے مستفیض ہوتا تھا، آخر میں سلطان کے اصرار سے مجبور ہو کر قطب صاحبؒ شہر دہلی کے اندر فروکش ہونے پر راضی ہو گئے، اور ملک معین الدین کی مسجد میں قیام فرمایا[3]

یہاں سے حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں شوق ملاقات اور اشتیاق قدمبوسی کا عریضہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵۳) معین الدین چشتیؒ سے شرف بیعت حاصل کیا، اس مجلس میں شیخ شہاب الدین سہروردیؒ شیخ اوحدالدین کرمانیؒ شیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمد اصفہانی بھی تھے، سیر الاقطاب ص ۱۴۴،

[1] سیر العارفین ص ۴۶، سیر الاقطاب ص ۵۶، خزینۃ الاصفیا ص ۲، اخبار الاخیار میں بیوی کو طلاق دینے کا ذکر نہیں،

[2] سیر الاقطاب ص ۱۲۹، سیر العارفین ص ۴۸ [3] سیر العارفین ص ۴۹، ۴۷،

ارسال کیا، خواجہ صاحب اپنے مجور مرید کی تشنگی بجھانے کے لئے خود دہلی تشریف لائے، یہاں کے تمام خواص وعوام اور مشائخ کبار ان کے دیدار سے مشرف ہونے کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر دہلی کے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری نہ آئے، خواجہ صاحب خود ان سے ملنے گئے، انھوں نے شکایت کی کہ قطب صاحب کے ساتھ لوگوں کی گرویدگی اور فریفتگی کی وجہ سے ان کا وقار اور دبدبہ معرض خطر میں آگیا ہے،

اس لئے شیخ الاسلام کی خاطر خواجہ صاحبؒ نے قطب صاحبؒ کو دہلی چھوڑ کر اپنے ساتھ اجمیر چلنے کا حکم دیا، التمش نے بڑی منت وزاری کی لیکن خواجہ صاحبؒ قطب صاحبؒ کو لے کر روانہ ہوئے، دہلی کے باشندوں نے قطب صاحب کو جاتے دیکھا تو عاشق زار کی طرح آہ وبکا کرنے لگے جس جگہ قطب صاحب قدم رکھتے تھے وہاں کی خاک اٹھا کر تبرکاً آنکھوں سے لگاتے تھے، خواجہ صاحبؒ نے دہلی والوں کو قطب صاحب پر ایسا شیفتہ اور فریفتہ پایا، تو ارشاد فرمایا کہ "بابا قطب الدین! تم یہیں رہو، تمھارے چلے جانے سے دہلی کے لوگوں کا دل خراب وکباب رہے گا، مجھ کو یہ منظور نہیں" چنانچہ آخر وقت تک وہ دہلی ہی میں مقیم رہے،

قطب صاحبؒ کے قیام سے شاہی دربار پر غیر معمولی اثر پڑا، شمس الدین التمش ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، تو وہ اس کو رعایا پروری اور فقیروں، غریبوں اور درویشوں کے ساتھ دوستی کی تلقین فرماتے، اور التمش اس پر عمل کرتا، چنانچہ قطب صاحب خود فوائد السالکین میں فرماتے ہیں :-

"اس کا (یعنی التمش کا) اعتقاد صحیح تھا، راتوں کو وہ جاگتا، کسی نے اس کو سوتے نہیں دیکھا، وہ بیدار رہ کر عالم تحیر میں کھڑا رہتا، اور اگر سو جاتا تو فوراً بیدار ہو جاتا، اٹھکر وضو کرتا اور مصلی پر جا بیٹھتا، اپنے نوکروں میں سے کسی کو نہ اٹھاتا، اور کہتا کہ آرام سے سونے والوں کو تکلیف کیوں دی جائے، رات کو وہ گدڑی پہن لیتا تاکہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو اور کسی شخص کو ساتھ لے کر باہر نکل جاتا، اس کے ہاتھ میں سونے کے ٹنکے کا ایک توشہ دان ہوتا، اور وہ ہر مسلمان کے دروازہ پر جاتا، ان کے حالات پوچھتا، اور ان کی مدد کرتا، وہاں سے واپس ہوتا، تو مسجدوں، ویرانوں، خانقاہوں، اور بازاروں میں گشت کرتا، اور ان جگہوں کے رہنے والوں اور درویشوں کو مالی مدد پہنچاتا، طرح طرح کی معذرت کرکے کہتا کہ وہ لوگ اس کی مدد کا ذکر کسی سے نہ کریں، ون

کو اس کے دربار میں عام اجازت تھی، کہ جو مسلمان رات کو فاقہ کرتے ہوں، اس کے پاس لائے جائیں، اور جب وہ آتے تو ان میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ دیتا، اور ان کو قسمیں دے کر تیقن کرتا، کہ جب ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ رہے، یا کوئی ان پر ظلم کرے، تو وہ ایمان ... آکر عدل و انصاف کی زنجیر کو جو باہر لٹکی ہوئی ہے، ہلائیں، تاکہ وہ ان کے ساتھ انصاف کرسکے، ورنہ قیامت کے روز ان کی فریاد کا بار اس کی طاقت برداشت نہ کرسکے گی۔[۱]

التمش کی اس نیک نفسی کی وجہ سے تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر اولیاء اللہ کی فہرست میں کیا ہے، چنانچہ خزینۃ الاصفیا کے مولف کا بیان ہے کہ

"بادشاہ رحم دل و عادل و سلطان کامل و مکمل از خلفائے نامدار و مریدان با وقار خواجہ قطب الدین بختیار است، و از محبوبان و نظر منظوران خواجہ معین الدین سجزی بود، و کمال اعتقاد و بخدمت حضرات اہل چشت نیک سرشت پیدا کرد، اگرچہ بظاہر تعلق بادشاہی داشت، لیکن از دل فقیر و حقیر دوست بود، کم خوردی و کم خفتی و شبہائے دراز بیدار بودے ....."[۲]

ان اوصاف کے باوجود التمش پر آخرت کے انجام کا خوف غالب رہتا، خواجہ قطب الدینؒ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں :-

"ایک رات وہ (یعنی التمش) میرے پاس آیا، اور میرا پاؤں پکڑ لیا، میں نے کہا کہ مجھ کو جب تک تکلیف پہنچاتے رہوگے، جو ضرورت ہو بیان کرو، اوس نے کہا رب العزت نے مجھ کو مملکت تو دی ہے، لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی، اور اس کا حساب دینا ہوگا تو اس وقت بھی آپ مجھے نہ چھوڑیں، وہ اس وقت تک واپس نہ گیا جب تک کہ میں نے اس کی بات قبول نہ کرلی۔"[۳]

مگر بادشاہ وقت کی اس ارادت و نیازمندی کے باوجود قطب صاحبؒ کے گھر میں برابر فاقہ رہتا، جب کئی فاقوں کی نوبت آجاتی تھی، تو اُن کی حرم محترم پڑوس کے بقال کی بیوی سے ایک ٹنکہ

---

[۱] فوائد السالکین ص ۲۹، ۲۸ [۲] خزینۃ الاصفیا، جلد اوّل ص ۲۰۰ [۳] فوائد السالکین ص ۲۹،

یا ایک بھلول قرض لے کر خورد و نوش کا انتظام کرتی تھیں، جب کہیں سے کچھ میسر ہوتا تھا تو وہ قرض ادا کر دیا جاتا تھا، ایک روز بقال کی بیوی نے بی بی صاحبہ سے طنزاً کہا کہ "میں تم کو قرض نہ دوں تو تمھارے بچے بھوکوں مر جائیں"، قطب صاحبؒ کو معلوم ہوا تو قرض لینے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ حجرہ کے طاق میں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہکر جس قدر کاک کی ضرورت ہو نکال لیا کرو اور بچوں کو کھلا دیا کرو، چنانچہ ضرورت کے وقت وہ ایسا ہی کیا کرتی تھیں، اسی لئے قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام سے مشہور ہوئے[۱]

لیکن اس نادار ی پر بھی جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ لنگر خانہ میں جو چیز ہوتی، فوراً تقسیم کر دیتے، جس روز کوئی چیز نہ ہوتی، تو خانقاہ کے ملازم سے فرماتے کہ اگر پانی ہو تو اسی کا دور چلاؤ کہ کوئی روز بخشش اور عطا سے خالی نہ رہے[۲]

استغنا کا یہ عالم تھا کہ ان کے چھوٹے لڑکے کا انتقال ہو گیا، لوگ دفن کر کے واپس آئے تو قطب صاحبؒ کی زوجۂ محترمہ وفورِ غم سے گریہ وزاری کرنے لگیں، قطب صاحبؒ نے لوگوں سے گریہ وزاری کا سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ چھوٹے لڑکے کا انتقال ہو گیا، ارشاد فرمایا کہ میں جانتا تو اس کی زندگی کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرتا،

ایک بار شاہی حاجب اختیار الدین ایک قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا، اور کئی گاؤں بطور نذر پیش کئے، قطب صاحبؒ نے اس کو بلایا، اور اپنی جانماز کا گوشہ الٹ کر نیچے دیکھنے کے لئے کہا، اختیار الدین نے چشم بینا سے خزائنِ الٰہی کا دریائے ذخار بہتے ہوئے دیکھا، پھر اختیار الدین سے مخاطب ہو کر فرمایا، کہ جس کے یہاں خزائنِ الٰہی کا دریا بہتا ہو، وہ چند گاؤں لے کر کیا کرے گا، جاؤ، آیندہ درویشوں کے ساتھ ایسی گستاخی نہ کرنا[۳]

سماع کو بہت عزیز رکھتے تھے، ایک بار شیخ علی سجستانیؒ کی خانقاہ میں محفل سماع تھی، قوال نے

---

[۱] سیر العارفین ص ۵۴، سفینۂ الاولیا ص ۱۹۱، سیر الاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ قطب صاحب نے حزم و احتیاط کی خاطر قرض لینا بند کر دیا، اور مصلے کے نیچے روز ایک قرص مل جاتی جس کو کھا کر گھر کے تمام لوگ گذر اوقات کرتے (ص۱۵) اخبار الاخیار میں بقال سے جب قرض لینا بند کر دیا گیا، تو وہ سمجھا کہ قطب صاحب ناخوش ہیں، اپنی بیوی کو قطب صاحب کی اہلیہ کے پاس بھیجا، انھوں نے قطب صاحب کے کشف کا ذکر کر دیا، اس کے بعد مصنف مذکور کا بیان ہے کہ کاک مصلّی کے نیچے پھر نہ ملی، (ص۲۵) [۲] راحت القلوب ص ۱۴۰، اردو ترجمہ [۳] سیر الاقطاب ص ۱۵۰،

جب یہ شعر پڑھا،

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

تو قطب صاحب پر وجد طاری ہو گیا تین دن اور تین رات لگاتار اسی حالت میں رہے، جب نماز کا وقت آتا تو وضو کر کے فرض اور سنتیں ادا کر لیتے، اور پھر اسی سکر کی حالت میں ہو جاتے، یہاں تک کہ واصل بحق ہو گئے، اسی لئے ان کو شہید المحبت کہا گیا ہے امیر حسن نے اس بیت پر ایک غزل کہی ہے، اور اس میں قطب صاحب کی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے،

جان برین یک بیت داد است آن بزرگ آرے این گوہر ز کانے دیگر است

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

سنہ وفات ۶۳۴ھ ہے، وفات سے پہلے وصیت کی تھی کہ ان کے جنازہ کی نماز ایسا شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام کاری نہ کی ہو، اور عصر کی سنتیں قضا نہ کی ہوں، اور ہمیشہ نماز باجماعت میں تکبیر اولیٰ سے شریک رہا ہو، یہ شرطیں صرف سلطان التمش کی ذات میں پوری ہوتی تھیں، اس لئے اسی نے جنازہ کی نماز پڑھانے کی سعادت حاصل کی[1]

قطب صاحبؒ نے عبادت، ریاضت اور مجاہدہ میں بڑی مشقتیں اٹھائی تھیں، بیس برس تک وہ رات کو اطمینان سے نہ سوئے، اور نہ زمین سے پیٹھ لگائی، چنانچہ خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ ان کو "ملک المشائخ، سلطان الطریقت، برہان الحقیقت، رئیس السالکین، امام العالمین، سراج الاولیا، تاج الاصفیا" کے القاب سے یاد کرتے ہیں[2] اور عام طور سے وہ "قطب الاقطاب اور قطب الاسلام" کے لقب سے مشہور ہیں،

قطب صاحبؒ کے نام سے دو کتابیں منسوب ہیں، ایک دیوان اور ایک **فوائد السالکین**، دیوان نولکشور پریس سے چھپ کر شائع ہوا ہے، اس کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ واقعی ان ہی کا ہے، اس لئے ہم اس پر کسی قسم کی بحث کرنے سے پرہیز کرتے ہیں،

فوائد السالکین میں ان کی سات صحبتوں کے ملفوظات ہیں، جن کو ان کے مرید خواجہ فریدالدینؒ گنج شکر نے جمع کیا ہے، یہ ۳۶ صفحہ کا گو ایک مختصر مطبوعہ رسالہ ہے[3] مگر اس میں وہ تمام باتیں آ گئی ہیں، جو ایک سالک کے لئے مفید ہو سکتی ہیں، یہ باتیں جستہ جستہ مختلف صحبتوں میں لکھی گئی تھیں جن کا تجزیہ کر کے سالک کے لئے

---

[1] سیر الاقطاب، صفحہ ۱۶، خزینۃ الاصفیا، صفحہ ۲۶۵ [2] فوائد السالکین، صفحہ ۲ [3] یہ رسالہ مطبع مجتبائی دہلی میں چھپا تھا،

مندرجۂ ذیل ضوابط مرتب کئے جا سکتے ہیں،

سالک کم کھائے، اگر دو پیٹ بھرنے کے لئے کھاتا ہے، تو وہ نفس پرست ہے[۱]۔ کھانا صرف عبادت کی قوت کو قائم رکھنے کے لئے کھائے، اس کے لباس میں نمایش نہ ہو، اگر وہ دکھانے کے لئے لباس پہنتا ہے، تو راہ سلوک کا راہزن ہے[۲]، کم سوئے، کم بولے، آلایش دنیا سے پاک رہے، حضرت بایزید بسطامیؒ نے ستر سال تک عبادت کی، اور جب مقام قرب آیا تو ان کو قرب محض اس وجہ سے حاصل ہوسکی کہ ان کے پاس مٹی کا کوزہ اور چمڑے کا خرقہ تھا، جب ان کو پھینک دیا تو یہ درجہ حاصل ہوا[۳]۔

سالک ہر وقت محبت الٰہی میں غرق رہے اور سکر میں اس کا یہ حال ہو کہ اس کے سینہ میں زمین اور آسمان داخل ہو جائیں تو بھی اس کو خبر نہ ہو، اگر سالک راہ سلوک کی تکلیف میں فریاد کرتا ہے تو محبت کا دعویدار نہیں، بلکہ کاذب اور دروغ گو ہے، سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ دوست کی جانب سے پہنچے اس کو نعمت غیر مترقبہ سمجھے، کہ اس بہانہ سے دوست نے اس کو یاد تو کیا[۴]، چنانچہ رابعہ بصریؒ پر جس روز بلا نازل ہوتی تھی، وہ نہایت خوش ہوتی تھیں، اور جس روز بلا نازل نہ ہوتی، وہ بہت ہی ملول خاطر رہتیں کہ دوست نے ان کو یاد نہ کیا[۵]، خواجہ معین الدینؒ بھی فرماتے تھے، کہ محبت کا دعوی اسی کو کرنا چاہئے جو دوست کی بلا پر صبر کر سکے، کیونکہ دوست کی بلا دوست کے واسطے ہے، جس روز یہ بلا نازل نہ ہو سمجھنا چاہئے، کہ یہ نعمت اس سے لے لی گئی، کیونکہ راہ سلوک میں نعمت دوست کی بلا ہی کو کہتے ہیں[۶]۔

ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ مشائخ طریقت نے بالاتفاق سلوک کے ایک سو اسی درجے رکھے ہیں لیکن اولیاے طریقۂ جنیدیہ نے سو درجے، صوفیاے طریقۂ ذوالنون نے ستر درجے قائم کئے ہیں، طبقۂ ابراہیم بشر حافی میں کل پچاس درجے شمار کئے جاتے ہیں، خواجہ بایزید بسطامیؒ و عبداللہ مبارک اور خواجہ سفیان ثوری فرماتے ہیں، کہ سلوک کے کل پینتیس درجے ہیں، اولیاے طریقۂ شاہ شجاع کرمانی ہمنون محبت اور خواجہ مرغشی کے نزدیک سلوک میں بیس ہی درجے ہیں، مگر مشائخ چشتیہ سلوک میں صرف پندرہ درجے شمار کرتے ہیں، ان درجات میں ایک درجہ کشف و کرامت کا ہے، جن کے نزدیک سلوک میں ایک سو اسی درجے ہیں، ان میں ۱۰۰ واں درجہ کشف و کرامت کا ہے، طبقۂ جنیدیہ میں ستر واں طبقۂ بصریہ میں اکتیسواں،

---

[۱] فوائد السالکین ص ۴ [۲] ایضاً [۳] ایضاً ۵ صفحہ،

[۴] فوائد السالکین صفحہ ۱۱ [۵] ایضاً [۶] ایضاً

طریقۂ ذوالنونؒ مصری میں پچیسواں، شاہ شجاع کرمانیؒ کے نزدیک دسواں اور خواجگانِ چشت کے یہاں پانچواں درجہ ہے، اس درجہ کے حاصل کرنے کے باوجود سالک کو کشف و کرامت میں اپنی ذات کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے، کیونکہ اس کے اظہار سے بقیہ درجات سے وہ محروم ہو جاتا ہے[۵۱]

قطب صاحبؒ نے اسرارِ الٰہی کو پوشیدہ رکھنے پر بڑا زور دیا ہے، فرماتے ہیں کہ راہ سلوک میں حوصلہ وسیع ہونا چاہئے، کہ اسرار جا گزیں ہو سکیں اور فاش نہ ہونے پائیں، کیونکہ جو شخص کامل ہوتا ہے وہ کبھی دوست کے اسرار کو فاش نہیں کرتا، چنانچہ قطبؒ صاحب کا بیان ہے کہ وہ ایک مدت تک خواجہ معین الدینؒ کی صحبت میں رہے لیکن کسی حال میں بھی انھوں نے اسرارِ الٰہی ظاہر ہونے نہ دیئے، قطبؒ صاحب کے نزدیک منصور عارف کامل نہ تھا، کیونکہ اس نے سرِ دوست کو ظاہر کر دیا[۵۲] حضرت جنید بغدادیؒ پر عالمِ سکر میں کٹھن گھڑیاں گذریں لیکن وہ صرف یہ کہتے کہ

"ہزار افسوس اس عاشق پر کہ وہ دوستی کا دم بھرے، اور جب عالمِ غیب کے اسرار اس کو معلوم ہوں تو فوراً ان کو دوسرے کے سامنے کہدے[۵۳]"

قطب صاحبؒ نے شریعت کی پابندی سالک کے لئے لازمی قرار دی ہے، سالک سکر یا کسی حال میں ہو، اس کا کوئی فعل شریعت کے خلاف نہ ہونا چاہئے، چنانچہ وہ خود ایک بار کئی دنوں تک عالمِ سکر میں بیہوش رہے لیکن جب نماز کا وقت آتا تو ہوش میں آجاتے، اور نماز ین ادا کر کے پھر بیہوش ہو جاتے

قاضی حمید الدین ناگوریؒ اسمِ گرامی محمد تھا، مگر حمید الدین کے نام سے مشہور تھے، ان کے والد ماجد عطاء اللہ محمود البخاری، سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کے زمانہ میں بخارا سے دہلی تشریف لائے اور یہیں ان کا انتقال ہوا،

والد بزرگوار کے انتقال کے بعد ان کو ناگور کی قضا تفویض ہوئی، اس عہدہ پر تین سال تک مامور رہے، اس کے بعد دنیا سے دل برداشتہ اور کنارہ کش ہو کر سفر کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، بغداد شریف آئے، اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شرفِ بیعت حاصل کیا، ایک سال تک ان کی خدمت میں رہ کر ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے، اسی زمانہ میں یہاں حضرت خواجہ قطب الدینؒ بختیار اوشی بھی تشریف فرما تھے، ان سے گہرے روابط و مراسم قائم کئے، جو آخر وقت تک استوار رہے،

---

[۵۱] فوائد السالکین ص ۱۹-۲۰ [۵۲] ص ۱۰۰ [۵۳] ص ۱۰۱،

مرشد سے اجازت لے کر قاضی حمید الدینؒ مدینہ منورہ آئے، اور ایک برس دو مہینہ سات روز تک روضۂ نبوی کے مجاور رہے، وہاں سے بیت اللہ پہونچے، یہاں تین سال تک قیام کرکے ہر قسم کے فیوض و برکات حاصل کئے، مکہ معظمہ سے سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی تشریف لائے، اور حضرت خواجہ قطب الاسلام بختیار کاکیؒ کے ساتھ قیام کیا، اور وفات کے بعد ان ہی کے پہلو میں دفن ہوئے، سنہ وفات ۶۴۳ھ ہے،

ان کی بیعت اگرچہ سلسلۂ سہروردیہ سے تھی، مگر بختیار کاکیؒ سے گہرے تعلقات کی بنا پر وہ چشتی ہی سمجھے جاتے ہیں، حضرت سید اشرف جہانگیرؒ لطائف اشرفی میں فرماتے ہیں کہ خواجہ بختیار کاکیؒ نے ان کو خرقۂ خلافت بھی عطا کیا تھا، سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلفاء میں سے تھے (ض) سماع سے والہانہ ذوق رکھتے تھے اور اس ذوق کی وجہ سے علماء ظاہر نے ان کے خلاف فتوے بھی دیئے، مگر انھوں نے کسی کی پرواہ نہ کی، اور اس سے اپنا عشق بدستور قائم رکھا،

سیر العارفین کے مصنف نے ان کو علم اور وقار کا کوہ قاف، بحر اسرار کا لجہ، رہروان منازل ناتناہی کا پیشوا اور سفیان ثوری ثانی کہا ہے[1] ان کا عام لقب سلطان التارکین ہے، اخبار الاخیار میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں:-

"او جامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت"[2]

سفینۃ الاولیاء میں ہے:-

"در تجرید و تفرید و یگانہ عصر و از متقدمان مشائخ ہند و جامع میان علوم ظاہری و باطنی و صاحب کرامات و مقامات علیہ بودند"[3]

صاحب سیر العارفین نے لکھا ہے کہ سلوک و اسرار میں ان کی تصانیف بکثرت ہیں، مولانا عبدالحق محدث دہلوی بھی لکھتے ہیں:-

"قاضی حمید الدین را تصانیف بسیار است"[4]

مگر ہم کو صرف ان کی ایک کتاب **طوالع الشموس** کا پتہ چلا ہے، اس میں باری تعالیٰ کے ننانوے نام کی شرح ہے، اور دو جلدوں پر مشتمل ہے، اس کے بارے میں مولانا عبدالحق گوہر افشانی فرماتے ہیں:

---

[1] سیر العارفین ص ۶۲ [2] اخبار الاخیار صفحہ ۳۶ [3] سفینۃ الاولیاء صفحہ ۱۶ [4] اخبار الاخیار صفحہ ۳۶،

ہر جا موج موج از اسرار حقیقت و فوج فوج از معانی طریقت است، متعسر است جمیع مواضع اودر متانت وحرارت وحالت متشاکل و متشابہ واقع شدہ"

خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ اسم گرامی مسعود، لقب فریدالدین تھا، مگر عام طور سے گنج شکر کے نام سے مشہور تھے، گنج شکر کی وجہ تسمیہ مختلف بتائی جاتی ہے، سیرالعارفین کے مؤلف کا بیان ہے کہ جس زمانہ مین حضرت فریدالدینؒ اپنے مرشد خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت مین تربیت پا رہے تھے، تو ایک بار انھون نے سات دن تک متواتر روزے رکھے، افطار کے وقت اپنے حجرے سے غزنین دروازہ سے خواجہ بختیار کاکیؒ کے پاس جا رہے تھے کہ ایک جگہ کیچڑ مین پاؤن پھسل گیا، زمین پر گر پڑے، کیچڑ منہ مین چلی گئی، مگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت سے وہ شکر بن گئی، جب مرشد کی خدمت مین پہنچکر یہ واقعہ بیان کیا، تو انھون نے فرمایا کہ اگر مٹی تمھارے منہ میں جاکر شکر بنگئی تو خداوند تعالیٰ تمھارے سارے وجود کو شکر بنا دے گا، اور تم ہمیشہ شیرین رہوگے، اسی کے بعد گنج شکر مشہور ہوگئے[1] سیرالاقطاب کے مصنف کا بیان ہے کہ ایک بار خواجہ فریدالدینؒ نے متواتر روزے رکھے، ایک دن افطار مین کوئی چیز کھانے کو نہ ملی، حالت گرسنگی مین رات کو شکر ریزے منہ مین رکھ لئے، یہ سنگریزے شکر ہوگئے، جب یہ خبر خواجہ بختیار کاکیؒ کو پہونچی، تو فرمایا، کہ فرید گنج شکر ہے[2] خزینۃ الاصفیاء کے مولف نے تذکرۃ العاشقین کے حوالہ سے لکھا ہے، کہ ایک سوداگر اونٹون پر شکر لادکر ملتان سے دہلی کی طرف جا رہا تھا، جب وہ اجودھن پہونچا، تو شیخ فریدالدینؒ نے اس سے پوچھا، کہ اونٹون پر کیا ہے، سوداگر نے تمسخر سے جواب دیا، کہ نمک ہے، شیخ فریدالدینؒ نے یہ سن کر کہا کہ بہتر ہے نمک ہی ہوگا" سوداگر جب اپنی منزل مقصود پر پہونچا، تو اونٹون پر شکر کے بجائے نمک پاکر سخت گھبرایا، اسی وقت واپس ہوا، اور شیخ فریدؒ کی خدمت مین پہونچکر اپنی تقصیر کی معافی چاہی، شیخ نے فرمایا، کہ اگر شکر تھی تو شکر ہوجائیگی اور نمک شکر مین تبدیل ہوگیا، بیرم خان خانخاناں نے اس واقعہ کو منظوم بھی کیا ہے، اس کا ایک شعر ہے:-

کان نمک جہان شکر شیخ بحر و بر آن کز شکر نمک کند واز نمک شکر

ایک روایت یہ بھی ہے کہ شیخ فریدالدینؒ جب جنگلون اور پہاڑون مین ریاضت کر رہے تھے، تو ایک روز ان کو سخت پیاس معلوم ہوئی، وہ ایک کنوین کے پاس پہونچے، لیکن وہان ڈول اور ڈوری نہ تھی اسلئے ناامید ہوکر کنوین کے قریب کھڑے ہوگئے، تھوڑی دیر مین دو جنگلی ہرن کنوین کے پاس آئے، کنوین کا پانی

---

[1] سیرالعارفین اردو ترجمہ صفحہ ۷۹ [2] سیرالاقطاب صفحہ ۱۶۵ [3] خزینۃ الاصفیا، صفحہ ۲۹۲،

ابل کر کنارہ تک آگیا، دونوں ہرنوں نے اپنی پیاس بجھائی شیخ فریدالدینؒ بھی پانی پینا چاہتے تھے، کہ پانی اپنی گہرائی مین چلا گیا، شیخ فریدالدینؒ متحیر ہوئے، آسمان کی طرف اپنا چہرہ اٹھا کر کہا "الٰہی! ہرنون کو تو نے پانی پلا دیا، اور اپنے بندے کو کیون محروم کر دیا" آواز آئی کہ تو نے ڈول اور ڈوری پر توکل کیا اور ان جانورون نے مجھ پر توکل کیا تھا، اس لئے تم محروم رہے، اور دونوں ہرن سیراب ہوئے، یہ سُن کر شیخ فریدالدینؒ متاسف ہوئے، اور نفس کشی کی خاطر چالیس روز تک چلہ معکوس کیا، اور پانی کا ایک قطرہ بھی منہ مین نہ ڈالا، چلہ ختم ہوا تو ایک مٹھی خاک منہ مین بھر لی جو فوراً شکر ہو گئی، غیب سے آواز آئی،

"اے فرید چلہ تو قبول کردم و برگزیدم و در گرہ شیرین سخنان ترا گنج شکر گردانیدم"[1]

اسی طرح کی کچھ اور بھی روایتین ہین،

حضرت شیخ فریدالدینؒ کی ولادت مسعود ۵۸۴ھ مین قصبہ کہنی وال (کوتوال) ضلع ملتان مین ہوئی، سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے، ان کے والد بزرگوار سلطان محمود غزنوی کی بہن کے لڑکے تھے، شہاب الدین غوری کے زمانہ مین کابل سے لاہور آئے اور پھر وہان سے کچھ دنون قصور اور ملتان رہکر کہنی وال آئے، اور یہین سکونت پذیر ہوئے،

شیخ فریدؒ نے ابتدائی تعلیم اسی قصبہ مین حاصل کی، وہان سے مزید تعلیم کے لئے ملتان آئے، اسی زمانہ مین حضرت بختیار کاکیؒ کا ورود مسعود ملتان مین ہوا، گنج شکرؒ ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، جب خواجہ بختیارؒ دہلی کی طرف بڑھے، تو شیخ فرید کو مزید تعلیم کی تلقین کی، چنانچہ وہ ہندوستان سے نکل کر قندھار، بغداد، سیوستان، بدخشان وغیرہ مین علوم ظاہری و باطنی حاصل کرتے رہے[2]

پانچ سال کے بعد خواجہ بختیار کاکیؒ کی خدمت مین دہلی حاضر ہوئے، مرشد نے ان کی اقامت کے لئے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی، اور یہین وہ ریاضت و مجاہدہ مین مشغول ہو گئے، تذکرہ نویسون کا بیان ہے کہ اس ریاضت و مجاہدہ مین ان کی یہ کیفیت ہو گئی تھی، کہ جب خواجہ معین الدین چشتیؒ بختیار کاکیؒ سے ملنے دہلی آئے، تو شیخ فریدؒ کو دیکھنے ان کے حجرے مین تشریف لے گئے، مگر شیخ فرید ضعف کی وجہ سے تعظیم کے لئے اٹھ نہ سکے، خواجہ معین الدینؒ نے ان کے لئے دعا کی، اور غیب سے بشارت ملی کہ "فریدا برگزیدم" چنانچہ خواجہ صاحب نے ان کو خلعت مرحمت فرمایا، اور بختیار کاکیؒ نے بھی اپنی خلافت کی دستار ان کے سر پر باندھی

---

[1] خزینۃ الاصفیا ص ۲۹۳ ج ۲ [2] راحت القلوب ص ۱۵۹-۱۵۸-۱۴۲-۱۴۱، و اسرار الاولیا ص ۴۸-۴۱،

اس وقت خواجہ معین الدینؒ نے بختیار کاکی کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا، کہ

"بابا قطب الدین شاہباز ے عظیم در دام آورد کہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نمی گیرد"[1]

مرشد کی صحبت میں تعلیم پا چکے تو گنج شکرؒ دہلی سے ہانسی آئے، مگر وہاں کے لوگوں کے ہجوم سے گھبرا کر ہانسی سے اجودھن کی طرف بڑھ گئے، یہاں تنہائی اور سکون پایا، تو اسی کو مسکن بنایا، اور یہیں آسودۂ خاک ہوئے، سنہ وفات میں اختلاف ہے، اخبار الاخیار و سفینۃ الاولیا میں ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ تاریخ فرشتہ میں ۶۶۵ھ سیر الاقطاب میں ۶۶۹ھ مجمع الواصلین و تذکرۃ العاشقین بحوالہ خزینۃ الاصفیا میں ۶۷۰ھ درج ہے اجودھن اب پاک پٹن کے نام سے مشہور ہے، اور اب تک زیارت گاہ خواص و عوام ہے،

حضرت گنج شکرؒ نے راہ سلوک کے طے کرنے میں بڑی محنت شاقہ کی، ان کا خود بیان ہے کہ وہ بیس سال تک عالم تفکر میں کھڑے رہے مطلق نہ بیٹھے، ان کے پاؤں سوج گئے تھے، اور ان سے خون بہتا تھا، اس درمیان میں ان کو یاد نہیں کہ انھوں نے کچھ کھایا ہو،[2]

رشد و ہدایت کے لئے خانقاہ میں بیٹھے تو اپنے مرشد کی طرح دنیا کے تمام مال و متاع سے مستغنی رہے ایک بار سلطان ناصر الدین محمود اجودھن ان کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کی ملاقات سے ایسا متاثر ہوا کہ اس نے اپنے وزیر الغ خان کو (جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے بادشاہ ہوا) چار گاؤں کا فرمان اور ایک کثیر رقم بطور ہدیہ دے کر بھیجا، مگر انھوں نے اس کو یہ کہکر واپس کر دیا، کہ یہ ان کو دو جن کو ضرورت ہو، ہمارے خواجگان کی یہ رسم نہیں،[3] اور اگر کبھی کسی سے کچھ قبول کرتے تو راہ خدا میں تقسیم کر دیتے،[4]

حضرت گنج شکرؒ کے نکاح میں الغ خان کی ایک لڑکی بی بی ہنریہ بھی تھیں جن سے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں،[5] الغ خان جب بادشاہ بن کر دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا، تو اس سے گنج شکرؒ کی شان استغنا و بے نیازی بدستور قائم رہی، ایک بار کسی نے ان سے غیاث الدین بلبن کے پاس کچھ سفارش کرانی چاہی تو انھوں نے سفارش نامہ اس طرح لکھا،

"میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دیدیں گے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے اور

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۹۶، [2] راحت القلوب ص ۷۸، [3] ص ۱۸۲ و فرشتہ جلد دوم ص ۳۸۸، [4] راحت القلوب صفحہ ۱۹۲، [5] خزینۃ الاصفیا ص ۳۰۱،

اگر آپ نہ دین گے، تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا، اور آپ معذور ہون گے"[۱]

چنانچہ غیاث الدین بلبن ان کی ذات سے خود بھی متاثر تھا، اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے ان کی خدمت مین حاضر ہوتا رہتا تھا، بلبن کا عہد نہ صرف سیاسی نقطۂ نظر سے ممتاز تھا، بلکہ اس زمانہ مین اتنے مشائخ عظام جمع ہوگئے تھے کہ مورخون نے اس عہد کو خیر الاعصار لکھا ہے[۲] حضرت گنج شکرؒ کے علاوہ شیخ الشیوخ شیخ بہاؤالدین زکریاؒ، شیخ صدرالدینؒ، شیخ بدرالدین غزنویؒ اور سیدی مولا کے انوار سے ہندوستان منور ہوگیا تھا، بلبن کو ان تمام اولیاء اللہ سے عقیدت تھی، اور اسی عقیدت کا نتیجہ تھا کہ اوس نے اپنے لڑکے کو خاص طور پر تاکید کی تھی، کہ

"قضات و حکام متقی و متدین نصب فرمائی تا ارواح دین در وثاق عدل میان علائق پدید آید"[۳]

حضرت گنج شکرؒ کی تصنیفات مین ان کے دو ملفوظات ہین راحت القلوب اور سیر الاولیاء، راحت القلوب جو خواجہ نظام الدین اولیاء اور سیر الاولیاء کو حضرت بدر اسحاق نے مرتب کیا ہے، دونون گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے،

راحت القلوب مین راہ سلوک کی اساسی باتین وہی ہین جو انیس الارواح، دلیل العارفین اور فوائد السالکین مین پائی جاتی ہین، مگر اس مین ملفوظات نسبتہً زیادہ ہین، اس لئے ان سے بعض مسائل پر زیادہ روشنی پڑتی ہے، اس کتاب کے آخری حصہ مین چشتیہ سلسلہ کے اوراد و وظائف اور ان کے فضائل و برکات کا ذکر ہے، جو مذکورۂ بالا ملفوظات مین نہین،

شروع مین درویش کی مختلف صفات بتائی گئی ہین، مثلاً درویش کی صفت پردہ پوشی اور خود فراموشی ہی، پردہ پوشی سے مراد خدا کے بندون کی پردہ پوشی ہے،

درویش کو چاہئے کہ چار باتین اختیار کرے (۱) اپنی آنکھون کو بند کرلے، کہ خدا کے بندون کے عیوب نہ دیکھ سکے (۲) کانون کو بہرہ کرے کہ جو باتین سننے کے لائق نہ ہون، ان کو نہ سن سکے (۳) زبان کو گونگی کرے کہ جو باتین کہنے کے لائق نہ ہون ان کو نہ کہہ سکے (۴) پاؤن کو لنگڑا رکھے کہ جب اس کا نفس کسی غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لے جانا چاہے، تو وہ نہ جا سکے، اگر یہ باتین اس کو حاصل ہوگئین، تو وہ درویش ہے، ورنہ وہ دروغگو ہے،

---

[۱] اخبار الاخیار ص ۵۲ [۲] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۸۳،

جو درویش اس دنیا و دنی کی عزت و جاہ کا خواستگار اور دنیا کے لوگون کے لطف و کرم کا خواہان ہو وہ درویش نہین ہے، بلکہ درویشون کو بدنام کرنے والا اور طریقت کا مرتد ہے،

جس درویش کے دل مین ذرہ برابر بھی دنیا کی دوستی ہوگی، وہ مردود طریقت ہو،

درویشون کا طریقہ تحمل ہے، اور تحمل بھی ایسا کہ اگر کوئی شخص اس کی گردن پر ننگی تلوار رکھے تو بھی اوس سے وہ خوش رہے، اور اس کے لئے بد دعا نہ کرے،

درویش کا زہد تین چیزون مین ہے (۱) دنیا کا جاننا اور اس سے ہاتھ اٹھا لینا (۲) مولا کی طاعت کرنا، اور آداب کی رعایت رکھنا (۳) آخرت کی آرزو اور اس کو طلب کرنا،

حضرت گنج شکرؒ نے راہ سلوک مین دل کی صلاحیت پر زیادہ زور دیا ہے، اور اس کو سلوک کی اصل کہا ہے، اور یہ صلاحیت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے، جو لقمۂ حرام سے پرہیز کرتا ہے، اور اہل دنیا سے اجتناب کرتا ہے، ایک جگہ حضرت یحییٰ معاذ رازی کا قول نقل کرکے فرمایا ہے، کہ حکمت اسی کے دل مین قرار پا سکتی ہے، جس کے دل مین دنیا کی حرص نہ ہو، رشک و حسد نہ ہو اور شرف و جاہ کی خواہش نہ ہو،

حضرت گنج شکرؒ نے سماع کو راحت دل قرار دیا ہے، یہ اہل محبت کے دل مین حرکت پیدا کرتا ہے حرکت کے بعد حیرت، حیرت کے بعد ذوق، اور ذوق کے بعد بیہوشی طاری ہو جاتی ہے، اس بیہوشی مین ایسا استغراق ہوتا ہے، کہ اگر اس وقت اس کے سر پر ہزارون تلوارین چلین تو بھی اس کو خبر نہ ہو، اور یہی چار چیزین معرفت کے اسباب بنتی ہین،

معرفت کی تعریف یہ کی ہے کہ جب تک کسی شخص کو اپنی معرفت حاصل نہین ہوتی، وہ دوسرون کے پیچھے مبتلا رہتا ہے، لیکن جب اس کو حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت ہو جاتی ہے، تو پھر اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ اگر اس کے پاس ہزارون فرشتے بھی آئین، تو ان کی طرف کنکھیون سے بھی نہ دیکھے اور اگر اوس کو آنے کی خبر ہو جائے، تو وہ کاذب و دروغگو ہے،

سیر الاولیاء مین بائیس فصلین ہین، اور ہر فصل مین تصوف کے مستقل موضوع پر حضرت گنج شکرؒ کے ارشادات ہین جس سے اس موضوع کے سمجھنے مین آسانی ہوتی ہے،

شروع مین عشق الٰہی پر گفتگو ہے، حضرت گنج شکرؒ نے فرمایا کہ فقراء کا عشق الٰہی علماء اور اصحاب عقل کے عشق سے بالکل جدا ہے، (صفحہ ۲)

آن عشق کہ بود کم نگردد تا باشد ازان قدم نہ گردد (نظامی)
عشقے کہ نہ عشق جاودان است بازیچۂ شہوتِ جوان است (صفحہ)

ایک دوسری جگہ فرمایا،

سرِ بست مرا در دنِ جان و عشقت گر سر رود ای دوست نگویم باکس
سرِ بست عاشقان را در طاقت نہانی پوشیدہ دارِ خود را تا آنجا محل نمانی

(صفحہ)

اس عشق کا عنصر صرف آگ ہوتی ہے، جس کے شعلہ سے تمام عالم جل کر خاک سیاہ ہو سکتا ہے، اس عشق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ صاحبِ عشق اپنی خودی کو کھو کر اپنے آپ سے بالکل ایک ہو جاتا ہے (صفحہ) عشق میں عاشق اپنے معشوق کی طلب میں مجاہدہ کرتا ہے جس سے اس کو مکاشفہ ہوتا ہے، مکاشفہ کے بعد مشاہدہ یعنی معشوق کا دیدار ہے، اس مشاہدہ سے اس کا عشق اور بھی تیز ہو جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ حجابات اٹھتے جاتے ہیں، اور عاشق ایک ایسے مقام پر پہنچتا ہے، کہ وہ صرف عالمِ تحیر میں رہتا ہے،

(اسرار الاولیا، ص ۴۹)

راہِ عشق میں محبت کے سات سو مقامات ہیں، پہلا مقام یہ ہے کہ (معشوق) کی طرف سے جو بلا بھی نازل ہو، اس کو صبر و سکون سے عاشق برداشت کرے، (صفحہ) اس راہ میں محبت کی کوئی غایت نہیں، (صفحہ) اور عاشق اپنے تمام اعضاء کے ساتھ محبتِ معشوق میں مستغرق رہتا ہے، وہ اپنی آنکھوں سے صرف معشوق کو دیکھتا ہے، وہ اپنے کانوں سے صرف معشوق کی باتیں سنتا ہے، وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو صرف معشوق کے لئے حرکت دیتا ہے، وہ اپنی زبان سے صرف معشوق کا ذکر کرتا ہے، اور محبت میں وہی صادق ہے، جو ہر لمحہ معشوق کے ذکر یعنی ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتا ہے، (ص ۵۱)

ذکر یعنی عبادتِ الٰہی سے عشق کی تکمیل ہوتی ہے، عبادتِ الٰہی میں ظاہر اور باطن کا یکساں ہونا ضروری ہے، عبادت سے اسرارِ الٰہی معلوم ہوتے ہیں، مگر ان کا ظاہر کرنا عشق کے منافی ہے،

ایک جگہ فرمایا راہِ سلوک میں وہی بندہ صادق ہے، جو رزق حاصل کرنے کے لئے پریشان خاطر نہ ہو، اور اگر وہ اس کے لئے پریشان رہتا ہے، تو وہ بد دین اور بد دیانت ہے، رزق کی چار قسمیں ہیں،

(۱) رزقِ مقسوم (۲) رزقِ مذموم (۳) رزقِ مملوک (۴) رزقِ موعود،

رزقِ مقسوم وہ رزق ہے جو ازل سے لوحِ محفوظ پر لکھ دیا گیا ہے، اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہو سکتی، رزقِ مذموم

وہ رزق ہے جو جتنا بھی زیادہ ملے، اس پر قناعت نہ کی جائے، رزق مملوک: وہ رزق ہے جو ضروریات کی کفالت کے بعد جمع کیا جائے، رزق موعود وہ رزق ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے اور اس کا ملنا ضروری ہے[۱]

راہِ سلوک کی سچائی یہ ہے کہ سالک ہر قسم کے رزق سے بے غم رہے، اور اگر وہ رزق کے لئے اندوہگین ہوتا ہے، تو وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے، خداوند تعالیٰ خود اس کا رزق اس کے پاس پہنچائے گا، پھر بھی اس کا توکل یہ ہونا چاہئے کہ اس کو جو کچھ بھی ملے، راہِ خدا میں دیدے، اگر وہ رزق جمع کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی تمام عنایتوں سے محروم ہو جاتا ہے،

آگے چل کر ایک فصل میں گنج شکرؒ نے فرمایا، کہ عاقل وہی شخص ہے جو دنیا کے تمام معاملات میں اللہ پر توکل کرتا ہے، توکل کی تشریح اس طرح کی ہے، کہ متوکل کے ایمان میں خوف و رجا اور محبت ہو، خوف سے وہ گناہ کو ترک کرتا ہے، اور رجا سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اور محبت سے خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے تمام مکروہات سے باز آتا ہے[۲]

راہِ سلوک میں توبہ ایک اہم چیز ہے، گنج شکرؒ نے توبہ کی چھ قسمیں بتائی ہیں،

(۱) توبۂ دل، حسد، ریا، لہو و لعب اور تمام نفسانی لذت اور شہوت سے صدقِ دل سے باز آنا، اس سے دل کی آلایش دور ہوتی ہے جس کے بعد بندہ اور مولیٰ کا حجاب اٹھ جاتا ہے،

(۲) توبۂ زبان، ناشایستہ، بیہودہ اور ناروا کلمات زبان پر نہ لانا، زبان صرف خداوند تعالیٰ کے ذکر اور کلامِ پاک کی تلاوت کے لئے وقف ہونی چاہئے، عشقِ حقیقی میں وہی سالک ثابت قدم رہ سکتا ہے جس نے دل اور زبان کی توبہ سچائی سے کر لی ہو، زبان کی توبہ کے بغیر صرف دل کی توبہ سے وہ انوارِ عشق کی تجلی نہیں دیکھ سکتا ہے، آنکھ، کان، ہاتھ، اور نفس زبان ہی کے تابع ہیں، اس لئے زبان کی توبہ سے یہ تینوں چیزیں بھی محفوظ رہتی ہیں،

(۳) توبۂ چشم، (۱) حرام چیز نہ دیکھنا، (۲) کسی کا عیب نہ دیکھنا (۳) ظلم ہوتے ہوئے نہ دیکھنا، سالک جب مشاہدۂ حق کر چکا ہو، تو پھر اس کو دنیا کی کسی چیز پر نظر نہیں ڈالنی چاہئے،

(۴) توبۂ گوش، ذکرِ حق کے سوا کوئی اور چیز نہ سننا،

---

[۱] اسرار الاولیا ص ۱۵ [۲] ایضاً، ص ۶۱

(۵) توبۂ دست، ناروا اور ناجائز چیزون کو ہاتھ نہ لگانا،

(۶) توبۂ پا، حرام چیزون کی طرف نہ جانا،

(۷) توبۂ نفس، ماکولات، شہوات اور لذات سے باز آنا،

اس تقسیم کے علاوہ توبہ کی تین تقسیم اور کی ہے،

(۱) توبۂ حال، (۲) توبۂ ماضی (۳) توبۂ مستقبل، حال کا توبہ گناہون سے پشیمان اور نادم ہو کر باز آنا ہے، ماضی کا توبہ اپنے دشمنون کو خوش کرنا ہے، اگر تائب نے کسی کا ایک درہم غصب کر لیا ہو تو اس کو دس درہم واپس کرنا چاہئے، اگر اس نے کسی کو بُرا کہا ہو، تو اس کے پاس جا کر معافی مانگے، اور اگر وہ مر گیا ہو تو معذرت کے بجائے اس کے نام سے غلام آزاد کرے، اور اگر شراب پیتا رہا ہو تو توبہ کے بعد خدا کے بندون کو سرد اور لطیف پانی پلائے،

مستقبل کا توبہ یہ ہے کہ تائب آیندہ تمام گناہون سے پرہیز کرنے کے لئے عہد کرے،

حضرت گنج شکرؒ نے اگلی دو فصلون مین مرشد اور پیر کی خدمت اور تلاوت کلام پاک کی فضیلت کا ذکر کیا ہے، فرمایا ہے کہ سات دن مشائخ اور پیرون کی خدمت سات سو سال کی عبادت کے برابر ہے، کلام پاک کی تلاوت کے متعلق فرمایا ہے کہ اس سے بہتر اور افضل تر کوئی عبادت نہین، کلام پاک کی تلاوت سے بندہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتا ہے جس سے بڑھکر اور کوئی سعادت نہین ہو سکتی، چنانچہ حضرت بختیار کاکیؒ کلام پاک پڑھتے، تو ہر ایک آیت پر اپنے سینہ پر ہاتھ مارتے، اور بیہوش ہو جاتے۔ ایک روز وہ ہزار بار بیہوش ہوے، مگر جب مشاہدہ کی آیت کو پڑھا تو مسکرائے اور پھر عالم تحیر مین کھو گئے، اور اس عالم مین ایک دن اور ایک رات رہے،

حضرت گنج شکرؒ نے صوفیون کے لباس خرقہ، گلیم اور صوف اور طاقیہ پر بھی بحث کی ہے، خرقہ گلیم اور صوف کو انبیاء کا لباس بتایا ہے، اس لئے اس کی تعظیم و تکریم پر بہت زور دیا ہے

خرقہ پہننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دونون عالم سے قطع تعلق کرے، اس کے دل مین دنیا کی کوئی آلایش نہ ہو، اسی طرح صوف اور گلیم پہننے والے کے لئے ضروری ہے، کہ وہ دنیا سے کنارہ کش ہو جائے، اور اگر اس لباس کو اہل دنیا کے لطف و کرم کا ذریعہ بناتا ہے تو وہ کذاب اور دروغ گو ہے،

(ص ۴۷)

اسی سلسلہ مین تصوف اور صوفی کی بھی جستہ جستہ بحث آگئی ہے، گنج شکرؒ نے فرمایا کہ

صوفی وہ ہے جس کے دل مین اتنی صفائی ہو کہ اس کی صفائی کے سامنے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے،
تصوف مولیٰ کی صفا، دوستی کا نام ہے،
اہلِ تصوف وہ ہین جو ہر وقت خاموش اور عالم تحیر مین مستغرق رہتے ہین،
اہلِ تصوف ایک ایسی قوم ہین کہ جب وہ خدا سے پیوستہ ہوجاتے ہین، تو پھر ان کو خدا کی پیدا کی ہوئی چیز دن کی خبر نہین ہوتی ہے،
تصوف کا کمال یہ ہے کہ اصحابِ تصوف ہر روز پانچون وقت نماز مین اپنے کو عرش پر دیکھین،
تصوف ایک اخلاق ہے اس لئے گنج شکرؒ نے اربابِ تصوف کو اخلاقی ہدایتین بھی دی ہین، مثلاً
صوفی دنیا اور دنیا کے لوگون سے بے نیاز اور مستغنی ضرور رہتا ہے، مگر کسی حال مین وہ دنیا کی مذمت اور ہجو نہین کرتا ہے، وہ نہ اس سے محبت اور نہ اس سے عداوت رکھتا ہے (صـ۹۲)
صوفی ایک مرشد سے وابستہ ہوتا ہے، پیر سے اس کی ارادت اور بیعت عشق کے درجہ تک پہنچ جانی چاہئے، (صـ۹۰)
اور اس کے تمام احکام کو جان و دل سے بجالانا فرض ہے (صـ۹۰) وہ تمام عمر اپنے پیر کو سر پر اٹھا کر حج کرتا رہے تو بھی پیر کے حقوق کی ادائگی سے سبکدوش نہین ہوسکتا ہے، (صـ۹۱) وہ صدق دل اور تعظیم سے اپنے مرشد کے ہاتھون کا بوسہ دیتا ہے، تو اس کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہین، (فصل شانزدہم) حضرت گنج شکرؒ نے دوسرے علماء اور مشائخ کی تعظیم پر بھی زور دیا ہے، فرمایا کہ جو ان کو دوست رکھتا ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے، (فصل سیزدہم) صوفی کی زندگی ذکر حق مین مشغول ہوتا ہے، وہ جب تک ذکر حق مین مستغرق ہوکر بیہوش رہتا ہے تو وہ زندہ ہے، اور جب ہوش مین آکر ذکر حق چھوڑ دیتا ہے، تو مردہ ہوجاتا ہے (فصل ہفدہم)
حضرت گنج شکرؒ نے خواجگان چشت کے مسلک کے مطابق صوفی کو کشف کے اظہار سے منع کیا ہے اور کہا وہ راہِ سلوک کے تمام مقامات کو طے کرلے تو اس کے اظہار مین کوئی ہرج نہین،
آخر مین فرمایا ہے کہ راہِ سلوک مین سالک پر جس قدر، رنج، تکلیف، مصیبت نازل ہوگی وہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتا جائے گا، کیونکہ اس کے ذریعہ سے وہ خدا کی طرف سے یاد کیا جاتا ہے، چنانچہ خواجہ معین الدینؒ اپنے ایمان کی صحت اسی مین سمجھتے تھے، کہ تکلیف مین اس کی زیادتی کی دعا کرتے تھے، (صـ۹۳) (باقی)

تصحیح :- معارف ماہ اگست ص ۸۸ سطر ۲۰ مین سرزد کے بعد نہ "چھوٹ گیا ہے، اس کی تصحیح کرلین

اقبال کے تصورِ خودی کا ماخذ

از

جناب بشیر صاحب مخفی کراچی

"اس مضمون میں یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ اقبال کا تصورِ خودی اور ان کے بعض دوسرے افکار و مصطلحات سید گل حسن شاہ صاحب قادری پانی پتی کے کلام اور ان کی صوفیانہ تصانیف سے ماخوذ ہیں، اور خودی کے اس تصور کے پہلے مبلغ شاہ صاحب تھے۔

درحقیقت دنیا میں بہت کم افکار و تصورات ایسے ہیں جنھیں بالکل نیا اور اچھوتا کہا جا سکے، اس لئے تنہا کسی فکر کا دھندلا اور ابتدائی تصور پیدا ہونا ایجاد کی نسبت کے لئے کافی نہیں ہے موجد وہی کہلائیگا جس نے سب سے پہلے مکمل طور پر مدلل اور مرتب طریقہ سے بحیثیت فنِ فلسفہ یا تعلیم کے اس کو پیش کیا اقبال کو بعض افکار و خیالات کا دھندلا تصور قدیم فلاسفہ متکلمین اور صوفیہ کے یہاں ضرور ملتا ہے، مولانا روم تو ان کے روحانی مرشد ہی تھے، اور ان سے ان کا استفادہ معلوم و مشہور ہے لیکن اقبال سے پہلے جن مفکرین کے یہاں ان کے جن تصورات کا سراغ ملتا ہے، وہ محض ضمنی ہیں، اور ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں، اور اقبال کے افکار کے مقابلہ میں ان کا تصور بہت ابتدائی ناقص اور محدود ہے، اقبال پہلے شخص ہیں جنھوں نے ان کو مستقل موضوع بنایا، اور ان کو ترقی دے کر ذرہ کو صحرا، اور قطرہ کو دریا بنا دیا، اور مرتب و مدلل فلسفہ اور تعلیم کی حیثیت سے ان کو پیش کیا، اس لئے اس کو نقل نہیں، بلکہ زیادہ سے زیادہ ایک جزوی استفادہ کہا جا سکتا ہے جس سے کوئی مجتہد اور مفکر بری نہیں، اور اس سے اقبال کے کلام کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا لیکن یہ مضمون بعض پہلوؤں سے مفید ہے، اس لئے اس کو پیش کیا جاتا ہے"

"م"

محترمی حضرت العلامہ مولانا صاحب

سلام مسنون

آپ کا گرامی نامہ شرف صدور لایا، اقبال کے نظریۂ خودی کے متعلق مین آپ سے گذارش کرنا چاہتا ہون، آپ نے لکھا ہے کہ اقبال سے پہلے خودی کا لفظ خودشناسی کے معنون مین کسی دوسرے شاعر نے استعمال نہین کیا ہے، اور نہ صوفیون کے کلام مین نظر سے گذرا ہے، بلکہ خودی کا لفظ ان کے یہان استکبار اور خود پسندی کے معنون مین آیا ہے،

حقیقت مین یہ درست ہے کہ اقبال سے پہلے صوفیہ اور شعرا نے لفظ خودی کو اکثر غرور رہی کے معنی مین استعمال کیا ہے لیکن اقبال نے جہان خودی کو خودشناسی کے معنی مین استعمال کیا ہے، وہ ایک حد تک صوفیہ کے فلسفۂ تعینِ ذات و عرفانِ نفس کے معنی مین ہے لیکن اکثر مقامات پر قومی خودی کے احساس و آگہی اور خودداری کے انقلابی اور فلسفیانہ معنون مین استعمال کیا گیا ہے، اقبال کی یہ خودی خودشناسی کے مفہوم و مقصد سے قریب تر ہے، اس لئے اس مین اور صوفیہ کے نظریۂ خودشناسی مین کوئی اختلاف نہین رہتا اور اس معنی مین خودی عرب و عجم کے بہت سے اکابر و بزرگان اسلام بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام تابعین عظام اور ائمۂ دین اور اولیاء و صلحاے اُمت کے ارشادات کا نچوڑ ہے، میرا مقالہ (اقبال کا نظریۂ خودی اور حافظ کی بیخودی) اسی نصب العین پر لکھا گیا ہے، یہ ناچیز مطالعہ اور غور و فکر سے اس نتیجہ پر پہنچا ہے، کہ نظریۂ خودی جسے اقبال نے اپنایا ہے، نیا نہین بلکہ "مے کہن در باؤہ نو" کا مصداق ہے،

اس بات کو مین یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہون کہ اقبال سے پہلے اس نظریہ کے حقیقی مبلغ میرے نانا بزرگوار علیہ الرحمۃ کے رہبر برحق حضرت علامہ مولانا الحاج سید گل حسن شاہ صاحب حسن قلندر ثانی قادری پانی پتی قدس سرہٗ مصنف و مؤلف "تذکرۂ غوثیہ" و "تعلیم غوثیہ" تھے،

ان کے ارشادات اور شاعرانہ نکات کا بھی اقبال پر اثر پڑا ہے، اقبال کی تمام تعلیمات کی روح، اور نظریۂ خودی کی اساس اقبال کے الفاظ مین "خودی اور خدائی اور فقر مین شہنشاہی" ہے، وہ فرماتے ہین :-

بے ذوق نمود زندگی موت — تعمیر خودی مین ہے خدائی

خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند — سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبحگاہی — کہ خودی کے عارفون کا ہے مقام پادشاہی

حضرت علامہ حسن پانی پتی "تعلیم غوثیہ" مین تحریر فرماتے ہین :-

"طوبائے شریعت پر صوفیوں کی نغمہ سرائی طائرانِ سدرہ کی زمزمہ سنجی سے بالاتر ہے، خودی میں خدائی رعیت میں بادشاہی" کے مزے جو صوفیوں نے لوٹے، دوسروں کو خواب میں بھی نصیب نہ ہوئے"

یہ کتاب ۱۹۱۹ء میں طبع ہوئی ہے، مجھے یہ معلوم نہیں کہ علامہ اقبال نے کب نظریۂ خودی کو اپنا کر اس کی اشاعت کی؟ میرے نانا بزرگوار علیہ الرحمہ کے ارشاد کے مطابق اقبال نے حضرت قلندر صاحب سے بھی استفادہ کیا تھا[۵۱] اس لئے گمان غالب ہے کہ اقبال نے اس حکیم العصر اور مجتہد صوفی کے نظریۂ خودشناسی "خودی میں خدائی" کو بھی زیرِ نظر رکھا ہے، بلکہ اس سے قبل ان کے مرشد بزرگ کے وصال پر جو مثنوی فارسی میں "دورِ آخر" کے نام سے لکھی تھی[۵۲] جو غوثیہ میں موجود ہے، اس میں بھی یہ نظریہ موجود ہے، بلکہ ان کے طرزِ بیان، آرٹ اور اسلوبِ الفاظ کو بھی اقبال نے اپنا لیا ہے، مولانا حسن پانی پتی ایک عارف کامل ہونے کے ساتھ باکمال شاعر و ادیب فلسفی اور حکیم و فاضل الٰہیات بھی تھے، اور پھر حضرت مولانا اسماعیل میرٹھی مرحوم سے ان کے خاص تعلقات و روابط بھی تھے، کیونکہ مولانا اسماعیل مرحوم اعلیٰ حضرت مولانا الحاج سید غوث علی شاہ صاحب قلندر قادری پانی پتی کے خاص مریدوں میں سے تھے، شاید اقبال نے اُن کے ذریعہ علامہ تک رسائی حاصل کی ہو، یہ مجھے معلوم نہیں کہ مولانا اسماعیل میرٹھی اقبال کے ہم عصر تھے یا نہیں[۵۳]؟

اقبال نے بچوں کی شاعری کا طرز ایک حد تک اسماعیل کی پیروی سے لیا ہے[۵۴] حضرت سید غوث علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ میرزا غالب دہلوی سے ملاقات کر چکے ہیں، حضرت علامہ حسن پانی پتی دورِ آخر میں لکھتے ہیں :-

جانِ تو خود جانِ جانان زندگی است	از تو خرم بوستانِ زندگی است
سالہا گردیدۂ در بحر و بر	ہم تو خود مقصود بودی از سفر

---

[۵۱] معارف :- اقبال نے خودی کے تصور کو سب سے پہلے اپنی مثنوی اسرارِ خودی میں پیش کیا ہے جو تعلیم خود کی اشاعت سے پانچ سال پہلے ۱۹۱۵ء میں شائع ہو چکی تھی، اور ظاہر ہے کہ اس کی تصنیف میں بھی کچھ عرصہ لگا ہوگا، اس لحاظ سے اقبال کے خیالات تذکرہ غوثیہ کی اشاعت سے زیادہ قدیم ہو جاتے ہیں [۵۲] معارف مولوی اسمٰعیل صاحب میرٹھی کی وفات ۱۹۱۷ء میں ہوئی اس لئے اقبال کی جوانی اور مولوی اسماعیل صاحب کا بڑھاپا ہم عصر تھے، لیکن یہ معاصرت غوث علی شاہ صاحب سے اقبال کے توسل کا ثبوت نہیں یہ محض قیاس ہے [۵۳] معارف :- اقبال کے کلام میں بچوں کی صرف چند نظمیں ہیں، وہ بھی انگریزی نظموں سے ماخوذ ہیں ان میں اور مولوی اسمٰعیل صاحب کے طرز میں کوئی مناسبت نہیں

بحرِ توحیدِ الٰہی خود تو ئی
بے تعین بے تشخص بے دوئی

مستی صہبائے تو چوں جوش زد
کے شود شور من و تو گوش زد

بے خودی بزمِ خودی آماستہ است
نعرہا از خامشی برخاستہ است

اے ندیم الشمس نجم الدین بیا
نعرۂ دیگر بزن لب برکشا

باز بہ نشین و رخرابات سخن
معنی اندر شیشۂ الفاظ کن

باز گو حرفے ز سلطان جلیل
تا نہ گردد قصۂ ہجران طویل

اے درخشاں کوکبِ نورِ قدیم
از کجا جوئیم انفاسِ کریم

از کجا جوئیم گلبانگ سرور
از کجا یابیم آن اُنس و حضور

از کجا جوئیم قربِ اختصاص
اے درِ تو قبلہ گاہ عام و خاص

پرتوِ حالِ تو پاک است از عمل
استوار و پائدار و بے خلل

پرتوِ حالِ تو پاک از فہم عام
ہست لا شرقی و لا غربی مدام

پرتوِ حالِ تو اے سلطانِ حال
ہست بالاتر ز پروازِ خیال

ذاتِ تو پاکست از حالِ مقام
شہپرِ عنقائے تو بشکستہ دام

کشفِ ہر حالے ز تو باید کشود
ہر مقامے از تو میگیرد وجود

نقدِ حالِ تست ذاکِ پاک تو
ذاتِ پاک تست دراوراکِ تو

خضرِ ربانی و فردِ کاملے
عارفِ بیباک مردِ کاملے

پاک و بیباک و مجرد از عمل
شاہبازِ اوجِ افلاکِ ازل

زندۂ جاوید پاک از جسم و جان
شہسوارِ عرصہ ہائے بے نشان

مسئلہ حیات بعد الممات

پاک را کے مرگ آید در خیال
زندہ را مردن بود امرِ محال

وصلِ او دائم بود با زندگی
ذاتِ او را زندہ گویا زندگی

زندۂ را حلقۂ ماتم چراست
از پئے گنجِ مسرت غم چراست

زندۂ در زندگی بے پردہ شد
مردگان را دل چرا آزردہ شد

مردِ آن باشد کہ ہمش بندگی ست | پیش و ہم خویش اندر بندگی ست
علم و عرفان نیست گشت و فرق شد | زورق اندر بحرِ وحدت غرق شد
عشق را بنود مقام و منزلے | غیر دریا نیست او را ساحلے
بارگاہِ اوست بے جا و مقام | نے نشانے باشدش نے ہیچ نام
ہر کجا سر بر زند خود جاے اوست | بے سر و سامانیش ماواے اوست

فلسفۂ زمان و مکان اور وقت

ہست[1] آزاد او ندارد پاے بند | نے اسیرِ وقت و نے در جاے بند
ہم زمان و ہم مکان خیزد ازو | اعتبارِ جسم و جان خیزد ازو
نامرادی ہم ازو مقصود ہم | عبد از پیدا شود معبود ہم
ہست خود تنہا و ہم خود انجمن | گاہے نوئی گردد و گاہے کہن

اب اقبال کے یہ خیالات

تو کہ از اصلِ زمان آگہ نۂ | از حیاتِ جاودان آگہ نۂ
وقت را مثلِ مکان گستردۂ | امتیازِ دوش و فردا کردۂ

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری | نہ ہے زماں نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ

صد جہان پوشیدہ اندر ذاتِ او | غیر او پیداست از اثباتِ او

باز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم
از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

در جہانِ نو تواں اگر مردانہ زیست | ہمچو مرداں جاں سپردن زندگی ست

ڈھونڈھتا پھرتا ہوں اے اقبال اپنے آپ کو | آپ ہی گویا مسافر آپ ہی منزل ہوں میں

قلندر صاحب کے نظریات سے کتنے قریب ہیں، اور پھر مقامِ قلندریت و فقر و غنا، حضرت قلندر صاحبؒ قبلہ کی توجہات و تعلیمات کا نچوڑ ہے،

حضرت علامہ حسن پانی پتیؒ کی اردو شاعری اور شاعرانہ آرٹ سے اقبال نے بہت نمایاں

---

[1] اسی رمز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا | کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں (اقبال)

فائدہ حاصل کیا ہے :-

آپ مدحِ مرشدِ عالی مین لکھتے ہین :-

اے ضیاء الشمس نجم الدین حسن — مشرق الانوار نور ذو المنن
لب پہ آیا نام شہ غوث علی — بے تکلف کھل گئی دل کی کلی
پھر ہوا سبزے کو لہرانے لگی — باغِ معنی مین بہار آنے لگی
پھر لگا وہی ابرِ رحمت نے جھڑی — پھر وہی بادِ بہاری چل پڑی
پھر وہی محمل وہی ہے کاروان — ناقہ سرمست و حدی خوان ساربان
پھر اُسی منزل مین جا کھولی کمر — دشت چٹیل اور ویرانہ نگر
پھر کھلا درجرۂ انوار کا — قفل ٹوٹا قبۂ اسرار کا
پھر وہی صحبت وہی لیل و نہار — پھر لگے ہونے دُرِ معنی نثار
پھر خزانہ غیب کا لٹنے لگا — رشک سے حاتم کا دم گھٹنے لگا
پھر لگی سانچے مین ڈھلنے بات بات — عارفانہ رمز و مردانہ نکات
پھر الاپے نے نے اسرارِ قدم — ذرّہ ذرّہ بن گیا منصور دم
پھر وہی ساغر وہی بزم سرور — پھر لگا بہنے وہی دریائے نور
اے تجلّی اخیر ذو الجلال — تھا کمالِ بندگی تیرا کمال

ہان محمد وار تو نامِ خدا
کر گیا ہے بندگی کا حق ادا

یہی اقبال کا فلسفۂ عبدیت "هُوَ عَبْدُہٗ" ہے، جسے علامہ نے جاوید نامہ مین بیان فرمایا ہے

ترکِ دنیا، ترکِ عقبیٰ ترکِ جان — قول و فعل و حال سے تیرے عیان
خوب توڑا تو نے ہر بندِ کہن — تھا مگر تو حیدرؓ در خیبر شکن

فلسفۂ اسرار زمان اور "الوقت سیف قاطع" پر اقبال کے نظریات اسی حقیقت کے مظہر ہین :-

ہر تو سل سے تجھے اعراض تھا — شیر خوار مبدأ فیاض تھا
داد حق تھی تیری قوت اور قوت — تھا خیال غیر بیت عنکبوت

فقر فخری کی صدا بھائی تجھے حق نے بخشی ارث آبائی تجھے

تو قون کے بعد ایک "آدم" بنا ہفت خوانِ فقر کا رستم بنا

علامہ کی فلسفیانہ نظم "سیرِ آدم" حضرتِ انسان "فقر وجود" وغیرہ اسی نظریہ کی آئینہ دار ہیں،

شاذ و نادر کوئی شہبازِ جلال کھولتا ہے اس ہوا میں پر و بال

علامہ کے شاعرانہ کنایہ شہباز و شاہین وغیرہ کی نظمیں اسی نقطۂ نظر کی ترجمان ہیں،

شیخ و صوفی پارسا زاہد بہت ہے مگر مردِ خدا عنقا صفت

غوث اعظم یا جنید و بایزید یا نظام الدین ؒ یا بابا فرید

یا معین الدین عطار و شہاب اپنے اپنے وقت کے تھے آفتاب

مجمع البحرین تجھ سا بعد ازاں گردشِ دوراں نے دیکھا تھا کہاں

لاکھ چکر کھائے گا جب چرخِ پیر لائے گا تجھ سا کوئی مہر منیر

اے محیطِ اولین و آخرین آفرین صد آفرین صد آفرین

ذات کا آئینہ کامل بنا یہ امانت تھی کہ تو حامل بنا

حامل و محمول میں یاں فرق کیا شمسِ ربانی کو شرق و غرب کیا

تھا نہایت معتبر پیمانہ میں تیرا پیمانہ کبھی چھلکا نہیں

ظرفِ عالی جسکہ دریا نوش تھا خم کدے خالی کئے پر ہوش تھا

مردہ روحوں کے لئے تھی زندگی زندگی وہ جس کو ہو پائندگی

تیرے دم سے حشرِ روحانی ہوا صاف و صیقل گوہرِ کانی ہوا

صور پھونکا تو نے جس کی جان میں جو ہوا سو ہو گیا اک آن میں

جس کسی پر تو نے پھونکا ہے فسوں اک نہ اک دن اس کو ابھریگا جنوں

رسم و عادت کا گریباں پھاڑ کر دینِ تقلیدی سے دامن جھاڑ کر

کفر پر یاروں کے ایماں لائے گا دارِ مردوں کا نہ خالی جائے گا

فقر محتاجِ خدا ہرگز نہیں فقر عینِ ذاتِ حق ہے بالیقیں

فقر فقر آیا تو کیا باقی رہا بادہ کش باقی نہ خود ساقی رہا

تو قلندر رند تھا کونین سوز — سیف قاطع تھا نہ تھا تو بحر و بر

تا لبِ دریا ہیں آثار و طریق — عین دریا ہیں ہیں سب راہین غرق

کس کی طاقت تھی کہ تجھ کو دیکھتا — لاکھ پردوں میں ہیں مردانِ خدا

علامہ کی قلندریت اُن کے صوفیانہ نظریوں اور شاعرانہ آرٹ پر قلندرؒ صاحب کی بلندی فکر اور آفاقی جذبات کا پرتو ضرور پڑا ہے۔

حضرت مولانائے رومی سلیمان و بلقیس کی حکایت میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

اے تو در پیکار خود را باختہ — دیگران را تو ز خود نشناختہ

این تو کے باشی کہ تو آن او حدی — کہ خوش و زیبا و سرمست خودی"

(دفتر چہارم)

اس کی شرح میں مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں :-

" حاصل آن کہ او با وحدتِ ذاتیہ خود خوش و زیبا ہم اوست و سرمست و عاشق خود خود است" اور ادر شاہی زیبا شدہ ظاہر شد او خود مرغ است و در شانے خود صید خود است و فرش خود است و بام خود است و خلاصہ آن کہ او ہمہ موجود تست و در ہر شانے بشیوے ظاہر شدہ کہ در شان دیگران نہج نیست"

کیا مولانا نے "سرمستِ خودی" کو خود شناسی کے معنی میں لکھا ہے،

خواجہ عطار فرماتے ہیں :-

کفر در تسبیح حق باشد حرام — از مسلمانی بجو از کفر تام

کفر پوشیدن خودی خود بحق" — او بگیر از دین و از برخوان سبق

اس کے کیا معنی ہیں، اقبال کا کہنا ہے "خودی را از وجود حق وجودے"

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی — نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

کیا مولانائے روم علیہ الرحمہ اور خواجہ عطار نے لفظ "خودی" خود شناسی کے لئے یا عرفانِ نفس کے لئے استعمال کیا ہے :-

اقبال نے اسرارِ خودی کے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ ہاں لفظِ خودی کے متعلق ناظرین کو آگاہ کر دینا

ضروری ہے، کہ یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا، جیسا کہ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے اس کا مفہوم محض احساسِ نفس یا تعینِ ذات ہے، مرکب لفظ بیخودی میں بھی اس کا یہی مفہوم ہے، اور غالباً محسن تاثیر کے اس شعر میں بھی لفظ خودی کے یہی معنی ہیں،

غریقِ قلزمِ وحدت دمِ از خودی نہ زند بود محال کشیدن میانِ آب نفس

اور ڈاکٹر نکلسن کے خط میں یہ لکھا ہے کہ خودی پر استدلال قرآن اور اسلامی فلسفہ اور صوفیہ کے نظریات و مشاہدات سے بھی کیا جا سکتا ہے، تو پھر تصوف کے متعلق یہ کہنا کہ یہ فلاطونیت و عجمیت ہے، یا ویدانت و بدھ مت فلاسفی کا مرہونِ منت ہے، کہاں تک درست ہے؟ کیا اقبال کا یہ نظریہ یورپ کے مستشرقین کی غلط فہمیوں کی وجہ سے پیدا نہ ہوا تھا؟

آخری دو رمیں علامہ نے خود تسلیم کیا ہے کہ میرے خیالات میں اب بہت انقلاب آچکا ہے، یہ سرسری مطالعہ کے اثرات ہیں، امید کہ آپ اس طویل سمع خراشی کے لئے مجھے معاف فرمائیں گے اور اپنے گراں قدر خیالات سے استفادہ کا موقع مجھے بھی عنایت فرمائیں گے، "والسلام"

اعلان

ہندستانی اکیڈمی یوپی، الہ آباد کی مجلس عاملہ نے اردو کی مطبوعہ کتابوں پر پانسو روپئے سالانہ انعام دینے کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ

۱- ہر سال مندرجۂ ذیل مضمونوں میں سے ایک پر سلسلہ وار انعام دیا جایا کرے گا،

(الف) شعر اور ڈراما (ب) ناول اور مختصر افسانے (ج) مضامین (عام اور انتقادی) (د) تاریخ اور حیات نگاری (ہ) فلسفہ (و) نیچرل سائنس،

۲- انعام ۱۹۳۵ء میں شعر اور ڈراما کی کتابوں پر دیا جائے گا،

۳- شعر اور ڈراما کی صرف اُن کتابوں پر غور کیا جائے گا، جو ۳۱ مارچ ۱۹۳۳ء کے بعد شائع کی گئی ہیں،

پبلک اہلِ علم حضرات اور طابعین و ناشرین سے درخواست ہے کہ ہندستانی اکیڈمی کو مندرجۂ بالا تاریخ کے بعد شائع شدہ شعر اور ڈراما کی کتابوں کے متعلق تفصیلات سے مطلع فرمائیں تاکہ ابتدائی انتخاب کے وقت اُن پر غور کیا جا سکے اور منتخب کتابوں کے متعلق ججوں کی کمیٹی فیصلہ کر سکے، سکریٹری ہندستانی اکیڈمی الہ آباد

استفسار و جواب

جبر و قدر

جناب خان محمد صابر صاحب
خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ پنجاب

قرآن مجید کے پہلے سپارہ میں ارشاد خداوندی ہے ختم اللہ علی قلوبھم الآیۃ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کی اور آنکھوں پر پردہ ہے ان کے لئے عذاب عظیم ہے" اگر خدا ہی نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگائی ہے اور اسی وجہ سے وہ گناہ کرتے ہیں، تو ان کا کچھ قصور نہیں، یہ قصور خدا ہی کا ہے، ایسی حالت میں ان کو سکھ دکھ یا گناہ ثواب نہیں ہو سکتا ؟ پھر خدا ان کو سزا و جزا کیوں دیتا ہے، کیونکہ انھوں نے گناہ یا ثواب خود مختاری سے نہیں کیا، یا اولاد سب کے یہاں ایک ہی طریقہ سے ہوتی ہے، مگر پیدا ہونے کے بعد کوئی گورا ہوتا ہے، کوئی کالا، کوئی امیر کوئی غریب، کوئی اندھا کوئی لولھا اس کی کیا وجہ ہے"

معارف ۱- انسان کو اللہ تعالیٰ نے ارادہ اور نیت کی آزادی بخشی ہے، وہ اپنے اسی اختیار سے خیر یا شر کو اختیار کرکے ثواب یا عذاب کا مستحق ہوتا ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (کہف ۔۴) جو چاہے ایماندار بنے اور جو چاہے کافر بنے

۲- انسان جس پہلو کو اپنے اختیار سے پسند کرتا ہے، اور اس کام کو کرتا ہے، تو بار بار کرنے سے وہ کام اس پر آسان ہو جاتا ہے، اور اس کا عادی ہو جاتا ہے، خواہ وہ شر ہو خواہ خیر ہو، اگر کار خیر اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے اس کو توفیق اور ہدایت کہتے ہیں، اور اگر شر آسان ہو جاتا ہے، تو اس کو اضلال (گمراہی) اور خذلان (عدم توفیق) کہتے ہیں،

۳- ان دو باتوں کے سمجھ لینے کے بعد آپ یہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مہر لگانے کو جو فرمایا ہے، وہ وہی

عدم توفیق ہے، یہ عدم توفیق اور مہر لگانا نتیجہ ہے انسان کے اپنے فعل کا جس کو اس نے پہلے اختیار سے کیا، اوس کا نتیجہ دل و دماغ پر مہر ہے یعنی وہ اب احکام خداوندی اور نصائح سے مستفید ہونے کی صلاحیت کھو بیٹھا،

۴- اب جس آیت کو آپ نے پیش کیا ہے اور بھی بہت سی آیتیں اس معنی کی قرآن مین ہین، مگر ان سب آیتون مین کفار اور فساق اور ان کے فعل بد اور اختیار شر کا ذکر پہلے ہے، اور مہر یا اضلال اور عدم توفیق کا ذکر اس کے نتیجہ کے طور پر ہے یعنی ان کا معلول اور نتیجہ ہے، لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہین، کہ مہر خداوندی یہ علت ہے اور بندہ کا اختیار شر معلول اور نتیجہ ہے،

۵- یہان غور فرمائین اوپر یہ ہے:-

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (بقرہ - ۱) جن لوگون نے کفر کیا برابر ہے ان کے لئے چاہے ان کو تم ہشیار کرو یا نہ ہشیار کرو

دیکھئے پہلے انھون نے اپنے اختیار سے کفر کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق ان سے روک لی، اور پھر ان کے کفر پر اصرار اور بار بار عمل کرنے سے خیر کی توفیق ان سے سلب ہوگئی، اور شر کا کام آسان ہوگیا، یہی اللہ تعالیٰ کی مہر ہے، یہ نہین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل و دماغ پر پہلے مہر کر دیا، اور اس کے سبب سے وہ کفر پر مجبور ہوگئے، بلکہ پہلے انھون نے کفر کا کام کیا، اور جیسے جیسے وہ کام کرتے گئے، خیر کے راستے بند ہوتے چلے گئے، یہی وہ مہر ہے، اسی سورہ بقرہ مین دو رکوع کے بعد دوسری آیت ہے :-

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ (بقرہ - ۳) اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ سے بہتون کو گمراہ بناتا ہے اور بہتون کو راہ دکھاتا ہے،

اس کے بعد ہی فوراً ہے :-

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ... یعنی اور اللہ تعالیٰ گمراہ نہین کرتا مگر ان کو

.. .. جو اللہ تعالیٰ کے حکم نہین مانتے ہین، اور

.. .. .. (بقرہ - ۳) اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑتے ہین،

یہان بھی دیکھئے إِلَّا الْفَاسِقِينَ کا فسق و فجور سبب ہے اور اللہ تعالیٰ کی عدم توفیق جس کو گمراہی کہا ہے اس کے نتیجہ کے طور پر پیچھے ہے،

ایک اور آیت مین ہے :-

بَلْ طَبَعَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بِکُفْرِھِمْ، (نساء - ۲۲) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب سے ان پر مہر کر دی،

دوسری آیت اور ہے :-

کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ (مومن ۴) یعنی اور اسی طرح اللہ ہر مغرور ظالم کے دل پر مہر لگا دیتے ہین،

یہان بھی غرور اور ظلم اختیاری سبب ہے، اور مہر اس کا نتیجہ،

امید ہے کہ اب بات آپ کی سمجھ مین آگئی ہو گی، اور اعتراض رفع ہو کر تسکین پیدا ہو گئی ہو گی،

مین اس وقت بحالتِ سفر یہ چند سطرین لکھ رہا ہون، اپنے مقام پر ہوتا تو تفصیل سے لکھتا، مولانا شبلی مرحوم کا ایک مضمون مقالات شبلی مین مسئلہ قضا و قدر ہے، اس کو ضرور پڑھین،

والسّلام "س"

(۱) کیا خلقی معذورین کی پیدائش انصاف الٰہی کے خلاف ہے؟

(۲) عثمانی و حسینی شہادتین

جناب خان محمد صاحب خانقاہ ڈوگران شیخوپورہ پنجاب، دو ایک مسائل کے متعلق پہلے کی طرح مفصل روشنی مین اپنی اور بعض احباب کی تشفی کے لئے

رائے عالیہ درکار ہے، لیکن اتنا عرض ہے کہ آپ جتنی تفصیل سے ارشاد فرمائین گے، وہ بہت بہتر رہے گا، چونکہ پہلے مسئلہ کا حل ایک ہندو دوست کی تسلی کے لئے درکار ہے، جو یہ کہتا ہے کہ اگر میری عقلی طور پر تسلی ہو جائے، تو مین بمعہ اپنے اہل و عیال کے حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤن گا، لہذا متمنی ہون کہ اس مسئلہ پر عقلی لحاظ سے روشنی ڈالی جائے، اور کتابی حوالون سے گریز فرمایا جائے،

۱- حل طلب امر یہ ہے کہ اولاد سب کے ہان ایک ہی طریقہ سے ہوتی ہے، مگر کوئی گورا ہوتا ہے اور کوئی کالا، کوئی امیر، کوئی غریب، اس مین مولود کا کیا قصور ہے، کہ وہ سیاہ ہو یا غریب الحال

خدا تو منصف ہے، اور دوسری طرف مولود بھی معصوم، ہان اگر مولود کے والدین سے کوئی غلطی ہوئی ہے، تو اس کا بدلہ اُن والدین سے لینا چاہئے، نہ کہ اس (بچہ) سے، اور اگر والدین کا بدلہ (بچہ) سے لیا جائے، تو اس کے عدل میں شک آتا ہے، اس چیز کا جواب عقلی درکار ہے،

(۲) شہادتِ حسینؓ و عثمانؓ میں سے کون سی شہادت افضل ہے، بعض حضرات کا یہ کہنا کہ حضرت عثمانؓ اپنے گھر میں بیٹھے ہیں کسی کو جاکر چھیڑا نہیں، تنگ نہیں کیا، اور شہید ہوتے ہیں، مگر دوسری طرف حضرت حسینؓ یزید کے ملک میں چل کر جاتے ہیں، اعزہ و اقارب کے روکنے سے بھی نہیں رُکتے، حقوق کی حفاظت ہر بادشاہ کرتا ہے،

۳- مرزا حیرت دہلوی کے حالات پر بھی روشنی درکار ہے، وہ کس عقیدہ کے تھے، اور ان کے بیانات متعلق واقعۂ کربلا کہاں تک صحیح ہیں، "والسلام"

رفعِ تناسخ کے ذریعہ ابطال

معارف (۱) جی ہاں اگر آپ کے دل میں یہ شبہہ تھا، تو اس کو پہلے ہی صاف طریقہ سے لکھنا تھا، آپ نے تو جبر و قدر کے مسئلہ کو پہلے دریافت کیا تھا، اس کا جواب دیا گیا، اب جو سوال آپ نے کیا ہے، یہ حقیقت میں تناسخ کے ماننے والوں کی طرف سے ہے، اور ان کے نزدیک تناسخ کے عقیدہ سے اس مشکل کا حل ہو جاتا ہے، تو یہ غلط ہے، اس پر حسب ذیل اعتراضات ہیں،

۱- ہر زندگی کو پچھلی زندگی کا نتیجہ ماننے سے تو ہر شخص مجبورِ محض ہوگا، پھر وہ اپنی زندگی میں اپنی اصلاح کیسے کر سکتا ہے، پچھلے کرم کے ہاتھوں وہ ہر عمل میں پابند ہے، پھر اختیار کہاں رہا جو اپنی کو بنائے،

۲- ہر سزا سے دنیا دی سے مقصود اصلاح ہے اور اصلاح جب ہی ہو سکتی ہے، جب اوس کو اپنے جرم کی خبر اور اپنی سزا کا احساس ہو، حالانکہ نہ کسی کو اپنی پچھلی بدکاری کی نہ اس زندگی میں خبر نہ اپنی سزا کا کوئی احساس ہے، کیونکہ کسی کو اپنی پچھلی زندگی کا اس زندگی میں کوئی شعور ہوتا ہے، پھر اصلاح کیسے ہو،

۳- ہندوؤں کے چار ورن یا ذات ان کے دعوے کے مطابق شروع سے ہیں، اور تمام جانور وغیرہ بھی، پھر جزا کے طور پر انسانوں کا ان چار ورنوں اور جانوروں کی صورت میں ہونا کیسے صحیح ہو سکتا ہے،

۴- انسان کی اس زمین میں آبادی ان مخلوقاتِ حیوانی و نباتاتی کے وجود پر موقوف ہے، پھر آغازِ عالم میں ان چیزوں کے بغیر انسان کی آبادی کا خیال گویا محال ہے،

۵- شروع میں تو سب ہی انسان پھل اور کرم کے بغیر ہوں گے، تو پھر ان کی جو کیفیت بھی ہو اچھی یا بُری، وہ کیونکر پیدا ہوئی،

۶- جو شخص کہ انسان ہو کر اچھا نہ بنا وہ جانور ہو کر پھر کیسے اچھا بنے گا،

۷- اس عقیدۂ اواگون کے مطابق چونکہ نئی روح کہیں سے نہیں آتی، تو چاہیئے کہ انسانوں کی موت اور پیدائش کی تعداد برابر ہی رہے، حالانکہ یہ مردم شماری سے ثابت نہیں،

۸- پھر چاہیئے کہ کسی قوم کی مردم شماری میں ترقی و تنزل نہ ہو،

۹- اس عقیدہ کے مطابق انسان کی دوبارہ پیدائش گناہ کا نتیجہ ہے، پھر اس کے ماننے والوں کو چاہیئے کہ اپنی تعداد اور مردم شماری کے اضافہ کو اپنے گناہوں کی ترقی سمجھ کر خوش ہونے کے بجائے افسوس کیا کریں،

۱۰- بیماری اور اندھا، بہرا، گونگا ہونا جب گناہ کی سزا ہے تو اس سزا کو انسانی تدابیر سے دور کرنے کی فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سزا کو ہٹانا ہے جو سراسر پاپ ہونا چاہیئے،

اور بھی اس عقیدہ کے ماننے میں خرابیاں ہیں،

اب اسلامی عقیدہ کے مطابق بچوں کی مختلف پیدائشی احوال کا جواب جو ہے، وہ بعد کو عرض کروں گا، پہلے اس نظریہ کی غلطی تو ثابت ہو جائے جو فریق مخالف پیش کرتا ہے، اس عمارت کے انہدام کے بغیر دوسری عمارت اس کی جگہ نہیں بن سکتی،

عثمانی وحسینی شہادتیں

(۲) حضرت عثمان اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی ذاتی شہادتیں باعتبار ثواب کے یکساں ہیں لیکن خاندانی حوادث کے شمول کی بنا پر واقعۂ کربلا کی غم انگیزی اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے صبر و ابتلا کی شدت زیادہ ہے، "والسلام" "س"

اسلامی عقیدہ کے مطابق بچوں کے پیدائشی احوال کا اختلاف

جناب خان محمد صابر صاحب } گرامی نامہ نمبر ۲۹۳ مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۳۵ء
خانقاہ ڈوگران شیخوپورہ (پنجاب) } وارد فرما ہوا، یاد آوری اور کرمفرمائی کا شکریہ

میرے تین سوالات کا جواب صادر ہوا ہے جن میں سے دو سوالوں کے متعلق مزید معلومات درکار ہیں

۱۔ دراصل سوال تھا کہ اسلام ارواح کا مادی دنیا میں صرف پہلی دفعہ ہی آنا ظاہر کرتا ہے یہ نہ اس سے پہلے آئی ہیں، اور نہ بعد میں آئیں گی، بدیں حالات خدا سے وحدہٗ لاشریک کی تقسیم میں مساوات چاہیئے تھی، پھر یہ فرق کیوں ؟

اس مسئلہ کا حل اسلامی نقطۂ نظر سے درکار ہے، اور اس میں انسانی پیدائش خصوصاً مولود کے امیر غریب، گورے کالے وغیرہ ہونے کا ذکر بھی آجانا چاہئے تھا، آپ کے ارسال کردہ جواب سے میں اپنے دوست کی تشفی نہیں کر سکا، محض اس خیال سے کہ سوال کرنے والا ہندو ہے، آپ نے مسئلہ تناسخ کو درمیان میں لے لیا ہے، اگر ایسا بھی ہو کہ سوال کنندہ مسئلہ تناسخ کی رو سے موجودہ نظام قدرت کو سو فی صدی انصاف پر مبنی جانتے تو بھی ہمارا نظریہ یہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہمیں اپنے معتقدات کی بنا پر ایسے طریقہ سے استدلال کرنا چاہئے جو عام فہم ہونے کے علاوہ اتنا موثر ہو کہ مخالف کے دل و دماغ میں گھر کر جائے اور وہ بھی اسے تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہو جائے نہ کہ اس کے معتقدات کا رد کرنا، بہرحال آپ کے لئے ایسے اسلوب بیان کا پیدا کر لینا بھی کچھ مشکل نہیں،

جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے (مسئلہ تناسخ پر دس اعتراض) یہ اگر اس وقت ہوتا، جب ہم اپنے خدا کو اپنے معتقدات کی بنا پر عادل ثابت کرنے میں معذور ہوتے، یا مخالف خود مسئلہ تناسخ کو بیچ میں لے آتا تو اس کے عقائد کو قطع کرنے کے لئے ہمارا یہ استدلال ضرور کارآمد ہوتا، مگر یہاں تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، مدمقابل کا یہ اقدام مناظرانہ نہیں بلکہ صرف متعلمانہ ہو کر شاید تائید ایزدی آپ کی وساطت سے ہی اسے گمراہی سے نکال کر صراط مستقیم پر لے آئے، اور یہ فلاح پا جائے،

۲۔ بقول آپ کے شہادت حسینؓ کو خاندانی شمولیت کے باعث شہادت عثمانؓ پر تفوق ہے اگر خاندانی شمول ہی کو لیا جائے تو حضرت عثمانؓ بھی اس تعلق سے خارج نہیں کیونکہ اگر حضرت حسینؓ نواسۂ رسول ہیں تو حضرت عثمانؓ داماد رسول ہیں وہ حضرت علیؓ خلیفۂ چہارم کے سخت جگر ہیں تو یہ خود خلیفہ برحق وغیرہ تو پھر یہ تفوق کیسا؟ ہر ہی خوش اعتقادی تو یہ ضرور چاہئے مگر ایک طرفہ نہیں بہرحال مفصل رائے مطلوب ہے،؟

معارف:۔ میں رانڈیر و سورت کے سفر میں تھا، ۳۱ جولائی کو واپس آیا، افسوس ہے کہ آپ نے میرے جواب کی قدر نہ فرمائی، میں مخالف کو خاموش کرنا نہیں چاہتا، بلکہ اس کے قلب میں طمانیت پیدا کرنا چاہتا ہوں، اس لئے میں نے جو طریقہ مناسب سمجھا، وہ اختیار کیا، اس کے جواب میں آپ کو یہ

لکھنا چاہئے تھا، کہ تناسخ کے ذریعہ سے اس کا جو فیصلہ کیا جاتا ہے، وہ بے شبہہ غلط ہے، اب آپ اسلام کے رو سے اس کو حل کیجئے، جب تک پچھلا دروازہ پہلے بند نہ کر لیا جائے سامنے کا دروازہ نہیں کھولا جا سکتا، اب آپ ہی غور کریں کہ میرا طریقہ حکیمانہ تھا یا نہیں، اب بھی آپ اس طریقہ پر عمل فرما سکتے تھے، بہرحال اب میں یہ فرض کر لیتا ہوں کہ آپ نے یہ مان لیا کہ تناسخ کے ذریعہ سے اس مشکل کا حل نہیں ہو سکتا، اب میرا سوال ہے،

۱- یہ کیوں ضروری ہے کہ تمام مخلوقات میں مساوات تامہ ہو،

۲- اور اگر ایسا نہ ہو تو ظلم لازم آئے گا،

۳- ظلم نام ہے غیر کے اندر بے سبب تصرف بیجا کا، یہاں مخلوقات الٰہی تمام تر اللہ تعالیٰ کے مخلوق و محکوم و تابع محض ہیں اور اس کی مشیت مطلقہ کے زیر فرمان ہیں، جیسے فرض کیجئے کہ کمہار ایک ہی مٹی سے کوئی مرتبان کوئی پیالہ، کوئی صراحی کوئی لوٹا کوئی قشتری بناتا ہے تو ان ظروف کو اس اعتراض کا کیا حق حاصل ہے کہ مجھے ایسا یا اس کو ویسا کیوں بنایا، اس کی مشیت، خواہش اور ارادہ حاکم مطلق ہے جس کو جو بنانا مصلحت نظر آیا، اس کو اس کے فائدہ ہی کے لئے ویسا بنایا، کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہیں،

اللہ تعالیٰ نے کسی کی قسمت میں راحت رکھی ہے اور کسی کی قسمت میں تکلیف، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جس کی قسمت میں راحت رکھی ہے، اس پر کرم فرمایا ہے اور جس کو تکلیف دی ہے اس پر ستم کیا ہے ورنہ دنیا کو کچھ کر یہ فیصلہ کرنا ہوگا، کہ نکو کاروں اور اچھے لوگوں پر جو دنیا داروں کے مقابلہ میں تکلیف میں رہتے ہیں اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے اور بدمعاشوں، بدکاروں اور ڈاکوؤں پر اس کا بڑا کرم ہے جی نہیں، یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے امتحان اور ابتلا ہیں، امیر اور غریب جو راحت میں ہیں اور جو تکلیف میں ہیں، دونوں اس دنیا کے تماشا گاہ میں، اپنے اخلاق و اعمال کا امتحان دے رہے ہیں، غریب کا امتحان صبر میں اور امیر کا شکر میں ہو رہا ہے ممکن ہے کہ یہ غریب جیت جائے اور امیر ہار جائے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس امیر کو عذاب اور اس غریب کو سراسر راحت و جنت ملے،

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جیسے تھیٹر کا منیجر کسی ایکٹر کو فقیر کا روپ بھرنے کو کہے اور دوسرے کو شہزادہ کا، اب دونوں اپنے اپنے ایکٹ پیش کرتے ہیں، بالکل ممکن ہے کہ فقیر کا روپ بھرنے والا اپنے ایکٹ میں کامیاب ہو جائے اور وہ انعام واکرام کا مستحق سمجھا جائے اور شہزادہ کا روپ دھارنے والا بالکل ناکام رہے، اور وہ نوکری سے بھی محروم کر دیا جائے، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ منیجر نے جس سے فقیر کا روپ بھروایا، اس پر ظلم کیا تھا اور جس سے شہزادہ کا روپ بھروایا اس پر احسان و کرم فرمایا تھا، یہ ظاہر ہے منیجر کا فیصلہ قطعی غلط ہوگا، اور اگر دونوں نے اپنا اپنا ایکٹ ٹھیک کیا تو دونوں برابر کے انعام واکرام کے مستحق ٹھہریں گے، یہ نہیں کہ فقیر کو کم اور شہزادہ کو زیادہ ملیگا،

ایک بات سمجھ لیں کہ مذاہب حقہ کے نزدیک یہ دنیا دار الجزا حقیقی نہیں حقیقۃً دار العمل ہے اس لئے اس دنیا میں جو اختلاف

حال پیش آتا ہے عموماً گذشتہ عمل کی کلی اور قطعی پاداش نہیں، ہاں اس دنیا میں کوئی جزوی پاداش اسی دنیا کے کام کی مل سکتی ہے، مثلاً کوئی بدکاری کرے، اس کو امراض خبیثہ ہو جائیں، تو یہ جزئی سزا ہے جو مل سکتی ہے اور ملتی ہے، جیسے کوئی سڑی گلی غذا کھالے اور اس کو ہیضہ ہو جائے، تو یہ جزئی کام کی جزئی سزا ہے، یہ پوری عمر کے کاموں کی کلی سزا نہیں،

بہرحال اسلامی عقیدہ میں یہ دنیا عموماً دارالعمل ہے کسی گذشتہ زندگی کا دارالجزا نہیں، اور تناسخ ماننے والوں کے نزدیک یہ زندگی بلکہ ہر زندگی پچھلی زندگی کی جزا ہے، اور یہ جزا اس کو اس وقت تک ملتی رہے گی جب تک اس کا عمل ختم نہ ہو جائے یعنی اس سے کوئی عمل ہی سرزد نہ ہو یعنی پوری زندگی میں وہ مسلوب العمل رہے تاکہ عمل کی جزا میں دوبارہ پیدائش نہ ہو، کیا اس نظریہ کو کوئی صحیح الدماغ مان سکتا ہے،

بچوں کو طفولیت میں جو تکلیف و راحت ہوتی ہے اس سے خود بچوں کے صبر و شکر کا امتحان نہیں، بلکہ ان کے والدین اور سرپرستوں کے صبر و شکر کا امتحان ہوتا ہے اور اس پر ان کو جزا ملتی ہے، مثلاً اس دنیا میں اگر کسی کا مکان جل جائے، یا کسی کا اکلوتا لڑکا مر جائے تو تناسخ کا ماننے والا بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سزا مکان کو ملی یا یہ سزا لڑکے کو ملی مرنا تو کوئی سزا نہیں کیونکہ اس سے تکلیف کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ممکن ہے کہ آرام ملے اب تناسخ ماننے والے کو بھی یہی کہنا ہوگا کہ یہ سزا مکان کے مالک اور لڑکے کے والدین یا سرپرست کو ہوئی ہے یہی صورت حال چھوٹے بچوں کے باب میں بھی ہے، اور اس اختلاف حال کا کوئی تعلق پچھلی زندگی کی جزا سے نہیں ہے،

یہ جواب تو میں نے ان مسلمانوں کے خیال کے مطابق دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مشیت مطلقہ اور قدرت عامہ پر ایمان رکھتے ہیں لیکن مسلمانوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل ہی میں سارے قوانین بنا دیئے ہیں، اور اشیاء میں خواص رکھ دیئے ہیں، اب دنیا اسی قانون کے مطابق چل رہی ہے جیسے قانون بنا دیا کہ آگ جلائے، اب وہ جلا رہی ہے خدا اس میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا ہاتھ ڈالے یا بدکار دونوں کے ہاتھ جلیں گے قانون بنا دیا کہ سنکھیا کھانے والا مرجائے اب چاہے اس کو ہندو کھائے یا مسلمان دونوں مریں گے اسی طرح بدکاری کی طبعی سزا میں اگر کسی کو سوزاک یا آتشک ہو گئی، تو اس کی مقررہ سزا ہے اور اس کے جراثیم خون کے اندر داخل ہو جائیں گے اور وہ خون جہاں جہاں جائیگا اسی بیماری کو پیدا کرے گا، چنانچہ یہ بیماری باپ سے بچے میں پیدا ہو گی، قانون طبعی کے مطابق، مگر روحانی قانون کے مطابق باپ کے جرم میں بچہ شریک ہو کر آخرت میں یا اس دنیا میں مستحق عذاب نہ ہوگا، مگر طبعی قانون کے رو سے ان کو سزا ملتی ہے اور ملتی رہے گی،

اب اگر کوئی بچہ بیمار پیدا ہو یا کوئی اندھا، یا کوئی لنگڑا، یا کوئی کالا کوئی گورا، کوئی ناٹا، کوئی لمبا تو

اس اختلاف کے اسباب طبعی قوانین ہین، روحانی قوانین نہین، اس مین غذا کی خرابی، نطفہ کی خرابی، ایام حمل میں بے ترتیبی کی خرابی، آب و ہوا کا فرق، غرض یہ سب اختلاف احوال قوانین طبعی کے اختلاف سے ہین، اس کا کوئی تعلق اعمال کی روحانی جزا سے مطلق نہین ہے اس لئے اس اختلاف حال سے اللہ تعالیٰ کا ظلم و ستم ثابت نہین ہوتا، بلکہ خود انسان کی اپنی غلطی یا قوانین سے جہالت یا قوانین طبعی کی خلاف ورزی وغیرہ ذمہ دار ہے، چنانچہ جاہل ملکون اور قومون مین بچون کی بیماری اور موت کی جس قدر کثرت ہوتی ہے حفظان صحت کے اصول اور قانون سائنس کی نگہداشت سے بہت کمی ہوتی ہے، جیسے یورپ کے ملکون مین شرح اموات اور بچون کی بیماریون کی شرح بہت کم ہوئی ہے، تو کیا اس کے معنی یہ ہین کہ یورپ کے لوگ بڑے نیکوکار اور ہم ایشیائی لوگ اور ہندوستان والے بڑے پاپی ہین اس سے معلوم ہوا کہ طبعی اختلاف احوال کے اسباب تمامتر طبعی ہین جن کو اللہ تعالیٰ نے ازل ہی مین مقرر فرما دیا اور جس کے مطابق دنیا چل رہی ہے، اور اس اختلاف احوال کا سبب اعمال کے روحانی اثرات مطلق نہین ہین اس لئے اللہ تعالیٰ کے ستم و کرم پر استدلال قطعاً غلط ہے، اور اپ کا شبہہ تمامتر یہی ہے،

(۲) حضرت عثمانؓ والے جواب کو آپ سمجھے نہین، مین نے یہ کہا تھا کہ شخصاً دونون شہادتین یکسان ہین لیکن غم گینی کا حصہ شہید کربلاؓ مین اس لئے زیادہ ہے کہ وہ پورے خاندان کے ساتھ شہید ہوگئے، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تنہا شہید ہوے، اس لئے حادثہ کربلا کا ابتلا حادثہ مدینہ کے ابتلا سے اس حیثیت سے زیادہ ہے، والحمد للہ،

طمانیت مستفسر

جناب خان محمد صاحب | مکتوب گرامی مورخہ ۵ رمضان المبارک وردد فرما ہوا یاد آوری اور
خانقاہ ڈوگراں شیخوپورہ پنجاب | کرمفرمائی کا شکریہ، اس مین کوئی شک نہین کہ آپ کا پہلا خط حکیمانہ مصلحت لئے ہوئے تھا، اور اس کی غرض محض فریق مخالف کے قلب مین طمانیت پیدا کرنا تھا، مگر مین نہین چاہتا تھا، کہ مخالف کے دل مین کسی قسم کی حسرت یا شک رہ جائے لہذا دوبارہ تکلیف دی، جو خدا کے فضل و کرم سے موثر ثابت ہوئی جس کا یہ اثر ہے کہ وہ صاحب جو پہلے ہر روز آآکر پوچھا کرتے تھے کہ کیون سید صاحب قبلہ نے جواب بھیجا، اب سارا سارا دن شکل تک نہین دکھاتے، کئی کئی بار آدمی بھیجا جاتا ہے کہ وہ آئین، مگر بے سود، آپ کے گرامی نامہ کی وسیع تشہیر کیجا رہی ہے، ہدیہ مبارکباد قبول فرمائیے کہ اس فرعون کے لئے آپ موسیٰ ثابت ہوئے،

معارف:- فالحمد للہ علی ذالک،

مطبوعاتِ جدیدہ

کیفیہ از جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی تقطیع بڑی ضخامت ۳۸۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد للعۂ غیر مجلد سے رتبہ:- انجمن ترقی اردو، دہلی،

پنڈت جی اردو زبان کے محقق اور صاحبِ نظر اساتذہ مین ہین، اردو کے مزاج اور اس کی باریکیون پر ان کی نظر بہت گہری اور وسیع ہے، کیفیہ اس کا نمونہ ہے، اس مین اردو زبان کی مختصر تاریخ، اس کے الفاظ، املا و انشا، محاورات ومعانی وبیان، عروض وقوافی وغیرہ زبان کے مختلف اہم پہلوؤن پر عالمانہ بحثین اور متفرق لسانی مسائل پر نہایت مفید معلومات ہین، اردو زبان پر اب تک جتنی کتابین لکھی گئی ہین، ان مین کیفیہ مضامین کی ندرت، تنوع اور افادہ کے اعتبار سے سب مین ممتاز اور سب سے جدا ہے، یہ معلومات ومباحث اور کسی کتاب مین یکجا نہین مل سکتے، لیکن کسی مصنف کے تمام خیالات اور کسی بحث کے تمام جزئیات سے پورا اتفاق ضروری نہین ہے، چنانچہ اس کتاب مین بھی کلام کے نقائص کی بحث مین اختلاف کی کافی گنجایش ہے، بعض فروگذاشتین بڑی فاحش نظر آئین، مثلاً اس شعر

ساقی کوثر پلاتا ہے مئے خُمِ غدیر مست ہون ناسخ مین عشقِ احمدِ مختار مین

کو مخالفِ قیاس لغوی کی مثال مین پیش کرکے لکھا ہے کہ "غدیر کے معنی ہین، جو ہر گڑھا کر گڑھا ہوا، جہان برسات کا پانی جمع ہوتا ہے، یہ بھی مخالفت (قیاس لغوی) کی ویسی ہی بری مثال ہے" یعنی غدیر کے معنی جو ہر کے ہین اس لئے خم کی اضافت اسکی جانب صحیح نہین ہے لیکن یہ اعتراض اس لئے کیا گیا ہے کہ معترض نے خم اور غدیر کے لفظی معنی مراد لئے ہین، حالانکہ اس شعر مین لفظی معنی مراد نہین، بلکہ غدیرِ خم کے تاریخی واقعہ کی جانب اشارہ مقصود ہے، خم مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام کا نام ہے اور غدیر اس کے پاس ایک تالاب تھا جو خم سو قربت کی وجہ سے غدیرِ خم کہلاتا تھا، آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع کی واپسی مین غدیرِ خم کے پاس حضرت علیؓ کی شان مین مشہور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ الخ ارشاد فرمائی تھی، شیعون کے یہان اس واقعہ اور اس تاریخ کی بڑی اہمیت ہے، اور ۱۸ ذی الحجہ کو اس کی

یادگار مین عید غدیر منائی جاتی ہے اور خُم کی مناسبت سے خم غدیر اور عید غدیر کی اصطلاح ہے، اور شراب وغیرہ کے اضافہ کے ساتھ بطور کنایہ تولائے علیؓ و محبت اہل بیت اور ان کے فضائل وغیرہ کے لئے استعمال ہوتی ہے، حزیں فطرت کا شعر ہے،

مستی بیار ساقی کوثر عبادت است جوش خم است خطبۂ عید غدیر را

ناسخ نے بھی خم غدیر کو انہی معنون مین استعمال کیا ہے، البتہ صحیح لفظ غدیر خم ہے خم غدیر غلط العوام ہے، ساقی اور مے وغیرہ کی مناسبت سے ناسخ نے بھی اسکو استعمال کیا ہے اس قسم کی بعض اور بھی خفیف فروگذاشتین ہین لیکن اس سے کتاب کی اہمیت مین فرق نہین آتا، اور یہ کتاب اردو زبان کی تحقیق کا ذوق رکھنے والون کے مطالعہ کے لائق ہے، انشاء اللہ کسی آیندہ موقع پر اس پر تفصیلی نگاہ ڈالی جائے گی،

بیسوین صدی کا ادب مرتبہ جناب ملک حامد حسن صاحب صدر آفتاب مجلس،

تقطیع ۱۰×۷ ضخامت ۱۹۵ صفحے، کاغذ، کتابت، وطباعت، بہتر، قیمت ۱- عار پتہ

آفتاب مجلس مسلم یونیورسٹی، علیگڈھ،

ادھر پندرہ بیس برس کے عرصہ مین "ترقی پسند ادب" کے نام سے جو لٹریچر پیدا ہو رہا ہے، اس کی موافقت اور مخالفت مین بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس مین ضمناً قدیم ادب کے نقائص کا بھی جائزہ لے لیا گیا ہے لائق مرتب نے اس سلسلہ کو موافق و مخالف دونون نقطۂ نظر کے دس تنقیدی مضامین اس مجموعہ مین سلیقہ سے جمع کر دیئے ہین "ترقی پسند ادب" پر پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی "ادب و زندگی" چودھری محمد ابو الحسن صاحب صدیقی ایڈوکیٹ بدایون "ایک ادبی ڈائری کے چند اوراق" از جناب اختر انصاری "ترقی پسند ادب کا ایک معترض" جناب عبد القادر صاحب ایم اے "مختصر اردو افسانوی ادب" چودھری محمد ابو الفضل صاحب صدیقی "اردو غزل پر ایک نظر" شیخ عبد اللطیف صاحب صدیقی "حالی سے اقبال تک" ملک حامد حسن صاحب "ادب برائے ادب" جناب اطہر پرویز صاحب "اردو افسانے کا ارتقا" سعید احمد صاحب ایم اے ان مضامین کے مطالعہ سے نئے ادبی رجحانات، اس کے پیدا کردہ ادب، اس کے محاسن و معائب اور اس کے موافق و مخالف دلائل اور پرانے ادب کے نقائص وغیرہ بیسویں صدی کے پیدا شدہ ادب اور اس کی رفتار کا صحیح اندازہ ہو جاتا ہے، کتاب کے شروع مین پروفیسر حلیم صاحب کے قلم سے مختصر لیکن متین و سنجیدہ دیباچہ اور لائق مرتب کے قلم سے نئے ادب پر معتدل و متوازن تبصرہ ہے، پروفیسر رشید احمد صاحب کا مضمون کافی شہرت و مقبولیت حاصل کر چکا ہے،

اور اس لائق ہے کہ ترقی پسند نوجوان اسے اپنا ادبی رہنما بنائیں،

المختصر مترجمہ جناب احمد اللہ صاحب منشی فاضل و مولوی عالم تقطیع بڑی ضخامت ۲۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- مصنف سوباجی گوڑہ حیدرآباد دکن ملے گی،

یہ رسالہ امام ابوشجاع تقی الدین شافعی المتوفی ۸۸۸ھ کے ایک فقہی رسالہ غایۃ الاختصار کا اردو ترجمہ ہے، مترجم نے شیخ ابراہیم بجوری کی شرح اور محمد بن قاسم غزی کے حاشیہ سے جابجا مفید اضافے اور الفاظ کی تشریحات بھی کر دی ہیں، یہ رسالہ اختصار کے باوجود فقہی مسائل کا جامع ہے، اور روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، ذبیحہ، قربانی، وقف، ہبہ، شفعہ، وراثت، وصیت، نکاح و طلاق کے تمام ضروری مسائل آگئے ہیں، شوائع کے لئے یہ رسالہ خاص طور پر مفید اور کارآمد ہے، اور دوسرے مذاہب کے اشخاص بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

کمپنی کی حکومت جناب باری صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰۹، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت للعہ، پتہ مکتبہ اردو لاہور،

یہ کتاب لائق مصنف کی پرانی تصنیف ہے، اس کا یہ تیسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، ہر اڈیشن اپنے ماقبل سے زیادہ جامع و مکمل ہے، چنانچہ اس اڈیشن میں بھی بہت سے نئے اضافے ہیں، اس کتاب میں مغلوں کے زوال اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے قیام کے زمانہ سے لے کر ان کے خاتمہ تک ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں جو بیتا گذری، اس کی مفصل سرگذشت بیان کی گئی ہے، اس کے پہلے اڈیشنوں پر معارف میں مفصل ریویو ہو چکا ہے، اس لئے دوبارہ اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں، کتاب بہت جامع، مستند اور ہر پڑھے لکھے ہندوستانی کے مطالعہ کے لائق ہے،

سنہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری پر ایک جامع تبصرہ از جناب چودھری رحم علی صاحب ہاشمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ بلا مجلد عہ پتہ انجمن ترقی اردو دہلی،

اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے سنہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کی روشنی میں آبادی کی مختلف قسموں اور ان کے مختلف پہلوؤں مثلاً شہر و دیہات، ہندوستان کی قومیں، عورتوں کی حالت، صحت، تعلیم، زبان وغیرہ کی تفصیلات اور ان کے مختلف تناسبوں پر نہایت مفید اور دلچسپ تبصرہ کیا گیا ہے، ان میں سے ہر موضوع و بحث، بہت سے ذیلی موضوعوں پر مشتمل ہے، اور اس سے ہندوستان کی آبادی کے

مختلف پہلوؤں اور حیثیتوں کے متعلق نہایت کارآمد معلومات حاصل ہوتے ہیں، انگریزی میں تو اس قسم کی کتابوں کی کمی نہیں لیکن اردو میں کمیاب ہیں، اور ان کی بعض اوقات بڑی ضرورت پڑتی ہے،

خدا اور کائنات از جناب ماہر القادری تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۹ پتہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

لائق مؤلف نے اس کتاب میں نظری اور وجدانی دلائل اور مغرب کے حکما و فلاسفہ کے اقوال سے خدا کے وجود کو ثابت کیا ہے، اور دلنشین انداز میں دکھایا ہے کہ کائنات کا کمال تخلیق اور حسن تخلیق اور اس کا عظیم الشان نظام خود ایک صانع حقیقی کے وجود کا شاہد ہے، اور کسی شے کی کنہ اور حقیقت سے لاعلمی کے بارہ میں قدیم فلاسفہ وحکما کے اعترافات نقل کرکے خدا کی ضرورت اور اس کے وجود کے ثبوت میں بعد میں مغربی فلاسفہ کے اقوال اور ان کے اعترافات پیش کئے ہیں، انداز تحریر موثر دلنشین اور کتاب عام لوگوں کے لئے مفید ہے،

بچوں کی نفسیات از جناب شیر محمد اختر صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۶۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ کلدار، سکہ عثمانیہ پتہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

جدید نفسیات نے بچوں کی تعلیم وتربیت کے بارہ میں بہت سے پرانے اصول ونظریے بدل دیئے ہیں ایک زمانہ میں "جو راستاد" "فریدرک" سے بہتر سمجھا جاتا تھا لیکن جدید نفسیات کی رو سے تعلیم وتربیت کے لئے جبر بلکہ تنبیہ وسرزنش بھی مضر ہے، اور اس سے بچوں کے عادات وخصائل بننے کے بجائے اور بگڑ جاتے ہیں اسلئے اس کے بجائے مناسب افہام وتفہیم کو اہمیت دی گئی ہے، چنانچہ اس کتاب میں بچوں کی نفسیات کی روشنی میں تعلیم وتربیت کے ان جدید اصولوں کو پیش کیا گیا ہے معلمون کے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا،

ذہنی زلزلے از جناب نعیم صدیقی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، پتہ:- دارالاشاعۃ نشاۃ ثانیہ مکان نمبر ۱۰۴۶، ملے پلی جدید حیدرآباد دکن ومکتبہ کاروان ادب دارالاسلام نزد پٹھان کوٹ پنجاب،

جدید ترقی پسند افسانوں میں بڑی بے اعتدالی پائی جاتی ہے، جناب نعیم صدیقی نے جو روشناس صاحب قلم ہیں مذکورہ بالا افسانوں میں ایک درمیانی اعتدال کی راہ پیدا کی ہے جس میں مذہب واخلاق کی حرمت کے ساتھ جدید تقاضوں کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے اور بے قید انقلابی خیالات اور دور جدید کے بعض مسائل پر بڑے لطیف انداز میں تنقید کی گئی ہے اس مجموعہ میں تیرہ افسانے ہیں اور سب مفید مقصد اور پڑھنے کے لائق ہیں ان میں قدامت کی سنجیدگی ووقار بھی ہے اور جدت کا حسن وترقی پذیری بھی، "م"

جلد ۵۶ ماہ ذوقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء عدد ۴

مضامین

شذرات	شاہ معین الدین احمد ندوی	۱۹۴-۱۹۶
حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ	جناب سید صباح الدین عبد الرحمن (علیگ) رفیق دار المصنفین،	۱۹۷-۲۱۶
غزالی کا نظریۂ علم و عرفان	جناب شوکت صاحب سبزواری ایم اے ریسرچ اسکالر،	۲۱۷-۲۳۰
ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات،	جناب مولوی ابو یحیٰی امام خان صاحب نوشہروی،	۲۳۱-۲۴۶
سادات و علویین،	"س"	۲۴۷-۲۵۲
رب المشرقین ورب المغربین،	"س"	۲۵۲
جمال ہم نشین	جناب روش صدیقی،	۲۵۳
باتیں کرو	جناب شفیع منصور ایم اے،	۲۵۴
غزل	جناب شفیق صدیقی جونپوری	"
"یورپین اور انڈو یورپین شعرائے اردو"	جناب رشید احمد صاحب صدیقی صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ	۲۵۵-۲۶۰
مطبوعات جدیدہ	"م"	۲۶۱-۲۶۴

شذرات

غالباً ناظرین کو یاد ہوگا کہ ۱۹۳۳ء مین حضرت الاستاذ مدظلہ، سر اقبال اور سر راس مسعود مرحوم نے حکومت افغانستان کی دعوت پر، وہان کے نظام تعلیم کی تشکیل و ترتیب مین مشورہ کے لئے کابل کا سفر کیا تھا اور اپنے علمی و تعلیمی تجربون سے اس کام مین رہنمائی کی تھی، حضرت الاستاذ نے نادر شاہ مرحوم اور افغانستان کے دوسرے عمائد اور علماء کے سامنے خاص طور سے عربی و دینی تعلیم کی اصلاح و تجدید کے متعلق اپنے مفصل خیالات پیش کئے تھے، کہ دور جدید کی ضروریات کے لحاظ سے قدیم نصاب اور پرانا طرز تعلیم ناقص اور ایسے علما پیدا کرنے سے قاصر ہے، جو نئے افغانستان اور جدید تعلیم یافتہ نسل کی رہبری کرسکین، اور ملک مین مفید اصلاحات کی سربراہی مین مدد دے سکین، ضرورت ایسی تعلیم کی ہے، جو دینی ضروریات اور دنیاوی مصالح دونون کی جامع ہو، اور جس کے ذریعہ علماء مین سیاسی و اجتماعی اصلاحات اور صحیح دینی شیفتگی، دونون کا متوازن احساس پیدا ہوسکے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب دینی تعلیم مین جدید ضروری فنون کو بھی شامل کیا جائے گا، اور پرانے طریقہ تعلیم مین تغیر اور اس کو طلبہ کا معیار معاشرت بلند کیا جائے گا، افغانستان کے سفرنامہ مین جو سیر افغانستان کے نام سے کتابی صورت مین شائع ہوگیا ہے، یہ تجاویز متفرق طور سے موجود ہین،

رسالہ کابل کے تازہ سالنامہ بابت ۱۹۴۵ء مین افغانستان کی وزارت تعلیم کے کامون کی مفصل روداد شائع ہوئی ہے، اس مین عربی دینی تعلیم کا بھی ذکر ہے، اس سے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی، کہ پغمان کے خوش سواد علاقہ مین جو حکومت افغانستان کا گرمائی مستقر ہے ایک نئی اسکیم کے مطابق ایک عربی درسگاہ قائم ہوگئی ہے، اور اس کے نصاب مین جملہ دینی علوم کے ساتھ انگریزی زبان اور ضروری فنون جدیدہ کی کتابین بھی ہین، رسالہ کابل مین اس درسگاہ اور اس کے نصاب کی پوری تفصیل موجود ہے، یہ خوشی کا مقام ہے کہ ندوہ کی صدائے بازگشت خیبر پار تک پہونچ گئی، امید ہے کہ اس درسگاہ سے

ایسے علما پیدا ہوں گے، جو افغانستان کے مسلمانوں کی دینی و دنیوی دونوں ضروریات کی کفالت کرسکیں گے،

گذشتہ اگست میں مشہور انگریز مستشرق ڈاکٹر نکلسن نے ،، سال کی عمر میں انتقال کیا، وہ عربی و فارسی زبان کے فاضل اور لندن اور کیمبرج یونیورسٹی میں ان دونوں زبانوں کے استاد رہے تھے، ان کا موضوع اسلامی تصوف تھا، اس کے وہ یورپ میں امام مانے جاتے تھے، انھوں نے اسلامیات اور تصوف پر کئی کتابیں لکھیں، اس کی بعض قدیم اور اہم کتابوں کو ایڈٹ کیا، اور انگریزی میں ان کے ترجمے کئے، شیخ ابو نصر سراج کی کتاب اللمع اور مثنوی مولانا روم کی بڑی محنت سے تصحیح کی، یہ دونوں کتابیں گب میموریل سیریز کی جانب سے شائع ہوگئی ہیں، کشف المحجوب، مثنوی مولانا روم اور انتخاب دیوان شمس تبریز کا انگریزی میں ترجمہ کیا، اسلامی تصوف اور صوفیائے اسلام پر مستقل کتابیں لکھیں، عربوں کی علمی و ادبی تاریخ پر ایک مبسوط کتاب لٹریری ہسٹری آف دی عرب تالیف کی ہندوستان میں ان کا نام زیادہ سر اقبال مرحوم کی مثنوی اسرار خودی کے مترجم کی حیثیت سے مشہور ہے لیکن اسلامیات سے اس دلچسپی کے باوجود ان کا دامن تعصب و تنگ نظری سے پاک نہ تھا جس کا اثر لٹریری ہسٹری آف دی عرب میں زیادہ نمایاں ہے، اور یہ کتاب علمی و مذہبی دونوں حیثیتوں سے اعتبار کے لائق نہیں ہے،

فلسطین کا معاملہ اب خطرہ کی اخیر حد تک پہنچ چکا ہے، سرمایہ دار امریکا اور مزدور برطانی حکومت کے بعض ذمہ دار علانیہ یہودیوں کی حمایت میں آوازیں بلند کر رہے ہیں، یہودی سورما آلات جنگ سے مسلح فلسطین کے اردگرد منڈلا رہے ہیں، اور بزور قوت فلسطین میں داخلہ کے لئے آمادہ ہیں، یہ موقع تھا کہ تمام مسلمانان ہند بیک آواز فلسطین کے عرب باشندوں کی تائید میں کھڑے ہوتے مگر الگ الگ اسلامی سیاسی پارٹی کے ہر لیڈر نے اپنے بیانات سے عربوں کی تائید کی ہے، مگر ضرورت متحدہ محاذ کی ہے کیا اندرونی سیاسی اختلاف کے ساتھ کسی عمومی اسلامی سیاسی صورت حال پر غور کرنے کے ہم کبھی نہیں ہوسکتے،

مسلمانوں کے سیاسی اختلاف کی شدت اب یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ دلائل سے اپنے مسلک کی تائید و حمایت اور اپنے خدمات و ایثار سے استحقاق کے ثبوت کے بجائے محض پروپیگنڈے اور ایک دوسرے

کی مخالفت اور تحقیر و تذلیل کو اصل مقصد بنا لیا ہے، بعض اخبارات کا لب و لہجہ اتنا غیر سنجیدہ ہو گیا ہے کہ ان کا پڑھنا مشکل ہے، مرتبہ شناسی کا احساس بالکل ختم ہو گیا ہے، اپنی قوم کے اکابر اور لائق احترام شخصیتوں کی شان میں جیسے نازیبا الفاظ تقریروں اور تحریروں میں استعمال کئے جاتے، اور عام مجمعوں میں ان کے ساتھ جو غیر شریفانہ سلوک کیا جاتا ہے، اس پر ہر مسلمان کی گردن شرم و ندامت سے جھک جانی چاہیے افسوس کہ ہم اپنی زندگی کا ثبوت بھی دینا چاہتے ہیں، تو تعمیر کے بجائے تخریب میں، کسی قوم کی شائستگی کا معیار اس کا کیرکٹر اور پختہ اخلاق ہے،

ابھی گذشتہ ہی مہینہ معارف میں مدینگار کے علمی سرقوں کا ذکر آیا تھا، اتفاق سے اسی مہینہ کے نگار میں اس کا ایک تازہ ثبوت نظر آیا، مولانا شبلی مرحوم نے تہذیب الاخلاق علی گڈھ میں الاسدی کے مخفی نام سے "المعتزلہ والاعتزال" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا، جو مقالات شبلی جلد پنجم میں بھی چھپ چکا ہے، مدینگار کو غالباً اس کا علم نہ تھا انھوں نے اس کو پرانا بھولا ہوا مال سمجھکر اس کی تمہید میں اپنی طرف سے اضافہ کرکے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ کوئی نیا مضمون ہے، "اسلام کا اولین عقل پرست فرقہ" کے عنوان سے ستمبر کے نگار میں شائع کر دیا، گو نام "الاسدی" ہی کا رہنے دیا ہے، لیکن یہ صرف اس لئے کہ اگر چوری پکڑ لیجائے، تو یہ کہنے کا موقع رہے، کہ الاسدی کے نام سے شائع کیا گیا ہے، اور نہ پکڑی جائے تو مدینگار کی ذاتی ملکیت بن جائے ورنہ ظاہر ہے کہ آج الاسدی سے علامہ شبلی مرحوم کو کون سمجھ سکتا ہے، اگر مدینگار کی نیت صاف تھی تو اصل مضمون کو بغیر کسی اضافہ کے بعینہٖ شائع کرنا اور تہذیب الاخلاق کا حوالہ دیدینا چاہئے تھا، اسے کہتے ہیں مہارتِ فن،

جناب عبد السبوح صاحب قاسمی عربک اسسٹنٹ پنجاب یونیورسٹی لائبریری شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اسرار الحجۃ کو ایڈٹ کرنا چاہتے ہیں، ان کے پاس اس کا صرف ایک ہی نسخہ ہے، وہ بھی کرم خوردہ، اگر ناظرین معارف میں سے کسی صاحب کے پاس اس کا دوسرا نسخہ ہو یا ان کے علم میں ہو تو وہ عبد السبوح صاحب کو اس سے استفادہ کا موقع یا اس کی اطلاع دیں، یہ ایک علمی خدمت ہوگی،

مقالات

عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از

سید صباح الدین عبدالرحمٰن (علیگ) رفیق دارالمصنفین

(۴)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

اسم گرامی محمد، لقب سلطان المشائخ، سلطان الاولیا، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیا تھا عرف عام میں محبوب الٰہی کے نام سے مشہور تھے[۱]

ان کے والد بزرگوار مسمی احمد بن دانیال غزنین[۲] سے ہجرت کرکے لاہور آئے پھر وہاں سے بدایون آکر سکونت پذیر ہوئے، اور اسی شہر میں ۱۷ صفر ۶۳۳ھ میں خواجہ نظام الدین اولیاء کی ولادت باسعادت ہوئی جب پانچ سال کے تھے تو والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، اپنی والدہ محترمہ کے زیر تربیت پرورش پائی، ابتدائی تعلیم بدایون کے مکتب میں ہوئی، مزید تعلیم کے لئے اپنی والدہ کے ساتھ دہلی آگئے، جو اس وقت علماء و فضلاء کا گہوارہ بنا ہوا تھا، ان میں فضل و کمال کے اعتبار سے مولانا شمس الدین خوارزمی بہت ممتاز تھے بلبن ان کا بیحد قدردان تھا، چنانچہ اپنی بادشاہت کے زمانہ میں اس نے ان کو "شمس الملک" کا خطاب دیا اور "مستونی ممالک" کے عہدہ پر مامور کیا، اس زمانہ کے مشہور شاعر تاج الدین سنگ ریزہ نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ بھی کہا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے،

---

[۱] سیر العارفین، ص ۱۱۴، اخبار الاخیار صفحہ ۵۳، خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۳۲۲ [۲] اخبار الاخیار میں ہے کہ خواجہ صاحب کے دادا اور نانا دونوں بخارا سے لاہور آئے،

شمسا کنون بکام دل دوستاں شدی مستدفی ممالک ہندوستان شدی[1]

اس عہدہ سے پہلے درس و تدریس کے لئے مشہور تھے، اس لئے خواجہ نظام الدینؒ نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، مولانا شمس الدین خوارزمی نے بھی ان کی طرف غیر معمولی توجہ کی، وہ عزیز شاگردوں کو اپنے حجرہ میں بلا کر درس دیا کرتے تھے، چنانچہ یہ شرف ان کے تین شاگردوں، قطب الدین ناقلہ، برہان الدین عبد الباقی اور خواجہ نظام الدینؒ کو حاصل تھا، مولانا شمس الدین خوارزمی کا کوئی شاگرد جب درس سے غائب ہوتا، تو جب وہ آتا تو اس سے مذاق سے پوچھتے، کہ میں نے تمہاری کیا خطا کی تھی، جو تم درس میں حاضر نہ ہوئے، بتاؤ تاکہ میں پھر وہی تصور کروں، اور تم آیندہ بھی حاضر نہ ہو سکو، لیکن جب خواجہ نظام الدینؒ کا درس ناغہ ہو جاتا، اور وہ استاد کی خدمت میں پہونچتے تو ان کو دیکھکر یہ شعر پڑھتے،

بارے کم از آنکہ گاہ گاہے آئی و بما کنی نگاہے[2]

خواجہ نظام الدینؒ، دہلی میں ہلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرہ میں رہتے تھے، اس سے قریب ہی خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکلؒ کا مکان تھا، جو ظاہری و باطنی علوم سے بہرہ ور تھے، ان کی صحبت میں خواجہ نظام الدینؒ کے دل میں بابا فرید گنج شکرؒ کی ملاقات اور دیدار کا شوق پیدا ہوا، ایک رات شہر کی جامع مسجد میں مقیم تھے، صبح کے وقت موذن نے منارہ پر چڑھ کر یہ آیت پڑھی

الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ، (حدید - ۲)

کیا اس کا وقت نہیں آیا ہے، کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کے دل اللہ کے ذکر سے اس کی خشیت سے جھک جائیں،

اس کو سن کر ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اور بابا فرید گنج شکرؒ کی زیارت کو اٹھ کھڑے ہوئے، اور جب اجودھن پہونچے، تو بابا صاحب نے ان کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا،

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اور اسی وقت کلاہ چہار ترکی سر سے اتار کر اپنے مرید کے سر پر رکھدی[3]

خواجہ صاحبؒ اپنے پیر و شیخ کی صحبت میں ۱۵ رجب ۶۵۵ھ سے ۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ تک تعلیم و تربیت پاتے رہے، بابا شکر گنجؒ کی خانقاہ میں تمام درویشوں کی زندگی بڑی عسرت تنگی اور فاقہ میں

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۱۵ [2] ، صفحہ ۱۱۶ [3] فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۲ و خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۳۲۹،

گذرتی تھی، مولانا بدرالدین اسحٰق لنگر خانہ کے لئے ایندھن کی لکڑیاں لاتے، شیخ جمال الدین ہانسوی جنگل جاکر دیدہ لایا کرتے، یہ ایک قسم کا پھل تھا جس کا عام طور سے نمک اور سرکہ ملا کر اچار بناتے تھے، حسام الدین کابلی پانی بھر کر لاتے، اور باورچی خانہ کے برتن دھویا کرتے، خواجہ نظام الدین رح دیلون کے پکانے کی خدمت اپنے ذمہ لیتے دیلے میں ڈالنے کے لئے نمک کبھی میسر ہوتا اور کبھی نہیں، جب کہیں سے کوئی غیبی مدد مل جاتی، تو پڑوس کے بقال کے یہاں سے مسالہ خرید لیا جاتا، ایک روز نمک نہ تھا، خواجہ نظام الدین نے مرشد کی خاطر ایک درم کا نمک بقال سے ادھار لے لیا، اور دیلہ پکا کر مرشد اور درویشوں کے سامنے لے گئے، مولانا بدرالدین اسحاق، شیخ جمال الدین ہانسوی اور خواجہ نظام الدین ایک ہی پیالہ میں ساتھ کھاتے تھے، جب بابا فرید گنج شکر نے لقمہ اٹھانے کے لئے پیالہ میں ہاتھ ڈالا، تو ہاتھ میں گرانی محسوس ہوئی، اور لقمہ اٹھا نہ سکے، فرمایا کہ "ازین بوے اسراف می آید" اور پوچھا کہ نمک کہاں سے لاکر ڈالا گیا ہے، خواجہ نظام الدین نے لرزہ براندام ہوکر عرض کی قرض کا ہے، بابا گنج شکر نے فرمایا کہ درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لئے وہ مقروض ہوں، قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے، اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے، تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی، یہ کہہ کر پیالوں کو غربا میں تقسیم کر دینے کا حکم دیا، خواجہ نظام الدین کا خود بیان ہے، کہ اسی وقت انھوں نے دل میں قرض لینے سے توبہ و استغفار کی، مرید کی اس توجہ کا کشف مرشد کو ہوا تو جس کملی پر وہ بیٹھے تھے، اس کو عطا کرکے ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ آیندہ تم کو قرض کی ضرورت ہی نہ پڑے گی، اور جب خواجہ صاحب دہلی واپس ہونے لگے، تو مرشد نے ان کو دو باتوں کی نصیحت فرمائی، ایک یہ کہ اگر کسی سے قرض لینا تو اس کو جلد ادا کرنے کی کوشش کرنا، دوسرے اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش رکھنے کی سعی کرنا، چنانچہ جب خواجہ صاحب دہلی واپس آئے تو ایک عزیز کے پاس پہونچے جس سے انھوں نے ایک کتاب مستعار لی تھی اور وہ گم ہوگئی تھی، ان سے فرمایا کہ میری نیت صادق ہے، کاغذ مہیا کرکے آپ کی کتاب لکھ کر آپ کے حوالہ کر دوں گا، وہ عزیز یہ سن کر ایسے متاثر ہوئے، کہ کتاب مذکور خواجہ صاحب کو بخشدی، وہاں سے خواجہ صاحب ایک بزاز کے پاس آئے جس سے کسی وقت بیس ٹنکے کا کپڑا ادھار لیا تھا، دس ٹنکے دیکر بقیہ رقم بعد میں دینے کو کہا، بزاز نے دس ٹنکے تو لے لئے اور بقیہ دس خواجہ صاحب کے مرشد کی صحبت کی عمدہ تاثیر کے صلے میں معاف کر دیئے (رموز الارواح (قلمی نسخہ دارالمصنفین) وسیر العارفین ص ۱۱۲ و مرأۃ الاسرار (قلمی نسخہ دارالمصنفین)

دہلی سے کئی بار مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے خواجہ نظام الدینؒ اجودھن تشریف لے گئے، ایک بار مرشد نے اپنے محبوب مرید کے لئے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ مین دعا کی کہ الٰہی نظام الدین جو تجھ سے مانگا کرے، اسے عطا فرمایا کر" یہ دعا قبول ہوئی، اسی لئے خواجہ صاحب محبوب الٰہی کہلائے[1] آخری بار جب اجودھن مرشد سے ملنے گئے تو واپسی کے وقت مرشد نے فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیک بخت بنائے، تم ایسے درخت ہوگے، جس کے سایہ مین مخلوق آرام پائے گی، اور نصیحت کی کہ حصول استعداد کے لئے برابر مجاہدہ کرتے رہنا

بابا شکر گنجؒ کا جب وصال ہوا، تو محبوب الٰہیؒ اجودھن مین نہ تھے، لیکن مرشد نے عصا اور خرقہ جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ان کو ملا تھا، مولانا بدر الدین اسحٰق کی معرفت اپنے مرید کے پاس دہلی بھیجا، بابا شکر گنج کے جلیل القدر اور عظیم المرتبت خلفاء مین تاج الاولیاء علاء الدین صابر بھی تھے، بابا شکر گنجؒ فرمایا کرتے تھے کہ

"علم سینۂ من بہ شیخ نظام الدین اولیاء، بداؤنی رسید، و علم دل من بہ شیخ علاؤ الدین علی احمد صابر فائز گردیدہ"[2]

پہلی دفعہ جب اجودھن سے خواجہ نظام الدینؒ اولیاء دہلی تشریف لائے تو شہر مین آبادی کی کثرت کی وجہ سے ان کو عبادت و ریاضت کے لئے کوئی پرسکون جگہ نہ ملی، ان دنون مرشد کی ہدایت کے بموجب کلام پاک حفظ کر رہے تھے، اس لئے جب شہر مین کہیں کوئی نہ ملتی تو جنگل جا کر حفظ کرتے، ایک روز تغلق خان کے حوض کے پاس ایک درویش سے ملاقات ہوئی، اس کی باتون سے معلوم ہوا کہ شہر اس وقت فسق و فجور کا منبع ہو رہا ہے، اس لئے یہان کے قیام سے ایمان مین سلامتی اور عبادت مین استقامت پیدا نہین ہو سکتی ہے اس گفتگو کے بعد خواجہ صاحب دہلی سے متصل ایک جگہ غیاث پور مین آکر مقیم ہوئے، شروع مین یہان کے قیام کے زمانہ مین بڑی عسرت اور تنگی رہی، چنانچہ خود فرماتے ہین، کہ اس زمانہ مین ایک من خربوزے دو جیتل کو ملتے تھے، ساری فصل گذر گئی مگر مین ایک پھل بھی نہ چکھ سکا، اتفاقاً ایک روز ایک شخص کئی خربوزے اور کچھ روٹیان میرے پاس لایا، جس کو مین نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی نعمت سمجھ کر لے لیا، اس زمانہ مین شیخ برہان الدین غریب اور شیخ کمال الدین یعقوب جو آگے چل کر خواجہ نظام الدینؒ اولیا کے خلیفہ ہوئے ان کی خدمت مین رہتے تھے، ایک بار چار روز کا مسلسل فاقہ ہو گیا، پڑوس کی ایک نیک بی بی نے جو خواجہ

---

[1] سیر العارفین صفحہ ۵۳ سیر الاقطاب صفحہ ۱۴۸،

نظام الدین سے بیعت بھی تھین، کچھ آٹا بھیجا، شیخ کمال الدین یعقوب نے آٹے کو مٹی کے ایک برتن (دیگ سفالین) مین ڈال کر آگ پر چڑھا دیا، اسی وقت ایک ژولیدہ پوش درویش آپہونچا، اور کچھ کھانے کو مانگا، خواجہ صاحب نے دیگ کو خود اپنے ہاتھون سے اٹھا کر درویش کے سامنے رکھدیا، اس نے دیگ سے کچھ گرم گرم لقمے منہ مین ڈالے، پھر دیگ کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا، اور یہ کہتا ہوا غائب ہو گیا،

"شیخ فرید الدین گنج شکر نعمت باطن شیخ نظام الدین اولیاء ارزانی داشت ومن دیگ فقر ظاہری او شکستم، حالا سلطان ظاہری و باطنی شدی"

اس کے بعد خواجہ صاحب کی عسرت اور تنگی جاتی رہی[1]،

اسی زمانہ مین سلطان معز الدین کیقباد نے غیاث پور کے پاس کیلوکھڑی مین ایک محل بنوایا، اور ایک شہر آباد کیا، جس مین ایک جامع مسجد بھی بنوائی، اس لئے لوگون کے ہجوم سے خواجہ صاحب کی طبیعت گھبرانے لگی، اور کہین دوسری طرف چلے جانے کا ارادہ کیا، لیکن ایک روز ایک خوش رو نوجوان ان کے پاس آیا، اور یہ دو شعر پڑھے،

روزے کہ تو مہ شدی نمی دانستی — کانگشت نمائے عالمے خواہی بود
امروز کہ زلفت دل خلقے بربود — در گوشہ نشست نمی دارد سود

اور کہا:-

"اول مشہور نمی بایستی شد، این کس مشہور شد، چنان سعی کند کہ در روز قیامت از روے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرمندہ نہ گردد، از خلق گوشہ گرفتن و بحق مشغول شدن سہل است اما مردانگی و کار مردی آنست کہ خلوت در انجمن باشد و با وجود انبوہ خلق در مشغولی خلل نیفتد"[2]

یہ سُن کر وہ غیاث پور ہی مین آخر وقت تک مقیم رہے، دربار کی قربت کی وجہ سے امراء کی آمد و رفت بھی ان کے یہان شروع ہوئی، اور وہ تربیت پاکر مستفیض ہوتے رہے،

سیر العارفین کے مصنف کا بیان ہے کہ

"اکثر وہ متمول روٴسا جو مائل فسق و فجور تھے، شیخ کی خدمت مین افعال زشت سے تائب ہو کر وہین رہنے لگے"[3]

---

[1] خزینۃ الاصفیا ص ۳۳ و فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۲ [2] ص ۳۳۰ و سیر العارفین ص ۱۲۵ [3] سیر العارفین صفحہ ۱۲۳،

امیر خسرو کے نانا عماد الملک اور والد بزرگوار امیر سیف الدین لاچین بھی خواجہ نظام الدینؒ کے حلقۂ ارادت مین آکر داخل ہوئے، اور دونون کا پورا خاندان شرفِ بیعت سے مشرف ہوا، امیر خسرو کی عمر اس وقت جب انھون نے اپنے محبوب مرشد کے دامن مین پناہ لی کل آٹھ سال تھی، رفتہ رفتہ مرشد کو اس مرید سے اتنا گہرا لگاؤ پیدا ہو گیا، کہ بارہا فرمایا کرتے کہ

"اے ترک من از وجود خود برنجم لیکن از تو نرنجم"[۵۱]

امیر خسرو پر بھی مرشد کی تربیت کا اتنا اثر ہوا کہ تذکرہ نویسون کا بیان ہے کہ چالیس سال تک صائم الدہر رہے، اور عشق الٰہی کی ایسی سوزش ان مین پیدا ہو گئی کہ جب لباس زیب تن کرتے، تو بعض تذکرہ نگارون کا بیان ہے کہ سینہ کے پاس کا کپڑا جل جاتا، چنانچہ محبوب الٰہی خود فرماتے ہین، کہ

"روز قیامت از ہر کس خواہند پرسید کہ چہ آوردی از من بپرسند خواہم گفت کہ سوز سینہ این ترک اللہ"[۵۲]

امیر خسرو کو بھی اپنے مرشد سے کچھ ایسا والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا تھا، کہ ان کی فریفتگی اور شیفتگی آج تک ضرب المثل ہے، امیر خسرو نہ صرف ایک بے بدل شاعر اور ادیب تھے، بلکہ شاہی دربار سے تعلقات کی بنا پر امیر کبیر بھی تھے لیکن اس کے باوجود وہ کبھی خلوت مین مرشد کے ادنی خادم بن کر رہتے، کبھی جلوت مین خوش الحان قوال کے لباس مین مرشد کو اپنی غزلین سناتے، اور جو شعر مرشد کو پسند آجاتا، اس کو بے خود ہو کر بار بار گاتے، وہ اپنی شاعری کے سارے کمالات کو محض اپنے مرشد کے لعاب دہن کی برکت سمجھتے تھے، مرشد نے بھی مرید کے شعر و شاعری کے متعلق یا اشعار موزون کئے ہین[۵۳]،

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خواست — ملک است کہ ملک سخن خسرو راست

این خسرو ما است ناصر خسرو نیست — زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ما ست

مرشد سے امیر خسرو کا عشق اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک بار ایک درویش نے محبوب الٰہیؒ کے پاس آکر سوال کیا، اتفاق سے اس روز لنگر خانہ مین کوئی چیز نہ تھی، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا آج جو کچھ بھی فتوح ہین آئے گا تم کو

---

[۵۱] خزینۃ الاصفیا ص ۳۴۰ جلد اوّل، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) مین یہ الفاظ اس طرح ہین "از خود تنگ آیم اما از تو تنگ نیایم" [۵۲] سفینۃ الاولیا، ص ۱۰۰ [۵۳] کہا جاتا ہے کہ محبوب الٰہیؒ نے امیر خسرو کے منہ مین ایک بار اپنا لعاب دہن ڈالدیا تھا، خزینۃ الاصفیا، جلد اوّل ص ۳۴۰،

دیدیا جائے گا، مگر اتفاق سے اس روز کوئی چیز کہین سے نہین آئی، فرمایا کہ کل کی فتوح تمھاری نذر کی جائے گی، دوسرے دن بھی کوئی چیز نہین آئی، بالآخر محبوب الٰہیؒ نے اپنے پاؤن کی جوتیان دے کر درویش کو رخصت کیا، وہ شہر سے باہر نکلا، تو امیر خسرو جو بادشاہ وقت کے ساتھ کہین گئے تھے، راستہ مین ملے، اور درویش سے شیخ کی خیریت پوچھی، جب درویش باتین کرنے لگا، تو امیر خسرو نے بے اختیار ہو کر کہا،

"مرا از تو بوے پیر روشن ضمیر من می آید شاید کہ از شیخ نشانی نزد خود داری"

درویش نے وہ نشانی دکھائی، امیر خسرو بے تاب ہو گئے، اور درویش سے پوچھا کہ اس کو فروخت کرتے ہو، وہ راضی ہو گیا، امیر خسرو کے پاس اس وقت پانچ لاکھ نقرئی ٹنکے تھے، جو بادشاہ نے ان کو ایک قصیدہ کے صلہ مین عطا کئے تھے، یہ پوری رقم درویش کو دے کر شیخ کے نعلین خرید لئے، اور ان کو اپنے سر پر رکھ کر مرشد کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور عرض کی :-

"درویش بر ہمین اکتفا کرد، ورنہ اگر تمام جان و مال من بعوض این کفش طلب می کرد حاضر می کردم"[۵۱]

محبوب الٰہیؒ کو بھی اپنے مرید سے ایسی شیفتگی تھی کہ فرمایا کرتے تھے، کہ اگر شریعت مین اجازت ہوتی تو مین وصیت کرتا کہ

"او را در قبر من دفن نمایند تا ہر دو یکجا باشیم"[۵۲]

لیکن پھر یہ وصیت فرما گئے کہ

"امیر خسرو بعد از من نخواہد زیست، چون رحلت کند پہلوے من دفن کنند کہ او صاحب اسرار منست و من بے او قدم در بہشت ننہم"[۵۳]

امیر خسرو شیخ کی رحلت کے وقت دہلی سے دور سلطان محمد تغلق کے ساتھ بنگالہ کی مہم پر تھے محبوب الٰہیؒ کا وصال ہوا تو یکایک امیر خسرو کے دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی، اور وہ بادشاہ سے اجازت لے کر چل کھڑے ہوئے، دہلی پہنچکر معلوم ہوا کہ سلطان المشائخ اپنے محبوب سے جا ملے، یہ سن کر بے تاب ہو گئے، اپنی ساری ملکیت شیخ کے ایصال ثواب کے لئے فقراء و مساکین مین لٹا دی، اور ماتمی لباس پہن کر مزار پر انوار پر پہونچ گئے، اس سے سر کو ٹکرا کر ایک چیخ ماری کہ

---

[۵۱] خزینۃ الاصفیا ص ۲۴۱ و سفینۃ الاولیاء ص ۱۰۱ [۵۲] و [۵۳] فرشتہ جلد دوم ص ۳۰۴

"سبحان اللہ آفتاب در زیر زمین و خسرو زندہ"[۵۱]

اور یہ کہکر بیہوش ہوگئے، اور اسی اندوہ و غم مین چھ مہینے کے بعد عالم بقا کو سدھارے لیکن وفات کے بعد شیخ کے پہلو مین دفن نہ کئے جا سکے، فرشتہ کا بیان ہے۔

"چون امیر خسرو فوت شد خواستند کہ بموجب وصیت پہلوے قبر شیخ درون گنبد دفن کنند یکے از خواجہ سرایان کہ منصب وزارت داشت و مرید شیخ بود مانع شد کہ بعضے مریدان شیخ و امیر خسرو مشتبہ خواہد شد پس او را در پایان شیخ برچبوترہ یاران دفن ساختند"[۵۲]

خلجی دربار کے امراء مین محمد کاشف حاجب اور ملک قرا بیگ ترک بھی سلطان المشائخ کے معتقدین مین تھے، ایک بار محمد کاشف علاؤ الدین خلجی کی جانب سے پچاس ہزار نقرئی ٹنکے نذر لایا، یہ رقم وہ اس وقت لے کر پہنچا، جب محبوب الٰہی رشد و ہدایت کے سلسلے مین کسی عقدہ کے حل کرنے کا وعدہ کیا کرتے تھے تحفہ دیکھ کر فرمایا، بادشاہ کے انعام کی طرف توجہ کرون یا عہد پورا کرون، مریدون نے عرض کی،

"وفاے عہد بہتر از ہشت بہشت ست، چہ جائے پنجاہ ہزار تنکہ"[۵۳]

سلطان علاؤ الدین خلجی نے جب ملک کافور کو ورنگل کی فتح کے لئے بھیجا، تو کچھ دنون تک سلطان کو اس مہم کے متعلق کسی کی کوئی خبر نہ ملی، حالت اضطراب مین قاضی مغیث الدین بیانوی اور ملک قرا بیگ کو بھیجکر محبوب الٰہی کی خدمت مین یہ پیام کہلایا،

"شما را غم اسلام بیش از من ست، اگر بمیا من نور باطن حقیقی کیفیتی معلوم شدہ باشد اشارہ نمایند کہ خاطر از رسیدن خبر لشکر گران ست"[۵۴]

محبوب الٰہی نے بشارت دی،

"ورائے ایں فتح فتحے دیگر متوقع ست"[۵۵]

چنانچہ اسی روز ورنگل کی فتح کی خبر ملی، سلطان علاؤ الدین نے خوشی مین سلطان الاولیاء

---

۵۱ سفینۃ الاولیا ص ۰، ۱ و مونس الارواح ۵۲ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۴۴۲، مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین) مین ہے کہ امیر خسرو نے اپنے مرشد کے وصال کے ساڑھے تین مہینے کے بعد انتقال کیا۔

۵۳ فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴ و سیر العارفین ص ۱۳۴ ۵۴ فرشتہ جلد اول ص ۱۱۹ و تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی صفحہ ۳۳۱ ۵۵ ایضاً

کی خانقاہ کے لئے پانچسو اشرفیاں بھیجیں، ملک قرابیگ اشرفیاں لیکر پہنچا تو اس کو دیکھ کر ایک خراسانی قلندر نے محبوبؒ الٰہی سے کہا کہ الٰہدایا مشترک (یعنی ہدیہ مشترک ہوتا ہے) محبوبؒ الٰہی نے جواب دیا، تمنا خوشتر (یعنی اگر تمنا لیا جائے تو اس سے بہتر ہے) یہ کہکر تمام اشرفیاں قلندر کے حوالہ کر دیں[۱]

ملک قرابیگ کو علاء الدین نے یہ ہدایت دے رکھی تھی، کہ محبوب الٰہیؒ کو محفل سماع میں جس شعر پر وجد آئے، اس کو وہ لکھ لیا کرے، اور اکر سنایا کرے، مرآۃ الاسرار کے مصنف کا بیان ہے کہ ان اشعار کو سن کر علاؤ الدین کو قلبی راحت محسوس ہوتی تھی[۲] ایک بار محبوب الٰہی کو حکیم سنائی کے ان دو شعر دن پر وجد طاری ہوا،

بیش منما جمال جان افروز ورنمودی بر و سپند بسوز

آن جمال تو چیست ہستی تو وان سپند تو چیست مستی تو

قرابیگ اس کو لکھ کر سلطان علاؤ الدین خلجی کے پاس پہنچا، سلطان ان اشعار کو بار بار پڑھتا، زنکھون سے لگاتا اور تعریف کرتا تھا، قرابیگ نے سلطان کی یہ عقیدت دیکھ کر کہا "اس حسن اعتقاد کے باوجود آپنے شیخ سے اب تک ملاقات نہین کی ہے جو تعجب کا باعث ہے"۔ سلطان نے جواب دیا،

"اے قرابیگ ترک ما بادشاہیم از سر تا پا آلودہ دنیا و بدین آلودگی شرم می دارم کہ آنچنان پاکی را ببینم"۔

لیکن اسی وقت اپنے جگر گوشون خضر خان اور شادی خان کو محبوب الٰہیؒ کے دامن ارادت سے وابستہ ہونے کیلئے دو لاکھ ٹنکے کے ساتھ بھیجا، دونون مرید ہوکر محبوبؒ الٰہی کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے خضر خان ہی نے خانقاہ اور مقبرہ کی عمارت بنوائی ہے[۳]

خضر خان محبوب الٰہی کے حلقۂ ارادت مین آچکا، تو مولانا عبدالحق دہلوی لکھتے ہین کہ

"ایک بار سلطان علاؤ الدین خلجی نے شیخ کے امتحان کی غرض سے ان کی خدمت مین امور سلطنت کی اصلاح کے متعلق چند فصلین لکھین جن مین ایک فصل کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ حضرت شیخ تمام دنیا کے مخدوم ہین، اور دین و دنیا مین جس شخص کو کوئی ضرورت ہوتی ہے ان کی خدمت سے پوری ہوتی ہے، اور خداوند تعالیٰ نے دنیا کی سلطنت کی باگ ہمارے ہاتھ مین دی ہے، تو

---

[۱] سیر العارفین ص ۴۳، [۲] مونس الارواح (قلمی نسخہ دار المصنفین)، [۳] سیر العارفین ص ۳۶-۱۳۵، مرآۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین [۴] فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴ سیر العارفین ص ۱۳۶،

ہم کو چاہیئے کہ جو کام اور جو مصلحت سلطنت مین پیش آئے، حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کرین تاکہ جس چیز میں ملک کی بھلائی اور ہماری بہتری ہو اس سے وہ مطلع فرمائین، اس لئے چند فصلین اس باب مین شیخ کی خدمت مین بھیجی جاتی ہین، ان مین جو اچھی باتین ہون تو ہر بات کے نیچے لکھدین، تاکہ ہم اس پر عمل کرین" اس کاغذ کو خضر خان کے ذریعہ جو اس کے تمام لڑکون مین زیادہ محبوب اور شیخ کا مرید تھا، شیخ کی خدمت مین بھیجا، جب خضر خان نے اس کاغذ کو شیخ کے ہاتھ مین دیا، تو انھون نے اس کو نہین پڑھا، اور حاضرین مجلس سے کہا کہ ہم فاتحہ پڑھتے ہین، پھر فرمایا کہ فقیرون کو بادشاہ کے کام سے کیا مطلب، مین ایک فقیر ہون، اور شہر سے الگ ایک گوشہ مین رہتا ہون، اور بادشاہ ہون اور مسلمانون کی دعاگوئی مین مشغول ہون، اس لئے بادشاہ اس کے بعد مجھ سے کہے گا تو مین اس جگہ سے بھی چلا جاؤن گا، خدا کی زمین کشادہ ہے، جب یہ خبر سلطان علاؤالدین کو پہنچی، تو خوش ہوکر معتقد ہو گیا، اور کہلا بھیجا کہ اگر قبول فرمائین تو مین شیخ کی خدمت مین حاضر ہون، شیخ نے فرمایا کہ آنے کی ضرورت نہین مین غائبانہ دعا مین مشغول ہون اور غائبانہ دعا اثر رکھتی ہے، سلطان علاؤالدین نے ملاقات کے لئے پھر اصرار کیا، تو شیخ نے کہلا بھیجا، کہ اس ضعیف کے گھر مین دو دروازے ہین، اگر بادشاہ ایک دروازہ سے تشریف لائین گے، تو مین دوسرے دروازہ سے باہر نکل جاؤن گا"[1]

علاء الدین خلجی کے عہد مین محبوب الٰہی کے فیوض و برکات سے ملک مین جو عام انقلاب پیدا ہوا اس کی تصویر ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی مین کھینچی ہے، اس مین پہلے تو بعض اور مشائخ کرام کے اثرات کا ذکر ہے، پھر محبوب الٰہی کی نگاہ کیمیا اثر اور صحبت روح پرور سے خواص و عوام مین جو غیر معمولی تبدیلیان پیدا ہوئین ان کی تفصیل ہے:-

"سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ مین سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین شیخ الاسلام علاء الدین، اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا، کہ ایک دنیا ان کے انفاس متبرکہ سے روشن ہو گئی، اور ایک عالم نے ان کی بیعت کا ہاتھ پکڑا، اور ان کی مدد سے گناہون سے توبہ کی، اور ہزارون بدکارون اور بے نمازیون نے بدکاری سے ہاتھ اٹھا لیا، اور ہمیشہ کے لئے پابند نماز

---

[1] اخبار الاخیار ص ۵۶ - ۵۵.

ہو گئے، اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی، اور توبہ صحیح ہو گئی، اور عبادات لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہو گیا، اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں کے فوائد اور فرمانبرداری کی بنیاد ہے، ان مشائخ کے اخلاق حمیدہ اور ترک و تجرید کے معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہو گئی، اور سالکوں کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور وصائف عبودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی، اور ان بزرگوں کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہو گئی، اور ان پیروں کے مکارم اخلاق، مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے خدا والوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور ان دینی بادشاہوں کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی، اور آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہو گئے، اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط و وبا کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گذاری کی برکت سے مغلوں کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا، ایسا رخصت ہوا، اور یہ تمام ملاعین اس قدر آوارہ اور تباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے۔ اور یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں، وہ شعار اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں اور احکام شریعت و طریقت سے جو رونق و رواج حاصل ہوا اس کا کیا کہنا، کتنا عجیب زمانہ وہ تھا جو سلطان علاؤالدین کے آخری دسویں سال میں نظر آیا، ایک طرف سے سلطان علاء الدین نے ملک کی بہتری کے لئے تمام نشہ اور ممنوع چیزوں کو اور فسق و فجور کے اسباب کو قہر و غلبہ، تعزیر و تشدد، قید و بند سے روک دیا، اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستوں کے لئے گناہوں کا آلہ اور حریصوں، بخیلوں اور تاجروں کے لئے سود، ذخیرہ اندوزی کا سامان اور فتنہ پردازوں کے لئے بغاوت کی استعداد اور نیکوں کے لئے کبر، مفاخرت، غفلت اور کسل مندی پیدا کرنے والا ہے، اور عبادت گذاروں کے لئے نسیان و فراموشی کا باعث ہے، سلطان علاؤالدین ہر بہانہ سے کہ جو اس کو ملتا مالداروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا، اور بازار والوں کو کہ دنیا کی تمام قوموں میں

سے سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے، سچائی اختیار کرنے والی سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچے کہنے کے لئے خون خرابہ مین رکھتا تھا، دوسری طرف اسی زمانہ مین شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا، اور گناہگارون کو خرقہ پہناتے، اور ان سے توبہ کراتے تھے، اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے، اور خاص وعام، غریب و دولتمند، بادشاہ وفقیر، عالم وجاہل، شریف ورذیل، شہری اور دیہاتی، غازی ومجاہد، آزاد وغلام سب کو طائفیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے گناہون سے باز آتے تھے، اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہوجاتی تھی، تو پھر از سر نو بیعت کرلیتے، اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے، اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگون کو بہت سی ظاہری وباطنی برائیون سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید واعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے، مرد، عورت، بوڑھے، جوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر نماز ادا کرتے تھے، اور زیادہ تر مرید چاشت واشراق کے پابند ہوگئے تھے، آزاد اور نیک کام کرنے والون نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کردیئے تھے، چھپر ڈالدیئے تھے، کنوین کھدوادیئے تھے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوادیئے تھے، چٹائیاں بچھوادی تھیں، ہر چبوترہ اور ہر چھپر مین ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کردیا تھا، تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگون کو شیخ کے آستانہ تک آنے جانے مین نماز کسادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لئے کوئی تردد نہ ہو، اور ہر چبوترہ اور ہر چھپر مین نفل پڑھنے والے نمازیون کا ہجوم دیکھا جاتا تھا، اور کم گناہ لوگون کے درمیان کم ہوگیا تھا اور اکثر آدمیون کے درمیان چاشت، اشراق، ابوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعات نماز کی تحقیقات زیادہ تھین کہ ان نوافل مین ہر وقت کتنی رکعتین ادا کرتے ہین، اور ہر رکعت مین کلام پاک کی کون سی سورہ اور کون سی آیت پڑھتے ہین، اور اوقات پنجگانہ نماز مین اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائین آئی ہین، اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدون سے غیاث پور کی آمد ورفت کے وقت پوچھتے تھے، کہ شیخ رات کی نماز کتنی رکعتین

ادا کرتے ہین، اور ہر رکعت مین کیا پڑھتے ہین، اور عشا کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار درود بھیجتے ہین، اور شیخ فریدؒ اور شیخ بختیارؒ رات دن مین کتنی بار درود بھیجتے تھے، اور کتنی بار سورہ قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے، نئے مرید شیخ کے قدیم مریدون سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے، روزے، نوافل اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے، اس نیک زمانہ مین اکثر آدمیون کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا تھا، نئے مرید شیخ کے پرانے مریدون کی صحبت مین رہتے تھے، پرانے مریدون کو طاعت، عبادت، ترک تعلق، تصوف کی کتابون کے پڑھنے مشائخ کے، وصاف حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا، دنیا اور دنیا داردن کا ذکر ان کی زبان پر نہین آتا تھا کسی دنیا دار کے گھر کی طرف اپنا رُخ نہین کرتے تھے، دنیا اور اہل دنیا کے میل جول کی حکایت نہین سنتے تھے، اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے، کثرت نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ مین اس حد تک پہونچ گیا تھا، کہ بادشاہ کے محل مین بہت سے امرا، سلاحدار، لشکری شاہی نوکر، شیخ کے مرید ہوتے تھے، اور وہ چاشت و اشراق کی نمازین ادا کرتے تھے، ایام بیض عشرۂ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے، اور کوئی محلہ ایسا نہین تھا جس مین ایک مہینہ بیس دن کے بعد صلحار کا اجتماع نہ تھا، اور صوفیون کی محفل سماع نہ قائم ہوتی، اور باہم گریہ وزاری نہ کرتے، شیخ کے چند مرید تراویح کی نمازین مسجدون اور گھرون مین ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے، رمضان، جمعہ اور تہوارون کی راتون مین قیام کرتے، اور صبح تک بیدار رہتے، پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے، شیخ کے مریدون مین سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نماز مین گذارتے بعض عبادت گذار عشا کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، شیخ کے مریدون مین سے چند آدمیون کو مین جانتا ہون، کہ شیخ کے فیض نظر سے صاحب کشف وکرامات ہو گئے تھے، شیخ کے مبارک وجود اُن کے انفاس پاک کی برکت، ان کی مقبول دعاؤن کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت تصوف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے، سلطان

علاء الدین اپنے تمام گھر والون کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا، خواص و عوام کے دل نے نیکی اختیار کر لی تھی، عہد علائی کے آخری چند سالوں مین شراب، معشوق، فسق و فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیون کی زبان پر کبھی نہین آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگون کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے، مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سونٹا اور ذخیرہ اندوزی کھلم کھلا مرتکب نہیں ہو سکتے تھے، بازار والون سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے وغیرہ کا رواج اٹھ گیا تھا، اکثر طالب علمون اور بڑے بڑے لوگون کی رغبت جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے تصوف اور احکام طریقت کی کتابون کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی، قوت القلوب، احیاء العلوم، ترجمۂ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامح قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد امیر حسن سجزی کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے، زیادہ تر لوگ کتب فروشون سے سلوک و حقائق کی کتابون کے بارے مین دریافت کرتے تھے، کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس مین مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی، صوفیون کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹا اور چوبی طشت گران ہو گئے تھے، حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدین کو پچھلی صدیون مین شیخ جنید شیخ بایزید کے مثل پیدا کیا تھا[1]

سلطان علاء الدین خلجی کی وفات کے بعد قطب الدین مبارک شاہ ملک کافور کی مدد سے خضر خان اور شادی خان کو قتل کر کے تخت نشین ہوا، خضر خان اور شادی خان محبوب الٰہی کے خاص اور عزیز مریدون مین تھے، اس لئے سلطان قطب الدین ان سے بدگمان ہو گیا، اور پھر اس کی یہ بدگمانی عداوت مین تبدیل ہو گئی، اور مصلحۃً وہ پہلے سہروردیہ سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ ضیاء الدین رومی کا مرید ہو گیا، اور سلطان الاولیاء رح کی دشمنی کا کھلم کھلا اظہار کر دیا، اس وقت سلطان الاولیاء کے لنگر خانہ کا خرچ روزانہ دو ہزار ٹنکہ تھا، درویشون اور مسکینون کو داد و دہش اس خرچ کے علاوہ تھی، سلطان قطب الدین کے بعض مفسد امراء نے اس کے کان بھرے، کہ یہ تمام اخراجات ان امراء کے نذرانے کی رقم سے پورے ہوتے ہین، جو خانقاہ آیا جایا کرتے ہین، اس لئے قطب الدین نے امراء کی آمد و رفت سختی سے روک دی، مگر اس سے لنگر خانہ کے اخراجات پر کسی قسم کا اثر نہیں پڑا،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص ۳۴۱-۳۴۶،

سارے اخراجات غیبی امداد سے پورے ہوتے رہے جس سے قطب الدین کی پرخاش اور بھی بڑھ گئی، اور اس نے محبوب الٰہیؒ کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا، مگر محبوب الٰہیؒ نے اس حکم کا یہ جواب دیا :-

"من مرد منزدیم جاے نمی روم، نیز رسم وعادت ہر سلسلہ نوعی باشد، قاعدہ بزرگان ما نبود کہ بدیوان روند، ومصاحب پادشاہان شوند، درین باب معذور دارید وبحال خود بگذارید"

لیکن معذور بادشاہ نے اس عذر کو قبول نہ کیا، اور حکم دیا، کہ وہ ہفتہ میں دو بار دربار آیا کریں، محبوب الٰہیؒ نے بادشاہ کے پیر شیخ ضیاء الدین رومی کے پاس پیام کہلا بھیجا کہ وہ اپنے مرید کو سمجھائیں، کہ درویشوں کو رنج پہنچانا کسی مذہب میں روا نہیں، مگر اس پیام کے پہونچنے سے پہلے شیخ ضیاء الدین رومی کا انتقال ہوگیا، ان کی فاتحہ خوانی کے لئے ان کے مقبرہ میں بادشاہ اور اس کے اکابر امراء شریک ہوئے، محبوب الٰہی نے بھی اس مجلس میں شرکت کی جس وقت وہ تشریف لائے، تمام حاضرین تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، محبوب الٰہی نے بادشاہ کو سلام کیا، اس نے جواب نہیں دیا، لیکن اس نے دیکھا کہ تمام حاضرین محبوب الٰہی کو سر آنکھوں پر بٹھا رہے ہیں، اس سے اس کا حسد اور بھی بڑھا، اور مجلس کے ختم ہونے کے بعد ایک محضر کے ذریعہ ہر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ کو محبوب الٰہی کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم جاری کیا، شیخ عماد الدین طوسی، شیخ وحید الدین قندزی، مولانا برہان الدین اور دوسرے اکابر یہ محضر لیکر محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور گذارش کی کہ بادشاہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اس کی ناعاقبت اندیشی ہے، پھر بھی وہ (یعنی محبوب الٰہی) دربار میں تشریف لاکر ایک فتنہ کو روک دیں، محبوب الٰہیؒ نے یہ کہکر ان کو رخصت کیا کہ

"بہ بینیم چہ بظہور پیوندد"

انھوں نے واپس جاکر سلطان کو اطمینان دلایا، کہ محبوب الٰہی دربار میں آنے کے لئے راضی ہوگئے ہیں، وہ خوش تھا کہ شیخ نے اس کی اطاعت قبول کر لی ہے، مگر قمری مہینہ کی پہلی تاریخ سے کچھ روز پہلے محبوب الٰہی نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ میں اپنے مرشدوں کے خلاف دستور کوئی کام نہ کرونگا، اس سے مریدوں میں بڑی سراسیمگی، اور پریشانی پیدا ہوگئی، کہ سلطان الاولیاء، اور سلطان دہلی کے تصادم سے ایک بڑی مصیبت بپا ہوجائے گی، مگر محبوب الٰہی کو کشف ہوچکا تھا، کہ وہ نہ دربار جائیں گے، اور نہ کوئی تصادم ہوگا، چنانچہ سلطان قطب الدین جس روز دربار میں محبوب الٰہی کی آمد کا منتظر تھا، اسی روز محل کے اندر شورش ہوئی اور خسرو خان کے ہاتھوں وہ قتل ہوا،

خسرو خان تخت نشین ہوا، تو اس نے اپنی سیہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ملک میں روپیہ تقسیم کئے، مشائخ کرام کے پاس بھی روپئے بھجوائے، محبوب الٰہیؒ کے پاس بھی پانچ لاکھ ٹنکے پہونچے، انھوں نے اسی وقت ساری رقم فقراء میں تقسیم کر دی، چار مہینے کے بعد غیاث الدین تغلق نے خسرو خان کی سرکوبی کی، اور خود تخت پر بیٹھا، جن لوگوں کو خسرو نے روپیہ دیئے تھے، ان سے غیاث الدین تغلق نے واپس مانگے، اس حکم پر دوسرے مشائخ کرام نے روپئے واپس کر دیئے، لیکن محبوب الٰہیؒ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی،

سلطان غیاث الدین تغلق طبعاً "دین دار"، "دین پرور" "حق گذار" اور حق شناس واقع ہوا تھا، چنانچہ مولانا ضیاء الدین برنی کا بیان ہے کہ

"از برائے جریان احکام شریعت قاضیان و مفتیان و دادبک و محتسبان عہد او را آبروی بس بسیار و آشنائی تمام پیدا آمدہ بود"[۵۱]

سلطان کی اس دینداری اور شریعت کی پابندی سے فائدہ اٹھا کر علماء ظاہر نے اس سے سماع کی ممانعت میں ایک عام شاہی حکم جاری کرا دیا، لیکن محبوب الٰہیؒ کے یہاں محفل سماع بدستور جاری رہی، علماء نے ان کے خلاف شورش کی تو سلطان غیاث الدین تغلق نے ایک محضر طلب کیا جس میں مسئلۂ سماع کی تحقیق کے لئے تمام مشائخ عظام و علماء کے کبار جمع کئے گئے، محبوب الٰہی بھی اس مجلس میں شریک ہوئے، بحث شروع ہوئی، تو دونوں طرف سے سماع کی اباحت اور حرمت کے دلائل پیش کئے گئے، چاشت کے وقت سے زوالِ آفتاب تک مناظرہ قائم رہا، مباحثہ میں بڑی گرما گرمی رہی، محبوب الٰہیؒ نے نفس غنا کے جواز میں جب حدیثیں پیش کیں تو علماء احناف نے کہا کہ تم مقلد ہو، تم کو حدیث سے کیا مطلب، اگر فقہ حنفی کی روایت ہو تو پیش کرو، یہ سن کر محبوبِ الٰہی نے فرمایا، کہ وہ ملک کیونکر آباد رہے گا، جس میں لوگوں کی رائے کو احادیثِ نبوی پر ترجیح دی جاتی ہو، بالآخر شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے نواسے مولانا علم الدین نے جو اپنے زمانہ کے جید عالم تھے، اور جن کا سلطان غیاث الدین بھی معتقد تھا، محبوبِ الٰہی کی موافقت یعنی سماع کی اباحت میں فیصلہ دیا، جس کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے محبوبِ الٰہی کو اعزاز و اکرام کے ساتھ مجلس سے رخصت کیا، محبوبِ الٰہی خانقاہ واپس تشریف لائے تو ظہر کی نماز کے وقت مولانا ضیاء الدین برنی، مولانا محی الدین کاشانی اور امیر خسرو سے مخاطب ہو کر فرمایا،

---

[۵۱] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۴۱ [۵۲] سیر العارفین ص ۵۵ و ۵۵ و فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۰

"دہلی کے فقہا میری عداوت اور حسد سے بھرے ہوئے تھے، انھوں نے وسیع میدان پایا، اور عداوت سے بھری ہوئی بہت سی باتیں کہیں، اور آج ایک تعجب انگیز بات یہ دیکھی گئی کہ استدلال کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثیں نہیں سنتے، اور مجھ سے کہتے ہیں کہ ہمارے شہر میں فقہی روایت پر عمل کرنا حدیث سے مقدم سمجھا جاتا ہے، اور اس قسم کی باتیں وہ لوگ کہتے ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتقاد نہیں، جب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث صحیح بیان کی گئی، تو برہم ہوئے، اور منع کیا، اور کہا کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں"[1]

بعض تذکرہ نگاروں اور مورخوں نے لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق ۷۲۵ھ میں بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آرہا تھا تو اس نے محبوب الٰہیؒ کے پاس یہ پیام لکھ بھیجا،

"وقتیکہ ما در دہلی بیائیم شما از غیاث پور بیرون روید کہ بہ سبب سکونت شما کثرت مردم از بس در آنجا می باشد وجاے برائے متوسلان بادشاہی نمی ماند"[2]

اس پیام کو پڑھ کر محبوبؒ الٰہی کی زبان سے صرف یہ نکلا:-

"ہنوز دہلی دور است"

"چنانچہ غیاث الدین تغلق شہر سے تین کروہ کے فاصلہ پر ایک مقام افغان پور میں ایک نئی عمارت میں مقیم تھا کہ اچانک یہ عمارت رات کو گر گئی جس کے نیچے دب کر وہ جاں بحق ہو گیا، مگر تاریخ فرشتہ، طبقات اکبری اور منتخب التواریخ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ یہ مشہور روایت محض عوام کی ہے[3] جس کا

---

[1] معارف ماہ دسمبر ۱۹۲۶ء فرشتہ نے لکھا ہے کہ محبوبؒ الٰہی نے اس مناظرہ میں یہ حدیث "السماع مباح لا بلہ" پیش کی تھی جو صحیح نہیں، یہ فقرہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں بطور فتوی لکھا ہے مفصل بحث کے لئے دیکھو معارف ماہ اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۲۶ء، مولانا فخر الدین زادی خلیفہ حضرت محبوب الٰہیؒ نے اباحت سماع میں ایک رسالہ تالیف کیا ہے جس کا نام کشف المفتاح فی وجوہ السماع رکھا ہے [2] خزینۃ الاصفیا ص ۳۳۷، طبقات اکبری جلد اول صفحہ ۱۹۱ میں پیام کے الفاظ یہ ہیں، چون من بدہلی برسم، شیخ از شہر بدر رود، فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۸ میں ہے تا آمدن من بدہلی نباید بود، بعد ازین از غیاث پور روید [3] منتخب التواریخ میں اس روایت کی ابتدا اس طرح کی گئی کہ

درمیان اہل ہند مشہور است" (جلد اول ص ۲۲۵)

شاید حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ مولانا ضیاء الدین برنی جو محبوب الٰہیؒ کے خلفاء میں تھے، اپنے مرشد کے ساتھ سلطان غیاث الدین تغلق کی اس ایذا رسانی اور تعدی کا ذکر اپنی تاریخ فیروز شاہی میں مطلق نہیں کرتے، بلکہ سلطان کی "دین پروری"، "دین پناہی"، "حق گذاری"، "حق شناسی"، "عبادت گذاری"، "نیک نفسی"، "انصاف پرستی"، اور "شریعت پسندی" کا بار بار ذکر بہت ہی والہانہ انداز میں کرتے ہیں[۱]؛

غیاث الدین تغلق کا جانشین سلطان محمد تغلق محبوب الٰہیؒ کا معتقد رہا، لیکن اس کی حکومت کے پہلے ہی سال ۷۲۵ھ میں ان کا وصال ہو گیا،

محبوب الٰہیؒ تمام عمر صائم الدہر رہے[۲]، شغل باطن سے ان کی آنکھیں سرخ رہتیں، ان ہی خمار آلود آنکھوں کی کیفیت پر امیر خسرو نے یہ شعر کہا تھا ؎

تو شبانہ می نمائی کہ بروز بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثر خمار دارد[۳]

عبادت و ریاضت کی کثرت کی وجہ سے محبوب الٰہیؒ "نہنگ دریائے وحدت"، "پلنگ بیدائے محبت و معرفت"، "مسند نشین سپہر صدق و صفا"، "ملک الاتقیاء"، "قدوۂ مشائخ عظام" اور "عارف معارف ربانی" کہلاتے تھے[۴]، فرماتے تھے، کہ ہر وجود دو عدم کے بیچ میں ہے یعنی وہ نہ پہلے تھا اور نہ بعد میں ہو گا، ایسا وجود گویا عدم کے برابر ہے، انسان کا وجود بھی بین العدمین ہونے کے سبب عدم کے برابر ہے، پھر انسان ایسی زندگی پر اعتماد کر کے تعطل اور غفلت میں کیوں گذارے، عمر کا بہترین مصرف یہ ہے کہ ہر وقت خدا کی یاد میں استغراق ہو[۵]، اس پر خود بھی عمل کرتے تھے، چنانچہ اخبار الاخیار کے مولف رقمطراز ہیں

"در آخر عمر کہ سن شریفش از ہشتاد متجاوز شدہ بغایت مجاہدہ پیش گرفتہ بود"[۶]

مگر خالق کے ساتھ اس استغراق کے باوجود اس کی مخلوق کو کسی حال میں نہیں بھولتے، ایک بار بابا گنج شکرؒ کے نبیرہ شیخ شرف الدین، شیخ رکن الدین فردوسی کے پیر شیخ بدر الدین سمرقندیؒ کے عرس میں شریک تھے، مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ شیخ نظام الدینؒ رات دن بے شمار دولت مخلوق خدا میں تقسیم تو ضرور کرتے ہیں، لیکن اہل و عیال کے جھگڑے سے پاک ہیں، اس لئے دنیا کا کوئی غم والم ان کو لاحق نہ ہوتا ہو گا،

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۴۰، ۴۴۶ [۲] اخبار الاخیار ص ۵۲ [۳] ایضاً ص ۵۵ [۴] سیر العارفین ص ۱۱۵،
[۵] مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین [۶] فوائد الفواد ص ۲۲ [۷] اخبار الاخیار ص ۵۲،

یہ سُن کر شیخ شرف الدین حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس کو نقل کرنا ہی چاہتے تھے، کہ محبوب الٰہیؒ نے خود ہی فرمایا،

"بابا شرف الدین جو رنج و غم میرے دل پر وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص اپنا غم و الم مجھ سے بیان کرتا ہے، اُسے سُن کر اس سے دوچند زیادہ رنج و غم مجھ کو ہوتا ہے، جس کی شرح میں نہیں کر سکتا، معلوم نہیں وہ لوگ کیسے سنگ دل ہیں، جو اپنے دینی بھائیوں کا غم و الم اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور آہ نہ کریں، ان پر بڑا تعجب ہے"[۵۱]

چنانچہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ اس تعلق خاطر کی بنا پر ان کی ذات سے جو فیض پہنچا، اس کا اندازہ مولانا ضیاء الدین برنی کے گذشتہ اقتباسات سے ہوگا، ادنیٰ مثال یہ ہے، کہ صوم دوام رکھنے کے باوجود افطار میں کوئی چیز صرف چکھ لیتے، اس کے بعد سحری میں کچھ کھاتے، اور اکثر ایسا بھی ہوتا، کہ اس وقت کچھ نہ کھاتے، خادم عرض کرتا کہ اگر آپ اس وقت بھی کچھ نہ تناول فرمائیں گے، تو کمزوری آجائے گی، قوت برقرار نہ رہے گی، یہ سن کر روتے اور فرماتے کہ

چندیں مسکینان در دیشان در کنج ہائے مساجد و دکانہا گرسنہ و فاقہ زدہ افتادہ اند این طعام در حلق من چگونہ فرو رود"[۵۲]

اس کے بعد خادم سامنے سے کھانا اٹھا لیتا،

خدا کی کسی مخلوق سے عناد رکھنا طریقت کے خلاف سمجھتے تھے، غیاث پور کے قریب کا رہنے والا ایک شخص چھجو نامی بلا وجہ ان کا دشمن ہو گیا تھا، اور ایذا رسانی پر کمربستہ رہتا تھا، لیکن جب اس کی وفات کی خبر ملی، تو اس کے جنازہ میں شریک ہوئے، اور تدفین کے بعد اس کی قبر پر دوگانہ نماز ادا کی، اور اس سے جو تکلیفیں پہونچی تھیں، ان کو معاف کر کے اَدْخِلْہُ الرَّاحِمِیْن سے اس کی مغفرت کے لئے دعا مین کین[۵۳]

وصال کے روز لنگر خانہ اور ان کی ملکیت میں جتنی اشیاء تھیں، غربا و مساکین میں تقسیم کر دیں، پھر بقچۂ خاص سے مختلف چیزیں مختلف خلفاء کو عطا کیں، اور ان کو خاص مقامات پر جانے کا

---

[۵۱] سیر العارفین ص ۱۴۴، فرشتہ جلد دوم صفحہ ۳۹۶ [۵۲] اخبار الاخیار ص ۵۲ [۵۳] سیر العارفین ص ۳۵؛

حکم دیا، حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ نے بابا فرید گنج شکرؒ کا عنایت کیا ہوا مصلّی، خرقہ، تسبیح اور کاسۂ چوبین دے کر فرمایا،

"شما را در دہلی باید بود، دجفاے مردم باید کشید"

اس کے بعد عصر کی نماز ادا کی[1] اور آفتاب غروب نہ ہونے پایا تھا کہ یہ آفتاب دین ابد کے پردہ مین مستور ہو گیا، تاریخ وفات روز چہار شنبہ ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ[2] ہے، مزار پر انوار دہلی مین ہے، جہان آج بھی خواص و عوام کا ہجوم رہتا ہے، (باقی)

---

[1] خزینۃ الاصفیا، جلد اول صفحہ ۳۳ [2] مونس الارواح قلمی نسخہ دار المصنفین،

حیاتِ شبلی

حصۂ اوّل

حیاتِ شبلی جس کا مدتون سے شایقین کو انتظار تھا، چھپ کر شائع ہو گئی ہے، یہ کتاب تنہا علامہ شبلی مرحوم کی سوانح عمری نہین ہے، بلکہ اُس مین ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، اصلاحی اور دوسری تحریکون اور سرگرمیون کی مفصل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت، اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، اور خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لے کر، انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علماء کے حالات بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہین، اس کی ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے ہے، اس کے علاوہ دار المصنفین، ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اور شبلی انٹر کالج کی عمارتون کے ۱۳ ہاف ٹون بلاک فوٹو بھی شامل ہین، کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت غیر مجلد ۳ مجلد ۴

"منیجر"

غزالی کا نظریۂ علم و عرفان

از

جناب شوکت سبزواری ایم اے ریسرچ اسکالر

امام غزالی حکما ے اسلام مین ایک بلند ترین درجے پر فائز ہین، انھون نے اپنی قابلِ قدر علمی اور حکیمانہ تصانیف سے اسلامی ادبیات کے دامن کو بیش از بیش مالا مال کیا ہے، اسلامی علوم و فنون کا کوئی شعبہ بھی نہ ہوگا جس مین اس پر عظمت شخصیت نے اپنی کوئی تصنیف نہ چھوڑی ہو، اور اپنی علمی موشگافی اور فلسفیانہ بحث و جستجو کے بے شمار چشمون سے اُسے سیراب نہ کیا ہو، اس مفکر کی زندگی تمام تر تحقیق و طلب کے لئے وقف ہو چکی تھی، وہ اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے کائنات اور خالق ارض و سماوات کے اسرار و رموز اور حقائق پر غور و فکر فرماتے رہتے تھے، ان کا یہ والہانہ شوق و جستجو براہ راست اثر تھا قرآنی تعلیمات اور اسلامی روایات کا اُس لئے میرا یقین ہے کہ ان کی داستان طلب و جستجو مین جہان علم و عرفان کے نامحدود حقائق پنہان ہین، وہان وہ عملی تفسیر بھی ہے قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ کی:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا	صاحبان ہوش وہ ہین جو اٹھتے بیٹھتے اور
وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَ	لیٹتے خدا کا ذکر کرتے ہین اور ارض و سما
يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ	کی خلقت پر غور و فکر کرتے رہتے ہین، اور
وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا	کہتے ہین کہ اے خدا تونے اس کائنات
بَاطِلًا (آل عمران - ۲۰)	کو بے سود پیدا نہین کیا؛

امام غزالی کی زندگی نام ہے ذکر و فکر کا، اور وہ صحیح معنی مین سب سے پہلے اسلامی مفکر، اسلامی حکیم، اور اسلامی فلسفی ہین جنھون نے قرآن کی صاف اور واضح تعلیمات کو فلسفۂ یونان کے نامسعود اثر سے پاک کیا، اور ذکر و فکر اور بحث و نظر سے متعلق خالص اسلامی نقطۂ نظر، اسلامی اسلوب، اسلامی طریقے اور اسلامی

روایات متعین فرمائیں، یونانی فلسفے نے جہاں اسلامی مفکرون مین ایک خاص نقطۂ نظر اور تحلیلی بحث کا ایک خاص شوق پیدا کر دیا تھا، وہان اس سے ایک برا اثر بھی رونما ہوا تھا، کہ قرآن کا اصل منہاج یعنی کائنات و حیات کا براہ راست مطالعہ اور گرد و پیش کے ٹھوس حقائق کا ذاتی احساس یا قریبی تعلق کسی قدر عقب مین جا پڑا تھا، ہر مسئلے کو ارسطو کے بتائے ہوے منطقیانہ اصولون پر پرکھا جاتا تھا، اور قیاس و استدلال یا حجت و برہان کے طریقے جو یونان مین مقرر کئے جا چکے تھے، ان مین کسی کاٹ چھانٹ اور تراش و خراش کی کوئی گنجایش باقی نہ رہی تھی،

خاص اس اثر سے اسلامی دنیا مین جو تحریکین وجود مین آئین ان مین قدیم علم کلام اور اعتزال (Rationalism) خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہین، یہ دونون تحریکین ایک حیثیت سے ایک دوسرے سے متبائن ہین، یہ مخالف جہت کی دو حرکتین ہین، اعتزال وہ حرکت ہے جو یونانی فلسفے کی طرف کی گئی ہے، اور اس غرض سے کی گئی ہے، کہ اُسے اپنایا جائے، اسلام کے نظام حیات کو فلسفۂ یونان سے قریب تر کر دیا جائے، یونانی فلسفے کی روح استدلال اور عقلیت پرستی (Intellectualism) کے عناصر لے کر اسلامی تعلیمات مین سمو دیئے جائین، اور اسلام و قرآن کے احکام کو فلسفۂ یونان کے قالب مین ڈھال لیا جائے، اس غرض سے بہت سے اسلامی احکام و مسائل کی تاویلین روا رکھی گئین، اور منطقیانہ تجزیہ کے بعد بعض نہایت سادہ اور فطری اصول بہت کچھ بدل دیئے گئے، قدیم علم کلام اس حرکت سے وجود مین آیا، جو یونانی فلسفے سے اسلام کی طرف اور اس کے موافق کی گئی تھی، اس تحریک کے زیر اثر تقریبی طور سے تمام مذہبی ذخیرے کی جانچ پرتال عمل مین آئی، اور خصوصیت کے ساتھ مابعد الطبیعیاتی مسائل یعنی ذات و صفات خداوندی، حدوث عالم، یوم آخرت، جزاے اعمال، اور ترکیب کائنات کو انہی اصول اور قاعدون کے مطابق بحث مین لایا گیا، جو یونانی حکمت اور منطق مین استعمال ہوتے تھے، اور اسلامی زاویہ ہاے نگاہ کو ان پر پرکھا بھی گیا،

طبعی طور پر اس کا یہ اثر ہوا کہ یونانی استدلال اور اس کا طریق بحث اسلامی ادبیات مین کچھ اس طرح رچ بس گیا، اور اسلامی ارباب فکر پر چھا گیا، کہ وہ اسلامی روح بحث اور اسلامی نقطۂ نظر سے بالکل غافل ہو گئے، ان کی نگاہون سے تحصیل علم و عرفان کی وہ تمام راہین اوجھل ہو گئین، جو حقیقت کی منزلون تک ان کو لے جاتی تھین، اسلام چاہتا تھا، کہ وہ حیات و کائنات کا برہنہ آنکھون سے مشاہدہ کرین لیکن وہ

مصنوعی چشموں اور موٹے موٹے شیشوں سے خارجی دنیا کو دیکھنے کے ایسے خوگر ہو گئے، کہ قریب تھا ان کی آنکھیں اپنی فطری روشنی اور چمک تک کھو بیٹھیں، اور عینک اتارنے کے بعد بیرونی نور سے خیرہ ہو جائیں،

غزالی سب سے پہلے عالم ہیں جنھوں نے یونانی فلسفے کی اس متحرک روح کو دبا دیا، اور اس کے زیر اثر اسلام میں عقلیت پسندی کا جو بے پناہ سیلاب بڑھتا چلا آ رہا تھا، اس کا فلسفیانہ تشکک و ارتیاب (Philosophical scepticism) سے پوری طرح مقابلہ کیا، اس حیثیت سے امام غزالی کو جرمنی کے مشہور فلسفی کانٹ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے، ڈاکٹر اقبال مرحوم نے لکھا ہے :-

"بہر حال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امام غزالی کا مشن پیمبرانہ ہے، اور اٹھارہویں صدی عیسوی کے جرمن فلاسفر کانٹ سے بہت مماثل ہے"[1]

کانٹ دنیائے فلسفہ میں ایک خاص مقام کا مالک ہے، اس کا فلسفہ انتقادی فلسفہ کہلاتا ہے جس میں عقل نظری (pure reason) یا فکر انسانی (Thought) کے اعمال کا جہاں تک ممکن جائزہ لیا گیا ہے، وہاں اوس کی حدود بھی متعین کر دی گئی ہیں، غزالی اور کانٹ میں دو وجہ سے مماثلت ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ دونوں کا محور بحث عقل انسانی کے حدود و قیود کی تعیین ہے، یا یوں کہئے کہ عقلیت پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحانات کو کاٹ چھانٹ کر اعتدال پر رکھنا ہے، دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یہ دونوں ہستیاں جس عہد میں پیدا ہوئیں، وہ عقلیت پرستی کا زمانہ تھا، جس کے ماتحت لادینیت، مذہب سے عام بیزاری یا نفرت اور الحاد و زندقہ کے میلانات عام طور پر ابھر رہے تھے، اور فروغ پا رہے تھے، جرمنی میں اٹھارویں صدی عیسوی لادینی اور شکست ایمان کا عہد سمجھا جاتا ہے، اور کانٹ کی بابت عام خیال ہے کہ وہ جرمن قوم کے لئے خدا کی بے پایاں عنایات کا ایک برگزیدہ مظہر تھا، علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں :-

"غزالی کے فلسفیانہ ارتیاب نے جو کسی قدر اپنی حدود سے متجاوز ہو گیا تھا، وہی کام کیا جو جرمنی میں کانٹ نے کیا ہے، یعنی اس فریب کارانہ سطحی عقلیت کی پشت توڑی، جو ٹھیک اس سمت میں حرکت کر رہی تھی، جدھر جرمنی میں کانٹ سے پہلے اس کا بہاؤ تھا"[2]

کانٹ اور غزالی میں فرق بھی ہے جس کی تشریح و تفصیل کا یہ موقع نہیں، لیکن غزالی کی بابت

---

[1] Reconstruction of Religious Thought in Islam ص ۷۰

[2] ایضاً ص ۱۵،

علامہ اقبال نے بہت صحیح لکھا ہے کہ ان کا مشن پیمبرانہ تھا، خود امام غزالی نے اپنے مشن اور کام کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے، یہ سب جانتے ہیں کہ امام غزالی اپنے زمانہ میں ایک بڑے علمی وقار کے مالک تھے، دنیائے اسلام میں ان کی جلالت عظمت، اور زہد و تقویٰ کا ڈنکا بجتا تھا، ایک مدت تک وہ بغداد کی مشہور درس گاہ نظامیہ میں اعلیٰ مدرس رہ چکے تھے، تمام علماے اسلام، شیوخ، اکابر اور امراے دولت ان کا انتہائی احترام کرتے تھے، لیکن بچپن ہی سے ان کی فطرت حقیقت اور سچائی کی جو یا تھی، جب سے انھوں نے ہوش سنبھالا ایک طالب حق کی طرح اہم علمی فلسفیانہ اور مذہبی مسائل کی تحقیق میں وہ برابر غرق رہے، انھوں نے اپنے مشہور رسالہ "المنقذ من الضلال" کی تمہیدی سطور میں لکھا ہے[1]:-

"مختلف امور کے حقائق دریافت کرنے کا شوق قدرت نے طفلی ہی سے میری فطرت میں ودیعت کر دیا تھا، اس لئے تقلید یا رسم پرستی کی تمام بندشیں اس زمانہ میں ہی ڈھیلی پڑ چکی تھیں، اور عہد طفلی کے تمام موروثی عقائد کو میں خود ہی خیرباد کہہ چکا تھا، میرا یہ شوق و ذوق کوئی اختیاری چیز نہ تھی، یہ خالص فطری اور جبلی رجحان تھا جو میری فطرت پر چھایا ہوا تھا"

امام غزالی کی یہ علمی تشنگی یوں تو آخر تک قائم رہی لیکن اس کی شدت کا زمانہ خود ان کے بیان کے مطابق اس وقت شروع ہوا، جب ان کی عمر بیس سال کے لگ بھگ تھی اور اس وقت تک قائم رہا جب وہ پچاس سال سے بھی متجاوز ہو چکے تھے، ۴۸۸ھ کا درمیانی عہد ان کی قلبی بے چینی اور روحانی اضطراب کا زمانہ ہے، یہ وہ زمانہ ہے جب انھیں یقین ہو گیا تھا کہ جو کچھ انھوں نے حاصل کیا ہے، وہ قلبی سکون اور طمانیت خاطر کے لئے کافی نہیں، تقلید کے روابط ٹوٹ جانے کے بعد ایمان و ایقان کا عروۃ وثقیٰ انھیں دستیاب نہ ہو سکا تھا، بار بار وہ یہی محسوس فرماتے تھے، کہ ان کی دنیا تاریکیاں گھٹنے کی جگہ اور بڑھتی جا رہی ہیں، وہ چاہتے تھے، کہ صحیح اور حقیقی علم کی تحصیل کے لئے اپنے تمام علمی مشاغل اور درس و تدریس کے انہماک کو ترک کر دیں کمال یکسوئی اور گوشہ تنہائی کے بغیر وہ درک حقیقت سے قاصر تھے، اور اس ذکر و فکر یا عبادت الٰہی کی ضرورت محسوس فرماتے تھے، جسے احادیث میں تخنث سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ پس و پیش کی سی حالت پورے چھ ماہ قائم رہی، اور آخر ماہ ذی قعدہ ۴۸۸ھ میں یہ حق و عرفان کا جویا جاہ و مال اور عیال

---

[1] المنقذ من الضلال مطبوعہ مصر ص ۳۔

و اطفال کو چھوڑ کر بغداد سے روانہ ہو گیا، یہ کہانی بہت دلچسپ ہے، اس لئے انہی کے الفاظ میں سنئے:۔

"اس ماہ میں میں مجبور سا ہو گیا، اس لئے کہ ناگاہ میری زبان پر قفل سا لگ گیا، اور میں درس تک نہ دے سکا، میں کوشش کرتا تھا، کہ کم سے کم ایک روز تو اپنے طالبوں کو خوش کرنے کے لئے کچھ درس دوں، لیکن ایک لفظ بھی نہ بول سکتا تھا، اس کا اثر یہ ہوا کہ میں ملول رہنے لگا، اور میری قوت ہاضمہ جاتی رہی، نہ پانی پی سکتا تھا، اور نہ کوئی لقمہ ہضم ہوتا تھا، تمام قوی کمزور ہو گئے، اطباء نے کہا کہ یہ صدمہ کا اثر ہے، جو مزاج تک سرایت کر گیا ہے، اس لئے علاج کی کوئی صورت نہیں، جب تک وہ صدمہ رفع نہ ہو، میں نے اپنی کمزوری محسوس کرتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں دعا کی، آخر خدا نے میری سُنی، اور میرے لئے جاہ و مال، عیال اور اطفال کا ترک آسان کر دیا، میں نے ظاہر یہ کیا، کہ میں مکہ جانا چاہتا ہوں، اور دل میں شام کے سفر کا ارادہ میں پنہان رکھتا تھا، میں نے یہ اس لئے کیا کہ خلیفۂ زمان اور میرے احباب اس سے باخبر نہ ہوں"

چنانچہ وہ شام تشریف لے گئے، اور مسلسل گیارہ سال تک ذکر و فکر اور مجاہدہ و ریاضت فرماتے رہے،

"پھر میں شام گیا اور دو سال وہاں مقیم رہا، میرا مشغلہ یکسوئی، تنہائی، خلوت، ریاضت اور مجاہدوں کے سوا اور کچھ نہ تھا، خدا کے ذکر سے میں نفس کے تزکیۂ اخلاق کی تہذیب، اور قلب کی صفائی میں لگا رہتا تھا، جیسا کہ میں نے صوفیائے کرام کی کتابوں سے سیکھا تھا اور پڑھا تھا، کبھی مسجد دمشق میں اعتکاف کرتا تھا، تمام دن کے لئے میں مسجد کے منارے پر چڑھ جاتا تھا، اور اس کا دروازہ بند کر لیتا تھا، پھر میں بیت المقدس روانہ ہو گیا، میرا معمول تھا کہ میں روزانہ صخرہ میں داخل ہو جاتا، اور اندر سے دروازہ بند کر لیتا، بعد ازاں کشان کشان حرم میں پہنچا، اور خلیل اللہ سے فیض حاصل کرنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، اس کے بعد وطن کی الفت نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا، یہاں بھی عملی طور پر میں خلوت نشیں ہی رہا، اور دنیاوی افکار و علائق کے باوجود تنہائیوں میں اپنے قلب و نفس کی پاکی میں لگا رہتا، یوں ہی کامل دس سال بیت گئے، اس درمیان میں

بہت سے امور مجھ پر منکشف ہوئے، جن کا حصر و اندازہ نہیں کیا جا سکتا، "(المنقذ ص ۲۹ و ۳۰)

امام غزالی کے نظریے دراصل نتیجے ہیں ان کے لگاتار ذکر و فکر اور نظر و خبر کے جن کی بابت خود ان کا بیان ہے کہ وہ بے پایان ہیں، اور ان کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، پورے گیارہ سال کی خلوت نشینی اور مجاہدہ کے بعد جب ان امور کی نشر و اشاعت کا انھوں نے فیصلہ فرمایا، تو اول اپنی جماعت کے اکابر یعنی ارباب کشف و عیان سے انھوں نے مشورے کئے، رات کی تنہائیوں میں اولیا، اور صلحا کی ارواح سے رہنمائی کی خواہش کی، تب کہیں ان کے باطن میں القا ہوا، کہ وہ چھٹی صدی ہجری کے آغاز میں دین متین کی اصلاح کے لئے مامور ہوئے ہیں، اور یہ ان کا اخلاقی اور مذہبی فرض ہے، کہ وہ اسلام کے چشمے کو تمام بیرونی خس و خاشاک کی کثافتوں سے جس سے وہ اٹا پڑا ہے، پاک و صاف فرمائیں،

وَقَدْ وَعَدَ اللّٰہ سبحانہ باحیاء	خدا نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ہر صدی کے
دینہ علی رأس کل مائۃ فاستحکم	آغاز میں اپنے دین کا احیا فرمائے گا اس لئے
الرّجاء وغلب حُسن الظنّ بسبب	میری آرزو میں اور استحکام آگیا، اور ان
ھٰذہ الشھادات ویسّر اللّٰہ	شہادتوں کی وجہ سے میرا حسن ظن اور پختہ
تعالیٰ الحرکۃ الی نیسابور للقیام	ہو گیا، چنانچہ ذی قعدہ ۴۸۸ھ میں خدا کی
بھذا المُھِمّ فی ذی القعدۃ سنۃ	توفیق و اعانت سے اس خدمت کی انجام دہی
تسع وتسعین واربعمائۃ وکان الخروج	کے لئے میں نیشاپور روانہ ہو گیا، بغداد سے
من بغداد فی ذی القعدۃ سنۃ ثمانٍ	میری روانگی بھی ۴۸۸ھ کے ذی قعدہ ہی
واربعین واربعمائۃ وبلغت مُدّۃ	میں ہوئی تھی، اس اعتبار سے پورے گیارہ
العزلۃ احدی عشرۃ سنۃ (ایضاً ص ۳۱)	سال میں نے خلوت میں گذارے،

ان سطروں میں صاف اور واضح الفاظ میں اعلان کیا گیا ہے، کہ علم و عرفان کی تحصیل کے بعد امام غزالی نشر و تبلیغ کی خدمت پر خدا کی طرف سے اور اس کے ارادے اور توفیق کے ماتحت مامور ہوئے اس لئے اگر ان کی اس خدمت کو پیمبرانہ مشن (Prophetic mission) کہا جائے، تو کسی طرح بھی بیجا نہ ہوگا،

حقیقتِ علم امام غزالی نے سب سے پہلے علم کی حقیقت پر غور فرمایا، اور یہ اس لئے کہ ہر طالب حق اور

جو بائے حقیقت کے لئے ضروری ہے، کہ اوّلاً علم و عرفان کی اصلیت اور اس کی ماہیت دریافت کرے، علم نام ہے جاننے اور دریافت کرنے کا اور ظاہر ہے کہ جاننا ایک طرح کا انکشاف ہے جس کے بے شمار مراتب یا درجات ہین، رات کی تاریکی مین ایک ٹمٹماتا ہوا چراغ روشن کر دینے سے بھی آس پاس کی چیزین منور ہو جاتی ہین لیکن چیزون کا یہ تنور یا انکشاف کسی قدر دھندلا ہے، اور اس کے مقابلہ مین بہت ہی ہیچ اور بے قدر ہے، جب ایک نہایت قوی برقی لمپ روشن کر دیا جائے، دن کی خیرہ کر دینے والی روشنی مین یہ دونون انکشاف کوئی حیثیت نہین رکھتے، دن مین چیزون کے چھوٹے سے چھوٹے اور حقیر سے حقیر گوشے اور زاویے بھی آئینہ کی طرح چمک اٹھتے ہین، علمی یا ذہنی انکشاف کی نوعیت اور اس کے بے شمار درجات کا تفاوت بھی کچھ اسی طرح کا ہے، اعلیٰ اور برتر انکشاف امام غزالی کے نزدیک علم یا علم یقینی ہے، اس اعلیٰ انکشاف کی بابت امام صاحب نے فرمایا ہے کہ وہ انکشاف ہے جس مین شک و شبہہ کا شائبہ تک نہ ہو، اور غلطی یا وہم کا بھی کوئی امکان باقی نہ رہے[1] یہ ایک خالص ذہنی کیفیت ہے جس کا اندازہ الفاظ یا عبارت سے نہین کیا جا سکتا، اور اس کی کوئی قطعی یا فیصلہ کن تحدید و تعیین بھی نہین ہو سکتی تاہم امام صاحب نے اس نامعلوم کیفیت کو واضح کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ اگرچہ ذہنی یا قلبی طور پر ذرا دشوار ہے کہ اس کیفیت کے حدود متعین کر دیئے جائین لیکن اس اعلیٰ انکشاف کی ایک علامت ہے، اور وہ یہ کہ اس انکشاف کے ہوتے ہوئے کوئی سحر افسون بلکہ اعجاز بھی علم کی اس استوارانہ حالت کو صدمہ نہین پہنچا سکتا، مثلاً اگر مین جانتا ہون اور پوری طرح مجھے یقین بھی ہے، کہ نو تین سے زیادہ اور اس سے گنا ہے، اور کوئی یہ کہے کہ نہین یہ غلط ہے، بلکہ تین نو سے نہ یا دہ ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے، کہ مین اس عصا کو سانپ کی شکل مین تبدیل کر سکتا ہون، اور وہ تبدیل کر بھی دے، اور مین اپنی آنکھ سے دیکھ بھی لون، تب بھی اپنے علم و عرفان مین مجھے کوئی شک نہ ہوگا، اور اس حیرت انگیز کارنامے پر انتہائی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے بھی مین یہی کہون گا، کہ میرا علم صحیح ہے، جو علم اس طرح کا نہ ہو اور جس مین یقین و استواری اس درجے تک نہ پائی جائے، وہ قطعی ناقابلِ اعتبار ہے،

دراصل علم کی حقیقت دو صفات سے مرکب ہے، ایک صفت کا تعلق عالم کی ذات سے ہے، اور دوسری کا معلوم سے، علم ایک باطنی انکشاف اور قلبی تنور ہے، جو عالم کے باطن سے پیدا ہوتا ہے، اور اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب معلوم براہِ راست مدرکہ قوتون پر اثر انداز ہوتا ہے، اس کے لئے ضروری ہے، کہ

---

[1] المنقذ صفحہ ۴،

عالم کے باطن میں وہ تمام صلاحیتیں ہوں جو اسے معلوم کے زیر اثر لا سکیں، اور ان میں انفعالی لہریں بھی پیدا کر سکیں۔ امام غزالی نے مذکورہ بالا مثال سے یہ بات بھی واضح کرنی چاہی ہے، کہ اگر کسی امر کا خواہ وہ اپنی جگہ کیسا ہی حیرت انگیز اور تعجب خیز کیوں نہ ہو کسی معلوم سے کوئی نسبت یا تعلق نہ ہو تو وہ اس معلوم کی حقیقت پر کوئی اثر نہیں کرتا، میں جانتا ہوں کہ تین دس سے کم ہے، یہ ایک حقیقت ہے، اور ایسی ہی حقیقت ہے جیسے عصا کو سانپ کی شکل و صورت میں تبدیل کرنا، لیکن یہ دونوں حقیقتیں جدا جدا اور ایک دوسرے سے قطعی بے تعلق ہیں، اس لئے ایک کے ماننے یا نہ ماننے سے دوسرے کی قطعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، دوسرے علم عالم کے باطن یا اس کے اندرون سے رونما ہوتا ہے، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، اس لئے جب تک کوئی حقیقت پوری طرح سمجھی نہ جا سکے، وہ علم و عرفان کے درجے پر فائز نہیں ہوتی، امام صاحب فرماتے ہیں :-

فان کان للنبی خاصیۃ لیس	اگر نبی میں کوئی خاصیت ایسی بھی ہے،
لک منہا انموذج فلا تفہمہا	جو ایک عام انسان میں نہیں پائی جاتی
اصلاً فکیف تصدق بہا	تو تم کبھی اس کو نہیں سمجھ سکتے، اس لئے
و انما التصدیق بعد	اس کی تصدیق بھی نہیں کر سکتے، ایک
التفہم،	چیز کی تصدیق اس کے فہم و ادراک کے بعد
(ایضاً صفحہ ۳۴)	ہی ہوتی ہے،

امام صاحب کے الفاظ انما التصدیق بعد التفہم ان کے نظریۂ علم کی حقیقت تک پہونچنے میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں، عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ایمان جو دراصل تصدیق کا شرعی یا مذہبی نام ہے ایسی اشیاء امور اور قضایا سے بھی متعلق ہو سکتا ہے، جو کسی طرح بھی سمجھے نہ جا سکیں، امام غزالی کے اصول پر یہ صحیح نہیں یہ ایک طرح کی خود فریبی اور بھولاپن ہے، ایمان نام ہے تصدیق کا، اور تصدیق تفہم کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے، اس لئے فطری طور پر ایمان بھی تفہم کے بعد ہی حاصل ہو سکتا ہے، تصدیق نبوت کے باب میں بھی امام غزالی کا خیال ہے کہ وہ بے واسطہ اور براہ راست نبی کی تعلیمات، اس کی ہدایات اور اس کے اقوال و اعمال میں نظر و فکر کرنے اور الگ الگ اس کے اصول کو عقل و ادراک کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد حاصل کی جائے، اس سلسلہ میں امام صاحب نے معجزات اور خوارق پر بھی بحث کی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جب تک ان کے ساتھ دوسرے بے شمار قرینے بھی نہ ملائے جائیں، یہ معجزے تنہا ایمان و ایقان پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے،

فمن ذالك الطريق فاطلب	اس راہ سے نبوت کا علم اور اس کا
اليقين لا النبوة لا من قلب	یقین حاصل کرو نہ کہ عصا کے اژدہے
العصا ثعبانا و شق القمر	کی صورت میں تبدیل ہو جانے اور چاند
الخ،	کے دو ٹکڑے ہو جانے سے،

سرچشمۂ علم | عام طور پر علم کے سرچشمے دو ہیں، ایک حس[1] دوسرے عقل، ان میں سے اول الذکر قدیم ترین اور اول ترین سرچشمۂ علم ہے، قدیم ترین اس لئے کہ شاید انسان اول بھی جب وہ پوری طرح تہذیب اور تمدن کی برکتوں سے فیضیاب نہ ہوا تھا جس کو علم حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتا تھا، اور اب بھی جو قومیں ذہنی ارتقاء سے محروم ہیں جس کے علاوہ کسی اور قوت کو سرچشمۂ علم قرار نہیں دیتیں، یہ قومیں تاریخی ارتقاء کی درمیانی کڑیاں ہیں، قدیم ہندی فلاسفہ میں سے چارواک پرتکش پرمان (sense perception) ہی کو علم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ خیال کرتے تھے، اول ترین اس لئے کہ چھوٹا بچہ سب سے پہلے حواس ہی کو کام میں لاتا ہے، اور محسوسات ہی تک اس کے ناقص علم کی رسائی ہوتی ہے، اس کے بعد جب اوس کی ذہنی قوتیں پوری طرح نشو و نما پا چکتی ہیں، تب کہیں وہ عقل سے جو حس کے مقابلے میں کسی قدر لطیف مدرک ہے آشنا ہوتا ہے، حواس پانچ ہیں، اور وہ سب ایک حیثیت کے نہیں، ان میں بھی تقدم و تاخر کے اعتبار سے درجات کا تفاوت ہے، جدید حیاتیات (Biology) نے بھی ان کے اس تفاوت کو مانا ہے، امام غزالی اس تفاوت سے باخبر تھے، انھوں نے لکھا ہے :-

"انسان سب سے پہلے حاسۂ لمس سے مستفیض ہوتا ہے جس سے وہ حرارت، برودت، لین اور خشونت وغیرہ کا ادراک کرتا ہے، اس کے بعد اس کو قوت بصر یعنی بینائی بخشی جاتی ہے جس سے وہ رنگوں اور شکلوں کی معرفت حاصل کرتا ہے، یہ عالم محسوسات میں سب سے زیادہ عام اور وسیع حاسہ ہے، اس کے بعد سمع اور ذوق کا درجہ ہے، اور سب سے آخر میں شامہ یعنی سونگھنے والی قوت ہے"[2]

جہاں تک انسان کا تعلق ہے، یہ تمام قوتیں اور حواس بیک وقت اُسے عطا کر دیے جاتے ہیں، اگرچہ قوت و ضعف کے اعتبار سے بہرحال اس میں تفاوت رہتا ہے یعنی ان قوتوں کا ارتقاء ایک

---

[1] چارواکو ہی تمکشم ایکم پرمان کہا جاتا ہے، ہندی فلسفہ کے نظام ششگانہ میکس مولر ص ۹۹ [2] المنقذ ص ۳۲

ہی ساتھ اور یکساں طور پر نہیں ہوتا، بلکہ آخر الذکر دو قوتیں یعنی ذائقہ اور شامہ خصوصیت کے ساتھ بالکل آخر مین اور وہ بھی بہت زمانہ کے بعد کمین ارتقاء پزیر ہوتی ہین، امام صاحب کا خیال ہے کہ انسان کا بچہ سات سال کی عمر میں ان تمام قوتون کو تمام و کمال حاصل کر لیتا ہے، یہ ارتقاء کی اوّلین منزل ہے، جسے منزلِ محسوسات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کے بعد دوسری منزل کا آغاز ہوتا ہے، جو گویا انسانی راہ حیات کا ایک نیا موڑ ہے، قرآن شریف نے بھی اس موڑ کی طرف ذیل کے الفاظ مین اشارہ فرمایا ہے:-

ثمّ انشانٰہ خلقاً آخر فتبارک	پھر ہم نے انسان کو نئی خلقت عطا فرمائی،
اللہ احسن الخالقین،	وہ خدا بابرکت ہے، جو تمام صناعون
(مومنون - ۱)	سے بڑھکر ہے

یہ خلقتِ جدید یا خلق آخر وہ منزل تو نہین جس کا ذکر کیا جا رہا ہے، لیکن اس منزل کا سبب یا اوس کا باعثِ اصلی ضرور ہے، امام صاحب نے اس منزل کو تمیز کے نام سے پکارا ہے، اور اس کی بابت یہ فرمایا ہے:

وھو طور آخر من اطوار وجودہ	انسان کے درجاتِ ہستی میں سے یہ ایک
فیدرک فیہ امورا زائدۃ	جدید اور بالاتر درجہ ہے، جس مین وہ
عن عالم المحسوسات لا یوجد	عالم محسوسات سے الگ کچھ اور امور
منھا شئی فی عالم الحس،	کا ادراک کرتا ہے، جو حسی دنیا مین
(ایضاً صفحہ ۳۲)	نہین پائے جاتے،

اس منزل کا آغاز اس وقت ہوتا ہے، جب بچے کی عمر سات سال کے لگ بھگ ہوتی ہے، اس کے بعد وہ عقل و خرد کی منزل مین قدم رکھتا ہے، جو عام اور مشہور ارتقائی مغازل مین آخری اور اختتامی منزل ہے، امام صاحب کا بیان ہے، کہ اس منزل مین انسان واجبات، جائزات، محرمات اور مستحیلات وغیرہ کا بخوبی ادراک کر لیتا ہے، اور اس قابل بھی ہو جاتا ہے کہ وہ نیک و بد کے درمیان تمیز کر سکے

کیفیت علم احساس و ادراک کی کیفیت ایک جیسی نہین، بلکہ وہ بہت کچھ مختلف ہے، احساس مین ایک طرح کی بساطت پائی جاتی ہے، وہ انفرادی اور وجدانی ادراک ہے، آپ اگر کسی چیز کو دیکھتے ہین، تو اس کی ایک تصویر اس کے مخصوص رنگ اور حدود و قیود کے ساتھ آپ کے ذہن (سکہ رحمہ نگار) مین

مرتسم ہوجاتی ہے، ذہن جسے انگریزی مین (mind) اور سنسکرت مین "من" کہتے ہین، حواس کے لئے مرکز کی سی حیثیت رکھتا ہے، جہان تقریباً حواس کے تمام مدرکات جمع رہتے ہین، قدیم حکمائے یونان ذہن کے اسی حصہ کو حسِ مشترک کے نام سے موسوم کرتے تھے، عقلی ادراک کی نوعیت کسی قدر ترکیبی ہے، اور چونکہ ترکیب بساطت کے بعد ہے، اور اس کا دارومدار ان مفردات پر ہے جن سے ترکیب حاصل ہوئی ہے، اس لئے عقلی ادراک بھی موقوف ہے حواس اور اس کے مدرکات پر، وہ ایک نوع کی چھان بین، جانچ پرتال اور تالیف و ترکیب ہے جس کے ذریعہ وہ مدرکات حواس کے الگ الگ حصے کرتا ہے، ان کی بہت سی ڈھیریان بناکر ان کے متعلق کچھ قطعی احکام یا فیصلے بھی صادر کرتا ہے،

یہین سے امام غزالی کے فلسفیانہ ارتیاب کی بنیادین پڑتی ہین، ان کا خیال ہے کہ چونکہ اس کے قضایا کہین کہین عقل و ادراک سے غلط ثابت ہوجاتے ہین اور ان کے فیصلے بارگاہ دانش سے مسترد کردیئے جاتے ہین اس لئے حواس اور ان کے مدرکات پر پورا پورا اعتماد نہین کیا جاسکتا، حاسۂ بصر (قوتِ بینائی) تمام حواس مین قوی تر شمار کیا جاتا ہے، اس کا یہ حال ہے کہ جب کبھی ہم ظل یا سایہ کی طرف نظر اٹھاکر دیکھتے ہین، تو وہ ہمین ساکن، غیر متحرک یا ٹھہرا ہوا نظر آتا ہے، اور اگر آلہ مشاہدہ پر ہی فیصلہ دیدیا جائے، تو یقیناً عقل بھی اُسے ساکن یا غیر متحرک ہی بتائے، لیکن بار بار دیکھنے اور تجربہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے، کہ سایہ بھی آہستہ آہستہ حرکت کر رہا ہے، یا وہ ٹھہرا ہوا نہین ہے، آسمان پر کواکب اور سیارے بہت ہی صغیر و حقیر اور چھوٹے اور بے مقدار نظر آتے ہین لیکن عقلِ انسانی ہندسی دلائل سے بصر کے اس فیصلے کو بھی غلط ثابت کردیتی ہے، اور اس مین کسی شک و شبہہ کی گنجایش نہین چھوڑتی، کہ بظاہر بے مقدار ناچیز اور چھوٹے چھوٹے سیارے درحقیقت زمین سے کہین بڑے اور اس سے کئی گنا زائد عظمت و حیثیت کے مالک ہین،

عقلی ادراکات دو طرح کے ہین، اولیات، اور نظریات، نظریات کے غیر یقینی ہونے مین تو کوئی شبہہ نہین، البتہ اولیات کی بابت اہلِ خرد کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ یقینی ہین، اور ان مین کسی طرح بھی شک نہین کیا جاسکتا، اولیات وہ واضح بین، اور مسلم عقلی فیصلے ہین، جو بار بار تجربہ کئے جانے اور مشاہدے مین آنے کے باعث کسی جدید ثبوت کے محتاج نہین، یا جنھیں عام طور پر جملہ ذی ہوش انسان بے چون وچرا مان لیتے ہین، اقلیدس کے تمام امور متعارفہ ( ) اسی قسم کے ہین، دس تین سے زائد ہے، اجتماع ضدین محال ہے، ایک چیز بیک وقت موجود و معدوم نہین ہوسکتی، یہ اور اسی طرح کے تمام جلی اُمور

بین قضایا اولیات میں شمار کئے جاتے ہیں،

جس طرح حس کے فیصلے عقل و ادراک سے غلط ثابت ہو جاتے ہیں، اسی طرح امکان ہے کہ عقل کے اولین قضایا بھی آیندہ غلط یا نادرست ثابت ہو جائیں، آخر یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ عقل سے بالاتر اور کوئی مدرک یا سرچشمۂ علم و عرفان نہیں؟ جب تک اس کا امکان ہے کم سے کم اس وقت تک عقلی فیصلے بھی ہر چند کہ وہ اولی اور جلی ہیں قطعی یا یقینی نہیں کہے جا سکتے، یہ ہے امام غزالی کے فلسفیانہ ارتیاب کا خلاصہ جس نے انھیں ذوق یا وجدان کی راہیں دکھائیں، اور اسلامی دنیا میں حکمت و تصوف کے ڈانڈے ملائے،

ذوق یا وجدان امام غزالی کا بیان ہے کہ وہ پورے دو ماہ تک فلسفیانہ ارتیاب میں مبتلا رہے، جسے انھوں نے سفسطہ کے نام سے یاد کیا ہے، اس عرصہ میں ان کے عقائد کی عمارتیں سب ڈھیر ہو گئیں، اور اگر توفیق ایزدی ان کی دستگیری نہ فرماتی تو شاید وہ کبھی سفسطہ کے دلدل سے باہر نہ آتے، نظم کلام یا ترتیب مقدمات سے ان کا یہ ارتیاب رفع نہ ہوا، بلکہ وہ محض نور الٰہی اور کشفِ ربانی تھا جس نے درمیان سے تمام پردے اٹھا کر انھیں اصل حقیقت کا جلوہ دکھایا،

ذوق (Intuition) دراصل مدارک علمیہ میں سے ایک مُدرک ہے اور اسی طرح ایک مدرک ہے، جیسے حس و عقل، لیکن اس کی تحصیل و تربیت کے لئے کسی قدر غیر معمولی جد و جہد اور طلب و جستجو کی حاجت ہے، اس قوتِ مدرکہ کے وجود سے یوں تو قدیم ہند و یونان کے حکما، اور ارباب عرفان بھی بیخبر نہ تھے، چنانچہ پروفیسر میکس مولر نے لکھا ہے کہ ویدانت سوتر کی بعض شروح و حواشی میں ایک جدید سرچشمۂ علم (Second source of Knowledge) کا ذکر "ساکشاتکار" کے نام سے کیا گیا ہے،[1] اور یہ بتایا گیا ہے کہ اس کا متعلق یا موضوع براہمن یعنی خدا کی ذات اور اس کی صفات ہیں، ایک مشہور چینی عالم نے لکھا ہے:-

> "پرم آرتھک پرتیکش (ذوق و وجدان) وہ واضح علم ہے، جسے آتما (روح) براہ راست اور بے واسطہ حاصل کرتی ہے، یہ علم کسی دوسری قسم کے علم یا حواس و ذہن کی وساطت سے حاصل نہیں ہوتا، یہ خالصتاً وجدانی یا ذوقی ہے، جو روحانی تنور سے پیدا ہوتا ہے، اور حصول کمال کا سبب یا ذریعہ ہے"[2]

لیکن اس علم کی حقیقت یا ماہیت پر علمی بحثیں امام غزالی ہی نے کیں اور نظر و استدلال کی اعانت

---

[1] ملاحظہ فرمائیے ہندی فلسفہ کے نظام ششگانہ ص ۱۴۳ [2] نیائے کسما نجلی پروفیسر ہیرالال کپاڈیا صفحہ ۱۱۳

سے اس کو ایک جدید سرچشمۂ علم ان سے پہلے غالباً کسی نے ثابت نہین کیا، یہ تو ایک حقیقت ہے، کہ یہ علم دلیل و برہان کا محتاج نہین یعنی اس کے لئے مقدمات ترتیب دے کر نتیجہ نکالنے یا منطقیانہ تحلیل و تجزیہ کی ضرورت واقع نہین ہوتی، وہ ایک طرح کا فوری یا فجائی ادراک ہے، قدیم حکما سے یونان نے قیاس و استدلال کی دو صورتین بتائی ہین، ایک فکر دوسرے حدس، یہ دونون صورتین استدلالی ہین، اس لئے کہ ان مین مقدمات سے نتیجے اخذ کئے جاتے ہین، اگرچہ فکر کسی قدر باقاعدہ استدلال ہے، اس مین مقررہ قاعدون اور ضابطون کے مطابق مقدمات ترتیب دینا پڑتے ہین، اور حدس ہرچند مبنی ہے مقدمات پر لیکن مقدمات کی باقاعدہ ترتیب کی اس مین حاجت نہین، اور اسی لئے نتیجہ تک پہنچنے مین کچھ وقت صرف نہین ہوتا، بلکہ بجلی کی چمک کے ساتھ مقدمات سے نتیجہ تک رسائی ہو جاتی ہے، ذوق یا وجدان اس باب مین استدلال سے بہت مختلف ہے، اس مین سرے سے مقدمات ہی کی ضرورت نہین، وہ ایک قسم کا کشف روحی اور شرح صدر ہے، جو کبھی کبھی فیض الٰہی سے اس طرح پھوٹ کر نکلتا ہے جس طرح آفتاب سے نور یا برق سے درخشانی، امام صاحب نے لکھا ہے، کہ حضرت اکرمؐ سے جب شرح صدر کے معنی دریافت کئے گئے، تو آپنے فرمایا کہ وہ ایک نور ہے، جو عارف کے قلب مین القا کر دیا جاتا ہے، اس نور کی بابت امام صاحبؒ فرماتے ہین:-

ذالک النور یقبس من الجود	یہ نور کا ہے جو فیض الٰہی سے پھوٹ
الالٰھی فی بعض الاحایین	پڑتا ہے، اس لئے اس کی طلب و جستجو
ویجب الفحص لہ	ضروری ہے،

دراصل وجدان ایک طرح کا احساس (Feeling) ہے، جس مین ادراک یا علم کے بعض ضروری اجزا بھی ملے جلے پائے جاتے ہین، صوفیائے کرام نے اس نوع کے احساس کو حال سے تعبیر کیا ہے، امام غزالی نے حال اور علم کا فرق بتاتے ہوئے لکھا ہے، کہ بہت سے علوم اور حقائق ایسے ہین جنھین تعلیم سے حاصل نہین کیا جا سکتا، بلکہ وہ صرف ذوق، حال اور تبدل صفات ہی سے دریافت کئے جاتے ہین، مثلاً صحت اور سیری کی حقیقت کو جاننا، اور ان کے اسباب اور شرطون کو سمجھنا اور خود سیر اور تندرست ہونا ان دونون مین بہت فرق ہے، اسی طرح بدمستی اور سرور کی ماہیت کا ادراک اور بدمست ہونا، یہ دونون بہت کچھ مختلف ہین، جسے عام طور پر علم کہا جاتا ہے، وہ دراصل علم ہی نہین، وہ ایک طرح کا معلوم سے بعید ترین

تعلق یا نسبت (Contact) ہے، صحیح علم وہی ہے جس میں عالم و معلوم کے درمیان سے دوئی کے تمام پردے اٹھ جائیں، اور ظاہر ہے کہ متعارف اور مشہور علم میں اتنی یگانگت اور اس درجہ اتحاد کبھی حاصل نہیں ہوتا خفگی کا تصور یا اس کا احساس بھی ہر چند انسان کے جسم میں پھریری پیدا کر دینے کا باعث ہوجاتا ہے لیکن اس کی اصل حقیقت سے آگاہی جب ہی ہوتی ہے، کہ اس کی تمام کیفیات انسان کے باطن میں رونما ہوجائیں جذبات، احوال اور کیفیات کی بابت مشہور انشا پرداز دن نے بھی یہی کہا ہے، کہ جب تک ان کو اپنے اوپر طاری نہ کر لیا جائے، انسان ان سے بے خبر رہتا ہے حقیقی شاعر کے ادراک و حصول کی نوعیت بھی وجدانی ہی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے، کہ جب تک شاعر کی نفسی کیفیات یا کم سے کم ان کی جھلکیاں کسی تنقید نگار کو حاصل نہ ہوں، تنقید کا حق ادا نہیں ہوتا، شاید مولانا روم نے اسی تعلق سے شاعری کی بابت فرمایا ہے :-

شاعری جزویست از پیغمبری

امام غزالی نے معلومات اور درجات علم کے باہمی تفاوت کی بنا پر علم و ایمان کے بھی تین مراتب قرار دیئے ہیں، اول علم جو برہان، استدلال یا قیاس سے حاصل ہوتا ہے، دوم ذوق و وجدان جو علمی حالات و کیفیات طاری کر لینے کا نام ہے، سوم ایمان جس کی بابت امام صاحب نے فرمایا ہے کہ وہ حسن ظن، تسامع اور تجربہ کی بنا پر کچھ امور مان لینے اور انہیں دست تسلیم کر لینے کا حاصل یا نتیجہ ہے، اس کے بعد امام صاحب نے لکھا ہے :-

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا	خدائے تعالیٰ ایمان لانے والوں کو اور
مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ	ان کو جو اہل علم ہیں درجہ بدرجہ بلند
درجاتٍ، (مجادلہ - ۲)	فرماتا ہے،

اشتراکیت اور اسلام

جس میں اسلام اور اشتراکیت کی تعلیمات کے تقابلی مطالعہ اور اشتراکیت کے خلاف فطرت معاشی اصولوں کی علمی و فنی تنقید کی گئی ہے، نیز اس کے مابعد الطبیعی نظریوں پر ایک ناقدانہ نظر بھی ڈالی گئی ہے، ضخامت ۸۰ صفحے، قیمت عہ، از مسعود عالم ندوی،

"منیجر"

ہندوستان مین علومِ حدیث کی تالیفات

از

جناب مولوی ابو یحییٰ امام خان صاحب نوشہروی

جناب ڈاکٹر زبید احمد صاحب لکچرار الٰہ آباد یونیورسٹی نے علوم حدیث پر ہندوستان کی عربی تالیفات کے عنوان سے دسمبر ۱۹۴۲ء مین ایک مضمون لکھا تھا، یہ مضمون ایک حیثیت سے گویا اس کا تکملہ ہی، موصوف کا مضمون ۱۸۵۷ء تک کی صرف عربی تصنیفات تک محدود تھا، راقم نے اس مین فارسی اور اردو کو بھی شامل کر لیا ہے، لیکن سنہ کی تحدید قائم رکھی،

اس مضمون مین ۱۴۱ مولفات اور ۴۸ مولفین کا ذکر ہے، جو باعتبار فن ۲۲ اقسام پر مشتمل ہین،

(۱) اصولِ حدیث پر ۷، (۲) اسناد حدیث پر ۱۱ (۳) تخریجات پر ۲ (۴) رجال پر ۳ (۵) غریب الفاظ پر ۳ (۶) شروح بخاری ۱۰ (۷) شروح مسلم ۵ (۸) شرح ابی داود ۱ (۹) شرح نسائی ۱، (۱۰) شروح ترمذی ۷، (۱۱) شروح ابن ماجہ ۲ (۱۲) شروح مسند احمد ۱ (۱۳) شروح موطا مالک ۲ (۱۴) شروح مشکوٰۃ ۹ (۱۵) شرح بلوغ المرام ۱ (۱۶) کتب متفرق ۲ (۱۷) سیرۃ ۱۲ (۱۸) سیر و مناقب ۱۸ (۱۹) مدونات ۱۲، (۲۰) موضوعات ۲ (۲۱) اربعینیات و شروح ۱۲ (۲۲) اوراد و وظائف ۳،

مولفین مین ۳ حضرات کے سال وفات نہ معلوم ہو سکے (۱) شیخ الاسلام رام پوری (۲) فخرالدین رام پوری (۳) احمد یار مراسے والے، اور ۲ کتابون کے مولفین کے نام معلوم نہ ہو سکے، نمبر ۱۳۴، و ۱۳۵ و ۱۳۶ مین سے ایک تو یقینی طور پر مولینا ولایت علی صادق پوری ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء کی تالیف ہے، اور بقیہ ۲ کتابون کے مولفین کا اس وقت علم نہ ہو سکا، یہ ہر سہ کتب و رسائل تسوید مین ہین، جو مطبوع ہے،

قسم اول اصول حدیث مین ۱۰ کتابین

منہج در اصول حدیث: مخدوم نظام الدین بن امیر سیف الدین معروف بہ شیخ بھکاری کاکوروی (م ۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء) "سال ولادت ۸۹۰ھ/۱۴۸۵ء..... جامع علوم ظاہر و باطن در علوم ظاہریہ

یہ مولانا ضیاء الدین محدث (سنہ) قاضی عبداللطیف برانی (سنہ) نسبت تلمذ داشتہ و در اوائل کتب درسیہ متعارفہ از والد خود تحصیل کردہ و در اکتساب علم باطن مرید سید ابراہیم ایرجی ست، کہ نبیرۂ سید عبدالرزاق بن غوث الثقلین عبدالقادر جیلانی بود" (علماے ہند ۳۳)

مشاہیر کاکوری (ص ۴۵۵) میں آپ کی تصانیف کا ذکر ان الفاظ میں ہے:-

"منہج متعلق بہ اصول حدیث، معارف متعلق بہ تصوف، ترجمہ و شرح کتاب لمعات بزبان فارسی حسب ارشاد سید ابراہیم بغدادی، تحفہ نظامیہ تین سوالوں کے جواب میں"

(۲) **شرح نخبۃ الفکر فی اصول الحدیث**: از مولانا وجیہ الدین گجراتی (م ۲۹ رجب ۹۹۸ھ / ۱۵۸۹ء)

محرم ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء میں متولد ہوے، جاے ولادت جاپانیر ہے.... فنون درسیہ ملا عماد الدین طارمی (سنہ) سے حاصل کیے، تصانیف یہ ہیں، حاشیہ بیضاوی، شرح نخبہ فی اصول الحدیث، حاشیۃ العضدی، حاشیۃ التلویح، حاشیۃ البزدوی، حاشیۃ بدایۃ الفقہ، حاشیہ شرح الوقایہ، حاشیۃ المطول، حاشیۃ المختصر، حاشیۃ شرح التجرید، حاشیہ شرح ایجی، حاشیہ ارشاد النحو، شرح ابیات المنہل، ان کے سوا اور بھی بہت سے حواشی ہیں، (منتہی الادب من ذکر علماء النحو والادب مولفہ مولوی ذوالفقار احمد بھوپالی ص ۱۹۰)

(۳) **شرح نخبۃ الفکر**: مولانا عماد الدین محمد عارف معروف بہ عبدالنبی شکارپوری اکبرآبادی (سنہ)

"نامش عماد الدین محمد عارف عثمانی صوفی شکارپوری نسبًا و خرقۃً و الحنفی مذہبًا بہ پیروی شرع و مرید شیخ عبداللہ صوفی شکارپوری (کبرآبادی) از علماے عظام و صوفیاے کرام بود و تصانیف رائقہ از و یادگار اند" تعداد تصانیف ۴۶ (تذکرہ علماے ہند ۱۳۴)

ان میں سے حدیث کی کتابوں کا تذکرہ آیندہ آئے گا۔

ذریعۃ النجاۃ شرح المشکوٰۃ (عدد ۴۶) شرح حدیث خیر الاسما عبداللہ و عبدالرحمان (عدد ۴۷) شرح حدیث کنت کنزًا مخفیًا عدد (۴۵) شرح حدیث الصلوٰۃ معراج المومن (عدد ۴۳) لوامع الانوار فی مناقب السادات الاطہار (عدد ۱۰۸) لوامع ..... پر سال فراغ ۸ رذی الحجہ ۱۰۲۰ھ / ۱۶۱۱ء ثبت ہے، لیکن سال وفات معلوم نہ ہوسکا، (ملخص از علماے ہند ۱۳۵)

(۴) **مقدمہ فی بیان بعض مصطلحات علم الحدیث** (عربی) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء)

مختصر تعریفات اقسام حدیث پر مشتمل، اور مشکوٰۃ مطبوعہ ہندوستان کے شروع میں منضم ہے، آپ کی ۳۰ تالیفات کا

تذکرہ اس مضمون میں ہے (نمبر ۶۵، ۷۱، ۹۵، ۹۶، ۹۷)

(۵) **مایجب حفظہ للناظر** :- از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) من جملہ ان ۶ تالیفات (حدیث) کے جن میں سے ۵ کا ذکر آگے آئے گا، الارشاد الی مہمات الاسناد (عدد ۱۳) الاشتباہ فی اسناد حدیث رسول اللہ (عدد ۱۳) فضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین (عدد ۱۴) المصفی فی شرح الموطا (عدد ۶۱) تاویل الاحادیث (عدد ۶۸)

(۶) **اصول حدیث**
(۷) **القول الصحیح فی مراتب التعدیل والتجریح**
(۸) **بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب**

علامہ محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م رمضان ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء)

نام عبدالرزاق لقب محی الدین کنیت ابوالفیض، (مولد بلگرام) حجاز و مصر و زبید وغیرہ ممالک اسلامیہ میں علم کی تحصیل کی، اور زبید میں طرح اقامت ڈال دی، آپ کے فیض یافتگان میں منجملہ اور اکابر کے سلطان عبدالحمید خان اور صدر الوزارت محمد پاشا بھی ہیں، تصانیف کی تعداد تقریباً ۶۶ ہے (ملخص از علمای ہند ص ۲۲۴)

آپ کی پینتیس تالیفات کا ذکر مضمون ہذا میں ہے،

(۹) **عجالۂ نافعہ** (فارسی) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء)

"در بیان بعض کتب حدیث و اسناد خود و بعض فوائد علم حدیث" (اتحاف النبلاء نواب صدیق حسن ص ۱۰۹)

مشہور و متداول رسالہ ہے، اس کے سوا آپ کی اور چند تالیفات کا بھی ذکر ہے، (عدد ۶۲ و ۱۲۳)

(۱۰) **اصول حدیث** (عربی) مولوی سلام اللہ محدث رام پوری (م ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء) .... (از علمائے سند ص ۷۷) ترجمہ شیخ کے لئے ملاحظہ ہو (معارف ج ۵۰ نمبر ۶ ص ۴۲۱)

آپ کی تالیفات حدیث میں (۱) ترجمہ صحیح بخاری (فارسی) (۳۹) (۲) ترجمہ شمائل ترمذی (بعد ۵۴) کا ذکر آئندہ آئے گا،

آپ کے والد حضرت شیخ الاسلام اور شیخ الاسلام کے والد حافظ فخر الدین کی ایک ایک تصنیف بھی زیب اوراق ہے (عدد ۳۸ و ۴۴)

قسم دوم اسناد حدیث میں دو کتابیں

(۱۱) **وثیقۃ الاکابر** (عربی) شیخ فقیر اللہ بن عبدالرحمان القرشی سندی نے سند کی ضرورت پر بحث کر کے مختلف کتب حدیث وغیرہ کے متعلق اپنے اسناد لکھے ہیں ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء

مین یہ رسالہ لکھا گیا، (لباب المعارف العلمیہ فی مکتبۃ دار العلوم الاسلامیہ پشاور ص ۶۹ عدد مسلسل ۳۷۵)
"کتب خانہ اسلامیہ کالج پشاور مین آپ کی ایک اور تصنیف، قطب الارشاد عربی مین فقہ اور تصوف پر
(قلمی) موجود ہے، آپ ملا حبیب اللہ قندھاری کے شیخ الشیخ ہین، (لباب المعارف..... ص ۸۰ عدد مسلسل ۹۶۹)

زمانۂ وفات کا اندازہ سنۂ تالیف متذکرۃ الصدر (۱۱۶۰ھ / ۱۷۴۷ء) سے کیا جا سکتا ہے،

(۱۲) الارشاد الی مہمات الاسناد، (عربی)
(۱۳) الانتباہ فی اسناد حدیث رسول اللہ (عربی)
(۱۴) فضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامین (عربی)
(از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء))

اوّل الذکر (الارشاد) کا قلمی نسخہ کتب خانہ حمیدیہ بھوپال مین ہے، (معارف دسمبر ۱۹۳۶ء) اور
فضل المبین کا قلمی نسخہ کتب خانہ سید احمد شاہ محدث رام پوری کے دار الکتب مین راقم الحروف نے دیکھا ہے،

(۱۵) حصر الشارد فی اسانید محمد عابد..... للشیخ محمد عابد بن الشیخ احمد علی سندی مجلد ایست
ضخیم در وے الوف کتب و جمیع مسلسلات خود ذکر کردہ محتویست بر ہمہ مسانید مشائخ حرمین وغیرہم"
(اتحاف النبلاء ص ۷۲ و الفوائد البہیہ مولانا عبد الحی لکھنوی ص ۹۵) ترجمہ شیخ محمد عابد کے لئے ملاحظہ ہو معارف
جلد ۵۰ نمبر ۶ ص ۴۲۲، سال وفات ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء ہے،

(۱۶) الفیض الجاری فی اسانید البخاری[۵۲]
(۱۷) المرتضویہ فی المسلسل بالاولیۃ
(۱۸) الکلیل الجواہر الغالیہ فی روایۃ الحدیث العالیہ
(۱۹) المجالس الشیخونیہ
(۲۰) برنامجہ
(للشیخ محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی، (م ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء))

برنامجہ کے متعلق نواب صدیق حسن فرماتے ہین:-

لہ قال الشیخ محمد عابد فی کتابہ حصر الشارد فی اسانید محمد عابد "فقد اجزت کافۃ من ادرک حیاتی من المسلمین ان یروی عنی جمیع ما اشتمل علیہ ھذا السفر بالاسانید التی ذکرتھا وکانت تمامہ فی بندر مخا فی شھور رجب سنۃ ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء"
(المکتوب اللطیف مولانا شمس الحق دیانوی صفحہ ۹)

۵۲ نمبر ۶ تا ۱۹ کے نام فہرس الاریب ص ۱۹۴ سے ماخوذ ہین،

"قال السراج القزوینی عن شیخنا ان النسخة التی یکتب فیها المحدث اسماء رواته واسانید الکتب المسموعة تسمی بذلک، محرر سطور می گوید ازین جنس ست یرنامجہ سید محمد مرتضی"، (اتحاف النبلاء ۱۷۶)

تذکرۂ علماے ہند (ص ۲۲۵) مین سید ممدوح کے مولفات مین الفیتہ السند کے نام سے جس کتاب کا ذکر ہوا ہے، شاید یہی یرنامجہ ہو،

(۲۱) مدارج الاسناد، از شیخ محمد المعروف بہ ارتضی علی خان گوپاموی (م ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء) الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ ص ۹۵)

"ابن مصطفی علی خان در سال ۱۱۹۵ھ/۱۷۷۳ء متولد شد، بخدمت مولوی حیدر علی سندیلی (م ۶ رجب ۱۲۲۵ھ: ۱۸۱۰ء) علوم عقلی و نقلی اخذ کردہ و فن ادب از مولوی محمد ابراہیم بلگرامی آموختہ جامع شریعت و طریقت بود....." (علماے ہند ۲۱)

تیسری قسم تخریجات حدیث پر ۶ کتابین

(۲۲) تخریجات حدیث شیبی ہود،

(۲۳) تخریج نعم الادام النحل،

(۲۴) عقد الجواہر الثمین فی تخریج حدیث اطلبوا العلم ولو کان بالصین

(۲۵) المواہب الجلیہ فیما یتعلق بحدیث الاولیہ[1]

(۲۶) العروس المجلیہ فی طرق حدیث الاولیہ[2]

(۲۶) التبحیر فی الحدیث المسلسل التکبیر

از سید محمد مرتضی بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء)

چوتھی قسم۔ رجال پر ۳ کتابین

(۲۸) النور السافر فی اخبار القرن العاشر، للشیخ عبد القادر بن الشیخ عبد اللہ العیدروس ابو بکر محی الدین الیمنی الحضرموتی الہندی ولد یوم الخمیس ربیع الاول (۹۵۹ھ/۱۵۵۲ء) بمدینۃ احمد آباد من بلاد الہند..... (م ۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ء) التعلیقات السنیۃ مولانا عبد الحی لکھنوی علی الفوائد البہیہ ص ۳۶)

مولانا ممدوح نے شیخ کی حسب ذیل ۸ تالیفات کے نام رقم فرمائے ہین:-

(ص)

(۱) الفتوحات القدسیہ فی الخرقۃ العیدروسیہ (۲) الحدائق الخضرۃ فی سیرۃ النبی واصحابہ العشرۃ

---

[1] و [2] حدیث الاولیہ کی شرح مین آپ کی تالیف عدد ۹، میں ملاحظہ فرمائیے،

(۳) الدر الثمین فی بیان المهم من الدین (۴) اتحاف المخضرة العزیزة بعیون السیرة الوجیزه (ص) (۵) المنهاج الی معرفة المعراج ص (۶) المنتخب المصطفیٰ فی مولد المصطفیٰ (ص) (۷) الانموذج اللطیف فی اهل البدر الشریف (ص) (۸) اسباب النجاة والنجاح فی اذکار المساء والصباح (مطبوعہ مصر) ص (۹) الحواشی الشقیقه علی العروة الوثقیٰ (۱۰) منح الباری بنخم البخاری ص (۱۱) تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء ص (۱۲) عقد اللآلی بفضائل اللآلی (ص) (۱۳) بغیة المستفید بشرح تحفة المرید (۱۴) النفحة العنبریه فی شرح البیتین العدنیة (۱۵) غایة القرب فی شرح نهایة الادب، (۱۶) اتحاف اخوان الصفا بشرح تحفة الظرفا (۱۷) صدق الوفا بحق الاخاء (۱۸) درر نور السافر.....

شیخ عبد القادر کی تالیفات میں سے جن کتابوں کے نام سے کسی شعبۂ حدیث کے ساتھ اس کا قریبی تعلق سمجھا گیا ان کا ذکر مضمون ہذا میں کیا گیا ہے، ایسی کتابوں کی تعداد دس ہے جن کے نام پر علامت ص لکھ دی گئی ہے، عدد ۲۸، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۷، ۱۳۷،

(۲۹) المغنی فی ضبط اسماء الرجال وتسهیم شیخ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار (م ۹۹۶ھ / ۱۵۸۷ء) (التعلیقات السنیہ ص، ۶) آپ کی ایک اور تالیف کا ذکر عدد ۵۲ میں آئے گا،

(۳۰) طبقات الحفاظ: از سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ / ۱۷۹۰ء) (علماے ہند ۲۲۵)

پانچویں قسم لغت حدیث پر ۳ کتابیں | (۳۱) مختصر نہایہ ابن اثیر از شیخ علی متقی برہان پوری (م ۹۸۵ھ / ۱۵۸۰ء) (اتحاف النبلاء ۴، ۱) ترجمہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف ج ۵ نمبر ۶ ص ۴۲۳،

(۳۲) مجمع الغرائب فی غریب الحدیث
(۳۳) المفہم شرح غریب صحیح مسلم، | شیخ ابو الحسن عبد الغافر بن اسماعیل بن عبد الغافر ابن عبد اللہ الفارسی نیشاپوری غزنوی (م ۵۲۹ھ / ۱۱۳۴ء) (اتحاف النبلاء صفحہ ۳۰۲)

آپ کے ترجمہ میں نواب صاحب فرماتے ہیں :-

"واز غزنہ بہند شتافتہ وروایت حدیث نمودہ" (اتحاف النبلاء ۳۰۵)

غزنہ کے متعلق مولانا عبد الحی لکھنوی کی تصریح ہے :-

"من اول بلاد الہند ذکرہ السمعانی"

کنیت میں ابو الحسین و ابو الحسن دو روایتیں ہیں، اور دونوں (الفوائد البہیہ ص ۲۰) مولانا ممدوح

سے نقل ہیں یعنی تعلیق المجد میں ابوالحسن بھی ہے اور ابوالحسین بھی!

"وروی عنہ الحاکم ابوعبداللہ الحافظ وابوالحسین عبدالغافر الفارسی" (تعلیق المجد ص۲)

راقم الحروف نے شیخ ممدوح کا تذکرہ باتباع خطیب و ابن عساکر و امثالہم علمائے ہند میں کیا،

چون صوفیان بحالت ورقصند در سماع
ما نیز ہم بشعبدہ دستے برآوریم

یہ بھی عجب نہیں کہ شیخ عبدالغافر کا نیشاپوری ہونا اسی طرح ہو جیسے سید مرتضیٰ بلگرامی کا زبیدی بن جانا، شیخ کی ایک اور تالیف کا ذکر سلسلۂ اربعین میں عدد ۴۲ پر ملاحظہ سے گذرے گا،

چھٹی قسم شروح بخاری کی ۱۰ کتابیں | (۳۴) شرح بخاری (نامعلوم الاسم) شیخ حسن بن محمد الصنعانی اللاہوری (م ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء)

"واین شرحے مختصر است و در یک مجلد است" (اتحاف النبلاء ص ۵۵)

شیخ کا ترجمہ معارف ج ۵ نمبر ۶ میں موجود ہے، اور اس مضمون میں آپ کی پانچ تالیفات کا ذکر ہے عدد ۳۴، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۲۲،

(۳۵) فیض الباری، میر سید عبدالاوّل بن علاء الدین الحسنی،

نواب صاحب لکھتے ہیں:۔

"جامع جمیع علوم عقلی و نقلی و رسمی و حقیقی و در اکثر علوم تصانیف دارد بر صحیح بخاری شرح نوشتہ مسمی بفیض الباری..... بغایت معمر و مسن بود..... و مرید بعضے از اولاد سید محمد گیسو دراز جون پوری آخر در ۹۶۸ھ/۱۵۶۰ء برحمت حق پیوست قبر او در درون قلعہ دہلی است در میان گورہ غریبان افتادہ است....." (اتحاف النبلاء ص ۲۰۲)

فیض الباری کے علاوہ سید عبدالاوّل کی بعض اور تصانیف ہیں (۲) رسالہ فرائض منظوم (۳) رسالہ فارسی در تحقیق نفس (۴) منتخب سفر السعادۃ از تصانیف وے مشہور اند و علاوہ آن بر اکثر کتب حواشی و شروح و تعلیقات دارد....." (علمائے ہند ۱۰۷)

ان تالیفات میں سے عدد ۳۵ کے علاوہ عدد ۷۰ کا ذکر آگے ملاحظہ سے گذرے گا، شیخ کا وطن زید پور متصل جونپور ہے،

(۳۶) شرح صحیح بخاری: شیخ یعقوب صرفی تخلص کشمیری خلف شیخ حسن کنبوی عاصی از اکابر کشمیر بود از شیخ حسین خوارزمی تعلیم باطنی و سند حدیث از شیخ ابن حجر مکی گرفتہ..... تصانیف تفسیر کلام مجید ناتمام۔ وشرح صحیح بخاری وغیرہا..... م ۱۰۵۹ھ/۱۶۵۰ء (علمائے ہند ص ۲۵۵)

(۳۷) تیسیر القاری شرح صحیح البخاری: شیخ المفتی نور الحق (م ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۲ء) ابن الشیخ عبد الحق محدث دہلوی (اتحاف النبلاء ۴۵)

"او برسی جز صحیح بخاری شرح وافی داشت وحل مشکلات احادیث راحل ساختہ"

(فرحت الناظرین بحوالہ رسالہ اورنٹیل کالج میگزین لاہور اگست ۱۹۲۶ء)

آپ کی ایک اور تالیف کا ذکر عدد ۴۵ میں آئے گا،

(۳۸) شرح صحیح بخاری فارسی: از شیخ الاسلام رام پوری (والد ماجد مولوی سلام اللہ محدث رام پوری م ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء) (علمائے ہند ص ۶۰) "تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی،

(۳۹) ترجمۂ فارسی صحیح بخاری از شیخ سلام اللہ محدث رام پوری (م ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء) ان کی ایک تالیف کا تذکرہ معارف (جلد ۵ نمبر ۶ ص ۴۲۱) میں ہے،

ان کے والد کی مذکور الصدر شرح بخاری کا ذکر صاحب علمائے ہند نے انہی کے نام کے ساتھ کیا ہے،

(۴۰) نور القاری شرح صحیح البخاری: شیخ نور الدین بن محمد صالح الاحمد آبادی (م ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء)

"علامۂ زمان ویگانۂ روزگار بود در عصر مثل او کم گذشتہ نزد ملا احمد سلیمان و ملا فرید الدین احمد آبادی تلمذ کرد و سر آمد ارباب دانش گردید..... از ابتدائے تحصیل تا انتہائے عمر بہ تدریس وتصنیف پرداخت و عالمے را بہ تجرد رسانید، زیادہ بر یک صد و پنجاہ تصنیف صغیر و کبیر در سلک تحریر کشیدہ مثل (۱) تفسیر کلام اللہ (۲) وشرح بخاری (۳) وحاشیہ قویہ بر حاشیہ قدیمہ (۴) وحواشی شرح مواقف (۵) وشرح مقاصد (۶) وشرح مطالع (۷) وشرح تلویح، (۸) و شرح عضدی (۹) وحل حاشیہ مطول (۱۰) وحاشیہ شرح وقایہ (۱۱) وحاشیہ شرح ملا (۱۲) وطریق الاعلام (۱۳) وشرح فصوص الحکم، — ولادت او در احمد آباد در ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۳ء شدہ و وفات او رشعبان ۱۱۵۵ھ/۱۷۴۲ء وعمرش ۹۱ سال و قبرش قریب خانقاہ اوست،"

(اتحاف النبلاء ص ۴۲۷)

(۴۱) ضوء الدراری شرح صحیح البخاری: سید علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی (م ۱۲۰۰ھ) تا کتاب الزکوٰۃ (اتحاف النبلاء صفحہ ۱۳۳) کہ "ملخص است از شاد الساری با زیادت فوائد علی القلیہ"!
(اتحاف النبلاء صفحہ ۱۵۶)۔

(۴۲) نظم اللآلی فی شرح ثلاثیات البخاری: "شیخ عبد الباسط بن مولوی رستم علی بن ملا اصغر علی (م ۱۲۲۳ھ) .... تصانیف ایشان بسیار است ہمہ نافع و مفید، منہا نظم اللآلی ،.... وانتخاب الحسنات ترجمہ احادیث دلائل الخیرات، وحبل المتین فی شرح الاربعین وجواہر خمسہ ورفرائض وعجیب البیان فی اسرار القرآن، وشرح شافیہ ابن حاجب مسمی بشفاء الشافیہ وغیر ذلک" (اتحاف النبلاء صفحہ ۳۰۹) ان کتابوں میں سے نمبر ۲ و ۳ کا ذکر آگے آئے گا،

(۴۳) منح الباری شرح صحیح البخاری: للشیخ محمد احسن الواعظ الحافظ بن الحافظ محمد صدیق ابن الحافظ محمد اشرف الخوشابی الفتنا وری المعروف بہ حافظ دراز..... ومراد از حفظ قرآن ست نہ حفظ حدیث..... واین شرح پارۂ اوّل است، از شروع در مقصود ببندے از مناقب ائمۂ اربعہ وامام بخاری ذکر کردہ ومعلوم نہ شد کہ این شرح باتمام رسیدیا نہ (اتحاف النبلاء ۱۶۱)

صاحب علماے ہند ان کے حالات میں لکھتے ہیں :-

"در فقہ وحدیث واصول یگانہ روزگار از دودمان علم وفضل بود اکثر علوم از والدۂ خود کہ عالمہ وفاضلہ بود تحصیل نمود بر مسند افادت وافاضت متمکن شد وتمام عمر گرامی بدرس طلبہ وتالیف کتب صرف کردہ، منح الباری (م ن ح ح) شرح فارسی صحیح بخاری وتفسیر سورۂ یوسف وتفسیر والضحیٰ، ومعراج نامہ، ودوفات نامہ، وحاشیہ شرح مبارک برسلم، وحواشی تتمۂ اخوند یوسف وغیرہ رسائل وکتب از تصانیف اوست بعمر ۶۱ سالگی بحدود ۱۲۶۳ھ رحلت نمود، (علماے ہند صفحہ ۶)

ساتویں قسم شروح صحیح مسلم ہیں ۵ کتابیں (۴۴) شرح فارسی صحیح مسلم: از شیخ فخر الدین (جد شیخ سلام اللہ محدث راہپوری م ۱۲۲۹ھ)، (علماے ہند ۷۶) ترجمہ وتاریخ وفات دونوں معلوم نہیں ہوسکے، شیخ سلام اللہ (ان کے پوتے) کے سال وفات سے ان کے زمانۂ وفات کا تخمینی اندازہ ہوسکتا ہے،

ملہ نواب صاحب نے اتحاف میں نام منح (م ن ح) لکھا ہے،

(۴۵) شرح صحیح مسلم از شیخ نور الحق ابن شیخ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۷۳ھ/۱۶۶۲ء) (علماے ہند ۲۲۶) ان کا تذکرہ اوپر نمبر ۳۷ مین گذر چکا ہے،

(۴۶) حاشیۃ السندی علی الجامع الصحیح لامام مسلم بن الحجاج (مخطوط) للشیخ ابو الحسن السندی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء) (فہرس الکتب العربیۃ الموجودۃ بالدار لغایت ۱۹۲۱ء نمبر ۹، ۲، صفحہ ۱۱۱) آپ کی دوسری تالیفات کا ذکر عدد ۴۹، ۵۰، ۵۴، ۵۸، ۶۰ کے تحت مین آئے گا،

(۴۷) ابتہاج بنخم صحیح مسلم ابن الحجاج : سید محمد مرتضی بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء)

(قضار الارب من ذکر علماء النحو والادب ص ۱۹۴)

(۴۸) مطرا لثجاج شرح صحیح مسلم ابن الحجاج : للشیخ ولی اللہ الفرخ آبادی، در زبان فارسی ست وتمام نشد" (اتحاف ۱۰۴ (م ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۳ء) از علماے ہند ص ۲۵۲)

آٹھوین قسم شروح سنن ابی داؤد مین ایک کتاب | (۴۹) فتح الودود علی سنن ابی داؤد : شیخ ابو الحسن سندی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء)، (تحاف النبلاء ص ۹ و ص ۱۴۲ (اس کتاب کا ذکر غایۃ المقصود فی حل سنن ابی داؤد للشمس الحق ڈیانوی (م ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء) صاحب عون المعبود مین بھی ہے :-

"ومنہم الفاضل الکامل الشیخ العلامہ ابو الحسن السندی ابن عبد الہادی المدنی نا شرح لطیف بالقبول فی سماء فتح الودود علی سنن ابی داؤد" (غایۃ[1] المقصود ص ۹)

نویں قسم شروح سنن نسائی مین ایک کتاب | (۵۰) تعلیق السندی (عربی) شیخ ابو الحسن السندی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء)

[1] علامہ شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی، اعلام اہل حدیث سے ہین، ابوداؤد پر آپ کی دو شرحون : عون المعبود و وغایۃ المقصود مین سے اوّل الذکر کامل چھپ چکی ہے، اور ثانی الذکر کا صرف پارۂ اوّل (۳۰ پارون مین سے) چھپا ہے[2] غایۃ المقصود کے حاشیہ پر ۲ کتابین ہین (۱) تلخیص ابی داؤد للمنذری (۲) تہذیب السنن لابن القیم، ابوداؤد کی یہ دونون شرحین بازار مین نایاب ہین، آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس دہلی کا شکوہ ایسی کتابون کے نہ چھپوانے مین کس طرح کیا جاسے، کہ اُس کے کرنے کا تو یہ کام بھی نہ تھا !

مجھے اس سے کیا توقع بڑھاپے مین جوانی
سنی کو دکی مین جس نے نہ کبھی میری کہانی

یہ شعر بپاسی خاطر مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب (مدیر اہل حدیث) لکھا گیا کہ آپ ہی اس کانفرنس کے جنرل سکریٹری ہین۔

یہ تعلیق نسخہ نسائی مطبوعہ انصاری پریس دہلی ۱۸۹۵ء کے حاشیہ پر ہے اس نسخہ میں دوسرا حاشیہ (عربی) ڈاکٹر نذیر احمد صاحب بلوی کا المسمی بہ الحواشی الجدیدہ ہے، اور اس تعلیق (السندی) کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ خدیویہ مصر میں بھی ہے، (فہرس الکتب الموجودۃ فی الدار لغایت ۱۹۲۱ء: ۲۵۲: ۱۱۱)

دسویں قسم جامع ترمذی پر، کتابیں | (۵۱) شرح الشیخ سراج احمد السرہندی، وہو بالفارسیۃ وقد طبع قطعۃ منہ ومن شرح ابی الطیب السندی (م ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء) فی المطبعۃ النظامیہ فی الہند، (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۰)

لابی العلیٰ مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری (م ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء) صاحب تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی،

(۵۲) تعلیق الترمذی: شیخ محمد طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار (م ۹۹۶ھ/۱۵۸۸ء) (مقدمہ تحفۃ الاحوذی فی ذکر شروح الترمذی)

(۵۳) شرح ابو الطیب[1] سندی (م ۱۱۰۹ھ/۱۶۹۷ء) (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۰)

(۵۴) شرح ابی الحسن بن عبدی الہادی السندی المدنی (م ۱۱۳۹ھ/۱۸۲۶ء) وہو شرح لطیف بالقول کذا فی کشف الظنون (مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۱۹۰)

(۵۵) دُرّ الضرع: شرح حدیث ام زرع شمائل ترمذی واز سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی، (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) سن تالیفش ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء اودرسہ ورق است بر مذاق اہل باطن" (اتحاف النبلاء/۹۶)

یہ شرح بھی بشرات (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) کی جیسی ہے، جیسا کہ سید مرتضیٰ صاحب سے منقول ہے:-

"ہذہ نبذۃ تتضمن الکشف والبیان من حقائق الوجوب والامکان القاء روح الامر القرآنی وجامع السبع المثانی فی تلویح صاحب الشرع فی حدیث ام زرع مما استفدتہ من مجالسۃ قرۃ عین وموانستہ من لا تاخذ جلیسہ سنۃ ولا نوم"

(اتحاف النبلاص ۱۹۶)

---

[1] نواب محمد علی خان والی ٹونک کے فرزند نوابزادہ محمد عبد الوہاب خان صاحب نے ترمذی کی چار شرحوں عارضۃ الاحوذی، قوت المغتذی سیوطی اور ابو الطیب سندی اور سراج احمد سرہندی کی شرحوں کو مجموعۂ اربعہ کے نام سے چھپوایا تھا، لیکن غالباً اس کی ایک ہی جلد چھپ سکی،

(معارف نمبر ۲ جلد ۵۱ ص ۹۰)

خوش قسمتی یا بدنصیبی سے حدیث ام زرع تشبیہات و استعارات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایسے شارحین کی دلچسپی کا عجیب مشغلہ بن گئی ہے، حتیٰ کہ سید صاحب نے تو (من وراء حجاب نہیں بلکہ) بلا حجاب صاحب حدیث یعنی روح الامر القرانی وجامع السبع المثانی سے بالمشافہ ان استعاروں اور تشبیہوں کا حل معلوم کر لیا!

راز درون پردہ کہ سالک بکس نگفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

(۵۶) دُرر الفضائل، شرح شمائل ترمذی، از شیخ علیم الدین بن مولوی فصیح الدین قنوجی (م ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء) شاگرد مولوی عبدالباسط قنوجی (م ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء) "تاریخ تسوید وقت الضحیٰ من یوم الجمعۃ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء" (اتحاف ۱۰۱)

(۵۷) ترجمۂ فارسی شمائل ترمذی، از شیخ سلام اللہ محدث رام پوری (م ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء) (علماے ہند، ۲، تعلیق المجد ۲۶)

گیارہویں قسم شروح سنن ابن ماجہ میں ۲ کتابیں | (۵۸) شرح ابن ماجہ: از شیخ ابوالحسن سندی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء) (اتحاف النبلاء ۸۸، مقدمہ تحفۃ الاحوذی ۶۲)

(۵۹) انجاح الحاجہ: از شیخ عبدالغنی مجددی دہلوی (م ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۸ء) متداول ہندوستانی نسخوں کے حاشیہ پر ہے،

اس مضمون میں راقم نے اس کا التزام کیا ہے، کہ ۱۸۵۷ء کے اندر کی تالیفات پیش کی جائیں، شیخ عبدالغنی کا انتقال ۶۰ سال کی عمر میں ۱۸۷۸ء میں ہوا ہے، ہم نے تالیف کی عمر چالیس سال قرار دے کر ان کی تالیف کو ۱۸۵۷ء میں مانا ہے، اس اعتبار سے ان کی تالیف ہماری مقررہ حد کے اندر آجاتی ہے،

بارہویں قسم مسند امام احمد بن حنبل پر ایک شرح | (۶۰) شرح مسند امام احمد بن حنبل[1]: در پنجاہ کراسہ از

[1] مسند امام احمد پر علماے ہند کی سستی یا مال کا ایک نمونہ مولوی عبدالحکیم نصیرآبادی کی تبویب بھی ہے، جو آج سے تقریباً ۳۰ سال قبل کی گئی تھی اور ابھی تک وہ اہل حدیث کانفرنس دہلی کے قبضۂ جبر و اختیار میں ہے، مؤلف نے تو صرف تبویب فقہی کی تھی، مگر ارباب کانفرنس نے اسے بھی عون المعبود کی شکل میں لانا چاہا، ۶۰ صفحے چھپ بھی چکے، اسی شرح ہوئی، اس کے بعد اصل نسخہ کانفرنس کی الماری میں پڑا ہے، سنا ہے کہ شیخ احمد شاکر رحمانیہ دہلی (مولیٰنا

ابوالحسن بن عبدالہادی السندی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء) (اتحاف ۱۲۲)

تیرہویں قسم موطائے امام مالک پر ۲ شرحیں

(۶۱) المصفّٰی شرح فارسی موطائے امام مالک: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) معارف ج ۵۰ نمبر ۶ میں آپ کی عربی شرح المسوّیٰ کا ذکر آچکا ہے،

(۶۲) تعلیقات علی المسوی: (عربی) از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء) بصورت حواشی (مختصرہ) بر نسخہ المسوّیٰ مطبوعہ مکہ معظمہ (بحوالہ تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۵۴)

چودہویں قسم شروح مشکوٰۃ المصابیح میں ۷ کتابیں

(۶۳) شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی) ملا علی طارمی محدث منسوب بہ شہر طارم کہ وطن اوست ... بالجملہ ملا علی طارمی اکتساب علم حدیث از محدثین ملک عرب نمودہ و شرح مشکوٰۃ المصابیح و شرح فقہ اکبر بکمال متانت و نفاست تصنیف کردہ، و در ہندوستان بمنادمت ہمایون بادشاہ اختصاص داشت و در شہر اکبرآباد (۹۸۱ھ/۱۵۷۳ء) بر طارم فردوس قدم گذاشت" (روز روشن ص ۴۰۵)[1]

(۶۴) ذریعۃ النجاۃ فی شرح المشکوٰۃ: از شیخ عمادالدین محمد عارف معروف بہ عبدالنبی شکاری اکبرآبادی (ملاحظہ ہو عدد ۳)

(۶۵) اشعۃ اللمعات، فارسی شرح مشکوٰۃ از شاہ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) نہایت مشہور و متداول کتاب ہے،

(۶۶) حاشیہ بر مشکوٰۃ المصابیح، شیخ محمد سعید سرہندی (یا سرہندی) ابن مولانا شیخ احمد مجدد الف ثانی ابن عبدالاحد سرہندی ملقب بہ خازن الرحمۃ است دانشمند متبحر فقیہ و محدث بود ظاہر و باطن از والد خود آموختہ حاشیہ بر مشکوٰۃ المصابیح نوشتہ در ۱۰۷۶ھ/۱۶۶۵ء رحلت فرمود (علمائے ہند ص ۱۰۹)

(۶۷) مظاہر حق، ترجمہ و شرح اردو مشکوٰۃ المصابیح از نواب محمد قطب الدین دہلوی (م ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء) اس کتاب کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ دراصل یہ کتاب شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی (م ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) کی کسی نامعلوم الاسم کتاب کی شرح اور ترجمہ ہے، چنانچہ نواب صاحب ممدوح لکھتے ہیں :-

---

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۲) عبیداللہ صاحب مبارک پوری) کانفرنس کی مجلس عاملہ میں تشریف لانے کے بعد کانفرنس کی طرف سے یہ نسخہ چھپوانے کے لئے مصر تشریف لیجانے کو ہیں، کانفرنس میں آپ کی شمولیت سے ارباب ذوق کو یہ نعمت تو حاصل ہوگئی،

[1] روز روشن مولفہ مولوی محمد مظفر حسین صبا گو پامئوی مشتمل بر تذکرۂ شعرائے فارسی عہد امیر الملک نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء) میں لکھی گئی،

"بعد اس کے مسکین محمد قطب الدین شاہ جہان آبادی عرض کرتا ہے، کہ کتاب مشکوٰۃ شریف علم حدیث مین عجیب نافع کتاب ہے، کہ ہر مضمون کی حدیثین اس مین مندرج ہین اس کا ترجمہ عدیم النظیر میرے استاد بزرگ مولانا مخدومنا مکرمنا حضرت حاجی محمد اسحاق زادہ حضرت شیخ عبدالعزیز رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیچ زبان ہندی کے مین السطور مین لکھا تھا لیکن کاتبون سے اس کی صحت مین فرق آنے لگا، مرضی جناب موصوف ایسی پائی کہ اگر یہ بطور شرح کے لکھا جاوے، بہتر ہے، اس سے اس بیچیدان نے ترجمہ اس کا عبارت عربی سے علٰحدہ کر کر لکھا اور فائدے مختصر مناسب مقام کے شروح مشکوٰۃ وغیرہ مثل مرقاۃ شرح ملا علی قاری اور ترجمہ حضرت شیخ عبدالحق اور حاشیہ سید جمال الدین رحمہم اللہ کے اور سوائے ان کے سے زیادہ کر کر خدمت عالی مین عرض کی، اور جناب ممدوح نے بھی کچھ فائدے لکھے تھے تبرکاً اس مین درج کئے، اور نام اس کا مظاہر حق رکھا گیا، کہ اس مین اس کی تاریخ نکلتی ہے،

(مظاہر حق جلد اول)

گویا یہ شرح (مظاہر حق) اصلاً شاہ محمد اسحاق صاحب (م ۱۲۶۲ھ) کی ہے، اور نواب قطب الدین (م ۱۲۷۹ھ) نے اس کی تہذیب فرمائی ہے،

(۶۸) ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح، از مولوی احمد یار بہ عہد راجہ گلاب سنگھ حکمران جموں از سنہ یاسہ) مولوی صاحب کے بزرگون کا وطن قصبہ سوہدرہ (ضلع گوجرانوالہ) ہے، مولوی احمد یار کی بود و باش موضع قلعہ اسلام گڑھ (متصل جلال پور جٹاں ضلع گجرات پنجاب) مین تھی، جہان سے آخر عمر مین موضع مرالہ بر لب دریائے چناب بسمت شمالی) اقامت فرما ہوئے،

آپ نے راجہ گلاب سنگھ کی فرمایش پر گرنتھ صاحب کا ترجمہ فارسی مین شروع کیا تھا ایک اور تصنیف بطرز شاہ نامہ فردوسی لکھنی شروع کی تھی جس مین مہاراجہ رنجیت سنگھ کے واقعات تھے، مگر دونون پوری نہ ہو سکین، مشارع البنوۃ کے رکن چہارم کا ترجمہ کیا، اور پنجابی نظم مین ۴۳ کتابین لکھین، جن کے مسودے مولوی محمد لطیف صاحب گورنمنٹ ہائی اسکول قصبہ پھالیہ (گجرات پنجاب) کے پاس موجود ہیں، (مستفاد از مبیضہ سخنوران ہند زیر تالیف من ابی یحییٰ راقم مضمون بحوالہ اورنٹیل کالج میگزین لاہور)

پندرہویں قسم شرح بلوغ المرام میں ایک کتاب | (۶۹) شرح بلوغ المرام از شیخ محمد عابد سندی (م ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء)

(تراجم علماے حدیث ہند جلد ۱ ص ۲۰۵ بحوالہ علماے ہند فارسی ص ۲۰۲)

سولہویں قسم مختلف کتب احادیث کی شروح میں ۲۰ کتابیں | (۷۰) انتخاب سفر السعادۃ، میر سید عبدالاول جونپوری (۹۶۸ھ/۱۵۶۰ء) "در سیر نیز نوشتہ منتخب از کتاب سفر السعادۃ و برا کثر کتب حواشی و شروح و تعلیق را رد"

(اتحاف ص ۳۰۲)

(۷۱) شرح سفر السعادۃ (فارسی) از شاہ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) مشہور و متداول،

(۷۲) قصر الآمال بذکر الحال والمآل (فارسی) از مولوی رفیع الدین بن عظمت اللہ مرادآبادی، (م ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء)۔ کہ

"یکے از فضلاے معتبرین ہند بود، علم حدیث از مولوی خیر الدین سورتی، تلمیذ شیخ محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء) و از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) استفادہ نمود، و سعادت اداے حج و عمرہ یافت، و درین باب کتابے نوشتہ حالات اخرین (عدد ۱۰۹) و او را با شاہ عبدالعزیز مذاکرہ علوم و استفاضہ منطوق و مفہوم بود، مسائل صعبہ را از تفسیر و حدیث از وے پرسید و دران موشگافیہا می کرد، و تصانیف ایشان بسیار است از ان جملہ قصر الآمال بذکر الحال و المآل اسلوۃ الکئیب بذکر الحبیب (عدد ۱۲۱) ترجمہ عین العلم و شرح اربعین نووی (عدد ۱۲۸) و کنز الحساب و تذکرۃ المشائخ و کتاب الاذکار (عدد ۱۳۸) و تذکرۃ الملوک و شرح غنیۃ الطالبین و تاریخ افاغنہ و جزآن، انتقال ایشان در بلدہ مرادآباد، یکم ذی الحجہ ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء بمرض استسقا بود رحمہ اللہ تعالیٰ (اتحاف النبلاء ۲۵۱)

(۷۳) شرح الصلوٰۃ معراج المومن
(۷۴) شرح خیر الاسماء عبداللہ و عبدالرحمٰن
(۷۵) شرح حدیث کنت کنزاً مخفیاً
} شیخ عماد الدین محمد عارف معروف بہ عبدالنبی الشکاری الاکبرابادی (ملاحظہ ہو عدد ۳)

(۷۶) تحفۃ الانام فی العمل بحدیث النبی علیہ السلام، از شیخ محمد حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء) تحریض فی العمل بالحدیث و ذم علی التقلید (اتحاف فی ترجمۃ الشیخ) باتباع ذکر کتاب حجۃ اللہ البالغۃ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مضمون مقدمہ ڈاکٹر سید احمد صاحب بیان میں لائی گئی، (ملاحظہ ہو معارف جلد ۵ نمبر ۷ مضمون ڈاکٹر صاحب موصوف)

(۷۷) شرح الترغیب والترہیب، از شیخ محمد حیات سندی ممدوح الصدر، (اس کا ماخذ نظر انداز ہو گیا، ابو یحیٰی)

(۷۸) تاویل الاحادیث (عربی) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء)

(۷۹) المرقاۃ الجلیہ فی شرح الحدیث الاولیۃ

(۸۰) کشف الغطا عن الصلوٰۃ المصطفیٰ،
(۸۱) رفع الاشتباہ عن مناقب بسم اللہ
(۸۲) العقد الثمین فی طرق الالباس والتلقین،
(۸۳) الاحتفال بصوم الست من الشوال،
(۸۴) عقد الجمان فی بیان شعب الایمان
(۸۵) حدیقۃ الضیا فی الدین المصطفیٰ

از سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء)

(۸۶) شرح تیسیر الوصول الی احادیث الرسول: شیخ محمد عابد سندی (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء)
جامع الاصول لاحادیث الرسول کی شرح ہے (مولفہ ابو السعادات المبارک بن ابی المکرم محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد الشیبانی الجزری المعروف بابن اثیر الجزری آخر شعبان ۶۳۰ھ/۱۲۳۲ء (اتحاف ۴۶)

(۸۷) تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار (اردو) از مولانا خرم علی بلہوری (م ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء) مشہور عالم ربانی امیر المومنین سید احمد بریلوی (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) کے رفقا مین تھے، تحریض عمل بالحدیث مین آپ کے یہ مشہور شعر ایک صدی سے آویزۂ گوش ہین،

کیا تجھ سے کہون حدیث کیا ہے — دُر دانۂ دُرجِ مصطفیٰ ہے
صوفی، عالم، حکیم، دینی، — کرتے رہے اس کی خوشہ چینی
بابا کے یہاں سے کون لایا — جس نے پایا یہیں سے پایا
ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار — مت دیکھ کسی کا قول و کردار

(۸۸) ترجمہ اردو حصن حصین، از نواب قطب الدین دہلوی (م ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۲ء) علمائے ہند صفحہ ۱۲۹) اس تالیف کی وجہ عدد ۵۹ مین ملاحظہ فرمائیے،

(۸۹) شرح حصن حصین، مولوی فخر الدین رام پوری (م ؟) (علمائے ہند صفحہ ۶۰) (عذر ملاحظہ ہو)

(باقی)

استفسار و جواب

سادات وعلویین

اور

ان کی سیادت وشرافت کی نسبتیں

(۱)

جناب کرم الٰہی صاحب ہڈ ماسٹر
چک امرال ضلع راولپنڈی،

"ہمیں اقوام اعوان، قریش، سادات الپسال کی تاریخیں درکار ہیں، مشہور ہے کہ اعوان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے ہیں، اس کی کیا اصلیت ہے"!

معارف:- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کی دو تقسیمیں ہیں، ایک تو سادات کہے جاتے ہیں جو حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے دونوں صاحبزادوں حضرت امام حسن وحضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی اولاد سے ہیں، اور عرف عام میں "سادات" سے موسوم ہیں، حضرت علیؓ کی دوسری اولادیں، دوسری ازواج سے ہیں؛ لوگ نسباً وعرفاً "علوی" کہے جاتے ہیں،

آپ کے صوبہ میں جو مقامی طور پر مختلف قبائل اور خانوادے مختلف ناموں سے موسوم ہیں، ان کے حالات ان خاندانوں کے اکابر سے پوچھئے، پنجاب کے مختلف خاندانوں پر کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن ایسی کتابوں کا ذخیرہ ہمارے یہاں کم ہے، اس لئے ان خاندانوں کے متعلق اعتماد کے لائق کوئی بات عرض نہیں کیجا سکتی،

(۲)

جناب اسد علی صاحب انور
ٹیلرنگ ہاؤس، مدار گیٹ، اجمیر شریف

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دوسری ازواج کی اولاد محمد بن حنفیہ وغیرہ کی اولاد کو تذکرۃ السادات" دوسری کتابوں میں "سید" سے ملقب کیا گیا ہے، اور صرف بطنی فرق بتایا گیا ہے، لیکن بعض لوگوں

کو اس سے اختلاف ہے، وہ سیادت کی نسبت کو صرف حضرات حسنینؓ اور ان کی اولاد کے لئے مخصوص جانتے ہیں، اور علوین کو شیوخ کہتے ہیں، حالانکہ حضرت علیؓ کی اولاد ہونے میں یہ دونوں برابر ہیں، اور میرے خیال میں ہر شخص کو اپنے باپ ہی کی طرف منسوب کرنا درست ہے، اس لئے سادات علوین و فاطمیین میں کوئی فرق نہیں ہے، براہ کرم تفصیل سے مطلع فرمائیں باعث کرم ہوگا،

(۲) حضرت محمد بن حنفیہ فرزند سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے کتنے فرزند تھے، اور ان سے اولاد جاری ہوئی ؟"

معارف:۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی اولاد، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد ہونے کے سبب سے نسبت سیادت سے منسوب نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "انا سید ولد آدم" (مستدرک حاکم) کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے اپنے کو "سید" سے ملقب کرتے ہیں، یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے، کہ ہر شخص نسب میں اپنے آبا کی طرف منسوب ہوتا ہے، اس لئے سادات کا نسبی انتساب حضرت علیؓ کی جانب ہوگا نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، اور جب انتساب حضرت علیؓ کی جانب ہوگا، تو یہ نسبت ان کی تمام ازواج کی اولاد کو یکساں حاصل ہے، لیکن عموماً اصولوں اور قاعدوں میں استثنا بھی ہوا کرتا ہے اور اتفاق سے یہ استثنا یہاں موجود ہے، جس سے یہ شبہہ رفع ہو جاتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، آپ نے فرمایا،

کل بنی آدم ینتمون الی عصبۃ	تمام بنی آدم اپنے آبا کی قرابت کی
ابیھم الا ولد فاطمۃ فانی انا	طرف منسوب ہیں، سوائے اولاد فاطمہ کے،
ابوھم و انا عصبتھم	میں ان کا باپ ہوں، اور مجھ سے ان کی
(طبرانی)	دادہالی قرابت ہے،

اس حدیث کی سند کسی قدر مجروح ہے لیکن اس کی مؤید ایک دوسری روایت طبرانی ہی میں صحیح سند سے مروی ہے، اس میں آپ نے فرمایا:۔

ان اللہ جعل ذریۃ کل نبی فی	"اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد، اس
صلبہ وان اللہ جعل ذریتی فی	کے صلب میں رکھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے
صلب علی (المقاصد الحسنہ سخاوی، ص ۱۵۰)	میری اولاد کو علی کے صلب میں رکھا،

نیز آپ نے فرمایا،

هٰذان ابنای و ابنا بنتی اللّٰھُمَّ تعلم انی احبھما فاحبھما — یہ دونوں میرے بیٹے ہیں، اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں ان کو چاہتا ہوں، تو بھی انھیں اپنی شفقت اور محبت کے سایہ میں لے،

اسی طرح آپ نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرکے فرمایا:

انت منی وانا منک۔ — اے علی! تم تو میرے داماد ہو، میرے لڑکے کے والد ہو، تم مجھ سے ہو، اور میں تم سے ہوں،

(نسائی در خصائص امیر المومنین علیؓ ص ۳)

خانوادۂ سادات کے لقب "سید" اختیار کرنے کی وجہ بہ ظاہر یہی معلوم ہوتی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اس خانوادہ کے بزرگوں کے لئے جدا جدا یہ لقب عطا ہوئے، حضرت فاطمہؓ کے متعلق "سیدۃ نساء اہل الجنۃ" فرمایا، حضرات حسنینؓ کو "سیدا شباب اہل الجنۃ" اور حضرت حسینؓ کو "سید الناس" فرمایا، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے ایک مرتبہ "سید العرب" کے لقب سے یاد فرمایا، اس پر کہا گیا کہ "سید العرب" تو آپ ہی ہیں، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا "انا سید ولد آدم" یعنی "میں اولاد آدم کا سردار ہوں"، (حاکم) لیکن ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمائے ہوئے یہ القاب ذاتی ہیں، خاندانی اور موروثی نہیں، اور نہ شریعت کی نگاہ میں اس سے کسی کو کوئی وجہ امتیاز و افتخار حاصل ہے، کہ ایک دوسرے موقع پر آپ نے یہ بھی فرمایا: "انا سید ولد آدم ولا فخر" پھر قرآن مجید کا یہ فیصلہ ناطق موجود ہے کہ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" یعنی "اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے، جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے" مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا"

وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا — یعنی ہم نے تم کو گروہوں اور قبیلوں میں بنایا، تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو،

اس سے اس حقیقت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے کہ انسانوں کا شعوب، قبائل اور خانوادوں کی شناخت کو قائم رکھنا اسلام کی نگاہ میں ناروا نہیں، البتہ اس کو وجہ امتیاز اور باعث فخر و مباہات سمجھنا صحیح نہیں ہے، چنانچہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی لوگوں نے خانوادوں کی باہمی شناخت کو قائم رکھا لیکن بعض

خانوادون کو "شرافت وسیادت کی نسبتیں کیونکر حاصل ہوگئین، ہمارے خیال مین ان کا تعلق تمامتر استعمال اور رواج سے ہے، اور جو لوگ ان خانوادون سے تعلق رکھتے ہین، اور سیادت کی نسبتیں استعمال کرتے ہین، وہ محض اس خانوادہ سے اپنی نسبت کو ظاہر کرتے ہین، نہ کہ ان نسبتون کے معنوی پہلوون کو سامنے رکھکر کسی برتری اور تفوق کا پہلو بھی اپنے سامنے رکھتے ہین، یہ دوسری بات ہے کہ کثرت استعمال اور عام رواج سے یہ نسبتین ان خانوادون سے وابستہ ہوگئی ہین، لیکن جب یہ نسبتین ان سے وابستہ ہوچکی ہین، تو رفع التباس کے لئے کسی دوسرے خانوادہ کے کسی فرد کو ان نسبتون سے منسوب ہونے سے احتراز کرنا زیادہ مناسب ہے،

عرب مین ایام جاہلیت اور آغاز اسلام کے وقت قبائل کے سردارون کو "اشراف" کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا، جیسے :-

فذکران اشراف قومہ اجتمعوا	کہا گیا ہے کہ آپ کی قوم کے سردار
لہ یوما،	(اشراف) آپ کے پاس ایک دن
(طبری جلد ۳ ص ۱۱۹۱)	جمع ہوے،

ظاہر ہے کہ اس جملہ مین اشراف قوم سے مراد قریش کے سرداران قبائل ہین،

اس کے بعد عہد اسلام مین ابتداءً لفظ اشراف کا اطلاق طالبین و عباسیین پر کیا جاتا تھا، اور علامہ ذہبی نے بھی اپنی تاریخ الاسلام مین "الشریف..... العباسی..... الشریف..... العقیلی"، "الشریف الجعفری لکھا ہے لیکن دوسری طرف عباسیون ہی کے دور مین الشریف کا لقب رفتہ رفتہ آل علی کے لئے اس زمانہ مین مخصوص ہوتا گیا، جب وہ سلطنت کے مختلف حصون مین بغاوتین کر رہے تھے، اور طبرستان وعرب کے بعض حصون مین سلطنتین قائم کرنے مین کامیاب ہوگئے تھے، اس کے بعد سیوطی کا بیان ہے کہ الشریف کا لقب آل علی کے لئے مخصوص ہوگیا، عام ازین کہ وہ حسنی ہون یا حسینی، جعفری ہون یا علوی، سب اسی لقب سے ملقب ہوتے تھے، اس لئے کہ "الشریف" خود حضرت علیؓ کے القاب مین داخل تھا، محب الدین الطبری کی الریاض النضرہ مین ہے،

ویلقب ایضا... بالشریف (ج ۲ ص ۱۵۵)	اور شریف سے بھی ملقب تھے،

پھر فاطمیین مصر نے اپنی حکومت کے زمانہ مین لقب "الشریف" کو حسنی وحسینی سادات کے لئے مخصوص کر دیا تھا، یہان تک کہ جو اوقاف صرف اشراف کے نام سے وقف ہوتے تھے ان کا اطلاق

عرف عام کا لحاظ رکھ کر صرف حسنی و حسینی سادات پر کیا جاتا تھا، اس مین علوی داخل نہ سمجھے جاتے تھے،

لقب "السید" کے استعمال اور رواج پانے کی سرگذشت بھی تقریباً لقب "الشریف" کے مثل ہے، ابتداً "سید" کا لقب انھین عطا کیا جاتا تھا، جو اپنے کسی فن مین کمال رکھتے تھے، اور یہ عہد جاہلیت سے عرب کا عام استعمال تھا، عہد اسلام مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ اوپر گذرا، خانوادۂ نبوت کے مختلف بزرگون کو اس لقب سے ملقب فرمایا، اور اپنی ذات گرامی کے لئے بلا فخر "سید ولد آدم" فرمایا، ان مناسبتون سے یہ لقب خانوادۂ نبوت سے متوسلین کے لئے استعمال کیا جانے لگا، چنانچہ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب مین اکثر بزرگون کو اس لقب "السید" سے ملقب کیا گیا ہے (ص ۵۱، ۵۲، ۵۴، ۵۹، ۶۵، وغیرہ) علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام مین حضرت امام علی بن محمد کو جو بارہوین امام کہے جاتے ہین، اس لقب سے ملقب کیا ہے، اور کبھی بعض آل علی "السید الشریف" دونون لقب ملا کر ملقب کئے جاتے تھے، مثلاً خزرجی لکھتا ہے:

وفی هذا التاریخ وصل الشریف	اسی تاریخ کو شریف سید محمد بن
السید محمد بن الهادی المعروف	ہادی معروف بہ قطابری، اشراف
بالقطابری الی الاشراف فارادوا	کے پاس پہونچے، ان لوگون نے ان کو
ان یقدموہ اماماً وکان کاملاً فامتنع	امام بنانا چاہا مگر وہ صاحب کمال تھے،
من ذلک (العقود اللولویہ ج ۱ ص ۳۱۴)	اس سے محترز رہے،

اس طرح عرب و مصر مین الشریف اور السید کے القاب فاطمیین کے لئے رفتہ رفتہ مخصوص ہوگئے، اور فقہا نے تصریح کی کہ اگر "اشراف و سادات" کے نام کے اوقاف ہون تو ان سے مراد فاطمیین ہی ہون گے، اور یہی اطلاق موجودہ زمانہ تک قائم ہے، امین ریحانی لکھتے ہین:-

لا یدعی سیداً فی الیمن غیر من	جو شخص خانوادۂ نبوت کی نسل سے نہ
کان من السلالۃ النبویہ،	ہو، اوس کو یمن مین سید نہین
(ملوک العرب ج ۱ ص ۹۲)	کہہ سکتے،

پھر خاص حجاز مین حسنی و حسینی کے امتیاز کے لئے حسنیون کو "الشریف" اور "حسینیون" کو سید سے ملقب کرتے ہین، پچھلے دور مین بھی یہی تھا، اور اس زمانہ مین بھی یہی مفہوم سمجھا جاتا ہے، ایران مین سادات کو خواہ حسنی ہون یا حسینی، سید اور "میر" کے لقب سے ملقب کرتے ہین، اور یہی رواج ترکی اور ہندوستان مین

بھی ہے، (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)

ان تفصیلات سے اندازہ ہوا ہوگا، کہ اسلام کے عہد قدیم سے دور حاضر تک لقب سید آل علیؓ کے لئے نہیں، بلکہ آل نبی کے لئے استعمال کیا گیا ہے، لیکن ہر آل نبیؐ آل علی بھی ہے، مگر ہر آل علی، آل نبی نہیں، حضرت علیؓ کی دیگر ازواج کی اولاد کے لئے نسبت علوی پہلے سے جاری ہے، اور اس زمانہ میں بھی عام طور پر اس کا رواج قائم ہے،

(۲) حضرت محمد بن حنفیہ کی بہت سی اولادیں ہوئیں، وہ مختلف ازواج سے تھیں، ابو ہاشم، عبد اللہ، حمزہ، علی اور جعفر اکبر، ام ولد سے تھے، حسن عبد الملک کی پوتی کے لڑکے تھے، ابراہیم سراء بنت عیاذ کے بطن سے، ہاشم اور عبد الرحمن مرہ بنت عبد الرحمن سے، جعفر صغیر عون، عبد اللہ الاصغر، حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب کی پوتی کے لڑکے تھے، اور عبد اللہ اور رقیہ ام ولد سے تھے، (طبقات ابن سعد جلد ۵ ص۷۶)

حضرت محمد بن حنفیہ کے حالات آپ کو ہمارے یہاں کی شائع شدہ کتاب "تابعین" میں ملیں گے، والسلام

"س"

"رب المشرقین و رب المغربین"

جناب منشی سید ممتاز علی صاحب شکوہ بذریعہ اے پی، او چھنڈواڑہ (سی پی) | "اگر باریک خاطر نہ ہو تو معارف کی آئندہ اشاعت میں کلام پاک کی آیت رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ پر روشنی ڈالنے کی سعی فرما کر شکر گذار ہونے کا موقع دیجئے گا"

معارف: - مشرق و مغرب سے شاید آپ پورب اور پچھم کی سمتوں کو مراد لیتے ہیں، اور سمتیں چونکہ ایک ایک ہیں، اس لئے یہاں تثنیہ کے معنی لینے میں دشواری پیش آئی، لیکن سورۂ رحمن کی اس آیت میں یہاں پر سمتیں مراد نہیں ہیں، بلکہ مشرقین و مغربین سے مقصود سورج کے نکلنے اور ڈوبنے کی جگہیں ہیں، یہ جگہیں موسم کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں، موسم عموماً دو ہی ہیں، یعنی جاڑے اور گرمی کے، اس لئے سورج کے طلوع و غروب کی بھی دو جگہیں ہوئیں اس لئے اس آیت کی تفسیر یوں کی جائے گی، کہ هُوَ رَبُّ مشارق الشمس صيفاً وشتاء ومغاربها یعنی اللہ تعالیٰ جاڑے اور گرمی دونوں میں سورج کے طلوع و غروب کے مقاموں کا پروردگار ہے،

"والسلام"

"س"

ادبیات

جمالِ ہم نشین

از جناب روشن صدیقی

یہ فیضانِ جمالِ ہم نشین ہے!
نیازِ عشق بھی نازآفرین ہے

ہزاروں کارواں پہونچے بہت دور
مرادِ کاروان شاید یہین ہے

نہ جانے کس کو دیکھا ہے کہ اب تک
نگاہ آسمان سوئے زمین ہے

بہت کچھ ہے جنونِ شوق لیکن
حریمِ ناز کے قابل نہین ہے

فروغِ ہوش ہو یا رخصتِ ہوش
محبت کا ہر اک عالم حسین ہے

زمانہ مجھ سے اچھا بھی تو ناحق
مرے دامن مین دنیا ہو نہ دین ہے

یہ ویرانی یہ تنہائی مبارک
جہان مین ہون وہان کوئی نہین ہے

یہی دنیا بہ قدرِ ہوش و مستی
کبھی دوزخ کبھی خلد برین ہے

نگاہِ کفر و ایمان سے ہے پنہان
وہ اک سجدہ جو مقصودِ جبین ہے

دلِ افسردہ! تو شاید ابھی تک
نسیمِ لطف کے قابل نہین ہے

وہ مجھ سے بدگمان ہون اللہ اللہ
کہ جن کی یاد معراجِ یقین ہے

دلِ محبوب کا شانہ ہے جس کا
وہ غم کتنا حسین و نازنین ہے!

ازل سے دیدۂ حیران مین اب تک
وہی خوابِ نگاہِ اولین ہے

گل افشانِ مسرت ہے محبت
مرے آنسو ہین اُن کی آستین ہے

حریمِ شوق ہو یا خلوتِ ناز
جہان تم ہو وہین عرشِ برین ہے

ہوائے خلد سے دامن بچا کر
روشن کس کے لئے خلوت گزین ہے

باتین کرو!

از

جناب شفیع منصورام اے

ابر و باران مین گل و گلزار کی باتین کرو
کچھ صبا کی، کچھ خرامِ یار کی باتین کرو

ہولے ہولے چھا رہی ہیں کالی کالی بدلیان
چھکے چھکے زلفِ عنبر بار کی باتین کرو

خندان خندان ذکر چھیڑو طلعتِ دیدار کا
گریان گریان حسرتِ دیدار کی باتین کرو

برلبِ جو، تخیلِ ایامِ غم کو بھول کر
بیخودی مین ساغر سرشار کی باتین کرو

یہ نگارِ زندگی کے جلوہ ہائے رنگ رنگ
تو بتو، کچھ عشقِ تازہ کار کی باتین کرو

آجِ سازِ دل پہ گاؤ نغمۂ صبحِ ازل
آشکارا، عالمِ اسرار کی باتین کرو

داستانین تختِ شاہی کی بہت دہرا چکے
دوستو! اب آستانِ یار کی باتین کرو

منبر و محراب کی باتون کا یہ موسم نہین
تم ذرا منصور سبکو دار کی باتین کرو

غزل

از جناب شفیق صدیقی جونپوری

جب جبینِ شوق ان کے زیرِ پا ہو جائیگی
پھر تو جتنی بھی قضا ہو گی ادا ہو جائیگی

جب مری آواز خود ان کی صدا ہو جائیگی
وہ تو خوش ہوں گے مگر خلقت خفا ہو جائیگی

چاند تارے غنچہ و گل سب یہی ہون گے مگر
پھر بھی کروٹ لیکے دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

گل ہوئی شمع، اس رخصت چاندنی دامن کشان
او کسی کی یاد کیا تو بھی جدا ہو جائیگی

بھول کر شوقِ چمن کرتے نہ ہم گر جانتے
پھول سے خود پھول کی نکہت جدا ہو جائیگی

میرے رونے پر ہنسو لیکن وہ وقت آئیگا جب
جب ستم کے نام سے دنیا خفا ہو جائیگی

ہائے ان کے ہاتھ سے تعزیر کی لذت شفیق
وہ سزا دین گے تو ہم سے پھر خطا ہو جائیگی

باب التقریظ والانتقاد

یورپین اور انڈو یورپین شعرا ے اردو

European & Indo European Poets of Urdu & Persian

مرتبہ رائے بہادر رام بابو سکسینہ، ایم اے ال ال بی، کلکٹر بلند شہر تقطیع بڑی، کاغذ بہتر و ٹائپ دیدہ زیب، قیمت دس روپیہ پتہ نولکشور پریس لکھنؤ،

از

جناب رشید احمد صاحب صدیقی صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

رام بابو سکسینہ کا نام اردو کے طالب علمون مین غیر معروف نہین ہے، بڑے تعجب اور خوشی کی بات ہے کہ وہ اپنی چند روزہ چند منصبی مصروفیتون مین اردو زبان و ادب کو نہین بھولے، جو اس بدنصیب ملک کا بڑا قیمتی سرمایہ ہے، رام بابو ادبی ذوق کے ساتھ ساتھ تاریخی احساس اور تاریخی دلچسپی سے بھی بہرہ مند ہین، تاریخی حساس کے بدولت وہ ہندو مسلم تہذیب، ملکی روایات اور ان کے جیتے جاگتے آثار و مظاہر سے قریب ہین، اور تاریخی دلچسپی کے باعث ان مین تحقیق و تفتیش کی وہ صلاحیت پیدا ہو گئی ہے، جو ماضی کے خط و خال کو اجاگر کرنے مین مدد دیتی ہے،

اب تک ان کا مشہور تحقیقی کارنامہ اردو ادب کی مفصل و مربوط تاریخ تھی، یہ تاریخ اردو کے طالب علمون کے لئے مفید بھی رہی ہے، اور ناگزیر بھی، ان کا موجودہ زیر نظر کارنامہ پچھلے کارنامہ سے کسی طرح کم نہین، فاضل مصنف نے ایک نئی وادی تلاش کی ہے اور کتاب کے مطالعہ سے مصنف کے اس دعوی کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس موضوع پر جو سرمایہ انھون نے فراہم کیا ہے، وہ بے مثل ہے، اور اس سرمایہ سے انھون نے ہم سب کی معلومات مین جو قابل قدر اضافہ کیا ہے، وہ ہمیشہ تحسین و منزلت کا مستحق رہے گا،

پندرہ سال کی مسلسل تلاش و تحقیق کے بعد سکسینہ صاحب نے ان شعرا و شاعرات کا تذکرہ مرتب کیا ہے، جو یورپی ممالک سے آکر ہندوستان میں رس بس گئے، یہاں شادیاں کیں، ہندو مسلم گھرانوں سے روابط بڑھائے، ہندوستانی زبانوں پر عبور حاصل کیا، یہاں کے تہذیبی سرمایہ کو اپنایا، دیوان چھوڑے اور یہیں پیوند خاک ہوگئے، ان میں ارمنی بھی تھے، ہند برطانوی، ہند فرانسیسی اور ہند پرتگالی بھی، جو ہفتہ میں چھ دن تجارت اور ایک دن عبادت کے قائل تھے، لیکن فرصت کے اوقات میں شراب، شاہد و شعر و سخن سے بھی شغل کرتے تھے،

سترہویں صدی سے انیسویں صدی کی ابتدا تک ہندوستانی اور یورپین تہذیبیں ایک دوسرے سے سازگار رہیں، باہر سے آنے والوں نے ہندوستان کے لوگوں سے وہی برتاؤ کیا جیسا مغلوں نے اپنے دور میں کیا تھا، ڈوپلے، وارن ہسٹنگز اور دوسرے معروف یورپی سیاست دانوں نے اس ملک میں شادیاں کیں، عیسائی مبلغوں نے بھی اس رشتہ کے جواز کا فتوی دیا، ٹھٹھہ، مالابار کے ساحل سے لے کر چندر نگر اور بیگم سمرو کے محلات تک مصلحتین مراسم میں، مراسم شادیوں میں اور شادیاں شاعری یا شاعروں میں منتقل ہوتی رہیں،

ان لوگوں میں سے بعض نے کئی کئی دیوان یادگار چھوڑے، یہ دیوان تبرک کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی اہمیت روایت شعری کی بنا پر کم اور تاریخی روایت کی بنا پر زیادہ ہے، ان کی حیثیت گم شدہ کڑیوں کی نہیں ہے، بلکہ ان بھولی ہوئی راہوں کی ہے، جو ماضی کی دھند میں کھو گئی ہوں، جن کو پاکر پرانی تہذیبوں کا اندازہ ہو سکتا ہے، اگر انیسویں صدی میں نسلی قومیت کا احساس ہمارے حکمرانوں میں یک بیک ضرورت سے زیادہ نہ ہو جاتا تو شاید ہمارے درمیان وہ خلیج حائل نہ ہو جاتی، جو آج ناقابلِ عبور بن گئی ہے،

سکسینہ صاحب نے ان خاندانوں کا کھوج لگایا ہے، یہ خاندان بیشتر ہند برطانوی اور ہند فرانسیسی خون سے تعلق رکھتے ہیں، اور آج کل باقیات صالحات کی حیثیت رکھتے ہیں، ان خاندانوں کا پتہ چلانا، اور ان کی نجی مسودات مخطوطات اور کاغذات کا مطالعہ کرنا بڑا مشکل کام تھا، اور یہ رام بابو کی ہمت مردانہ اور طالب علمانہ سرگرمی کا فیضان تھا، کہ انھوں نے ہار نہ مانی، اور بالآخر کامیاب ہو کر رہے، اس سلسلہ میں انھوں نے دور دراز کے سفر اختیار کئے، دولت صرف کی، پرانے خاندانوں میں رسائی حاصل کی، گرجا گھروں کے رجسٹر، رسالے اور ریکارڈ دیکھے، کتب خانے کھنگالے، پرانے سیاحت ناموں، تاریخی رسالوں، تذکروں، غیر مطبوعہ کلیات، دواوین، سوانح عمریاں، روزنامچے، اور قانونی کاغذات سے لے کر مزامات کے کتبوں تک ہر اس چیز کا

مطالعہ کیا جو مواد کی فراہمی ترتیب و تصحیح میں کام آسکتے تھے،

فاضل مصنف نے تقریباً تین سو صفحات ہندیورپی خاندانوں شخصیتوں اور شاعروں کے حالات پر صرف کئے ہیں، کتاب کا سب سے دلچسپ حصہ وہ ہے جہاں انھوں نے چند خاندانوں کے حالات کچھ اپنی اور کچھ دوسروں کی زبانی سنائے ہیں، ان خاندانوں کی معاشرت کا بیان لطف سے خالی نہیں، باقی صفحات میں ہند یورپی شعراء کے اشعار ہیں جن کی ترتیب تاریخی اعتبار سے کی گئی ہے،

میر سے لے کر ناسخ تک اور ناسخ سے لے کر داغ و امیر تک اکثر اردو شعراء کی آوازیں ان ہندیورپی شعراء کے کلام میں سنائی دیتی ہیں، بہتر کہنے والے اکثر ہندبرطانوی شعراء ہیں، اکثر شعراء کا کلام لکھنوی شعراء کی آواز بازگشت معلوم ہوتا ہے، زبان و بیان کے اعتبار سے ان میں فرق کرنا مشکل ہے، وہی رعایات و مناسبات، وہی لب و لہجہ، وہی بناوٹ اور لگاوٹ جو لکھنو کا امتیاز سمجھا جاتا ہے، اصناف و موضوعات سخن کے اعتبار سے بھی ان شعراء نے اپنے ہندوستانی پیروؤں کی پوری تقلید کی ہے، حمد و نعت، قصیدہ، مدحیہ قصیدۂ تہنیت ولادت، رسید کلاہ زریں، رسید انبہ ہائے عمدہ ذائقہ تاریخ وفات، خمسہ برغزل غالب و دیگر اساتذہ، بیان کربلا، مناجات، سلام، پہیلیاں، قطعہ مبارکباد، روز دیوالی، لیپو نامہ، ہولی، دادرا بھجن، بارہ ماسہ سب میں خوب خوب طبع آزمائی کی ہے،

کلام کا ایک رنگ یہ ہے:-

خون نہ کیوں روئے ہماری چشم تر — زخم کو خواہش ہوئی ناسور کی

یہ حالت ہے تصور میں ترے دست حنائی کے — لہو اب تھوکتا ہوں، ہو گیا مجھ کو مرض سل کا

جب سے اے جان کیا وصل کا وعدہ تم نے — ہاتھ بھر کا ہے کلیجہ مرے ارمانوں کا

دل کو چھید سینہ چیر اکاٹ کر باندھے ہیں ہاتھ — تیر نے خنجر نے تیغ و طرۂ طرار نے

تل بھر سفید صفحہ نہیں وصف خال سے — کیوں کر لکھوں نہ شعر میرا نکتہ دان پسند

بے برگی جو زرف کا خیال اس کو جو آیا — بیڑا بھی میرے ہاتھوں سوکھا یا نہیں ہرگز

جب آیا منہ کو کلیجہ جلا بھنا میرا — زبان نے چکھ کے کہا واہ کیا کباب آیا

بن کے وہ نیلم پری اک دن چڑھی تھی بام پر — جب سے رنگت آسمان کی آسمانی ہو گئی

وہ زرد پوش تیرے نہ آئیگا دام میں — ناحق نہ تو ہتھیلی پہ سرسوں جما بسنت

سبزہ رنگون کے ظلم مت پوچھو — میری چھاتی پہ مونگ دلتے ہین

دل سا رفیق توڑ لیا ایک بات مین — قربان مین تو ہوتا ہون حضرت کے جوڑ پر

چھاتی ہے کس کی جو تری محرم سوا کوئی — پہنچاے ہاتھ دھگدھگی اور عطر دان تلک

عشوہ نگہ ادا وناز اور ہی غمزہ ہمرکاب — ساتھ ہیں تیرے شہ سوار ایک دو تین چار پانچ

ہیکل سے کیا فقط مرے جی کو نہین ہے کل — جاتا ہون دل کو دیکھ ترا ہار ہار ہار

جب تلک ہو دم مین دم کا تو ہے ہم ہون مین — غیر کی خاطر نہ دے مجھ کو سمن اندام دم

اشک سو دریا بہے یہ یاد زلف یار مین — ہے گمان اب موے سر پر دام ہا ہی گیر کا

دیکھ تو چشم عنایت سے کبھی اے صاد چشم — عشق مین میم دہن کے تری مین نون ہو گیا

پیش جاتی نہین اُن آنکھون کے آگے شوخی — یہ وہ آہو ہین کہ دنیا کو چرے بیٹھے ہین

پانی پانی ہوا جاتا ہے اس فکر مین دل — اپنے اعمال کی اک دن جو سزا پانی ہے

رُخ پر نقاب ان کے پڑا بے سبب نہین — دیتے ہین اس مین شربت دیدار چھان کر

تیز نہین یخ مین اور چوب مین ان کو — سمجھے ہین جلاپے کو جو جلاب کی لکڑی

گونگے ہو جائین کھل آے گلے مین گلٹی — جھوٹ سچ بول کو جس نے یہ تری کان بھری ہین

دوسرا رنگ ملاحظہ ہو،

"تاریخ گھوڑیہ راجہ دل سکھ راے پٹواری یعنی مادہ ان کے کی

آکے دجّال نے اک روز یہ لالہ سے کہا — کیون جی خچر کو مرے گھاس کیون دی تم نے

پر لو پڑنے کو ہے خچر مرا مجھ کو دے دو — اپنی گھوڑیہ وہ منگا لو اجی بڑھیا جو بھئی

آزماؤن گا مین ایمان ہر اک کا جا کر — تیرہوین ختم ہوئی چودہوین صدی یہ بھئی

سُن کے تقریر یہ لالہ نے کہا مالک سے — آج دجّال سے اور مجھ سے بڑی بحث بھئی

کہا مالک نے کہ سچ ہے نہ بُرا مانو تم — کوئی ٹٹوانی خرید واجی خچر نہ سہی

کہا جب تک کہ سواری مرے گھر سے آوے — تم سواری مجھے لے دو کوئی سستی سی نئی

میری تحصیل سے اعراف کی طلبی آئی — لاؤ کر کس پہ مین لے جاؤن یہ خسرو بھی

مین سواری تو منگا لون پہ تردد یہ ہے — کھیت بتلا دو کوئی جس مین بوا ڈالون جئی

دان یہ تقریر تھی یاں کرکری گھوڑی کو ہوئی دبلی تھی پتلی تھی اس صدمہ سے وہ اینٹھ گئی

روح جب نکلی تو ہاتف نے کہی یہ تاریخ

یارو پٹواری کی گھڑیا بھی وہ دوزخ میں گئی (۱۲۸۶ف)

تاریخ راجہ دل سکھ رائے بہادر پٹواری،

راجہ دل سکھ رائے کے مرنے کے بعد ہر زبان پر لفظ یہ جاری ہوئے
تھے بڑے منحوس جانے کیا ہوئے حاکم اعراف یا ناری ہوئے
ان کے مرنے کی لکھیں تاریخ کیا اس تردد میں بہت عاری ہوئے

طلسم غیبی نے شب کو ناگہان

دی صدا دوزخ کے پٹواری ہوئے (۱۲۸۶ف)

لیکن اس رنگ کو کیا کہئے گا ؟

یہ کیا چپکے چپکے تو کہتا ہے اے دل یہ در پردہ کس کا گلہ ہو رہا ہے
لگی چوٹ ایمان کے دل پر یہ کیسی کہ ہر وقت ذکر خدا ہو رہا ہے

وہ گرم رو راہ معاصی ہوں جہان میں گرمی سے رہا نام نہ دامن میں تری کا

وہ نہ آوے تو موت آجاوے ہم کو دو قول کا انتظار ہے آج
کل کی باتیں بھی یاد ہیں کہ نہیں ہم سے صاحب کو ننگ و عار ہے آج

نام لیتا ہوں ترا جب میں کسی کے آگے منہ سے بے ساختہ باتوں میں نکل جاتا ہے

چرخ سے طاقت آزمائی کی کی تو طالع نے یہ رسائی کی

شورش ہنگامۂ ذوق تپیدن دیکھئے زلزلہ کونین میں اپنے دل بسمل سے ہے

(آم کی تعریف) پوست میرے خیال سے نازک مغز میرے سخن سے شیریں تر

دل میں پنہاں رکھا بتوں کا عشق ہم نے اللہ کا بھی ڈر نہ کیا

بیعت کر کے پیر مغاں سے وند بنوا کے عمر ہوئی بادہ کشی کا مجھ پر واعظ آج نیا الزام نہیں

جینا شب الم میں زبس ناگوار ہے اے موت آ کہیں کہ ترا انتظار ہے

کافی ہے اپنی عمر دو روزہ کے واسطے کچھ آج کل جو شغل غم روزگار ہے

حسرتیں کیسی کیسی ہیں اے دل حیف بندہ ہوا خدا نہ ہوا

خاموش رہو لوگو کہتا اور نہ بکیں دیکھو مرا جو چاہیں اچھا نہیں اچھا

ناصح میں کیا کروں مرا کیا اختیار ہے کچھ آپ ہی آپ اُس پہ مرا جی نثار ہے

جی میں آتا ہے کہ اتنا تو کہوں اگلی باتیں کچھ بھی تم کو یاد ہیں

شراب ناب میں دھو کر کہا رندوں نے واعظ سے بڑی مدت میں آیا میکدہ میں پاؤں حضرت کا

واعظ کا ایک جام میں ساقی یہ حال ہے بیٹھا ہے بن کے دیکھنا یاروں کا یار آج

ان شعرا اور اشعار کا لحاظ رکھتے ہوئے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان میں ہماری معاشرت، ہماری روایات اور ہماری شاعری کی خوبو کس درجہ رس بس گئی تھی، خیریت ہوئی کہ آن حرکتو سے جلد ہی باز آگئے، ورنہ ہمارے انجام سے بھی کچھ دور نہ تھے شعرا کے حالات اور ان کی شاعری پر انگریزی میں تبصرہ ۳۱۸ صفحات پر اور چار سو سے اوپر صفحات ان کے فارسی و اردو کلام پر مشتمل ہیں، یہ کتاب اردو ادبیات کی تاریخ میں ایک گرانقدر اضافہ ہے اور اس لائق ہے، کہ مصنف کی پہلی کتاب کی طرح اس کا بھی اردو میں ترجمہ کیا جائے، کہ اردو دان طبقہ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکے،

شعر الہند حصہ اوّل

جس میں قدما کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، قیمت ؛ ہے

شعر الہند حصہ دوم

جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل قصیدہ مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، قیمت ہے، مکمل سٹ :- ہے

گل رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعرا کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعرا کا یہ مکمل تذکرہ ہے جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے ولی سے لے کر حالی و اکبر تک کے حالات، قیمت :- ضخامت ۶۴۵ صفحے،

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

سیر افغانستان از جناب مولانا سید سلیمان ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت تقریباً ۲۰۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن،

۱۹۳۳ء میں حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ، سر اقبال اور سر راس مسعود مرحوم نے حکومت افغانستان کی دعوت پر وہاں کے نظام تعلیم کی ترتیب کے لئے کابل کا سفر کیا تھا، واپسی میں حضرۃ الاستاذ نے معارف کے کئی نمبروں میں اس سفر کی روداد لکھی تھی، جس کو نفیس اکیڈمی حیدرآباد نے سیر افغانستان کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا ہے، یہ سفرنامہ سیر وسیاحت کی محض تفریحی سرگذشت نہیں ہے، بلکہ اس میں افغانستان کے اہم تاریخی واقعات، آثار قدیمہ، موجودہ افغانستان کے تعلیمی وصنعتی مدارس، علمی اداروں، کتب خانوں، مطابع، اخبارات ورسائل، عمارتوں، علما، ومشائخ ارکانِ سلطنت، غزنین وقندھار کے آثار قدیمہ، ان کی موجودہ حالت، شہر ودیہات کی زندگی، قدیم وجدید تمدن کے مظاہر وغیرہ افغانستان کے جملہ تاریخی، تمدنی، علمی ومعاشرتی حالات آگئے ہیں ان کے پڑھنے سے افغانستان کی قدیم تاریخ پر ایک سرسری نظر پڑجاتی ہے، اور موجودہ افغانستان کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے جابجا افغانستان کے سیاسی وتعلیمی امور کے متعلق مصنف کے بیش قیمت افکار وخیالات بھی معرض تحریر میں آگئے ہیں،

اسلامی نظام: مولفہ جناب مولوی حکیم محمد اسحاق صاحب سندیلوی استاذ ندوۃ العلما، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۳ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت عہ

پتہ: دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

آج دنیا میں جتنے نظام حکومت رائج ہیں، وہ سب انسانی فلاح وبہبود اور دنیا میں قیام امن سے قاصر ہیں، اور بڑے بڑے مفکرین اور اصحاب سیاست ایسے صالح نظام کی تلاش میں ہیں جو انسانوں کو دنیاوی امن وسکون کی زندگی کا موقع دے سکے، مصنف نے جن کی نظر مذہب اسلام کے ساتھ موجودہ

زمانہ کے سیاسی و معاشی مسائل پر بھی ہے، اس کتاب میں اس مطلوب نظام کو پیش کیا ہے، اس کتاب کا بنیادی نقطۂ بحث یہ ہے کہ انسان کی زندگی کی دو قسمیں یا اس کے دو پہلو ہیں، ایک طبعی دوسرا عقلی طبعی زندگی میں انسان و حیوان قریب قریب برابر بلکہ حیوان زیادہ نزدیک ہے، انسان کا امتیاز عقلی زندگی ہے، طبعی زندگی نام ہے بغیر فکر و تدبر اور قید و بند کے نفس کے تقاضوں کی تسکین و تعمیل کا خواہ وہ کتنے ہی معرکہ کیوں نہ ہوں، حیاتِ طبعی کے سامنے کوئی بلند نصب العین اور ان کا کوئی مرکز افکار نہیں ہوتا، جو اس کے تصورات و اعمال و افعال کو صحیح راستہ پر لگا سکے، اور ان میں ضبط و نظام قائم کر سکے، اس لئے طبعی زندگی کے سارے افکار و اعمال ہوائے نفس کے تابع ہوتے ہیں، اس کے مقابلہ میں عقلی زندگی کے سامنے ایک خاص نصب العین اور اس کا ایک مرکز افکار ہوتا ہے، اور اس کے سارے افعال و اعمال اسی کے تابع ہوتے ہیں اور ان میں بے قید آزادی اور بد نظمی نہیں ہونے پاتی، پھر ان دونوں زندگیوں کے نتائج اور شخصی، اجتماعی اور تمدنی نقصانات و فوائد بیان کر کے دکھایا ہے، کہ عقلی زندگی صرف توحید، رسالت اور آخرت کے عقیدہ سے حاصل ہوتی ہے، جس کا سب سے جامع اور مکمل دین اسلام ہے، آخر میں اختصار کے ساتھ اسلامی نظامِ حیات اور حکومتِ الٰہیہ کا خاکہ پیش کر کے اس کی اخلاقی، اجتماعی، تمدنی اور معاشی برکتیں دکھائی ہیں،

ابو جعفر منصور: از جناب مولوی ابو القاسم صاحب رفیق دلاوری تقطیع چھوٹی، ضخامت: ۱۵۱ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت: غیر محصول ڈاک:- ۳ر

پتہ:- اقبال اکیڈمی ظفر منزل تاجپورہ لاہور،

عباسی خلفاء میں ابو جعفر منصور کی وہی حیثیت ہے جو اموی خلفاء میں عبد الملک بن مروان کی ہے، گو عباسی حکومت کا بانی اور پہلا خلیفہ ابو العباس سفاح ہے لیکن اس کا زمانہ بہت مختصر تھا جس نے عباسی حکومت کی جڑیں مضبوط کیں، اور اس کو مختلف حیثیتوں سے ترقی دی، وہ ابو جعفر منصور ہے، وہ بڑا مدبر، عالی دماغ، علم دوست، اور بڑے سطوت و جبروت کا فرمانروا تھا، سیاسی کارناموں کے علاوہ اس کے بہت سے علمی و تمدنی کارنامے بھی ہیں، اسی نے عروس البلاد بغداد کو آباد کرایا، اور اسی کی علمی سرپرستی سے اسلام کی علمی تاریخ کا آغاز ہوا، لائق مؤلف نے اس کتاب میں اس جلیل القدر فرمانروا کے سوانح اور اس کے علمی و سیاسی و تمدنی کارناموں کو پیش کیا ہے، اس کی زندگی کا کوئی اہم اور ضروری پہلو چھوٹنے نہیں پایا ہے، ماخذ مستند واقعات اور منصور کی سیاست کے بارہ میں مصنف کی رائیں عموماً صحیح ہیں،

چاند بی بی سلطانہ: از جناب وزیر حسن صاحب دہلوی تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۴ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت قسم اول: للجہ، قسم دوم:- ہے، پتہ: دکن اردو اکیڈمی ادارۂ شرقیہ حیدر آباد،

علی عادل شاہ فرمانروائے بیجاپور کی ملکہ چاند بی بی یا چاند سلطانہ کا نام ہندوستان کی خواتین کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا، وہ اپنے زمانہ کی بڑی مدبر، اور بہادر عورت تھی، اس نے اپنے شوہر کی وفات کے بعد اس کے بھتیجے ابراہیم عادل شاہ کی نابالغی کے زمانہ میں جس قابلیت سے حکومت کا نظام سنبھالا اور ایک عرصہ تک جس بہادری کے ساتھ اس کو دشمنوں کے پنجہ سے بچاتی رہی، اور بالآخر اسی سلسلہ میں اسکی جان گئی وہ اب تک تاریخ میں محفوظ ہے، علی عادل شاہ کے ساتھ اس کی شادی بھی تاریخی اہمیت رکھتی ہے، دکن کے مسلمان سلاطین میں ہمیشہ باہم جنگ و پیکار بپا رہتا تھا، چاند سلطانہ کے والد حسین نظام شاہ والی احمد نگر اور علی عادل شاہ میں مستقل مخاصمت قائم تھی، مسلمان حکمرانوں کے اس اختلاف سے فائدہ اٹھاکر رام راج والی بیجانگر ان کا ملک دباتا چلا جاتا تھا، آخر میں ان سلاطین نے اس اختلاف کے نقصان کو محسوس کرکے آپس میں اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی، اسی سلسلہ میں حسین نظام شاہ نے اپنی لڑکی چاند سلطانہ علی عادل شاہ کو بیاہ دی، اور اس کی بہن کو اپنی بہو بنایا، اس رشتہ سے دونوں میں یگانگت و یکجہتی پیدا ہوگئی، اس تاریخی واقعہ کو مصنف نے افسانہ کے پیرایہ میں لکھا ہے، اور اپنی خوش ذوقی سے اس میں وہ تمام خصوصیات پیدا کردی ہیں، جو افسانہ کی دلآویزی کے لئے ضروری ہیں، فارسی شاعری میں "بتان ترک" کے لفظ سے ان کے بانکپن اور رعنائی کی جو تصویر ذہن میں آتی تھی، مصنف کے نازک قلم نے چاند بی بی کے پیکر میں اس کا مرقع دکھا دیا ہے، اور اس کی سیرت کے ان پہلوؤں کو بھی نمایاں کیا ہے، جس سے بہو بیٹیوں کو سبق حاصل ہوسکے زبان نہایت شستہ، پاکیزہ، شیریں، اور رسیلی انداز بیان نازک اور لطیف ہے، زبان کے ایسے پاکیزہ نمونے اب کم نظر آتے ہیں، اس کتاب کے کئی حصے ہوں گے، اس حصہ میں چاند بی بی کی دوشیزگی اور شادی کے واقعات ہیں، دوسرے حصوں میں باقی زندگی کے حالات ہونگے،

قرآن مجید کی دوسری کتاب مؤلفہ جناب مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی قیمت مجلد:- ہے، پتہ:- ادارہ تعلیمات اسلامی نمبر ۳۰، امین آباد پارک لکھنؤ،

یہ کتاب ادارۂ تعلیمات اسلامیہ کے سلسلۂ تعلیم قرآن کی دوسری کتاب ہے اس کے پہلے حصہ پر معارف میں ریویو ہو چکا ہے، اس کا مقصد کم سے کم وقت میں عربی زبان سے بقدر ضرورت واقفیت کے ساتھ ساتھ کلام پاک کے ترجمہ کی استعداد پیدا کرنا ہے چنانچہ کلام مجید ہی کی آیات و سورتوں سے اس کا نصاب مرتب کیا گیا ہے، ہر سبق میں کلام مجید کی چند آیات، اس کے لغات کے معنی اور آیات کے اہم پہلوؤں کی تشریح اور املا و انشا، اور ترجمہ کی مشقیں ہیں، جا بجا صرف و نحو کے ضروری قواعد بھی مختصراً دیدیے گئے ہیں، اور طلبہ کو اس کی پیچیدگیوں سے بچانے کے لئے عربی املا اور عربی کی غیر معرب عبارتوں پر اعراب لگانے کی مشق کے ذریعہ اس کے عملی استعمال کا زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے، ترجمہ اور املا کی مشقیں احادیث نبوی اور تاریخ اسلام اور اکابر اسلام کے سبق آموز واقعات سے دیگئی ہیں، اس طریقۂ تعلیم سے عربی سے واقفیت اور ترجمۂ قرآن کی استعداد دونوں ساتھ ساتھ پیدا ہوجاتی ہیں، امید ہے کہ ترجمۂ کلام مجید کے شائقین اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

جامِ عرفان از جناب منظور الحق صاحب کلیم قادری چشتی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۹ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت :- عہ سلطان پریس، پرتابگڈھ،

مصنف ایک صوفی مشرب بزرگ ہیں، جامِ عرفان ان کی عارفانہ رباعیوں کا مجموعہ ہے، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے معنی سخن کے مقابلہ میں ظواہر کا زیادہ اہتمام نہیں کیا ہے، اس لئے جا بجا معنی کے جسم پر الفاظ کا جامہ تنگ ہوگیا ہے لیکن اس سے ان رباعیوں کی معنوی حیثیت پر اثر نہیں پڑتا اس جام میں بادۂ عرفان کے لذت شناسوں کے ذوق کا کافی سامان ہے،

زارِ روس مترجمہ جناب محمد رحیم صاحب دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۸۱ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت عاریۃً نیا کتاب گھر اردو بازار دہلی،

اس کتاب میں روس کے آخری زار نکولس اور اس کی ملکہ الکس زارینہ اور انقلاب روس کے حالات کو افسانے کے پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے، اور یہ دکھایا گیا ہے کہ روس کی جرمن نژاد زارینہ نے قیصر جرمنی، اور مشہور جرمن جاسوس راسپوٹین کے اشاروں پر چل کر جو مقدس پادری کے بھیس میں زار اور زارینہ دونوں پر حاوی ہوگیا تھا، زار روس کے ذریعہ کس کس طرح روسی قوم کو مٹانے اور برباد کرنے کی کوشش کی، اور اس کے لئے اس نے کیسی کیسی سازشیں کیں، اور آخر میں خود اس کا کیسا عبرتناک انجام ہوا، یہ کتاب غالباً کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے لیکن مترجم نے اس کی تصریح نہیں کی ہے، ترجمہ صاف اور شستہ ہے، (م)

جلد ۵۶ ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۵ء عدد ۵

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی،	۲۶۶-۲۶۸
مسئلہ سود مسلم و حربی میں	مولانا سید مناظر احسن گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ	۲۶۹، ۲۹۱
عزیز لکھنوی کے قصائد	جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی،	۲۹۲-۳۰۶
ابو الرخا بوزجانی حاسب	جناب حافظ محمد شریف خان صاحب ندوی،	۳۰، ۳۱۱
عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام	جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب ام اے رفیق دار المصنفین	۳۱۲، ۳۱۹
ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات	جناب مولوی ابو یحیٰی امام خان صاحب نوشہروی،	۳۲۰، ۳۲۷
حضرت عمرؓ اور غزوۂ احد میں ثبات قدمی	"س"	۳۲۸، ۳۲۵
امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک صحیح احادیث کی تعداد	"	۳۲۹، ۳۳۰
سائنس کے بعض نظریے اور اسلام	"	۳۳۰، ۳۳۱
خلاصۃ التواریخ	"	۳۳۲
مطبوعات جدیدہ	"م"	۳۳۳، ۳۳۶

شذرات

الحمد للہ کہ اپنی گذشتہ علالت کے شدید حملہ سے مین جانبر تو ہوگیا، اور اب جسمانی ضعف بھی باقی نہین، مگر دل و دماغ ابھی تک کام کے لائق نہین، اطبا کا مشورہ ہے کہ اب دماغی کام کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہدیجائے، گو عمر بھر کی لگی ہوئی عادت کا یک قلم چھوٹ جانا مشکل ہے، تاہم یہ ضرور ہے کہ اب کم سے کام کی زحمت اٹھائی جائے اور جب تک یہ صورت حال باقی ہے دماغی مشاغل سے پرہیز کیا جائے، اس سلسلہ مین احباب سے درخواست ہے کہ معارف اور علمی استفسارات اور فتاوی سے متعلق میرے نام کے بجائے صرف اڈیٹر معارف کے نام سے اور فرمائشون اور شکایتون کے متعلق مہتمم صاحب دارالمصنفین سے، اور دارالعلوم ندوہ سے متعلق امور کی نسبت مہتمم صاحب دارالعلوم ندوہ لکھنؤ سے خط و کتابت کرین، فتاوی کا اہتمام ہمارے یہان نہین ہے، ان کے لئے دیوبند سہارنپور، اور ندوہ لکھنؤ مین خاص انتظامات ہین، ان کی طرف توجہ فرمائین،

آج کل مسلمانون مین الیکشن کا ہجران ہے، اس ہجران مین جس طرح نامعقول طریقون سے لوگ اپنی قوت کا اظہار کر رہے ہین وہ حد درجہ نامناسب ہے، انتہا یہ ہے کہ اس سلسلہ مین سب وشتم، لعن وطعن اور زدوکوب سے بھی پرہیز نہین کیا جارہا ہے، یہ طریق عمل استدلال کی قوت ظاہر کرنے کے بجائے اس کی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے، مذہب اور دین کی حمایت کا نام لے کر عوام کو جوش دلانا، اور اُن سے اپنا کام نکالنا غلط رہنمائی ہے، جس سے مسلمانون کو سخت نقصان پہنچے گا، ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانون کو ضبط، صبر، ڈسپلن، تنظیم، استقامت، تحمل، برداشت، ایثار، باہمی ہمدردی، عملی وحدت اور اعلی اخلاق کی تعلیم دی جائے جو سیاست کی جنگ کے سب سے کارگر ہتھیار ہین، صرف زبانی جوش وخروش گرما گرم محفلی اور اخباری بحث اور برسرراہ دست و گریبان ہونا، قوم کی طاقت نہین، ہماری بحثون کا موضوع مسائل کا صواب وخطا ہونا چاہئے نہ کہ اشخاص کے محاسن ومعائب کا اظہار،

اس جنگ مین یورپ کی اتحادی شہنشاہانہ طاقتون نے دنیا کو ضعیف و کمزور قومون کی حفاظت و حمایت کا جو خواب دکھایا تھا، اس کی تعبیر ظاہر ہونی شروع ہوگئی ہے یعنی اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دوسرون کے بجاے ہماری ہی محکوم و غلام رہین، فرانس، الجزائر و تونس، شام، لبنان اور ہند چینی کو پھر سے بزور اپنا غلام بنانے مین مصروف ہے، ڈچ، جاوا وغیرہ، جزائر مین اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کے لئے وہان کے باشندون سے برسرپیکار ہین، روس ایران سے آذربائیجان اور ترکی سے قارص اور اردھان اور ورداینال کا خواہان ہے، انگریز ہندوستان مین اب بھی اصلاحات کا اپنا ہی پرانا کھیل کھیل رہے ہین اور مزدور حکومت ہی کرنی ہو جو لبرل اور کنسرویٹو ہمیشہ کرتے رہے ہین اور جس کیلئے لیبر پارٹی ان کو مورد الزام ٹھہرایا کرتی تھی، لیکن ان محکوم قومون کے سینون مین آزادی کی جو آگ بھڑک اٹھی ہے، وہ خون کے چھینٹون کے بغیر اب بجھ نہین سکتی، اب یورپ کو یہ سمجھ لینا چاہئے، کہ ان کی جابرانہ شہنشاہی کا عہد ختم ہوچکا اب محکوم قومین اپنی مرضی کے مطابق جینے کا حق حاصل کرکے رہین گی،

یہود اس دنیا مین سب سے بڑی مالی طاقت کے مالک ہین، امریکہ کے سونے مین ان کے خزانون کا بڑا حصہ ہے، برطانیہ کو اس جنگ کے اندر اور اب بھی اپنی حالت کی درستی کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے، اور یہ صرف امریکہ کے یہودی سرمایہ دارون سے حاصل ہوسکتا ہے، اس لئے بالفور کے اعلان سے لیکر ٹرومین کے خط تک جو کچھ فلسطین مین ہو رہا ہے یا ہوگا، وہ یہودیون کی سامری طاقت کا کرشمہ ہے، انھون نے مصر سے نکل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ مین جس سونے کے بچھڑے کی پوجا کی تھی، وہ آج تک اسی کی پوجا مین مصروف ہین، ان کے متعلق قرآن پاک کا بیان اُشْرِبُوا فِی قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ (اس سونے کے بچھڑے کی محبت اُن کے دلون مین پلا دی گئی) آج بھی حرف بحرف صادق ہے، اب دیکھنا ہے، کہ امریکہ کی اس سامری طاقت کے آگے برطانی سیاست کا دیو اپنی طاقت کا اظہار کیونکر کرتا ہے،

کہتے ہین کہ دنیا بڑی ترقی کر رہی ہے، ہزارون نئی نئی ایجادین ہوئین اور ہو رہی ہین، ہزارون میل کی آوازین سُنی جا رہی ہین، ہزارون میل دور کی صورتین چلتی پھرتی دکھائی دے رہی ہین، سمندر کی تہ مین غوطہ خور کشتیان دوڑ رہی ہین، آسمان کی فضا مین ہوائی جہازون کے قلعے اُڑ رہے ہین، ایٹم بم کے دم مین میلون کی آبادی کو خاک سیاہ بنا دے سکتا ہے، یہ سب کچھ ہوا لیکن یہ سب تو شیطنت کی ترقی ہوئی، انسانیت کی ترقی کا اس مین کیا حصہ ہے، کیا بڑی قومون مین انصاف زیادہ آگیا، کیا ظلم و ستم کی حکمرانی اُٹھ گئی، کیا کالے گورے کا فرق مٹ گیا، کیا

ایشیا اور یورپ کا تفرقہ ختم ہوگیا، کیا مادی طاقت حق کی قوت کے سامنے سرنگون ہوگئی، کیا شاہنشاہانہ حرص وہوس کا عہد چلا گیا، یہ کچھ بھی نہ ہوا اس نظر سے اب بھی دنیا وہین ہے جہان پہلے تھی، اب بھی ستر لاکھ مربع میل پر اور چند کروڑ انگریز چالیس کروڑ ہندوستانیون پر اسی طرح حکومت کرنے کو تلے ہوے ہین، انسانون کے اخلاقی مقاصد بھی وہی ہین اور طبائع کے رذائل بھی وہی ہین،

یہ صاف نظر آتا ہے کہ جن صوبون مین اردو زبان عام زبان نہین وہان اردو زبان مین اسلام اور مسلمانون کی جو تحقیقین اور تحریرین چل اور نکل رہی ہین ان کا ایک گونہ بیخبری ہی ہے، جیسے ہمارا شٹر، گجرات، بنگال اور مدراس وغیرہ، ضرورت ہے کہ وہان کی مقامی بولیون مین بھی اسلام اور مسلمانون کے متعلق جو نئی نئی کتابین اردو مین نکل رہی ہین، ان کو ان زبانون مین ترجمہ کرکے پھیلایا جاے، مجھے جہانتک علم ہے ان مقامی بولیون مین سے اس لحاظ سے گجراتی کا پایہ بہت اونچا ہے، گجراتی مسلمانون نے اس کا اہتمام کر رکھا ہے، کہ اردو کی مفید کتابون، رسالون اور مقالون کے ترجمے وہ شائع کرتے رہین، شاید یہی سبب ہو کہ مقامی بولیون والے صوبون سے ان مین دینداری کا خیال زیادہ ہے،

اس لحاظ سے سب سے زیادہ قابل رحم حالت بنگال کے مسلمانون کی ہے، کہ نہ وہان کے دیہاتیون مین اردو کے بڑھانے اور پڑھانے کی تدبیر کی جاتی ہے، اور نہ اردو کی اچھی اچھی کتابون اور رسالون اور مضمونون کے ترجمہ کا خیال ہے، اس لئے بنگال کے مسلمانون مین سب سے زیادہ اندھیرا ہے، لیکن ابھی حال مین کلکتہ مین ایک انجمن دارالفلاح بنی ہے جس کے ناظم اپنے خط مین لکھتے ہین،

"غرض نگار ہون کہ انجمن ہذا نے بنگال کے کروڑون مسلمانون کی غیر اسلامی ذہنیت اور ان کے دینی لٹریچر کی بے مائگی کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا ہے، کہ اردو کے مستند مذہبی تصانیف وتالیفات کا بنگلہ مین ترجمہ یہان کے عوام اور زی علم طبقہ کے سامنے کرے چنانچہ فضل الٰہی سے یہ کام شروع بھی ہو چکا ہے"

اس خط کو پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی، کہ بنگال کے مسلمانون نے کروٹ لی ہے، اس سلسلہ مین رحمت عالم کے بنگلہ ترجمہ کی اجازت مانگی گئی تھی، جو دی گئی، اور ان سے ہر ممکن مدد کا وعدہ کیا گیا،

مقالات

مسئلۂ سود مسلم وحربی مین

از

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ

معارف ماہ مئی ۱۹۴۵ء مین مخدوم ومحترم والامرتبت حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کا جو مقالہ مندرجۂ عنوان مسئلہ کے متعلق خاکسار کے بعض خیالات اور دعاوی کی تنقید وتردید مین شائع ہوا ہے اسی کے متعلق حسب ذیل سطرون مین باادب مولانا کی خدمت مین خصوصًا اور ناظرین معارف کی خدمت مین عمومًا جن حضرات کو اس مسئلہ سے دلچسپی ہے اپنے ناچیز معلومات کے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہون، بلکہ سچ پوچھئے، تو مولانا سے زیادہ میرا روئے سخن عام ناظرین ہی کی طرف ہے، کیونکہ مولانا سے موصوف کے لئے تو شاید چند اشارون کی طرف توجہ دلانا ہی غالبًا کافی ہوتا، مین مولانا سے معافی چاہتا ہون کہ بعض غیر ضروری تمہیدی امور کا محض ان حضرات کے خاطر سے اندراج ضروری خیال کر رہا ہون، جو "فقہ اسلامی" مین عالمانہ بصیرت نہین رکھتے، مولانا کی تحریر سے اس کا اندیشہ ہے کہ مسلمانون کے سب سے بڑے امام اور مجتہد کے متعلق بعض غلط فہمیان نہ پیدا ہو جائین، اور ایک غرض اس مضمون کی اشاعت سے یہ بھی ہے، اگرچہ مولانا کے مضمون کے اس پہلو سے مجھے مسرت بھی ہوئی، کہ ہم ارباب تقلید پر اپنے اپنے ائمۂ اجتہاد کے متعلق بے جا طرف داری کا جو الزام لگایا جاتا ہے، اس کی تردید کے لئے منجملہ دوسری شہادتون کے ایک تر وتازہ شہادت مولانا کا یہ مضمون بھی ہے یعنی باوجود حنفی اور غالی حنفی ہونے کے مولانا ظفر احمد صاحب نے اپنے امام کی یہی نہین کہ خود بے جا طرف داری نہین فرمائی، بلکہ دوسرے کو (یعنی فقیر کو) بھی اس سے روکا ہے، اور آپ کے نزدیک انصاف کی جو بات تھی، اس کو پیش نظر رکھ کر اپنے ایک نیازمند کو ٹوکا ہے۔ فجزاہ اللہ عنّا

وَعَنِ الاحناف خیر الجزاء،

اب اس مضمون کے متعلق چند تمہیدی مقدمات کو پہلے پیش کرتا ہون، اس کے بعد جو کچھ عرض کرنا ہے عرض کرون گا،

(۱)

عام مذاہب و ادیان مین جیسے انسانی جان و مال کے احترام پر زور دیا گیا ہے، اسلام نے بھی اس باب مین اگرچہ اپنا کافی حصہ ادا کیا ہے، لیکن علاوہ ایک مذہبی دعوت ہونے کے اسلام چونکہ ایک مستقل آئین اور باضابطہ دستور بھی ہے، اسی حیثیت سے زمین کے بہت بڑے حصہ پر صدیون بلکہ کہہ سکتے ہین کہ ہزار سال اور ہزار سال سے بھی زیادہ مدت تک اسلامی حکومتون نے اس کو استعمال بھی کیا ہے، اس لئے احترام نفوس و اموال کے باب مین بھی اس کو قانونی اور آئینی نقطۂ نظر کو اپنے سامنے رکھنا پڑا ہے،

(۲)

فقہائے اسلام نے اس قسم کی قرآنی آیتین مثلاً

انَّ اللہ بری مِنَ المشرکین و	قطعاً اللہ بری ہے مشرکون سے، اور
رسولہ (سورۂ برات)	رسول بھی (ان مشرکون سے بری ہین)

یا اس قسم کی مشہور و معروف حدیثین جیسے صحاح ستہ کی یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اُمرت ان اقاتل الناس حتی	مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگون سے مین اس
یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قال	وقت تک جنگ کئے چلا جاؤن، یہانتک
ذلک عصم منی مالہ ونفسہ	کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرین، پس
الا بحقہ	جس نے اس (کلمہ) کا اقرار کرلیا محفوظ
وحسابہ علی اللہ	اور معصوم ہوگیا، اس کا مال اور اس کی

الغرض یہ اور اسی قسم کے نصوص و آثار کو سامنے رکھ کر نفوس و اموال کو اسلامی قانون کے رو سے دو قسمون مین تقسیم کر دیا گیا ہے، یعنی نفوس و اموال کی ایک قسم تو وہ ہے جس کی حفاظت و احترام کی ذمہ داری اسلام مین لی گئی ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جس کے متعلق اس قسم کی ذمہ داری اسلام نے نہین لی ہے، پہلی قسم

کی اصطلاحاً معصومہ نفوس و اموال سے اور دوسری کی غیر معصومہ اموال و نفوس سے تعبیر کی جاتی ہے،

اب ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے متعلق خدا اور خدا کے رسول کی طرف سے قرآن میں برأت کا اعلان کیا گیا ہو، تو اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کی جان و مال کا ذمہ دار اللہ اور اس کا رسول نہیں ہے یعنی ان کے اموال و نفوس میں تصرف کرنے والوں سے کوئی باز پرس نہ ہوگی، اور یہی معنی غیر معصوم ہونے کے ہیں، ان مواقع پر فقہاء "مباح" کا لفظ جو بولتے اور لکھتے ہیں، اس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے، گویا قرآن و حدیث سے جو کچھ سمجھا جاتا ہے، اس کی تعبیر اس لفظ سے کرتے ہیں،

(۳)

لیکن اسی کے ساتھ اسلام ہی کا ایک اور عام قانون ہے جس کا نام قانون معاہدہ ہے، یعنی عہد کرنے کے بعد جن باتوں کا عہد کیا جاتا ہے، ان کی تکمیل اور ان کا ایفاء بھی مسلمانوں کے اہم دینی فرائض میں شامل ہو جاتا ہے، خواہ یہ وعدہ مسلمانوں سے کیا گیا ہو یا غیر مسلمانوں سے، قرآنی آیات،

	اوفوا بالعقود (المائدۃ)	معاہدہ کو پورا کرو،
یا	ان العھد کان مسئولا (بنی اسرائیل)	قطعاً عہد و پیمان سے سوال کیا جائیگا،
یا	اتموا الیھم عھدھم (البراۃ)	پورا کرو ان کے ساتھ عہد کرو،

وغیرہ میں بکثرت مسلمانوں کو اس فرض کی تعمیل پر سختی سے متوجہ کیا گیا ہے، اور حدیثوں میں تو ایفاء عہد کے متعلق جو ذخیرہ پایا جاتا ہے، اور جن جن شکلوں میں اس کی اہمیت جتلائی گئی ہے، اگر سب کو یہاں درج کیا جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی، خلاصہ یہ ہے کہ ان ہی قرآنی نصوص اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے آپ کے طرز عمل سے یہ قانون پیدا کیا گیا ہے، کہ مسلمانوں کی حکومت سے یہ وعدہ لے کر کہ ان کی جان و مال و عزت کی حفاظت کی ذمہ داری لی جائے گی، جو غیر مسلم قومیں ان کے علاقہ میں بود و باش اور دوامی سکونت اختیار کریں، یا وقتی طور پر کچھ دن کے لئے ان کے قلمرو میں اس معاہدہ کے ساتھ داخل ہوں کہ نہ تو وہ امن و امان کے قانون کی خلاف ورزی کریں گے، اور نہ مسلمان ان کی جان و مال و عزت کے ساتھ کوئی غیر قانونی برتاؤ کریں گے، معاہدے کی پہلی شکل کا نام "عہد ذمہ" اور دوسری شکل کا نام "عہد استیمان" ہے، بہر حال یہ ہو یا وہ ہو، ہر حال میں اس معاہدہ کے بعد اس کا ایفاء مسلمانوں کا ایک اہم ترین دینی فرض اور مذہبی ذمہ داری ہے، اس معاہدہ کی خلاف ورزی کا اصطلاحی نام غدر اور عہد شکنی ہے، جس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ نفوس

و اموال کے معصوم و محفوظ ہونے کی جیسے ایک قانونی شکل وہ تھی جس کا پہلے حصہ مین ذکر کیا گیا، اسی طرح ایفاے عہد کا یہ فرض اور غدر و قانون شکنی کی حرمت و ممانعت دوسری شکل ہے، جو مذکورۂ بالا معاہدہ کرنے والون کی جان و مال کو معصوم و محفوظ اسلامی آئین و دستور کے رو سے کر دیتا ہے،

(۴)

اسی لئے یہ سمجھا جاتا ہے کہ احترام نفوس کے متعلق اس قسم کی قرآنی آیتین مثلاً

لَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ (النساء) نہ قتل کرو باہم اپنے آپ کو،

یا اموال کے احترام کے متعلقہ نصوص مثلاً

لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ اور باطل (یعنی غیر آئینی طور پر) باہم ایک
إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ دوسرے کا مال نہ کھایا کیجئو، الا یہ کہ باہمی
مِّنكُمْ، رضامندی سے تجارت (کا طریقہ لین دین
(النساء) مین اختیار کیا جائے)

وغیرہا مین جن جانون اور جن اموال کے احترام کا مطالبہ کیا گیا ہے، ان سے مراد وہی نفوس اور اموال ہین جو اسلامی آئین کے رو سے عصمت و حفاظت کے دائرے مین داخل ہو چکے ہین یعنی نفوس معصومہ اور اموال معصومہ ہی سے ان کا تعلق ہے، اور وہی ان احکام کے مورد خاص ہین،

اسی لئے اس قسم کا استدلال کہ جہاد مین مسلمان کو چونکہ قتل نفس کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، اور قتل نفس نص قطعی کے رو سے حرام ہے، اس لئے جہاد بھی حرام ہے، ایک مضحکہ خیز استدلال ہے، زیادہ وقعت نہین رکھتا، کیونکہ جہاد مین جن نفوس کے قتل کا ارتکاب ناگزیر ہے، وہ ان آیتون کے دائرۂ خطاب مین داخل ہی نہین ہین جن کا احترام اور جن کی حفاظت مسلمانون کا مذہبی فرض ہے،

اور جو حال نفوس کا ہے، وہی حال اموال کا ہے، یعنی یہ قرار دیتے ہوئے کہ اموال کے لین دین مین قرآن نے چون کہ باہمی رضامندی کو مشروط کر دیا ہے، اس لئے غنیمت اور فئی کے نام سے دوسرون کا مال لینا ناجائز ہے، اگر کوئی اس قسم کی بات کرے، تو اس سے بھی یہی کہا جائے گا کہ اموال کے احترام کا جن نصوص مین مطالبہ کیا گیا ہے، آپ نے سمجھا ہی نہین کہ ان کا تعلق معصومہ اموال سے ہے، ورنہ غیر معصومہ اموال کے متعلق تو قرآن ہی مین،

فَكُلُوهُ حَلَالًا طَيِّبًا، پس کھاؤ (اس مال کو جو بہ غنیمت حاصل ہوا ہے) حلال اور پاک وطیب سمجھ کر

(انفال)

کا فتویٰ موجود ہے، یہ فتویٰ ان ہی اموال کے متعلق دیا گیا ہے جنھین مسلمان نہ خرید و فروخت کی راہ سے حاصل کرتے ہین، اور نہ ہبہ و وراثت صدقہ و خیرات کی راہ سے یعنی مال والوں کی رضامندی کے بغیر زور و قوت جو مال چھین لیا جاتا ہے، اس کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ کھاؤ اس کو حلال اور صاف ستھرا، طیب و پاک سمجھ کر، اس سے معلوم ہوا کہ باہمی رضامندی کی شرط جن اموال مین لگائی جاتی ہے، ان کے دائرے ہی سے اموال کی یہ دوسری قسم خارج ہے، جن کے متعلق مال والون کی رضامندی کے حاصل کرنے کی قطعی ضرورت نہین،

(۵)

اب یہان فقہاے اسلام کی اس اصطلاح کو بھی سمجھ لینا چاہئے، کہ جن کے نفوس و اموال مسلمان ہونے کی وجہ سے یا مسلمانون کی حکومت سے عہد ذمہ یا عہد امان کی تعمیل کرنے کی وجہ سے معصوم و محفوظ ہو جاتے ہین، یہ مالی داد و ستد یعنی دین کے تعلقات کے لحاظ سے ان کا تو ایک طبقہ ہوا جس کا یہی مطلب ہے کہ باہم خود مسلمانون کے ساتھ مسلمانون کو یعنی دین کے جن قوانین کا پابند بنایا گیا ہے، بجنسہٖ مسلمانون کو وہی پابندیان ذمیون اور ان لوگون کے ساتھ اختیار کرنی پڑین گی، جو امن کا معاہدہ کرکے مسلمانون کی حکومت مین داخل ہوتے ہون، شرح سیر کبیر مین ہے،

وَالمستامنون واهل الذمة فی ذٰلك سواءٌ — امن کا معاہدہ حاصل کرکے مسلمانون کی حکومت کے حدود مین داخل ہونے والے غیر مسلم اور ذمی لوگ (یعنی اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا) دونون اس معاملہ مین برابر ہین

(جلد ۳ ص ۲۲۶)

ذالک کا اشارہ یعنی دین کے معاملات کی طرف ہے، جس کا ذکر اس سے پہلے آیا ہے،

بہرحال ایک طبقہ تو ان لوگون کا ہوا جن کے نفوس و اموال کی عصمت و حفاظت کی ذمہ داری اسلامی دستور مین لی گئی ہے، اور اسی کے مقابلہ مین دوسرا طبقہ وہ ہے، جس نے عصمت و حفاظت کے ان اسلامی ذرائع کو اختیار کرکے اپنے نفوس و اموال کے محفوظ و معصوم کر لینے کا سامان نہ کیا، اصطلاحًا اسی طبقہ کی قانونی تعبیر بحربی کے لفظ سے فقہا کرتے ہین یعنی نہ مسلمانون کے ساتھ جنگ اور لڑائی کرنے سے روکنے والی کوئی چیز ان کے

پاس موجود ہے، اور نہ مسلمانون کو ان پر حملہ کرنے اور ان سے جنگ کرنے مین کوئی چیز مانع ہے، چون کہ عصمت وحفاظت کے ان آئینی ذرائع سے یہ طبقہ محروم ہے، جو اسلام نے مقرر کئے ہین، اسی لئے قبضہ کرنے کے بعد مسلمان ان کے اموال کے مالک ہو جاتے ہین، خواہ یہ قبضہ ان کی رضامندی سے کیا گیا ہو، یا بغیر رضامندی کے، اس پر تو سارے ائمۂ اسلام کا اتفاق ہے، البتہ اس کی برعکس صورت یعنی مسلمانون کے اموال پر اگر اس حربی طبقہ کو قبضہ حاصل ہو جائے، تو کیا وہ بھی اسلامی قانون کے رو سے مسلمانون کے اموال کے جائز مالک اسی طرح ہو جاتے ہین جیسے مسلمانون کو قبضہ کے بعد ان کے اموال کا جائز مالک قرار دیا جاتا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اس کا جواب بھی اثبات مین دیا گیا ہے یعنی وہ بھی مسلمانون کے مال پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد مالک ہو جاتے ہین، حنفی فقہ کے متون کا مسئلہ ہے، ہدایہ مین ہے :-

وَلو غلبوا علیٰ اموالنا (العیاذ باللہ) ملکوھا،	اگر حربیون کا گروہ ہمارے اموال پر (خدانخواستہ) قبضہ حاصل کرلے، تو وہ بھی ان کا مالک ہو جاتا ہے،

مالک قرار دینے کی یہان بھی وہی وجہ قرار دی گئی ہے کہ

لان الاستیلاء ورد علیٰ مال مُباح فلینعقد سببًا للملک کالاستیلاء علیٰ اموالھم ۔	اس لئے کہ حربیون کا تسلط اور قبضہ ایسے مال پر ہوا ہے، (جو ان کے لئے) مباح ہے، پس ملک کا سبب ان کا یہی قبضہ بن جائے گا، جیسے ہمارا قبضہ ان کے اموال پر ہماری ملک کا سبب بن جاتا ہے،

جس کا مطلب وہی ہوا، کہ عصمت و حفاظت کے ذرائع سے محروم ہونے کی وجہ سے جیسے ان کا مال مسلمانون کے حق مین غیر معصوم اور مباح ہے، اسی طرح مسلمانون کے اموال بھی ان کے لئے مباح ہین، مین اپنی اصطلاح مین فقہ کے اس قانون کو بین الاقوامی اباحت کے قانون کے الفاظ سے موسوم کرتا ہون،

(۶)

غیر معصوم مباح اموال کے متعلق یہ جو کہا گیا، کہ قبضہ کرنے کے بعد قبضہ کرنے والے ان کے مالک ہو جاتے ہین، یہ ذرا مبہم سا جملہ ہے، مطلب یہ ہے، کہ قبضہ کو دیکھا جائے گا، اگر حکومت کی پشت پناہی اور فوجی قوت کے

زور سے یہ قبضہ حاصل ہوا ہے، تو ظاہر ہے کہ تقسیم سے پہلے حکومت اور اس کی ساری فوج جس کی امداد اور قوت سے یہ قبضہ حاصل ہوا ہے، سب کا یہ مقبوضہ مال ایک مشترکہ سرمایہ ہے اس لئے جائز نہ ہوگا، کہ قبل از تقسیم کوئی خاص آدمی خواہ اسی فوج کا سپاہی ہی کیون نہ ہو، اس مال مین کسی قسم کا تصرف کرے، ہان تقسیم کے بعد جس سپاہی کے قبضہ مین اس مال کا جتنا حصہ آئے گا، وہ اپنے اس خاص حصہ پر چونکہ قابض ہوگا، اس لئے اب اس کا وہ بلا شرکت غیرے جائز شخصی مالک ہے، اور اب جائز ہے کہ جس قسم کا تصرف اس مال مین وہ چاہے کرے،

غیر معصومہ اموال کی اسی قسم کا یعنی حکومت اور فوجی قوت کے زیر اثر جس پر بزور قبضہ کیا جائے اسی کا اصطلاحی نام "غنیمت" ہے، لیکن یہی غیر معصوم مال حکومت اور حکومت کی فوجی قوت کی پشت پناہی کے بغیر کسی مسلمان کے ہاتھ اگر لگ جائے تو ظاہر ہے، کہ اس وقت حکومت اور فوج کو اس مال سے کیا تعلق اسی لئے حکم اس کا یہ ہے جیسا کہ امام محمد نے سیر کبیر مین نقل کیا ہے، یعنی

هٰذا لیس بغنیمة بل هو احراز المباح،	یہ غنیمت نہین ہے، بلکہ ایک مباح مال کا سمیٹنا (اور اس پر قبضہ کرنا ہے)

اسی لئے اس مال کا قبضہ کرنے والا ہی مالک ہو جاتا ہے، امام محمد ہی نے اسی کے بعد لکھا ہے،

فیکون بمنزلة الاصطیاد و الاحتشاش، (جلد ۳ صفحہ)	اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے شکار کرنیوالا شکار کا مالک قبضہ کرنے کے بعد ہو جاتا ہے یا گھاس کا مالک گھاس گڑھنے والا

ابن ہمام نے بھی "غنیمت" کی یہ تعریف کرتے ہوئے یعنی

الغنیمة ما اُخذ قهراً و غلبة،	غنیمت اس مال کا نام ہے، جسے بزور و غلبہ حاصل کیا گیا ہو،

ان غیر معصومہ مال کے متعلق جن پر قہراً و غلبۃً قبضہ نہ کیا گیا ہو لکھا ہے کہ

انما یاخذ بحیلة فکان هذا اکتسابا مباحا من المباحات کاحتطاب و الاصطیاد،	ان کو تو لینے والا اپنی خاص تدبیر سے حاصل کرتا ہے، تو اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ مباح اور جائز اموال مین سے کسی مباح مال کا یہ کما لینا ہے جیسے جنگل کی

(فتح القدیر جلد ۳ ص ۳۳۲) لکڑی کو لکڑہارے حاصل کرتے ہین، یا شکاری شکار پر قبضہ کرتے ہین،

اور چونکہ یہ قبضہ شخصی جد و جہد کا نتیجہ ہوتا ہے، اسی لئے سیر کبیر مین یہ کلیہ درج کرکے

فی کل موضع یکون للمصاب حکم الغنیمۃ فالآخذ وغیرہ فیہ سواء وفی کل موضع لا یکون للمصاب حکم الغنیمۃ،

ایسا مال جو مسلمانون کو غنیمت کی مد مین ہاتھ لگے، تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ مال کا حاصل کرنے والا، اور اس کے سوا دوسرے لوگ (یعنی فوج کے دوسرے افراد) اس مال مین مساوی حق رکھتے ہین لیکن (اسی قسم کے مباح اموال) جو غنیمت کی نوعیت نہین رکھتے،

تو پھر اس کا وہی حکم ہے کہ

فان الآخذ یختص بہ (سیر کبیر جلد ۳ ص۵)

تو (ان کا کلی قاعدہ یہ ہے) کہ قبضہ کرنے والے کی وہ مخصوص ملکیت ہوگی،

اور اسی قسم کے مملوکات شخصیہ کے متعلق امام محمد کی اسی کتاب مین دوسری جگہ ہے،

فالماخوذ لمن اخذہ ولا خمس فیہ،

پس جو مال اس راہ سے حاصل کیا جائے گا وہ اسی کا ہوگا جس نے اسے حاصل کیا ہو اور اس مال مین (خمس) یعنی پانچوان حصہ (حکومت) کا نہ ہوگا،

(جلد ۳ صفحہ ۵)

کھلی ہوئی بات ہے کہ خمس تو حکومت کا حصہ ہوتا ہے جب حکومت کی امداد ہی اس قبضہ مین شریک نہین ہے تو اس کا حصہ اس مین کیون ہونے لگا،

بہرحال مجھے کہنا یہ ہے کہ اموال غیر معصومہ کے مالک ہونے کی یہ دونون صورتین درحقیقت مبنی تو اسی پر ہین، کہ یہ مباح اموال ہین، اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری ان کی طرف سے اٹھا لی گئی ہے، البتہ قبضہ جس مین اجتماعی قوت سے حاصل ہوتا ہے، اس کے احکام بھی اجتماعی ہین، اور جس قبضہ مین اجتماعی قوت کو

دخل نہین ہے، اس کا اثر بھی اجتماعی نہین ہے،

یہ خیال کہ غنیمت کا مال چونکہ لڑائی بھڑائی اور جنگ و جدال مین حاصل ہوتا ہے، اس لئے اس کو حلال کیا گیا ہے، اگرچہ ایک عامیانہ خیال ہے لیکن عوام ہی کے لئے مین کہتا ہون کہ جنگ کو اگر اموال غنیمت کے حلال ہونے مین دخل ہوتا، یعنی غیر معصوم ہونے کی جو وجہ ہمارے فقہا نے قرار دی ہے، اگر ان اموال کی حلت کی وجہ یہ نہ ہوتی، بلکہ لڑائی اور جنگ مین حاصل ہونا، یہی بات ان کے حلال ہونے کی وجہ ہوتی، تو چاہئے تھا، کہ حکومت سے باغی مسلمانون کا جو مال جنگ مین ہاتھ آتا ہے، وہ بھی مال غنیمت بن کر قبضہ کرنے والون پر حلال ہو جاتا لیکن فقہ کا یہ عام مسئلہ ہے، سیر کبیر مین بیسیون جگہ یہ مسئلہ مذکور ہے،

مَالُ الْمُسْلِمِ لَا یَکُوْنُ غَنِیْمَۃً لِلْمُسْلِمِیْنَ بِحَالٍ کَاَمْوَالِ اَھْلِ الْبَغْیِ، (سیر کبیر جلد ۲ صـ۲)	مسلمانون کا مال مسلمانون کے لئے کسی حال مین غنیمت نہین بن سکتا، مثلاً حکومت کے باغیون سے (لڑائی) مین جو مال حاصل ہو، وہ غنیمت نہین بن سکتا،

ابن ہمام نے فتح القدیر مین لکھا ہے :-

لَا یَقْسِمُھَا حَتّٰی یَتُوْبُوْا فَیَرُدُّھَا عَلَیْھِمْ اَوْ عَلٰی وَرَثَتِھِمْ،	چاہئے کہ باغیون کے اس مال کو مسلمان آپس مین غنیمت بنا کر آپس مین تقسیم نہ کرین بلکہ انتظار کیا جائے کہ (باغی افراد) توبہ کرین (اور توبہ کر لینے کے بعد) ان کا مال ان ہی کو واپس کر دیا جائے گا، (اور اگر وہ خود موجود نہ ہون) تو ان کے وارثون کو یہ مال واپس

اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان کا مال بہر حال معصوم ہے، اور معصوم مال کے مالک ہونے کی صورت ہی ہے جسے اسلام نے لین دین کے جائز قانونی ذرائع قرار دیئے ہین، پس معلوم ہوا، کہ حرب یا لڑائی کو غنیمت کے اموال کی حلت مین دخل نہین ہے بلکہ ان کا غیر معصوم ہونا ہی اصلی وجہ ہے لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا، قبضہ چونکہ اموال غنیمت پر اجتماعی قوت سے حاصل کیا جاتا ہے، اس لئے شخصی تصرف کی اجازت قبضہ کرنے والون کو تقسیم سے پہلے نہین دی گئی ہے، اگرچہ بعض چیزون کو فقہا نے مستثنیٰ بھی کیا ہے، اور سچ پوچھئے تو مستثنیٰ ہونے والی چیزین

کی فہرست بھی مختصر نہیں ہے، فتح القدیر میں ہے،

کالخبز المطبوخ والخبز والزبیب	پکا ہوا گوشت، روٹی، کشمش، شہد،
والعسل والسکر والفاکھۃ الیابسۃ	شکر پھل خواہ خشک ہوں یا تر، پیاز، جو،
والرطبۃ والبصل والشعیر والتین	انجیر اور تیل جو کھانے میں مستعمل ہوں، اور
والادھان الماکولۃ کالزیت	گھی تو ان چیزوں کو (تقسیم سے پہلے بھی)
والسمن فلھم اکل والادھان	فوج کے سپاہی (انفرادی طور پر)
بتلک الادھان،	کھا سکتے ہیں، اور تیل کی مالش بھی
(ص ۳۱۵)	کر سکتے ہیں،

ان چیزوں میں شخصی تصرفات کی اجازت نہ صرف تقسیم سے پہلے دی گئی ہے، بلکہ استعمال کے لئے اسلامی حکومت کے حدود میں بھی ان کو لانے کی ضرورت نہیں، بخلاف غنیمت کے دیگر اموال کے کہ عسکری قوت سے چونکہ یہ چھینے جاتے ہیں، اور جن سے فوج چھینتی ہے، وہ بھی فوج ہی ہوتی ہے، اس لئے سمجھا یہ جاتا ہے کہ اسلامی حدود میں داخل ہونے سے پہلے مسلمانوں کا قبضہ ان پر مستحکم نہیں ہوا ہے، اور نہ واقع میں ہوتا ہے، بلکہ زوال کے شدید خطرے میں اس وقت تک رہتا ہے جب تک دشمن ہی کے ملک میں مال ہے، اور جب قبضہ ہی مکمل نہیں ہوا، تو ملکیت کی تکمیل بھی سمجھی جائے گی، کہ جیسی چاہئے نہیں ہوئی لیکن فوری ضرورت کی چیزیں مثلاً غذا ایندھن وغیرہ کے متعلق اجازت دیدی گئی ہے، وجہ وہی ہے کہ حلال ہونے کی اصلی وجہ تو بہرحال اس میں پائی ہی جارہی ہے یعنی ان اموال کا غیر معصوم اور مباح ہونا،

(۷)

ایک مختصر سی بات پہلے ہی سے طے کر لینے کی یہ بھی ہے کہ اگرچہ بدیہی اور واضح امر ہے لیکن سمجھ لینا اس کو چاہئے پہلے ہی، اور وہ یہ ہے کہ شراب بیچنے والے کسی مسلمان پر اگر اسلامی حکومت یہ الزام قائم کرے کہ اس معاملہ کے کرنے پر تم نے رضامندی کیوں ظاہر کی، تو اس کا یہ جواب کیا صحیح ہوگا، کہ بوجہ مسلمان ہونے کے میرا کیا ہوا، یہ معاملہ صحیح کب ہوا، اور چونکہ معاملہ صحیح نہیں ہوا، اس لئے میری رضامندی بھی اس معاملہ کے کرنے پر ثابت نہیں ہوئی، ظاہر ہے کہ اس کی یہ بات کتنی مہمل اور غلط ہوگی، معاملہ کا صحیح ہونا نہ ہونا یہ اور بات ہے اور اس معاملہ کے کرنے پر یعنی شراب کے بیچنے پر راضی ہو جانا، یہ دوسری بات ہے، یہ تو ایک واقعہ ہے کہ

شراب کے بیچنے پر وہ راضی ہوا تھا، اب مسلمان کے لئے اس قسم کے محرمات کی تجارت چونکہ ناجائز و حرام ہے اس لئے شرعاً اس کا یہ کیا ہوا معاملہ صحیح نہ ہوا، بہرحال کسی معاملہ کا صحیح ہونا نہ ہونا یہ الگ چیز ہے، اور اس معاملہ کے کرنے پر راضی ہو جانا دوسرا مسئلہ ہے، جیسا کہ میں نے عرض کیا بات بالکل معمولی ہے، لیکن ہم آئندہ جو کچھ کہنے والے ہیں، اس کے لئے اس نکتہ کا ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے، خیر یہ سب تو تمہیدی مقدمات تھے، اصل مسئلہ آپ کے سامنے اب آتا ہے،

مطلب یہ ہے کہ اسی "بین الاقوامی اباحت" کے کلی ضابطہ کی ظاہر ہے کہ سینکڑوں جزئیاتی صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں، فقہائے اسلام جیسا کہ ان کا دستور ہے ممکنہ حد تک ان جزئیات کو پیدا کر کے ان کے خاص حالات کے لحاظ سے جو حکم ان کا ہو سکتا تھا، اُسے بیان کرتے چلے گئے ہیں، مثلاً ابھی آپ نے دیکھا کہ حکومت اور فوج کی قوت سے جب قبضہ حاصل ہو تو اس کا حکم اور ہے، اور یہی قبضہ بغیر حکومت و فوج کے جب میسر آئے تو اس کا حکم دوسرا ہے، پھر فوجی مقبوضات کی بعض چیزیں مستثنیٰ بھی کی گئی ہیں، الغرض جیسے حالات ہوئے ہیں ان ہی کو پیش نظر رکھ کر جو حکم ان کا کتاب و سنت کی روشنی میں نظر آیا ہے، لوگوں نے اس کو بیان کیا ہے،

ان ہی جزئیات میں سے ایک خاص صورت مسئلہ کی یہ ہے کہ کسی غیر اسلامی قلمرو میں ایک مسلمان امن و امان کا معاہدہ کر کے مقیم ہے، جس کا ظاہر مطلب یہی ہے، کہ امن و امان کو قائم کرنے کے لئے جو قوانین اس غیر اسلامی حکومت نے نافذ کئے ہیں، ان کی پابندی کر کے وہ عہد کرتا ہے کہ اس ملک میں زندگی گزارے گا، مثلاً چوری، ڈاکہ، فریب، دھوکہ وغیرہ جیسے امور اس حکومت کے آئین میں، اگر ناجائز ٹھہرائے گئے ہیں، تو یقیناً اس مسلمان پر واجب ہوگا، اور اپنے اس معاہدہ کے رو سے وہ پابند ہے کہ اس حکومت کے باشندوں کی کسی چیز کو ان غیر قانونی ذرائع سے لینے کی نہ کوشش کرے گا، اور نہ لے گا، اس کی خلاف ورزی غدر کے جرم کا مجرم خود اسلامی قانون اس کو قرار دے گا، یہی ہمارے فقہاء کا مذہب بھی ہے، بلکہ انھوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ لعین دین کا کوئی ذریعہ اسلامی شریعت میں اگر جائز بھی ہو لیکن اس غیر اسلامی حکومت کے آئین میں مثلاً ناجائز ہو تو اس وقت اپنے معاہدہ کے رو سے اس فعل سے بھی اس کو باز رہنا پڑے گا، خلاف ورزی کرے گا تو عہد شکنی کے جرم کا مجرم ہوگا، امام محمد نے مثلاً لکھا ہے کہ اسلامی قانون کے رو سے فرض کرو کہ کوئی بات کسی سودے میں عیب نہ ہو، لیکن اس غیر اسلامی حکومت کے قانون میں اگر وہ عیب ہے تو اس عیب پر مطلع کئے بغیر کسی خریدار کو اس سودے کا دینا یہ بھی فریب و خیانت اور

عذر سمجھا جائے گا، ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں :

لیس لہ ان یدلس لھم العیب	(امن لے کر کسی اسلامی علاقہ میں داخل
فیما یبیعہ منھم مما یجوز مثلہ	ہونے والے مسلمان) کے لئے جائز نہ ہوگا
فی دار الاسلام او لا یجوز،	کہ خرید و فروخت کی چیزوں میں وہ
	تدلیس سے کام لے، (یعنی عیب پوشی
	کرکے مال بیچے) خواہ اس عیب کے ساتھ
	اسلامی قانون کے رو سے اس مال کا بیچنا
(سیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۷۳)	جائز ہو یا ناجائز ہو،

جس کا حاصل یہی ہوا کہ امان کے اس معاہدے کے پابند ہو جانے کے بعد جب تک اس غیر اسلامی قلمرو میں اس مسلمان کا قیام رہے گا، اس کو لین دین کے سارے معاملات میں اسی غیر اسلامی حکومت کے قوانین کی پابندی خود اسلام کے رو سے ضروری ہوگی، اس پر لازم ہوگا، کہ عہد شکنی اور غدر کی تمام صورتوں سے احتراز کرے، ایک مشہور حدیث جس میں ان ہی مواقع پر عہد شکنی اور غدر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشدت ممانعت فرمائی ہے، سیر کبیر سے نقل کرنے کے بعد علامہ شمس الائمہ سرخسی نے بطور فتوی کے یہ نتیجہ نقل کیا ہے، کہ

وفی ھذا دلیل علی وجوب التحرز	یہ دلیل ہے اس بات کی کہ غدر سے مشابہ
عما یشبہ الغدر صورۃ و معنی،	جو باتیں بھی ہوں گی، ان سے پرہیز (اس
(صفحہ ۷۷)	مستامن) مسلمان کے لئے ضروری ہے خواہ
	واقع میں وہ غدر اور عہد شکنی ہو، یا
	اس کی صورت غدر و عہد شکنی کے مشابہ ہو،

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ "بین الاقوامی اباحت" کے قانون کو مبنیا و بنا کر جو یہ خیال کیا جاتا ہے، کہ مسلمانوں کو اسلام نے ہر حال میں اس بات کی اجازت دے رکھی ہے، کہ جس طرح چاہیں اور جب چاہیں، جہاں چاہیں، غیر مسلم اقوام کا مال لوٹ لیں چھین لیں، چوری کر لیں، یہ کتنا بڑا اسلام اور مسلمانوں پر بہتان ہے،

کسی غیر اسلامی حکومت اور اس کے باشندون کے ساتھ امن و امان کی صحیح قانونی اور آئینی زندگی بسر کرنے کی شکل اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے، کہ مسلمانون کو لین دین کے ان معاملات مین اسی غیر اسلامی حکومت کے قوانین کی پابندی پر مذہبًا مجبور کیا جا رہا ہے، اور ان قوانین کی خلاف ورزی دینی حیثیت سے ان کے لئے اس حد تک ناجائز قرار دی گئی ہے، کہ صورۃً ہی نہین بلکہ معنًا خلاف ورزی بھی ان کے لئے ممنوع ہے جس کا مطلب یہی ہوا کہ صورۃً اگر جواز کی شکل پیدا بھی ہو رہی ہو، جب بھی قانون کی اس ظاہری شکل سے ناجائز نفع نہ اٹھانے تک کا موقع اسلام نے مسلمانون کے لئے باقی نہین رکھا ہے، چہ جائیکہ ان حالات مین غیر اقوام کے اموال کو چوری یا سینہ زوری سے لینا العیاذ باللہ جائز ہو،

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ معاہدہ قالًا کیا جائے یا حالًا ہر حال مین وہ معاہدہ ہی سمجھا جائیگا، مسلمانون کے ملک مین غیر اقوام کے لوگ اگر داخل ہون، اور تحریرًا اور تقریرًا معاہدہ نہ بھی کرین لیکن جس حال کے ساتھ ان کا داخلہ ملک مین ہو، وہ دلالت کر رہا ہو، کہ وہ امن و امان کے ساتھ رہنے اور کاروبار کرنے کے لئے آئے ہیں تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا، جو تحریری یا تقریری معاہدہ کرنے والون کے ساتھ کرنا چاہئے، امام محمد نے اسی مسئلہ کو جہان بنا کیا ہے، اس کی شرح کرتے ہوئے شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہین،

ان تجاوهم هكذا يكون الحال	غیر اقوام کے تاجر وغیرہ کا بھی یہی حال مسلمانون
بينهم وبين المسلمين يدخلون	کے ساتھ ہے، یعنی وہ اسلامی علاقون مین
دار الاسلام من غير ان ينادوا	داخل ہوتے ہین، اور اس طور پر داخل
لطلب الامان	ہوتے ہین، کہ امان کا مطالبہ علانیہ زبان
(شرح سیر کبیر صفحہ ۱۹۵ جلد ۱)	سے نہیں کرتے،

جس کا مطلب یہی ہوا کہ امان کے اس معاہدہ کے لئے زبان سے کہنے یا قلم سے لکھنے کی ضرورت نہین، حال بھی اس کے لئے کافی ہے، یعنی ایسا حال جو دلالت کرتا ہو کہ اس غیر اسلامی حکومت مین یہ مسلمان آئینی زندگی بسر کرنے کے ارادے سے داخل ہوا ہے، بس یہی چیز اس کو لین دین کے ان سارے قوانین کا مذہبًا پابند بنا دے گی جو اس ملک مین اس کی حکومت کی جانب سے نافذ ہون، خواہ خود اپنے مذہب کے رو سے ان قوانین کی پابندی اس مسلمان کے لئے ضروری ہو یا ضروری نہ ہو،

اور اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مذہب کی صحیح پابندی، اور سچی اسلامی زندگی مسلمانون کو غیر اقوام

کے مقابلہ مین کس درجہ امن پسند اور شریف ترین شہری بنا دینے مین ممد و معاون ہو سکتی ہے لیکن افسوس کہ مسلمانون کے صحیح مذہب سے ناواقف لوگون نے مسلمانون پر قابو پانے کے بعد سب سے زیادہ جس چیز کی جڑ کاٹنی کی، وہ ان کی مذہبی زندگی ہی کی کی، ان کے مذہب کا مہیب فرضی تصور قائم کیا گیا، اور پابند مذہب مسلمانون کو ایک خوفناک ڈراؤنا آدمی مان کر جس طرح بھی ممکن ہوا، ان کی مذہبی تعلیم اور مذہبی زندگی کے پیدا کرنے کے طریقون کو برباد کرنے کی کوشش کی گئی،

مین کہتا ہون کہ آج بھی پاکیزہ ترین امن پسند شہریون کے پیدا کرنے کا ارادہ اگر حکومت کرنا چاہتی ہے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے، کہ مسلمانون کے مذہبی علوم مذہبی تعلیم اور مذہبی زندگی کو پختہ کرنے کے جن ذرائع کو اس نے برباد کیا ہے، قصداً و عمداً برباد کیا ہے، ان کو پھر زندہ کرے، اور تجربہ کرے کہ مسلمانون کا مذہب ان کو فسادی، شورش پسند فتنہ انگیز قوم بناتا ہے، یا ان کے شہرون اور دیہاتون کو بہترین امن پسند شہریون اور آبادکارون سے بھر دیتا ہے، یہی چند مسئلے جن کا ابھی ذکر ہوا ہے، دنیا کا کوئی مذہب ہے؟ جو اپنے ماننے والون کو غیر اقوام کے ساتھ اتنے نیچے تلے، صحیح تعلقات کے قائم کرنے کی تلقین کرتا ہو،

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا، مسلمانون پر مسلمانون کے دین پر، ان کی دینی تعلیم پر ظلم کیا گیا ہے، اور صرف غلط اوہام خود آفریدہ مفروضات کے زیر اثر ظلم کیا گیا ہے، ان کی مذہبی زندگی کے نظام کو تہس نہس کر کے رکھدیا گیا ہے، ان حالات کو دل دیکھتا ہے، اور بے تاب ہو جاتا ہے، کاش! ہوتا کوئی جو مظلومون کی آواز ظالمون تک پہونچاتا، اور دنیا کی ایک بہترین امت صالحہ کی بربادی کا جو تہیہ کیا گیا ہے، ظلم کرنیوالون کو ان کے اس ظالمانہ ارادہ سے باز رکھتا، ع لکن لیس فی الدار دیار، وحسبی اللہ نعم الوکیل،

ہان! تو گفتگو اس مین ہو رہی تھی، کہ غیر اسلامی قلمرو مین امن کے معاہدے کے ساتھ داخل ہونے والے اس مسلمان پر اسلام ہی کے قانون ایفاے عہد کی وجہ سے یہ پابندی عائد ہو جاتی ہے، کہ جس چیز کا اس نے عہد کیا ہے، اسے وہ پورا کرے یعنی ملک کے قوانین نافذہ کی پابندی اس وقت تک کرتا رہے، اور اس پابندی کو اپنا مذہبی اور دینی فرض سمجھے جب تک اس غیر اسلامی ملک مین اس کا قیام ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اس معاہدے کی وجہ سے کیا وہ اس کا بھی پابند ہو جاتا ہے، کہ جن اموال کو اسلام نے غیر معصوم قرار دیا ہے، ان کو بجاے غیر معصوم ہونے کے معصوم یقین کرے، شمس الائمہ سرخسی شرح سیر کبیر مین لکھتے ہین :-

ان اموالھم لا تصیر معصومۃ امن کا معاہدہ کر کے غیر اسلامی قلمرو مین

بدخو لہا لیھو یا مان،	جو مسلمان داخل ہوتا ہے، تو امن کے اس
(جلد ۳ صفحہ ۱۰۸)	معاہدے کی وجہ سے (غیر مسلم اقوام کے اموال
	کے غیر معصوم ہونے کا جو قانون ہے وہ بدل
	نہین جاتا) یعنی معصوم نہین بن جاتا ہے،

اور یہ ہے بھی کھلی ہوئی بات کہ پابندی تو اس پر لازم ہو گی ان ہی باتون کی جن کا اس نے معاہدہ کیا ہے یعنی وہی بات کہ لین دین مین اس ملک کے نافذہ قوانین و آئین کی پابندی کرنے کا، جو طریقہ اس ملک کے دستور مین غیر آئینی قرار دیا گیا ہو، اس سے احتراز اپنے اس معاہدہ کی بنیاد پر اس پر مذہبًا واجب ہے لیکن یہ بات کہ جن اموال کو خدا نے غیر معصوم قرار دیا ہے، قرآن مین جن کی ذمہ داریون سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بَرأت کا اعلان کیا گیا ہے، ان ہی کے متعلق خواہ مخواہ آخر وہ یہ کیون باور کرلے کہ وہ معصوم ہو گئے، اس بات کا جب اس نے معاہدہ ہی نہین کیا ہے، تو اس کی پابندی بھی اس پر کیون لازم ہو گی،

بہرحال کچھ بھی ہو آپ دیکھ رہے ہین کہ فقہائے اسلام کے نزدیک امن کا یہ معاہدہ اس مسلمان کے لئے یہ ضروری نہین ٹھہراتا کہ غیر معصوم اموال کو وہ بلا وجہ معصوم یقین کرنے لگے،

اب ان امور کے طے ہونے کے بعد یہ سوال ہوتا ہے، کہ اس غیر اسلامی حکومت کے قوانین نافذہ کی پابندی جیسے اس پر لازم ہے، خواہ اسلام ان قوانین کا اسے پابند بناتا ہو یا نہ بناتا ہو اسی طرح اگر کوئی ایسی صورت پیش آجائے، جو اس کے برعکس ہو یعنی لین دین کا مثلاً ایک طریقہ اسلام مین ناجائز ہے، مگر اس غیر اسلامی حکومت کے قوانین کی رو سے لین دین کا وہی طریقہ جائز قرار دیا گیا ہو، اس ملک کے باشندے باہم رضامندی کے ساتھ اموال کا تبادلہ اس ذریعہ سے کرتے ہون، اور حکومت بھی ان ذرائع سے اپنے ملک کے آبادکارون کو دیتی دلاتی ہو،

اب لین دین کے انہی طریقون سے جو اس ملک کے قانون کے رو سے تو جائز طریقے ہین لیکن اسلامی آئین کے رو سے ناجائز ہین ان ہی مین سے کسی ایک طریقہ سے غیر معصوم مال اسی مسلمان کے ہاتھ لگتا ہے مثلاً شراب کے معاوضہ مین اسی ملک کے کسی غیر مسلم باشندے کے دس روپے اس مسلمان کے قبضہ مین آجاتے ہین، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی آئین کے رو سے اس روپیے کے متعلق کیا فتویٰ دیا جائے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ معاملہ شراب فروشی کا جو اس مسلمان نے کیا چونکہ اسلامی قانون کے رو سے ایک ناجائز معاملہ ہے، یعنی کسی

مسلمان کے لئے اس معاملہ کا کرنا جائز نہین ہے، اور اگر کوئی کرے گا تو معاملہ فاسد اور غلط قرار دیا جائے گا، اس لئے بذات خود تو یہ معاملہ یقیناً فاسد اور غلط ہو گیا، کیونکہ اس کا کرنے والا مسلمان ہے، اور مسلمان خواہ کہین ہو کسی ملک مین ہو اپنے مذہب کے احکام کی پابندی ہر حال مین اس کے لئے ضروری ہے، سیر کبیر مین امام محمد اپنے اور اپنے استاد امام ابو حنیفہ کا مذہب ہر جگہ یہی نقل کرتے چلے گئے ہین کہ

المعاملۃ فی دار الحرب و دار	مسلمانون کے لئے معاملہ کی نوعیت دار الاسلام
الاسلام سواء فی حق المسلم	اور دار الحرب (یعنی اسلامی و غیر اسلامی قطر دونون مین) برابر ہے،
(جلد ۴ صفحہ ۱۳)	

اور شمس الائمہ سرخسی اسی کے بعد بطور تشریح کے لکھتے ہین، کہ

لانہ مستلزم حکم الاسلام	کیونکہ اسلامی احکام و قوانین کی پابندی
حیث ما یکون،	کا ذمہ دار مسلمان ہر جگہ ہے جہان کہین
(جلد ۴ - ص ۱۳)	بھی وہ ہو،

پس کوئی شبہہ نہین کہ مسلمانون کا کیا ہوا، یہ معاملہ بذاتِ خود تو ختم ہو گیا لیکن سوال اس روپیہ کے متعلق ہے جو اس مسلمان کے ہاتھ مین پہونچ گیا ہے، ظاہر ہے کہ معاملہ اگرچہ بذاتِ خود ختم ہو گیا، لیکن یہ بات کہ شراب لے کر دینے والے نے اس کو جو روپیہ دیا ہے، وہ اپنی رضامندی سے دیا ہے، کیا یہ بھی ایک واقعہ نہین ہے؟ یقیناً اس کی مثال وہی ہے جس کا ذکر تمہیدی مقدمات مین مین نے کیا تھا، کہ شراب بیچنے والے مسلمان کے معاملہ کو حکومت باطل بھی قرار دے لیکن اسی مسلمان پر یہ الزام اگر قائم کیا جائے، کہ شراب بیچنے پر وہ راضی ہو گیا تھا، تو اس واقعہ کا انکار اس وجہ سے وہ قطعاً نہین کر سکتا، کہ اس کے معاملہ کو تو حکومت نے فسخ کرا دیا، کیونکہ معاملہ لاکھ فسخ ہوا ہو، مگر معاملہ تو اس نے اپنی رضامندی سے کیا تھا، اسی طرح جب غیر اسلامی ملک مین شراب لے کر روپیہ کا لین دین ایک عام قانونی فعل تھا، تو دینے والے نے اس مسلمان کو یہ روپیہ یقیناً اپنی رضامندی سے دیا ہے، اپنی حکومت کی رضامندی سے دیا ہے، اور اس مسلمان نے روپیہ لینے کی حد تک قطعاً نہ اس غیر مسلم کو دھوکہ دیا ہے، نہ اس نے فریب کیا ہے، اور نہ اس غیر اسلامی حکومت کے کسی قانون کو توڑ کر عہد شکنی اور غدر کا مجرم ہوا ہے، ایک بات تو یہ ہوئی، اور دوسری طرف وہ روپیہ ایک غیر معصوم مال ہے تو واقعہ کی صورت اب یہ ہوئی، کہ حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کئے بغیر دینے والے کی رضامندی سے ایک غیر معصوم مال

اس مسلمان کے قبضہ مین آیا ہے، اور اب یہی سوال کی حقیقی صورت ہے بتایا جائے کہ اس مال کے مالک ہونے اور اس مین تصرف کرنے سے اب اس مسلمان کو کونسی چیز روک سکتی ہے، اور وہی چیز ہین روکنے والی ہوسکتی ہین، مال کا معصوم ہونا، سو وہ بھی نہین ہی، معاہدہ کی خلاف ورزی یعنی غدر کے جرم کا ارتکاب، آپ دیکھ رہے ہین کہ یہان اس کا بھی کوئی شائبہ نہین ہے پس یہی امام ابوحنیفہ کا فتوی ہے، کہ ایسی صورت مین اس مسلمان کو اس مال کے نہ مالک قرار دینے کی کوئی وجہ نہین ہوسکتی ہی، بلکہ ایک مباح مال پر بغیر کسی فریب اور غدر کے چونکہ اس کا قبضہ ہوگیا ہے، اور اس قسم کا قبضہ مسلمان کو مال مباح کا چونکہ مالک بنا دیتا ہے، اس لئے وہ اس کا مالک ہوگیا اور جیسا کہ ابن ہمام نے لکھا تھا،

فکان ھذا اکتسابا مباحا من المباحات کالاحتطاب و الاصطیاد،	پس مباح اور جائز اموال مین سے ایک مباح اور جائز مال کا یہ کمانا اور حاصل کرنا ہوگا، تو اس کی مثال ایسی ہوگی کہ لکڑہارے نے (جنگل) کی لکڑی کاٹی (اور اس کا مالک ہوگیا) یا شکار کا مالک شکاری شکار کرنے کی وجہ سے ہوجاتا ہے،

اس لئے وہی بات صادق آئی، جو اموال غیر معصومہ کے قبضہ کے متعلق امام محمد کے حوالہ سے گذر چکی ہے، کہ

فالماخوذ لمن اخذہ ولا خمس فیہ، (جلد ۳ صفحہ)	پس جو مال اس راہ سے حاصل کیا گیا، وہ اسی کا ہوگا، جس نے اسے حاصل کیا، اور اس مین (حکومت کا) خمس (پانچوان حصہ) نہ ہوگا،

اور جس طرح شراب کے اس قسم کا یہ حال ہے، یہی کیفیت لین دین کے ان تمام طریقون کی ہوگی، جو اسلامی قانون کے رو سے تو ناجائز ہین، لیکن جس حکومت سے ان کا معاہدہ کرکے وہ مسلمان اس کے قلمرو مین مقیم ہو اس کے آئین مین ان معاملات کو لین دین کا جائز ذریعہ قرار دیا گیا ہے، شمس الائمہ سرخسی شرح سیر کبیر مین یہ ارقام فرمانے کے بعد

باعھم میتۃ او اخذ مالھم	ان غیر مسلم لوگون کے ہاتھ (اسی غیر اسلامی

بطریق القمار فذلك كله طيّبٌ لَهٗ،

علاقہ مین اگر وہ مستامن مسلمان) مردار کو فروخت کرے، یا جوے کے ذریعہ سے ان کا مال لے، تو یہ سب اس کے لئے طیب ہے

لکھتے ہین کہ

هٰذا كُلّه قول ابی حنيفة و محمّد رضی الله تعالیٰ عنهما (جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۹)

یہ سارے فتوے امام ابوحنیفہ، اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہین،

اور یہ تو خیر بھی جزئیات ہین، کلیہ اصلی یہ ہے کہ

اذا دَخَلَ المُسْلِم دار الحرب بامانٍ فلا باسَ بان يأخُذ منهم اموالهم بطيب نفسهم باىّ وجه كان،

امن کا معاہدہ کرکے، غیر اسلامی قلمرو مین مسلمان جب داخل ہوا تو اس مین کچھ حرج نہین، ہے کہ (اس غیر اسلامی علاقے کے غیر مسلم باشندون) کے اموال کو ان کی رضامندی سے لے، خواہ یہ لینا کسی طریقہ سے ہو،

اور اسی بات کو جسے مین تفصیل سے بیان کر آیا ہون وہ ان الفاظ مین ادا کرتے ہین، کہ

لانّ اموالهم لا تصير معصومة بدخوله اليهم بامان ولكنّه ضمن بعقد الامان ان لا يخونهم فعليه التحرز من الخيانة، (جلد ۳ صفحہ ۱۰۷)

کیونکہ اس غیر اسلامی علاقے مین امن کا معاہدہ کرکے مسلمان کا ہونا اس کی وجہ سے (ان غیر مسلم اقوام) کا مال معصوم نہین ہوجاتا، البتہ امن کے معاہدہ نے اس مسلمان کو اس بات کا پابند بنا دیا ہے، ان لوگون کے ساتھ خیانت اور بددیانتی نہ کرے، اس لئے ضرور ہے کہ وہ خیانت اور بددیانتی سے پرہیز کرے،

بہرحال یہان سمجھ لینے کی کل اتنی سی بات ہے، کہ اس مسلمان کو مالک جو اس غیر معصوم مال کا قبضہ کے بعد قرار دیا جاتا ہے، تو اس کی وجہ یہ نہین ہے کہ اس معاہد کو العیاذ باللہ اس کے مالک ہونے مین کسی

حیثیت سے بھی کچھ بھی دخل ہے، گذر چکا کہ اس راہ سے تو ایک پیسہ بھی لینا مسلمان کے لئے حرام ہے خواہ وہ کسی علاقہ مین ہو، اسلامی مین ہو یا غیر اسلامی مین، بلکہ اسی لئے کہ اس معاملہ کے کرنے مین چونکہ مسلمان بھی شریک ہے، اسی وقت وہ معاملہ فاسد اور غلط ہو کر رہ جائے گا لیکن باوجود غلط اور فاسد ہو جانے کے اس واقعہ کی دلیل ہونے سے اس معاملہ کے متعلق کیسے انکار کیا جا سکتا ہے، کہ دینے والے نے مسلمان کو اپنا مال بغیر فریب اور دھوکہ کے قطعًا اپنی رضامندی سے دیا ہے، ایسے ذریعہ سے دیا ہے کہ بجائے مسلمان کے کوئی غیر مسلم اگر ہوتا، تو یقینًا اوس سے اس مال کو واپس لینے کا کوئی حق اس کو اس لئے نہین ہو سکتا تھا کہ اپنی رضامندی سے اس نے دیا ہے، اور واپس لینا بھی چاہے تو حکومت بزور اس واپسی سے اس کو روکے گی، پس رضامندی کے واقعہ کے ثبوت کے سوا بذاتِ خود یہ معاملہ کالعدم ہو جاتا ہے، اور مسلمان اس مال کا مالک اس معاملہ کی وجہ سے نہین بلکہ اس بنیاد پر اس کو قرار دیا جاتا ہے کہ غیر معصوم مال کے قبضہ نے اس مال کا مسلمان کو مالک بنا دیا ہے، امام محمد فرماتے ہین،

حیثُ اخذ المال فانّما اخذ	مسلمان نے اس مال کو جس وقت لیا
المُباح علی وجہ مَنعہ مِنَ	تو اس طور پر لیا کہ ایک مباح اور جائز مال
الغدرِ فیکونَ ذٰلک طیبًا	کو وہ اس طرح لے رہا ہے کہ عہد شکنی کے
لَہٗ	وہ منافی نہین ہے، پس ایسا مال اس
(ج ۳ صفحہ ۱۰۹)	مسلمان کے لئے طیب اور پاک ہو گیا،

اسی مفہوم کو مبسوط مین شمس الائمہ نے ان الفاظ مین ادا کیا ہے،

یتملک المال بالاخذ لا بھذہ	مال کا مالک قبضہ کی وجہ سے ہوا نہ کہ ان
الاسباب،	معاملات کی وجہ سے،

علامہ کاشانی نے اور مختصر فقرہ اسی کی تعبیر مین یہ لکھا ہے، کہ

یثبت الملک بالاخذ لا	ملک قبضہ کی وجہ سے ثابت ہوئی، نہ
بالعقد،	کہ معاملہ کی وجہ سے،

اب فرض کیجئے کہ کوئی غیر اسلامی حکومت ایسی ہے جس کے قانون مین بذریعہ ربوا یعنی سود رعایا کا مالی لین دین ناجائز ہے، اور اسی ملک مین امن کا معاہدہ کر کے مسلمان داخل ہوا تو ظاہر ہے کہ ربوا کے ذریعہ

سے کسی غیر معصوم مال پر قبضہ کرنے کا موقعہ اس کو اگر مل جائے، تو اس کا وہ قطعاً مالک نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ اس معاہدہ کی خلاف ورزی ہے، جو اس غیر اسلامی حکومت سے اس نے کیا ہے لیکن یہ صورت اگر نہ ہو بلکہ جیسے شراب فروشی وغیرہ کے معاملات اس غیر اسلامی حکومت میں لین دین کے جائز ذرائع تھے، اسی طرح سود (ربوا) بھی اس ملک کے قانون میں اگر لین دین کا جائز ذریعہ ہو اس ذریعہ سے جو روپیہ لوگوں کے ذمہ واجب ہوتا ہو دعوی کرنے پر حکومت اس کے دلانے کی ذمہ دار ہو، تو سوال ہے کہ کسی غیر معصوم مال پر اس مسلمان کا قبضہ شراب والی نہیں، اسی ربوا والی صورت کے ساتھ ہو جائے، تو ظاہر ہے جو جواب معاملات کی ان صورتوں میں دیا گیا تھا جن میں معاملہ بجائے خود غلط اور فاسد ہو کر ختم ہو جاتا تھا لیکن دینے والے کی رضامندی کی دلیل بن کر ختم ہوتا تھا، کیا ربوا میں بھی بجنسہ یہی ساری باتیں نہیں پائی جاتی ہیں، چونکہ ربوا کے اس معاملہ کا کرنے والا ایک طرف مسلمان ہے، اور مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں، اس فعل کے کرنے کے مذہبًا مجاز نہیں ہیں، اس لئے اسلامی آئین کے رو سے یہ معاملہ یقینًا کالعدم ہو کر ختم ہو گیا، لیکن اس کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ دینے والے نے بجائے دس کے شلًا اس مسلمان کو چوبیس روپے جو دیئے ہیں، یقینًا اپنی رضامندی، اپنی حکومت کی رضامندی سے دیئے ہیں، پھر جن بنیادوں پر مذکورۂ بالا صورتوں میں کوئی چارہ اس کے سوا اسلامی اصول و قواعد کی بنا پر نہ تھا، کہ ان غیر معصومہ اموال کا اس مسلمان کو مالک قبضہ کر لینے کے وجہ سے قرار دیا جائے تو بتایا جائے کہ ربوا والی اس شکل میں آپ مال کے ایک جائز آئینی مالک کے مالک ہونے سے کیسے انکار کر سکتے ہیں، کس بنیاد پر کر سکتے ہیں،

بلاشبہہ اسلام میں سود حرام ہے، لیکن سود کی تعریف جیسا کہ ملک العلماء کاشانی نے لکھا ہے

الرّبا اسم لفضل یستفاد بالعقد،	ربوا (سود) اس زیادتی کا نام ہے جسے عقد اور معاملہ کے ذریعہ سے حاصل کیا جائے،

اور یہاں معاملہ جب سرے سے باطل ہو کر ختم ہی ہو گیا تو کسی مال کے مالک بنانے کا ذریعہ بھلا وہ کیا ہو سکتا ہے، البتہ یہ باطل ہونے والا معاملہ اس واقعہ کی قطعًا دلیل ہے، کہ دس کے معاوضہ میں بیس روپیہ دینے والے نے اس مسلمان کو جو دیئے ہیں، وہ اپنی اور اپنی حکومت کے قانون کی رضامندی سے دیئے ہیں، پھر کیا کسی واقعہ کو واقعہ ہی یقین کرنا یا جو چیز اس واقعہ پر دلالت کر رہی ہو اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اس

واقعہ پر وہ دلالت کر رہی ہے، یہ کوئی ناجائز بات ہے، خلاصہ یہ کہ اس مقبوضہ کا مالک اس مسلمان کو نہ قرار دیا جائے، اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، اور جو چیز ایک مسلمان کی ملک ہو چکی ہے، بتایا جائے کہ آخر کس دلیل سے اس بیچارے مسلمان کو اپنی جائز ملوکہ شئے کی ملک سے محروم کیا جائے، جو لوگ محروم کرنا چاہتے ہیں، ان کو چاہئے کہ اس کو محروم قرار دینے پر دلیل پیش کریں، اور یہی تفصیل ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوی کی جو سیر کبیر اور اس کی شرح میں بایں الفاظ یا اسی کے قریب قریب دوسرے الفاظ میں پایا جاتا ہے، مثلاً کبھی کہا جاتا ہے کہ

انّ الربا لا یجری بین المسلم و الحربی فی دار الحرب،	تفاضل (سود) مسلمان اور حربی کے درمیان جاری نہیں ہوتا، غیر اسلامی حکومت کے قلمرو میں (یعنی دار الحرب میں)
(شرح سیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۲۱)	

یا اسی کی تعبیر دوسرے الفاظ میں یوں کی گئی ہے، اسی سیر کبیر کی شرح میں ہے،

لو باعھم درھما بدرھمین او باعھم میتۃ بدراھم او اخذ مالا منھم بطریق القمار فذلک کلہ طیب لہ،	اگر وہی مستامن مسلمان ان لوگوں کے ساتھ (یعنی غیر اسلامی حکومت کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ) یہ معاملہ کرے کہ ایک درہم کو دو درہم کے بدلے بیچے (یعنی سود لے) یا مردار فروخت کر کے دراہم لے، یا ان سے مال جوے کی راہ سے لے، تو یہ سارے اموال اس کے لئے طیب ہیں
(صفحہ ۱۰۹)	

تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے، کہ جس مال کا مالک ان صورتوں میں اس مسلمان کو قرار دیا جا رہا ہے، اور اس ملوکہ مال کے استعمال کو اس کے لئے طیب و پاک ٹھیرایا جا رہا ہے، کہ مثلاً وہ سود اور سود کی آمدنی تھی، اور باوجود سود اور سود کی آمدنی ہونے کے پھر بھی اس کو اس مسلمان کے لئے حلال ہونے کا فتوی (العیاذ باللہ) دیا جا رہا ہے، بلکہ بات وہی ہے کہ مسلم و حربی کے درمیان ایسی صورت میں معاملہ ہوا ہی نہیں، اور جس مال کا قبضہ کرنے کے بعد وہ مالک ہوا ہے، سرے سے سود ہی نہیں ہے، عام فقہاء کے الفاظ

لا ربوا بین المسلم و الحربی فی	مسلم اور حربی کے درمیان ربوا نہیں

دار الحرب، ہوتا دار الحرب مین،

جس کے متعلق یہ بھی دعوی کیا جاتا ہے کہ مکحول کی حدیث کے یہ الفاظ ہین، وہ حدیث ہے یا نہین اس کی بحث تو آگے آئے گی، سر دست مجھے یہ کہنا ہے کہ اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ سرے سے وہ ربوا ہی نہین ہے، جیسے اسی سے پہلے متون مین یہ الفاظ پائے جاتے ہین،

لا ربوا بین العبد والمولی، نہین ربوا ہے آقا اور غلام کے درمیان،

یعنی عبد و غلام کا مال چونکہ غلام کا نہین، بلکہ مولی (آقا) ہی کا مال ہوتا ہے، تو ظاہر ہے کہ خود اپنا مال مالک کے لئے سود کیسے ہو سکتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے، کہ چند مدون مین تقسیم کر کے جو اپنی آمدنی جمع کرتا ہو، اور ضرورت کے وقت ایک مد سے دس روپیہ لے کر خرچ کرے، اور دوسری مد سے بجائے دس کے اس مین بیس روپیہ جمع کر دے، تو کیا یہ سود ہوگا ؟

بہرحال یہ ہے اس مسئلہ کی تفصیل جسے لوگون نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف باین الفاظ منسوب کر دیا ہے، کہ وہ دار الحرب مین حربی سے سود لینے کو جائز سمجھتے ہین، پھر اصل حقیقت سے جو ناواقف ہین، وہ اپنے قلوب مین امام صاحب کی طرف سے طرح طرح کی بدگمانیان پیدا کرتے ہین ان کو غلط فہمی ہوگئی ہے، کہ باوجود ربوا ماننے کے امام ابو حنیفہ ربوا کی اس خاص صورت کو حرمت کے حکم سے مستثنی کرتے ہین، لیکن آپ دیکھ رہے ہین، کہ امام پر یہ کتنا بڑا بہتان ہے، واقعہ کی جو صورت خود حنفی مذہب کی مستند کتابون کے حوالہ سے آپ کی خدمت مین پیش کی گئی، کیا اس کے پڑھ لینے کے بعد جو خاکسار نے دعوی کیا تھا، کہ امام صاحب جس چیز کے حلال و طیب ہونے کا فتوی دے رہے ہین، اس کے حلال و طیب ہونے کے دلائل کے پیش کرنے سے پہلے میرا تو ان ہی لوگون سے سوال ہے کہ اس کی حرمت اور عدم جواز کی اگر کوئی دلیل رکھتے ہین، تو اسے سامنے لائین، کیا بیجا دعوی تھا ؟ اور اب بھی مین اپنے اس دعوی پر قائم ہون، کہ امام جس چیز کو حلال قرار دے رہے ہین، اس کے حرام تو حرام، مکروہ، بلکہ خلاف اولی یا مقتضائے احتیاط کے خلاف ہونے کی بھی کوئی دلیل کسی حیثیت سے بھی پیش نہین کر سکتا، اسی لئے آپ دیکھ رہے ہین کہ حلال ہی نہین، امام رحمۃ اللہ علیہ اس کو طیب کہنے سے بھی نہین جھجک رہے ہین، اور جھجکنے کی کوئی وجہ بھی تو نہین ہے، جو کچھ اب تک کہا جا چکا ہے، اگر اسی پر قناعت کر لی جائے اور مزید تائید مین کوئی دوسری چیز نہ پیش کی جائے، جیسا کہ ابن ہمام نے مکحول والی روایت پر

بحث کرتے ہوئے لکھا ہے،

وفی التحقیق انه لو لم یرد خبر مکحول اجاز لا النظر المذکور اعنی کونه مالا مباحا الا لعارض لزوال الغدر

تحقیقی بات یہ ہے کہ اگر سرے سے مکحول والی روایت نہ بھی نقل ہوتی، جب بھی مذکور بالا بحث کا اقتضا بھی یہی ہے، (یعنی اس قسم کا مال سود نہیں ہے، مذکورہ بالا بحث سے میری مراد وہی ہے (یعنی اس مال کا مال مباح ہونا جو کسی عارضی وجہ سے یعنی عہد شکنی و غدر کی وجہ سے مباح باقی نہیں رہتا،

جس کا مطلب وہی ہے کہ غیر معصوم اور مباح ہونے کی وجہ سے اس قسم کا مال مسلمانوں کے لئے بجائے خود حلال ہے، ہاں معاہدے کی وجہ سے رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے، لیکن جہاں معاہدے کی خلاف ورزی بھی لازم نہیں آرہی ہو، تو اب اس کے نہ حلال ہونے کی وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے، بلکہ جہاں تک میں غور کرتا ہوں اگر ادب مانع نہ آتا، تو کہا جا سکتا ہے، کہ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کرنے والوں کے پاس قیاس اختلاف کے سوا اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے ان کے اختلافی خیال کی تائید ہو سکتی ہے، میں قطعاً یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ جس مال کا مالک اس مسلمان کو حضرت ابو حنیفہ قرار دے رہے ہیں، اسی مال کے ناجائز یا اس مسلمان پر اس کے حرام ہونے کی دلیل آخر اختلاف کرنے والے حضرات کیا پیش کر سکتے ہیں، میرے نزدیک تو ان کی تائید نہ کسی قرآنی آیت سے ہوتی ہے، نہ کسی حدیث سے نہ کسی صحابی کے اثر سے، حتیٰ کہ کوئی قیاسی بات بھی تو ایسی نظر نہیں آتی، جس کی بنیاد پر اس مسلمان کو اپنی ایک مملوکہ چیز سے محروم کرنے کا فتویٰ دیا جا سکتا ہو، (باقی)

اشتراکیت اور اسلام

از مولوی مسعود عالم ندوی

جس میں اسلام اور اشتراکیت کے تعلیمات کا تقابلی مطالعہ اور اشتراکیت کے خلاف فطرت معاشی اصولوں کی علمی و فنی تنقید کی گئی ہے نیز اس کے مابعد الطبعی نظریوں پر ایک ناقدانہ نظر بھی ڈالی گئی ہے حجم ۱۸۰ صفحے قیمت عہ "منیجر"

عزیز لکھنوی کے قصائد

از

جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے ایل ایل بی علیگ لکچرار ایڈورڈ کالج امراوتی برار

مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ عزیز لکھنوی کی شاعری پر لکھنے سے پہلے ان کی زندگی کے کچھ حالات بھی بیان کردیئے جائیں، ان کا نام محمد ہادی، اور تخلص عزیز آبا و اجداد کا مسکن کشمیر تھا، لیکن اب کئی پشتوں سے لکھنؤ میں متوطن تھے، ۱۲۹۰ھ / ۱۸۸۰ء میں عزیز پیدا ہوئے، اور بچپن ہی سے عربی و فارسی علوم رسمیہ کا اکتساب کرنے لگے، اور خصوصاً مولوی شیخ قدا حسین اور آغا حاذق سے زیادہ استفادہ کیا، شاعری کا ذوق پیدا ہوا تو مختلف باکمال اساتذۂ لکھنؤ سے مستفیض ہوئے، یہاں تک کہ ۱۹، ۲۰ برس کی عمر سے اپنی فکر صائب، ذوق سلیم، جدت طرازی اور ذہانت کی وجہ سے بڑے خوش گو شاعر سمجھے جانے لگے، مولانا ابوالکلام آزاد، شرر، اور مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہ ان کی داخلی شاعری کے مداح ہیں اور اکبر الہ آبادی نے کہا ہے :-

سخن میں اور تو اہل تمیز ہی ہیں فقط
شہید جلوۂ معنی عزیز ہی ہیں فقط[1]

ان کی غزلیں جو دلوی رنگ اور لکھنوی زبان میں ہیں، ایک زمانہ ہوا، گلدستہ کے نام سے شائع ہو چکی ہیں، اور ان کی مدحیات یعنی صحیفۂ ولا کی اشاعت غالباً ۱۹۳۱ء میں ہوئی، اس کے چار سال بعد یعنی ۱۹۳۵ء میں دنیا سے رخصت ہو گئے، ہم کو یہاں محض ان کی مدحیات پر کچھ کہنا ہے :-

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے یہاں اب قصیدہ گوئی کا رواج بہت کم ہو گیا ہے، کچھ تو اس وجہ سے کہ اب وہ دربار یا ویسے لوگ نہیں رہے جہاں اس کی قدر کی جاتی، اور کچھ اس بنا پر کہ قصیدہ دن کی طوالت، اظہار قابلیت، تصنع اور تکلف کا زمانہ بھی نہیں، رہا، خود شعراء ہی اب

---

[1] منتخب کلام براے جماعت بی اے، (علی گڈھ) کے ص ۵۳ - ۵۵ سے یہاں تک اخذ کیا گیا،

بہت کم ایسے ملیں گے جو اعلیٰ قابلیت سے بہرہ ور ہوں آج مغربی روشنی بنا پر ہماری ہر چیز کو مغربی کسوٹی پر پرکھا جا رہا ہے لیکن خود مغربی استادوں میں ایک بھی ایسا نہ ملے گا جو اس قسم کی شاعری کو سمجھ سکے وہ قصیدہ کو خوشامد اور دروغ سمجھتے ہیں وہ کیا جانیں کہ کس ماحول کی وجہ سے یہ باتیں اس صنف میں داخل ہوئیں اسی لئے بڑوں جیسے فاضل نے جو مولانا شبلی کے صحیح ادبی ذوق کے اعتراف کے ساتھ اپنے ذوق کی کمی کا ہمیشہ معترف ہا نظامی اور جامی کا موازنہ خود نہیں لکھا بلکہ ایک ادبی ادیب نیاز اللہ بہرؔ سے لکھوایا، بات دراصل یہ ہے کہ ہماری فارسی یا اردو شاعری کا مطالعہ بغیر تاریخی اور سیاسی حالات کے معلوم ہوئے مشکل ہے، علامہ شبلی نے اپنی اعلیٰ تاریخ دانی کی وجہ سے شعر العجم میں بڑی پتے کی باتیں کہی ہیں، جو قصیدہ گوئی کے لئے خصوصاً بہت صحیح ہیں، اُن کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ سلاطین کی ناہموار طرز حکومت کی وجہ سے شعرا مجبور تھے کہ بادشاہ اگر دن کو رات کہے، تو تم کہو کہ واقعی تارے نظر آرہے ہیں، مثلاً بنو امیہ کی ظالمانہ حکومت نے آزادی و حریت کے جذبہ کو بالکل پامال کر دیا تھا، اور مذہبی لوگوں کو رشوتیں ملیں، تو انھوں نے قضا و قدر کا مسئلہ پھیلایا گو کہ معتزلہ نے اس کی مخالفت کی، لیکن بعد میں شاعر کی وجہ سے بادشاہ کی عزت، خدا کی عزت سمجھی گئی، اور اُس کی توہین کو خدا کی توہین، کہا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اخلاقی شاعری تک میں احسان، تواضع حلم، عفو، سخاوت، توبہ وغیرہ کے متعلق سیکڑوں اشعار نظر آنے لگے لیکن دلیری اور آزادی کے مضامین خال خال رہے، بلکہ ناپید ہی ہو گئے، سلاطین کی اس ناہموار حکومت کے بعد پھر خود اُن کی ناپائداری کا دور آیا، آج ایک بادشاہ تخت پر ہے اور کل تختہ پر نظر آرہا ہے، ایک شخص سر پر لکڑی کا بوجھ لئے پھرتا ہے، اور کل مالک تخت و تاج ہو جاتا ہے چنانچہ دنیا کی اسی بے وفائی اور بے ثباتی نے متصوفین کی جماعت کو بڑھایا، اور قناعت اور توکل کے مضامین کو مدارج ارتقا تک پہنچایا،

غرض کہ ایسے تاریخی ماحول پر نظر رکھتے ہوئے، ہمارے شعرا کا کلام دیکھا جائے گا، تو قصیدہ نگاروں کی دروغگوئی خوشامد اور تذلیل نفس کی باتیں بڑی حد تک حق بجانب سمجھی جائیں گی، خود اس زمانہ کے حالات پر نظر غائر ڈالئے کہ ہمارے یہاں کا بڑے سے بڑا شاعر آج کل ناچ گانے اور سنیما کو (اپنے ذوق کے پست ہو جانے کے اندیشہ کے باوجود) ہم خرما و ہم ثواب سمجھے ہوئے ہے،

اس طویل مقدمہ کی ضرورت اس لئے ہوئی، کہ آپ کو معلوم ہو سکے کہ قصیدے میں بے جا طوالت تکلف اور تصنع کا دخل کیونکر ہوا، اور یہ اجزا ترکیبی کس طرح اس کے لئے ضروری سمجھے جانے لگے، اور جب اس صنف شاعری نے ایک مستقل صورت اپنے لئے پیدا کر لی، تو بعد کے

شعرانے اگرچہ دینوی ممدوحون کو چھوڑکر نعت اور منقبت بھی لکھی، تو اُسی طریقہ پر لکھی، چنانچہ آپ سودا، لطف، شہیدی محسن، غالب وغیرہ کے یہان جو قصائد دینی ممدوحون کے متعلق پائین گے۔ ان مین کوئی تلوار گھوڑے ہاتھی اور باز وغیرہ کی تعریف لکھ رہا ہے، کوئی بہار، شباب، شراب کے علاوہ علمی مصطلحات و تصنیفات، اوتھرا، بندرابن، سری کرشن اور گوپیون وغیرہ کا بھی ذکر کر رہا ہے، جو بظاہر عجیب و غریب ہے، لیکن قصیدہ کے لئے ضروری سمجھا جاتا ہے۔

بہرحال ایسی قصیدہ نگاری کے لئے شاعر کو کسی دینوی صلے کی تو کیا، کسی واہ واکی پروا بھی نہین ہوتی، وہ رسمًا بھی لکھتا ہے تو عقیدت کا اظہار ہی اس کی داد کے لئے کافی ہے، چنانچہ عزیز کے قصائد سامعین و قارئین کی داد کے لئے نہین، بلکہ لکھنؤ کے کوئی مجتہد ناصر حسین صاحب کی ہمت افزائی پر لکھے گئے ہون گے، وہ اس کے متعلق اشارہ بھی کرتے ہین، جگہ جگہ اُن کے لئے دعائین بھی کرتے ہین، مثلاً:-

دکھادون اب تمھین وہ قطرۂ دریا نما شیوہ — یہ ہین ناصر حسین آئینہ دار علم ربانی
یعنی ناخن تحقیق کھولے جس نے سب عقدے — امور شرع مین مشکل کشائی کی بآسانی
مدد اُس کی نہ کیونکر رکشن خون شہیدان ہو — نظر آتے ہین جس مین جلوۂ اسرار ربانی
دل کعبہ ہوا جس طرح وجہ اللہ سے روشن — کیا ہے قلب ایمان آپنے اس طرح نورانی
مجھے جرأت ملی ہر آپ ہی کی داد سے ورنہ — کہان اک چاکر قنبر کہان شہ کی ثناخوانی

اور آخر مین اس طرح دعا دی ہے،

صلے مین اس قصیدہ کے بجز اس کے نہین خواہش — ہمارے حجۃ الاسلام کی ہو عمر طولانی

اسی طرح صحیفۂ دلا کے صفحات ۲۸، ۱۰۸، ۱۴۶، ۱۹۰ پر بھی اُن کی مدح ہے، یا اُن کے لئے دعا ہے اور یہ قصیدے انھون نے جیسا کہ صفحات ۲۳۱-۲۸۳ سے معلوم ہوتا ہے، قریب ۱۳۱۵ھ کے پہلے ہی شروع کر دیئے ہون گے، اور کم از کم ۱۳۴۵ھ تک ضرور کہے ہون گے، اس کی مدت انھون نے مقدمہ مین بتائی بھی ہے، کہ

ازل سے ہے مجھے شوق غلامی — مری گردن مین ہے طوق غلامی
تعلق میرا اصحاب کسا سے — تمسک دامن آل عبا سے
دل افسردہ گو بیت الحزن ہو — رگون مین دور صہبائے سخن ہو

ٹپک ہے کب سے دل کے آبلے مین کٹے بینتیس سال اس شغلے مین

اب ہم ان کی قصیدہ گوئی کی طرف آتے ہین، اور پہلے اُن کی خارجی خصوصیات کو لیتے ہین،

(۱) ان کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اپنے قصاید کے لئے مختلف شعرا کی زمینین اختیار کرتے ہین، اور اس خصوصیت کے وہ شروع ہی سے پابند نظر آتے ہین، اُن کا گلدستہ اٹھا کر دیکھئے، اکثر مقامات پر میر[1] سے زیادہ غالب کی زمینین نظر آئین گی، مثلاً غالب کہتے ہین :-

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

عزیز اپنی غزل اس طرح شروع کرتے ہین،

سچ کہو دل پر اثر کیا ہوگا ایسے تیر کا توڑ دیتی ہے نگہ جب آئینہ تصویر کا

غالب نے کہا تھا :-

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

یہ زمین داغ اور امیر وغیرہ نے بھی اختیار کی تھی، اور عزیز لکھتے ہین،

غم عشق اگر ملا تھا تو کبھی قرار ہوتا کوئی زور دل پہ ہوتا کوئی اختیار ہوتا

غالب کی غزل تھی،

عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

عزیز نے کہا ہے :-

---

[1] میر کی غزل شروع ہوتی ہے :-

دل عشق کا ہمیشہ حریف نبرد تھا اب جس جگہ کہ داغ ہیاں پہلے درد تھا

عزیز اس طرح شروع کرتے ہین :-

دل مین جو ہین سکون ہوا جسم سرد تھا وہ مدت حیات تھی جب تک کہ درد تھا

آتش کہتے ہین :-

وحشت آگین ہے فضا نہ میری رسوائی کا عاشق زار ہون اک آہوے صحرائی کا

عزیز کی غزل ہے :-

رنگ ہر پھول مین ہو حسن خود آرائی کا چمن دہر ہے محضر تری یکتائی کا

وہ شوقِ قتل و ولولۂ دل نہیں رہا — اب ان کے امتحان کے قابل نہیں رہا

غالب کی ایک غزل تھی :-

درد منت کشِ دوا نہ ہوا — میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

عزیز کی غزل ہے :-

عہد میں تیرے ظلم کیا نہ ہوا — خیر گذری کہ تو خدا نہ ہوا

غالب کا مطلع تھا :-

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی — میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

عزیز کا مطلع ہے :-

اب نہ میری دوا کرے کوئی — ہو سکے تو دعا کرے کوئی

اسی طرح متعدد غزلیں غالب کی تقلید میں نظر آئیں گی، یہاں تک کہ غالب کی غزلوں کی زمینیں عزیز نے اپنے قصائد کے لیے بھی اختیار کی ہیں، مثلاً غالب کی مشہور غزل ہے :-

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں — خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

عزیز کی غزل بھی ہے :-

وہ نگاہیں کیا لہو کیونکر رگِ جاں ہو گئیں — دل میں نشتر بن کے ڈوبیں اور پنہاں ہو گئیں

ان کا قصیدہ بھی اس طرح شروع ہوتا ہے،

جب ہوائیں نشہ افزائے گلستاں ہو گئیں — چشمِ خوباں آبروئے نرگس کی کلیاں ہو گئیں

غالب کی ایک غزل ہے :-

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے — جوشِ قدح سے بزم چراغاں کئے ہوئے

عزیز کا یہ قصیدہ اسی زمین میں ہے :-

جاتا ہوں عزم کوچۂ جاناں کئے ہوئے — دل میں ہزار طرح کے ساماں کئے ہوئے

غالب کی ایک اور مشہور غزل ہے :-

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں — روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

عزیز کا ایک قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے :-

جلوۂ حسن خود نما چھپکے کوئی دکھائے کیوں — چھپ نہ سکے تو پھر کوئی پردے میں منہ چھپائے کیوں

عزیز نے غالب کے علاوہ فارسی شعرا کی زمینیں بھی اختیار کی ہیں، مثلاً نوری نے کہا تھا :-

اے چو عقلِ اوّل از آلایشِ نقصان بری — چون سپہرت بر جہان از بد و فطرت برتری

یا :- اے مسلمانان فغان از دورِ چرخِ چنبری — وز نفاقِ تیر و قصد ماہ و کید مشتری

عزیز کا قصیدہ ہے :-

منتظر کب تک رہیں گے شاکیٔ بد اختری — اے حجاب آرا کہاں تک یہ حجابِ لبری

عرفی کا ایک قصیدہ ہے :-

مرحبا اے شاہدِ ایام را عہدِ شباب — وہ بہین نو بادۂ باغ دعائے مستجاب

عزیز نے لکھا ہے :-

ہوشیار و باخبر اے سرخوشِ عہدِ شباب — تا کجا نظارۂ نیرنگیٔ دورِ خراب

عرفی کا ایک اور قصیدہ ہے :-

جہان بگشتم و در دا بہیچ شہر و دیار — نہ یافتم کہ فروشند بخت در بازار

عزیز کا قصیدہ ہے :-

ہے تا بعرشِ گلستاں کا گوشۂ دستار — کہ سرزمینِ عراقِ عرب سے آئی بہار

قاآنی کا ایک قصیدہ شروع ہوتا ہے :-

بود این نکتہ در حکمت سرائے غیب برہانی — کہ در جانان رسی آنگہ کہ جان از جیب بہانی

اور عزیز نے اس طرح شروع کیا ہے،

نصابِ مکتبِ پیرِ مغاں ہو درسِ عرفانی — رہے گا تا بہ کے سرمستِ حکمتہائے یونانی

یا ایک قصیدہ اس طرح ہے :-

وہ دل مشہور تھا اک وقت میں جو عرشِ حمانی — بتانِ ہیکل الروم اب جہاں کرتے ہیں سلطانی

اس کے علاوہ کہیں عربی شاعر فرزدق کی تقلید ہے کہیں دوسرے فارسی شعرا، مثلاً نظیری، حافظ کا بھی اتباع کیا ہے، اور کہیں اردو کے شعرا میں میر اور حالی وغیرہ کو بھی اپنا رہنما بنا لیا ہے، ایک جگہ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت کے سلسلے میں ان شعرا کو اس طرح یاد کیا ہے :-

فرزدق، جیری، حسان، واعشی و بلبل و سحبان ہر اک سو صف بصف بیٹھے ہوئے تلمیذ رحمانی

کہیں دورِ مئے شیراز سے بیٹھے ہوئے سرخوش جمال الدین عرفی اور حبیب اللہ قاآنی

نمک پروردگانِ ذوقِ معنی کا کہیں جلسہ کہیں پر میر و غالب مست آہنگ شناخوانی

غرض کہ انھوں نے اپنے قصائد کے لئے ایسے بڑے بڑے شعراء کو رہبر بنایا تھا،

(۲) دوسری خارجی خصوصیت ان کے یہاں یہ ہے کہ انھوں نے اپنے لئے نئے نئے موضوعات تلاش کئے ہیں، گو یہ بات کہیں مرثیوں میں بھی موجود تھی لیکن میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے خصوصیت کے ساتھ قصیدے میں عزیز ہی نے یہ نئے نئے موضوعات فراہم کئے، مثلاً حالاتِ بعثت، عروسیِ حضرت فاطمہؑ ولادت حضرت علیؑ تہنیت ولادتِ امام ثانی، طمانیت مظلوم کربلا، عقد امام حسن عسکری، فلسفی امی،

(۳) تیسری خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے محسن کاکوروی کی طرح اپنے قصیدوں کے نئے نئے نام رکھے ہیں، ایک تو "چراغ کعبہ" ہی ہے، دراصل نئے نئے دلکش نام رکھنے میں عزیز کے ہم عصر علامہ اقبال سب پر فوقیت رکھتے ہیں لیکن عزیز نے بھی بہت اچھے نام رکھے ہیں، مثلاً: عطر عروس، شمع حرم، الماس ریزہ، سلک گہر، گل نرجس، نہال طوبیٰ، نرگس شہلا، رحیق ریحانی، سبحۂ مرجان، بادۂ گلرنگ عقیق مذاب، عقد پروین، یاقوتِ احمر، لعل بدخشان، درثمین، موجۂ کوثری، موجۂ تسنیم، آتش پارہ، لالہ زار وغیرہ اور ان استعارات سے بڑے لطیف مطالب نکلتے ہیں، جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں،

یہ خصوصیات تو اُن کے قصائد میں خارجی تھیں، اب داخلی خصوصیات دیکھئے، کیونکہ انہی پر ان کی اصل قصیدہ گوئی کا دار و مدار ہے،

(۱) اس لحاظ سے ان کی پہلی خصوصیت (قصائد میں) تغزل ہے، چونکہ غالب کے خیالات، انداز بیان و زبان اور بیدل کی تقلید انھوں نے غزل میں کی ہے، اور قصائد میں بھی ان کی زمینیں اختیار کی ہیں، اس لئے ان کا تغزل بھی اُن کے یہاں اکثر مقامات پر نمایاں ہے، دیکھئے ایک قصیدے کے یہ اشعار کیونکر غزل سے الگ سمجھے جا سکیں گے،

شوخیاں سکی ہیں ناز اس کے کرشمے اس کے ہیں جس ستمگر کی ادائیں دشمنِ جان ہوگئیں

بڑھکے دل کی حسرتیں سب باعثِ وحشت ہوئیں بستیاں آباد ہو ہو کے بیابان ہوگئیں

اس کی شامِ غم پہ صدقے ہو مری صبحِ حیات جس کے ماتم میں تری زلفیں پریشان ہوگئیں

نوجوانی میں کسی بدمست کی انگڑائیاں باعثِ خمیازۂ چاکِ گریبان ہوگئیں

انتظارِ شوق میں ہوں میں سراپا آرزو — جتنی بوندیں تھیں لہو کی سب ارمان ہوگئیں
جو اشارے دل رہا تھے جان مذہب ہوگئے — جو ادائیں جان ستاں تھیں جزو ایمان ہوگئیں

دیکھئے کتنا دلکش تغزل ہے، کہیں قصیدہ کا شبہہ بھی نہیں ہوتا، ایک جگہ اور دیکھئے :-

اے نشترِ نگاہ مبارک ہو چھیڑ چھاڑ — لیکن ذرا خیالِ رگِ جان کئے ہوئے
خود ڈر گئے ہیں خواب میں زلفوں سے آپ کی — اٹھے ہیں اپنی نیند پریشان کئے ہوئے

ایک جگہ اور اسی تغزل کی مثال دیکھئے،

بگڑنے پر یہ عالم ہے کہ لاکھوں جان تیوری میں — خدا جانے ستم ڈھاؤ گے کیا تم مہربان ہوکر
خبر لو اضطرابِ دل کی گر عادت بگاڑی ہے — رکھا تھا ہاتھ کیوں سینہ پہ آخر مہربان ہوکر
نہ چھیڑ اے نکہتِ زلفِ معنبر شامِ ہجراں ہے — بلائیں آرہی ہیں کاروانِ کارواں ہوکر

اور یہی تغزل جب مترنم بحر میں ہوتا ہے، تو عجیب لطف پیدا کر دیتا ہے، مثلاً

خونِ شہیدان ہوا خاک سے پھر جوش زن — لالۂ نورستہ ہے رشکِ عقیق یمن
صحنِ گلستان تمام لعلِ بدخشاں بنا — چاکِ گریبان ہوا لالۂ خونیں کفن

(۲) دوسری خصوصیت ان کی تشبیب ہے جس میں اکثر بڑی لطافت اور کبھی ندرت اور کبھی تنوع بھی ہے جو ان کی اعلیٰ قابلیت اور ذہانت کا ثبوت ہے لیکن گریز زیادہ اچھا نہیں ہے ہم اختصار کیساتھ چند مثالیں پیش کرتے ہیں

لڑا اے ذرہ ذرہ کیوں نہ آنکھ اہوئے صحرا سے — کہ ابلی پڑتی ہے شوخی کسی نقشِ کفِ پا سے
خیالِ جنبشِ مژگانِ لیلیٰ ہے جو صحرا میں — چلا جاتا نہیں کانٹوں قیسِ برہنہ پا سے
بہار آنے پر جب کوئی کلی کھلتی ہے لالے کی — شکستِ قلبِ مجنوں کی صدا آتی ہے صحرا سے
جمالِ شاہدِ وحدت نے باندھی ہے کمر ایسی — اڑا جاتا ہے دل بن بن کے ہر اک ذرہ صحرا سے
قیامت کی کشش رہتی ہے حسن و عشق میں باہم — اک آفت کا تعلق عشق کو ہے حسن زیبا سے
شبِ معراج کس خلوت میں محبوبِ خدا پہنچے — یہ جذبِ عشق تھا جس نے ملایا حسن یکتا سے

درۃ البیضا نام کا ایک قصیدہ اپنی بہاریہ تمہید کے لحاظ سے عزیز کے بہترین قصیدوں میں شمار ہونے کے لائق ہے، گو کہ اس کا مضمون فرسودہ ہے کہ بہار آئی ہوئی ہے، میکشوں نے لبِ جو اپنے ڈیرے ڈالے ہیں، وغیرہ وغیرہ لیکن آگے چل بڑی لطیف تشبیہات و استعارات کا نگار خانہ سجاتے ہوئے کہتے ہیں کہ

لئے اک ساتگیں اور اک صراحی ہاتھ مین اپنے ہم ایسے لاابالی رند بھی بیٹھے ہوئے اک سو
کہ لائے چند شاعر اک نگار ایشیائی کو کہ جس کی چشم وحشت خیز سے رم خوردہ ہو آہو
مگر ہنستے ہوئے کچھ مغربی شاعر بھی آئے ہین کہ دیکھین حسن سے ہوتا ہی دل کس طرح بے قابو
یکایک اُس ستم پیشہ نے چہرہ سے نقاب الٹی ہوئی وہ بزم عشرت رشک بزم گلشن مینو
نگاہین ہین کہ اک پیمانۂ زہر ہلاہل ہین ہین افعی کاکلین اور عقرب جرارہ ہین ابرو

یہ سلسلہ چلا جاتا ہے، "ستم پیشہ" کے خارجی اوصاف بڑی خوبی سے بتائے جاتے ہین لیکن پھر کہتے ہین کہ

ارے بدمست بازا ایسے تخیلات فاسد سے نہ پھر دیوانہ وار اس وادی الفت مین تو ہر سو
ارے مجنون یہ دریا ہی نہ ہے یان گوہر مقصد چمک کر تجھ کو دھوکا دے رہی ہو نجد کی بالو
پریشان دل کے ذرے کر شب گیسوی دلبر مین نظر آئین گے تجھ کو پھر چمکتے ہر طرف جگنو
مٹا دے جھانیان شیشے کی انفاس حقیقت سے اسی کو دل مین دیکھے گا کہ جس کو ڈھونڈھتا ہو تو
ذرا شمع ولایت لے کے گھوم اس کعبۂ دل مین تو پھر اے بے خبر معلوم ہو گی وسعت مشکو
اگر قوس ہلال عید عرفان دیکھنا چاہے تو دل پر نقش کر لے اس عفیفہ کا خط ابرو

تشبیب بڑی اچھی ہے اور ع

یکایک اُس ستم پیشہ نے چہرہ سے نقاب الٹی

بالکل یکایک ذکر آگیا ہے جو بظاہر برے تکی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ یکایک ہی مین اس کا لطف پوشیدہ ہے، ایسے باکمال شاعر کم ہوتے ہین، اور ایسی ندرت کم پیدا کرتے ہین، ایسے شاندار قصیدے مین گریز پھر بھی اتنا اچھا نہین ہے، جیسا کہ چاہئے اس کے متعلق یہان بحث کرنے کی گنجایش بھی نہین ہے لیکن اگر آپ چاہین تو شمس الدین محمد بن قیس الرازی کی المعجم فی معائیر اشعار العجم مین اس کی بحث ملاحظہ فرمائین،

عزیز کی تشبیب اکثر جگہ بڑی پُر لطف ہے، بہار، شباب، ساقی، شراب کا ذکر اکثر جگہ ہے لیکن چونکہ یہ چیزین فرض رسماً کہی گئی ہین، اس لئے ان مین اتنی لطافت پیدا نہین ہو سکی، جو کہ عرفی یا قاآنی جیسے بہار انگیز شاعر پیدا کر سکتے تھے، تاہم اس مین شک نہین کہ ایرانی بہار کا ذکر جس حسن و خوبی سے عزیز نے کیا ہے اردو مین بہت کم کسی اور شاعر کے یہان نظر آئے گا، کچھ تو اس وجہ سے کہ وہ بلا کے ذہین تھے، اور کچھ

اس بنا پر کہ انھوں نے متعدد اکابر شعرائے فارسی کے قصائد کا بنظر غائر مطالعہ کیا تھا، اس پر مزید یہ کہ انھوں نے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا تخمیناً پینتیس سال قصیدہ نگاری کی تھی، ایسے کہنہ مشق اور ذہین شاعر سے ایسی ہی تمہیدوں اور تشبیبوں کی توقع کی جاسکتی تھی، جو ان قصائد سے متعلق ہیں :-

بہار آتے ہی ان کو ہوگیا ناز خود آرائی — لہو کچھ بڑھ گیا جب نصف دیوانوں نے کھلوائی

کہاں تک کی ہے اس طول شب فرقت نے غمخواری — جواب کاکل شبگوں بنی ہے رات اندھیاری

بہار بر شگال آئی کدھر ہے ساقی مہرو — جگادے آج کی شب تو ذرا چلتا ہوا جادو

عروس شب نے جھلکے ہیں بہ انداز حیا پردہ — نکالی مہر گلدستہ بہر زینت سیکڑہ

کسی قصیدے کی تمہید میں "آثار قیامت (صفحہ ۹۳) بیان کئے گئے ہیں، کہیں "بے ثباتی دنیا" ہے، اور کسی جگہ موسم گرما کی تمازت (ص ۱۶۰) بیان کرتے ہوئے گریز پر آئے ہیں، ایسے مضامین کے ساتھ گریز آسان کام نہیں ہے، اور ہمیں یہ کہنے میں تامل نہیں ہے کہ انھوں نے بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے، گریز کی لطافت کا رواج اس ملک میں بہت کم تو کیا اب ہے بھی نہیں، جب کہ قصیدے ہی نہیں رہے، تو اس کے لوازمات کیونکر رہیں گے ؟ تاہم عزیز نے تقلیدی اور رسمی قصیدہ گوئی میں بے شک کامیابی حاصل کی ہے، لیکن اگر وہ محسن کاکوروی کو پیش نظر رکھتے، تو شاید زیادہ کامیاب ہوتے، کیونکہ محسن کی کامیابی کچھ اس وجہ سے نہیں ہے، کہ انھوں نے فارسی شعراء کی تقلید کی، بلکہ زیادہ تر ہندوستان کے مناظر قدرت کو تشبیب میں استعمال کیا تھا، جس کی تشبیب و گریز ہمیشہ ایک جدت لئے ہوئے تھا، اور پھر مناسب الفاظ کی رعایت، معنی آفرینی اور واقعات کی صداقت نے اُن کے کلام کو چار چاند لگا دیئے تھے،

(۳) تیسری خصوصیت اُن کا حسن تخیل ہے جس کی تشبیہات و استعارات کی ندرت کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کیجا سکتی، ان کا ایک شعر جو اخبار مدینہ کے سرورق پر ہوتا ہے، ضرور قابل ذکر ہے یعنی

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں — مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش میں

دیکھئے تخیل میں کتنی زبردست لطافت ہے ؟

قمر کے شق ہونے کو دوسری جگہ کہتے ہیں :-

قمر جو شق ہوا تھا جنبش انگشت حضرت سے — اُسی کے ڈر سے ہے کاہیدگی کی اس کو بیماری

اب فوارے کے ابلنے کو دیکھئے :-

ہوئی با طل دے دہن کی وہ تقویم پارینہ خزاں کے نام سے آتی ہی فوارے کو اُبجائی

سبزہ کے اُگنے، بیلون کے پھیلنے اور پھولون کے کھلنے کو کہتے ہین،

نگارِ سبزہ نے مہدِ زمین پر کروٹین بدلین ادھر آغوش مین گلشن کے لی بیلون نے انگڑائی

جما ہی آئی پھولون کو اُدھر ذکرِ صراحی کر اِدھر غنچون نے شاخون پر ہر اک پورا پنی چٹکائی

ایک جگہ غنچے کے چٹلنے کو کہتے ہین :-

دلِ بلبل سے بھی آئی صدا الحمد للہ کی قریب آ بجز جس دم کسی غنچہ کو چھینک آئی

جگنو کے چمکنے کو کہتے ہین :-

حسینون کو دمِ گلگشت ہی یہ شغل دلچسپی قبائے سبز کے دامن مین باندھ جاتے ہین جگنو

ہلالِ عید کے نکلنے کو بیان کرتے ہین :-

کہان ہین جنبشِ ابرو ے ساقی کے تمنائی ہلالِ عید وہ لیتا ہوا نکلا ہے انگڑائی

اور کمان کی انگڑائی کو بھی دیکھئے :-

ہوئے ہین ڈر سے تیری تیغ کے سُست اسقدر خوبے کمانین آج تک لیتی ہین وقتِ جنگ انگڑائی

اسی حسن تخیل سے اور بھی حُسن تعلیل دیکھئے،

جب اُن کے جسم کا سایہ امیرالمومنین خود تھے زمین پر کس طرح پھر سایہ پڑتا جسم والا سے

ایک دوسری جگہ کہتے ہین :-

نہ ہوتا انفکاکِ سایہ گر جسم منور سے کہان یہ چادرِ مہتاب مین ہوتی ضیا باری

غرض کہ حُسن کا کوروی کی طرح اُن کے حُسن تخیل کی بھی بے شمار مثالین جگہ جگہ نظر آتی ہین، اور جس طرح انھون نے لفظ مدینہ سے معجزۂ شق القمر کا حُسن تعلیل پیدا کیا ہے، اُسی طرح مصطفےٰ اور مرتضےٰ کے بنیات تک اُنھی کی نظر پہنچ سکتی تھی، کہتے ہین :-

اتحادِ باطنی کی ہے یہی بیّن دلیل متحد ہین مصطفےٰ و مرتضےٰ کے بنیات

بنیات اُس کو کہتے ہین کہ حرف کا جو تلفظ ہو اس مین پہلا حرف چھوڑ کر بقیہ حروف کے اعداد ابجد کے حساب سے نکالے جائین، چنانچہ الف جب ادا کرین گے، تو پہلا حرف نکال کر محض ل اور ف کے اعداد جوڑ لین گے یعنی اس طرح الف کے ایک سو دس ہوئے، با تا ثا، را زا، وغیرہ کے پہلے حرف کو نکال دینے سے ان حروف کا

عدد ایک ہی ہے، اور سین، شین، عین، غین، کے عدد ساٹھ ہوئے، اسی طرح لفظ مصطفےٰ یا مرتضےٰ کے حروف کے تلفظ میں سے اگر پہلا حرف نکال دیا جائے، تو جو حروف باقی بچیں گے، ان کا مجموعہ ۵۰ ہی بچے گا یعنی دونوں لفظوں میں سے یہی اعداد باقی رہیں گے۔

(۴) اب ہم عزیز کی چوتھی خصوصیت یعنی تلمیحات و مصطلحات کا مختصر تذکرہ بھی کریں گے، کیونکہ انھوں نے اپنے قصائد کو شاندار بنانے کے لئے ان چیزوں سے بھی کافی کام لیا ہے، کہتے ہیں،

فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ کا جب اشتہار نکلا — عاجز ہوئے ادب کے دریا بہانے والے

آخر لبید نے بھی کی ترک بُت پرستی — حیران تھے شاعری کے جھنڈے اڑانے والے

پہلے شعر میں سورۃ البقرہ کی تیئسویں آیت کی طرف اشارہ ہے، جس میں تمام دنیا کو ہمیشہ کیلئے خدا کی طرف سے چیلنج ہے، کہ اگر تم کو اُس (قرآن) پر شک ہے، جو ہم نے اپنے بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا، تو بنا لاؤ اس جیسی کوئی سورۃ،.....الخ

دوسرے شعر میں عرب کے مشہور شاعر لبید کی طرف اشارہ ہے جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، یہ وہی شاعر ہیں جن کے اس مصرع کی تعریف جیسا کہ بخاری شریف میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَّا خَلَا اللّٰہَ باطل

حق تعالیٰ کے سوا جو کچھ کہ ہے باطل ہے

ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے متعلق مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کا اشارہ کیا ہے

لگا کے کحل مازاغ البصر چشم بصیرت میں — اگر ہو دیکھنا خلوت سرائے عشق کا نظارہ

اسی طرح ان اشعار میں بھی اس قسم کی تلمیحات ہیں :-

چلی ہی آتی ہے پیہم صدائے اُدْعُوْنِی — عزیز ہاتھ اٹھا پیش خالق ذوالمن

صبغۃ اللہ کی بنیاد نہ قائم رہتی — گر یزید ستم آرا سے یہ کرتے بیعت

مَنْ لَّہٗ جَدٌّ کَجَدِّی فِی الْوَرٰی کس نے کہا — کون ازل سے تھا رجز خوان حمیت جد کا

غرض کہ اس طرح کی تلمیحات بہت جگہ ہیں، اور دیگر شاندار الفاظ و مصطلحات بھی صفحات ۷-۲۷-۵۵-۵۶-۶۰-۶۱-۷۲-۱۰۲-۱۶۱-۱۷۳-۱۹۹-۳۲۰- وغیرہ پر ملتے ہیں، جن کو طوالت کے خوف سے چھوڑا جاتا ہے،

(۵) پانچویں بات جو ان کے بیان ہے، وہ اُن کے عقائد کی تشریح ہے، ایک جگہ ذرا صاف کہہ گئے ہین،

کسی کو برتری نہین ہی شوہرِ بتولؓ سے تفوق آپ دیتے ہین بھلا یکن اصول کو
علیؓ کا نسبۃً شرف صحابۂ رسولؐ سے حواس کو مناسبت ہو جس طرح عقول کو

حواس بھی ہمیشہ جو معطل اپنے کار مین

ایک شاعر کو اس قسم کی چوٹ کرنے کی ضرورت نہین تھی، کیونکہ اُس کا کلام کسی ایک فرقے کے لئے نہین ہوتا، اور خصوصًا اس زمانے مین اس قسم کے طنز سے اور زیادہ احتراز کرنا چاہئے جب کہ غیر قومین جن مین اتحاد کا سبق ہی مفقود تھا متحد ہو رہی ہین، اور پھر بھی ہم کو شرم نہین آتی لیکن ایسے ایک دو موقعون (۸۸-۴۴۱) کے علاوہ جہان کہین بھی عزیز نے اپنے مخصوص عقائد کا اظہار کیا ہے، وہ شاعرانہ انداز کی وجہ سے ایسا چھپا ہوا ہے، کہ جن لوگون کو اُن کے عقائد سے تعلق نہین ہے، وہ بھی متاثر ہوتے ہین، مثلاً دیکھئے "خلق" کے پردہ مین کس خوبی سے کہا ہے :-

خلیق ایسے کہ سب اصحاب کو اپنا سمجھتے تھے ٹپکتی ہے محبت فقرۂ سلمانؓ منّا سے

ایک جگہ "آفرینش" کی ازلی یا نسلی نسبت کے متعلق کہتے ہین، :-

حدیثِ آفرینش میری کچھ معلوم ہو تجھ کو ہم اک نور سے پیدا ہوا ہین اور مرا بھائی

ان کے مختلف عقائد کی طرف اشارہ صفحات ۱۵-۳۰-۸۸-۸۹-۹۵-۱۶۶- وغیرہ مین بھی ملتا ہے لیکن اکثر جگہ شاعرانہ لطافت کی وجہ سے بڑی خوبی سے کہہ کر گذر جاتے ہین، اور یہ اُن کی ذہانت کی دلیل ہے،

یہان تک ان کی خصوصیات شعری ختم ہوئین، اب ہم مختصر الفاظ مین تصویر کا دوسرا رُخ بھی دکھانا چاہتے ہین لیکن اس وجہ سے نہین کہ

ع ہنر اس دور مین ہے عیب بینی (مقدمہ)

بلکہ اس وجہ سے کہ

ع گر دشمن باقی نہ رکھین پھر زمانہ کے لئے

عزیز نے ایک جگہ کہا ہے :-

ع گر دو انبیاء ہو یا ملائکہ کا اژدہام

اس مین آخر لفظ ژاے فارسی اور ہاے ہوز کے ساتھ ہے، لیکن یہ غلط ہے، اصل لفظ عربی ہے اور ازدحام ہی صحیح ہے،

ہمارے یہان بعض الفاظ ایسے بھی ہین، جو اصل مین جمع ہین لیکن واحد ہی مستعمل ہین، مثلاً احوال جو فارسی مین تو خیر، اردو مین بھی ولی کے زمانہ سے اب تک اکثر واحد ہی مستعمل ہے، اسی طرح اولاد بھی ہے یعنی واحد مونث، جیسا کہ عزیز نے اُسے اُردو جمع مین استعمال کیا ہے :-

ع عبا مین لے کے اپنی پاک اولادون کو یاک دن

لیکن اعمال جو ہمیشہ جمع ہے، اس کی جمع الجمع اردو مین بنانے کی ضرورت نہین تھی، عزیز کہتے ہین :-

ع سیاہا اپنے اعمالون کا بھی تونے کبھی دیکھا

ایک جگہ "تم" بھی ہے اور "فرمایئے" بھی ہے، یہ بات نسیم کے عہد تک ضرور تھی لیکن اب لکھنو مین نہین ہے اور نہ ہونا چاہیے، عزیز کہتے ہین :-

مین نے کہا یہ وصل تو ثابت ہو مری جان — کیا بھول گئے تم شب معراج کے حالات
فرمایا کہ ابرو تھے وہان بھی تو کشیدہ — تھے دونون کمانون میں جدائی کے اشارات
مین نے کہا فرمایئے خلوت مین ہوا کیا — فرمایا یہ ہین راز نہ کر ایسے سوالات

اور اسی مین یہ بھی ہے کہ

ع یہ تو مجھے بتلایئے اے قبلۂ حاجات

عموماً بھائی کو قوتِ بازو کہا جاتا ہے، لیکن عزیز نے بیٹے کے لئے استعمال کیا ہے :-

ید اللہ سا ہے شوہر اور محمد سا پدر جس کا — ملے ہین شبّر و شبیر سے دو قوتِ بازو

لیکن آگے چل کر صحیح فرمایا ہے کہ

ع یہی وہ صابر ہے جس کا زخمی کر دیا پہلو

اسی طرح ہندی لفظ سوارت جو بروزن فعلن ہے، عزیز نے فعولن کے وزن مین استعمال کیا ہے

ع بہت جلد اب سوارت میری محنت ہونے والی ہے

اور یہ اجتماع واقعی ضروری ہے، اور اردو مین یونہی چاہیے، کیونکہ ہندی کا مرکب ہمارے یہان ابتدا مین نہین

آتا، البتہ "ی" سے مل کر ضرور آتا ہے، جیسے کیا" "دھیان" "جیونی" وغیرہ، اور فارسی کا کبھی آجاتا ہے، مثلاً خواہش" "خواجہ" وغیرہ،

حضرت عزیز نے عام مروجہ استعمال کے خلاف ذرا سے ذری دو جگہ ص ۹۵، پر استعمال کیا ہے جو صحیح ضرور ہے لیکن اب اس کا متروک ہی ہونا بہتر ہے، اور کہیں کہیں انھوں نے امیر مینائی کی طرح دہلوی زبان بھی استعمال کی ہے، مثلاً

دکھائی تھی مجھے قوت عزیز مدح گستر کی

اسی سلسلے میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں جو مجھے بھی کھٹکتی ہے، پہلے عرض کیا جا چکا ہے، کہ عزیز نے نئے نئے موضوعات بھی تلاش کئے ہیں، جن میں سے ایک "عروسی فاطمہ" بھی ہے، اس میں کچھ اشعار ایسے بھی ہیں، :-

مرادِ معنوی نورِ علیٰ نور آئی دنیا میں — کہ ہوں گے آج کی شب نور کے دو چشمے ہم بستر

صدا آئی عزیز بادہ کش کیوں اتنا حیران ہے — مری آغوش میں ہے تیرا ساقی دیکھ لے آکر

اس قسم کی شاعری کے لئے جامی (یوسف وزلیخا) وغیرہ سے جواز کا فتویٰ نکالنا کم از کم میری نظر میں بیجا ہے، اور جب عقیدہ ہمارا یہ ہو کہ ایسی پاک ہستیوں پر ہماری ماں بہنیں بھی قربان ہوں، تو اس وقت ایسے اشعار کا لکھنا تو بالکل نازیبا ہے، بہرحال عزیز کی اعلیٰ شعریت کے بیان کے ساتھ ان باتوں کا تذکرہ تنقیص و تعریض کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس لئے کہ

ع نظمِ رنگینِ عزیز نکتہ پرور دیکھئے

کلیاتِ شبلی اردو

مولانا شبلی کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد، جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کی چھل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے،

قیمت :- عہ

مینیجر

ابو الوفا البوزجانی الحاسب

چوتھی صدی کا ایک بہت بڑا ریاضی دان اور فلکی

از

جناب حافظ محمد شریف خان صاحب

اس مین شک نہین کہ قدیم علمائے عرب یعنی ہمارے سلف صالحین کے مآثر کا پتہ لگانے اور ان کے علمی کارنامون پر روشنی ڈالنے کے سلسلہ مین مغربی مصنفین نے مختلف شعبون مین جو تحقیقاتی کاوشین کی ہین ان سے بہت سے جلیل القدر علمائے اسلام کے حالات اور ان کے یگانۂ روزگار کمالات علمی سے دنیا بڑی حد تک روشناس ہوئی، اور وہ مصنفین ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، جنھون نے وہ کام انجام دیا، جو بہ حیثیت سے ہمارے انجام دینے کا تھا، لیکن ابھی آسمان علم کے بہت سے درخشندہ ستارے جنھون نے اپنے زمانہ مین اپنی ضیا پاشیون سے دنیا کو منور کیا تھا، اور یونان و ہندوستان کے مردہ علوم مین جان ڈالی تھی ایسے باقی رہ گئے ہین جن کا شایان شان تذکرہ نہین کیا گیا، اور ان کے علمی کمالات و اختراعی خدمات کا بڑا حصہ پردۂ خفا مین ہے، اور دنیا کو ان کے متعلق بہت کم واقفیت ہے، ہمارے سامنے تاریخ ریاضیات کے جو ماخذ ہین، وہ اتنے مختصر ہین کہ کوئی تفصیلی خاکہ ہمارے سامنے پیش نہین کر سکتے، اور ایک تشنۂ تحقیق کی پیاس پوری طرح نہین بجھا سکتے، ریاضیات مین مغربی علماء کی تحقیق کا قدم جس قدر آگے بڑھتا جاتا ہے اسی قدر ان کو قدیم مسلمان فضلاء کی فضیلت علمی اور ریاضی کے بہت سے نظریات مین ان کی فضیلت اولیٰ پیشروی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، اور ظاہر ہوتا ہے، کہ آج ریاضی کے وہ بہت سے نظریے جن کی ایجاد مغربی علماء نے اپنی جانب منسوب کر لی ہے، دراصل انہی بزرگون کی دماغی کاوشون کے نتائج ہین، چنانچہ فرمار (Tremaet) کا وہ نظریہ جو اس نے اپنے نام سے موسوم کیا ہے[1]، ان سے بہت پہلے عربون

---

[1] مجلۃ الکلیۃ الامیریکیہ سنہ ۱۹۲۰ء ص ۲۶۹،

نے معلوم کر لیا تھا جس طرح کہ بعض معادلات درجۂ ثالث کا حل (Descartes) اور (Mom-
Baker) سے پہلے ان کو معلوم تھا[۱] لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بعض انگریز مولفین جنھوں نے اپنی تصانیف کو
یا عربی سے نقل کیا ہے، یا عربی ماخذوں سے کتابیں تصنیف کی ہیں، وہ ان مصادر کا ذکر تک نہیں کرتے
اس طرح گویا دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، کہ یہ نظریے تمام تر ان کے ذاتی استنباطات ہیں
چنانچہ فلیونارڈو (Leonardo of Pisa) نے جو ہندسہ میں جو کتابیں تالیف کی ہیں، جدید تحقیقات
سے معلوم ہوا، کہ وہ زیادہ تر عربی تصانیف سے ماخوذ ہیں، چنانچہ کارپنسکی (Karpinski)
نے ثابت کیا ہے، کہ (Leonardo) نے بہت کچھ ابو کامل کے کتاب جبر سے لیا ہے[۲] اسی طرح
اور بہت سے انگریز مصنفین کی تصانیف جنھوں نے چودھویں صدی کے وسط میں کتابیں لکھی ہیں، اکثر عربی
تالیفات سے ماخوذ ہیں[۳] جان ملر (John Muller) جو (Regiomanta nus) کے
نام سے مشہور ہے، اور پہلا شخص ہے جس نے پندرھویں صدی کے وسط میں علم المثلثات کو مرتب طریقہ
سے یورپ میں پیش کیا، ریاضیات میں اس کی کئی کتابیں ہیں، ان سب سے اہم کتاب المثلثات (De
Triangulis) ہے یہ کتاب پانچ بڑے ابواب پر منقسم ہے، ابتدائی چار ابواب میں مثلثات
مسطحہ سے بحث کی گئی ہے، اور پانچویں میں مثلثات کرویہ کا بیان ہے، اس آخری باب میں جان صاحب نے
جن اصولوں کا اتباع کیا ہے، وہ بعینہٖ وہی اصول ہیں، جن کا اتباع کم و بیش پانچ صدی پیشتر یعنی
چوتھی صدی ہجری میں عرب علما، اسی فن اور اسی موضوع میں کرتے تھے[۴] اسی طرح علم المثلثات میں اور
بہت سے ایسے امور ہیں، جو غلط طور پر ان کی طرف منسوب ہیں، اور جن کے موجد درحقیقت عرب ہیں[۵] چوتھی
صدی ہجری کے ریاضیاتی علوم کے شہرۂ آفاق علما میں سے ایک بزرگ محمد بن محمد بن یحییٰ بن اسماعیل بن
العباس ابو الوفا، البوزجانی الحاسب تھے، یہ بوزجان میں جو ہراۃ اور نیشاپور کے درمیان ایک چھوٹا
قصبہ تھا[۶] ۳۲۸ھ مطابق ۹۴۰ء میں پیدا ہوئے تھے، عدد یات اور حسابیات کی تعلیم انھوں نے اپنے چچا
ابی عمرو المغازلی اور اپنے خالو ابو عبد اللہ محمد سے حاصل کی تھی، ابو عمرو نے علم ہندسہ ابو یحییٰ الماوردی
اور ابی العلا ابن کرنیب سے حاصل کیا تھا[۷] ابو الوفا بیس برس کی عمر میں بغداد گئے، جو اس زمانہ میں علم و فضل

---

[۱] کاجوری تاریخ ریاضیات ۱۹۲۴ء ص ۱۰۷ [۲] ص ۱۲۱ [۳] ص ۱۲۸ [۴] آثار باقیہ صاحع ذکی
جلد اول ۱۹۲۳ء ص ۱۵۴ [۵] کاجوری ص ۱۳۲ [۶] معجم البلدان جلد ۲ ص ۳۰۲ [۷] فہرست ابن ندیم مطبوعہ ۱۳۴۸ھ صفحہ ۲۹۲،

کا سب سے بڑا مرکز تھا اس کی اکثر تالیفات یہیں لکھی گئیں، تاریخ وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، قاموس الاعلام سے معلوم ہوتا ہے، کہ بوزجان میں ۳۷۶ھ میں وفات پائی، اور آثار باقیہ میں ہے کہ ان کا انتقال بغداد میں ۳۸۸ھ میں ہوا، ابن القفطی نے اخبار العلماء باخبار الحکماء میں دوسرے قول کو متحمد علیہ کہا ہے[1]، اور دوسرے بیانات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن ابن خلکان نے پہلے قول کو صحیح کہا ہے مگر مقام وفات کا ذکر نہیں کیا ہے، خیر الدین الزرکلی کی کتاب الاعلام میں بھی پہلی روایت مذکور ہے اور امریکی مصنفین ۳۸۸ھ ہی کو ترجیح دیتے ہیں،

ابو الوفاء اپنے زمانہ کے مشہور ترین علمائے فلکیات میں تھے، ان دونوں فنون میں ان کی بہت بلند پایہ اور نادر تصانیف ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ ہم کریں گے، اور جو زیادہ اہم ہیں، ان پر کسی قدر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے، اکثر مغربی علماء نے اعتراف کیا ہے، کہ ابو الوفاء ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے علم ہندسہ میں کمال حاصل کیا، اور اس میں بہت سے ایسے استخراجات کئے، جو بالکلیہ انہی کے ہیں، استخراج اوتار میں ان کی ایک نہایت نفیس اور نافع تصنیف ہے[2]، ابو الوفاء کی زندگی کا اکثر حصہ بغداد میں جو اس زمانہ میں علماء و فضلاء کا مرکز اور حکمت و فلسفہ کا گہوارہ تھا تالیف تصنیف، درس و تدریس اور فلکی و ریاضی تحقیقات میں گذرا، شرف الدولہ دیلمی نے اپنے محل میں ۳۷۸ھ میں جو رصدگاہ قائم کی تھی اس کے ایک رکن ابو الوفا بھی تھے[3]، ان کو مبادی علم المثلثات کا بہت شوق تھا، اس لئے اس کی طرف انھوں نے خاص توجہ کی، اور اس فن میں ان کے بہت سے اکتشافات اور دقیق مباحث ہیں جن کا اعتراف ان کے ہم عصروں کے علاوہ انگریز علماء نے بھی کیا ہے[4]، ابو الوفاء ہی پہلا شخص ہے جس نے نسب مثلثی اعداد میں مماس (رک Zergeezz) کو داخل کیا[5]، مشہور مورخ و منجم ابو ریحان بیرونی لکھتا ہے کہ جو شکل ظلی یا مماس کہلاتی ہے، اس کی ایجاد کا سہرا بلا شرکت غیرے ابو الوفاء کے سر ہے[6]، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے مثلثات (TRIANGLES) اور زوایا (ANGLES) کو ناپنے کے لئے مماسات اور قواطع وغیرہ کا استعمال کیا وہ ابو الوفاء ہی ہے، ایک انگریز عالم کا قول ہے کہ تمام نسب مثلثیہ اور مماس اور اس کی نظیر کے سل جداول ریاضیہ میں ابو الوفا نے داخل کئے[7]، اس نے جیب کے

---

[1] اخبار الحکماء مطبوعہ ۱۳۲۶ھ ص ۸۹ [2] ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۸۱ [3] آثار باقیہ جلد اول ص ۱۶۲ و کاجوری ص ۱۰۵

[4] انسائکلوپیڈیا برطانیکا لفظ مثلثات [5] آثار باقیہ جلد اول ص ۵۴ [6] بول مختصر تاریخ ریاضیات ص ۱۵۵،

جداول ریاضیہ کے عمل کا طریقہ اختراع کیا اور اس کے لئے ایک ایسی نفیس ایجاد کی تھی، جس سے زاویۂ جیب نصف درجہ سے سات اعشاریہ تک کا صحیح اندازہ کیا جا سکتا تھا[۱]، اس نام کی (Geometrical Construction) کا اس کا ایک مقالہ بھی[۲] ہے جس کا اصل عربی نام معلوم نہ ہو سکا، لیکن اس کے معنی ہیں ترتیب یا بناء ہندسی اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ عرب پہلی وہ قوم ہے جس نے سطح کرہ پر رسم (نقش یعنی عمل ریاضی) معلوم کیا تھا، انھوں نے اس فن میں کمال حاصل کیا، اور اس کو بہت ترقی دی، اس بارے میں علمائے مغرب کی رائیں مختلف ہیں، کہ چاند کی حرکت میں بعض انواع خلل کا انکشاف تیخو براہی (Tychobrahe) نے کیا یا ابوالوفا[۳] نے، لیکن جدید تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ یہ انکشاف ابوالوفا ہی نے کیا تھا[۴]، اسی طرح انھوں نے معادلات درجہ چہارم کو بھی نہیں چھوڑا، کیونکہ اس کا ہندسی حل یہ ہے، المعادلتین: $س^٤ = ا^٢ ، س^٤ + ا^٢ س = ب . ج^٢$ ۔ دسویں صدی کے وسط میں ابوالوفا نے حساب میں ایک کتاب لکھی جس میں انھوں نے اعداد ہندسی کے بجائے ان کو حروف میں لکھا ہے[۵]، یہ جدت اس زمانہ میں سوائے کرخی کے اور کسی کے یہاں نہیں ملتی، کانتور (Cantor) نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس زمانہ میں دو مختلف اسکول تھے، ایک میں ہندی طریقہ کا اتباع کیا جاتا تھا، اور دوسرے میں یونانی کا یعنی اعداد لکھے جاتے تھے، ابوالوفا اور کرخی یونانی طریقہ کا اتباع کرتے تھے[۶]،

ابوالوفا کی بعض کتابیں ابوالوفا نے فن حساب میں ایک ایسی کتاب بھی لکھی جس کی عمال اور کاتبوں کو ضرورت ہوتی ہے، جو المنازل فی الحساب کے نام سے مشہور ہے، یہ کتاب سات منازل پر مشتمل تھی[۷]، اور ہر منزل میں سات ابواب تھے، منزل اول نسبت میں تھی، منزل دوم ضرب و تقسیم میں، منزل سوم اعمال مساحات میں، منزل چہارم اعمال خراج میں منزل پنجم اعمال مقاسات میں منزل ششم حروف میں، اور منزل ہفتم معاملات تجار میں[۸] اس کتاب کو مولف کے عہد میں اور ان کے بعد بھی عرصہ تک مالی امور میں اساسی حیثیت حاصل رہی، ایک کتاب الجبرا میں دیوفنتس (Diophantus) کی کتاب کی تفسیر میں لکھی[۹]، ایک اور تالیف تفسیر کتاب ابرخس نامی تھی،

صاحب آثار باقیہ اس تفسیر کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ اصلی کتاب کے مصنف کے نام کے بارہ میں اختلاف ہے

---

[۱] کاجوری ص ۱۰۴ [۲] ایضاً [۳] فانڈیک علم الہیئۃ ۱۳۷ [۴] کاجوری ص ۱۰۵ [۵] ایضاً قدیم اڈیشن صفحہ ۱۰۵

[۶] ایضاً [۷] آثار باقیہ جلد اول ص ۱۶۳ [۸] فہرست ابن ندیم ص ۳۹۴ [۹] کاجوری ص ۱۰۵،

فہرست العلوم کے بعض نسخون مین ابرخس بصورت ابوحسن لکھا ہوا ہے، تاریخ الحکما کے بعض نسخون مین ابوالحیٰی یا ابن یحییٰ مرقوم ہے، فہرست العلوم مین اس کتاب کا ذکر اس مقام پر ہے جہان ابرخس سے بحث ہے، ان کی ایک اور قلمی یادگار کتاب التعریفات کے نام سے مشہور ہے، یہ کتاب ترجمہ ہے ابوالوفا نے اس کی تصحیح اور بعض ہندسی براہین سے اس کی شرح کی ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ ممکن ہے یہ کتاب ابرخس کی کتاب کی تفسیر ہو، تاریخ الحکما مین ابرخس کے بجائے ابوالحیٰی کا جو نام مذکور ہے، غالب گمان یہ ہے کہ وہ ابوالحیٰی الماوردی ہون گے، جو حساب اور ہندسہ مین ابوالوفا کے استاذ الاستاذ تھے تاہم اس کا قطعی فیصلہ مشکل ہے[۵۱]، فہرست ابن ندیم مین اس کا بیان ابرخس کے نام کے تحت مین ہے، ایک کتاب صناعۃ الجبر تھی، جو حدود کے نام سے مشہور ہوئی، یہ کتاب بھی ابرخس کی ہے، ابوالوفا نے اس کی تصحیح اور ترجمہ کیا، اور ہندسی براہین سے اس کی شرح بھی کی تھی[۵۲]، ایک کتاب اعمال ہندسہ مین تھی، جس کی صناعون کو عام طور پر ضرورت پیش آتی ہے، یہ کتاب انھون نے بہاء الدولہ کے حکم سے سنہ ۳۸۸ھ اور سنہ ۳۸۸ھ کے درمیان مین تصنیف کی تھی، اس مین براہین ریاضیہ نہین تھے، یہ اب تک استنبول مین جامع ایا صوفیہ کے کتب خانہ مین محفوظ ہے[۵۳]، ابوالوفا کی اور بھی متعدد مؤلفات ہین، جن مین سے بعض کتابون کے نام فہرست ابن ندیم مین مذکور ہین، مثلاً خوارزمی کی کتاب کی تفسیر جبر و مقابلہ مین، کتاب الارتماطیقی کے سمجھنے کے لئے اس کے مبادیات پر ایک رسالہ، کتاب المدخل الی الارتماطیقی لکھا، دیوفنطس (Deophantus) نے اپنی کتاب مین جو قضایا استعمال کئے ہین اس کی تشریح مین کتاب البراہین لکھی، کتاب معرفۃ الدائرۃ من الفلک، کتاب الکامل، یہ تین مقالات کا مجموعہ ہے، مقالہ اول مین ان امور سے بحث ہے جن کا جاننا حرکات کواکب سے پہلے ضروری ہے، مقالۂ دوم حرکات کواکب پر ہے، اور مقالہ سوم ان امور مین ہے جو حرکات کواکب کو عارض ہوتے ہین، ایک کتاب استخراج ضلع المکعب بمال مال ہے، اس کے علاوہ اور کتابین بھی ہین، جو اخبار الحکما، اور آثار باقیہ مین مذکور ہین، مثلاً کتاب العمل بالجدول الیستینی، کتاب استخراج الاوتار، کتاب الزیج الشامل اور کتاب المجسطی، یہ آخری کتاب ان کی سب سے مشہور کتاب ہے، اور گمان غالب ہے کہ سنہ ۳۷۷ھ کے بعد لکھی گئی ہے[۵۴]، "ماخوذ"

---

[۵۱] آثار باقیہ جلد اول ص ۱۶۳ [۵۲] فہرست ابن ندیم ص ۳۷۶ [۵۳] آثار باقیہ جلد اول ص ۱۶۴، [۵۴] آثار باقیہ ص ۱۶۵؛

عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب علیگ رفیق دارالمصنفین

(۵)

حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ

محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات جن کی حیثیت گویا ان کی تصانیف کی ہے، حسب ذیل ہیں:-

(۱) فوائد الفواد (۲) افضل الفوائد (۳) راحت المحبین،

اول الذکر کو خواجہ حسن سجزی نے مرتب کیا ہے، جو شیخ المشائخؒ کے محبوب خلفا میں تھے، سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت شیخ نظام الدینؒ حضرت شیخ بختیار کاکی قدس سرہٗ کے مزار پر تشریف لے گئے، وہاں سے حوض شمسی کے پاس بعض بزرگان دین کی فاتحہ خوانی کیلئے پہونچے تو دیکھا کہ خواجہ حسن سجزی اپنے دوستوں کے ساتھ زندی اور شراب نوشی میں مشغول ہیں، خواجہ حسن بچپن میں خواجہ نظام الدین اولیا کے ساتھ بدایوں میں رہ چکے تھے، بچپن کی صحبت یاد آگئی، چنانچہ محبوب الٰہیؒ کو دیکھ کر مستانہ وار یہ دو بیت زبان پر لائے،

سالہا باشد کہ ما ہم صحبتیم — گر ز صحبتہا اثر باشد کجاست
زہدتان این فسق ما را کم نکرد — فسق ما محکم تر از زہد شماست

محبوب الٰہیؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ اثر صحبت بھی اپنا محل و موقع چاہتا ہے تاثیر صحبت کی صورتیں مختلف ہیں، خواجہ حسن پر ان الفاظ نے سحر کا کام کیا، اسی وقت ان کا دل جاری ہو گیا، قدموں پر گر پڑے، اور تمام افعال قبیحہ سے تائب ہو کر محبوب الٰہیؒ کے مرید ہو گئے، اس وقت ان کی عمر تہتر سال

کی تھی[۱] مرشد کی صحبت میں برابر رہنے لگے، اور ۷۰۷ھ سے ۷۱۹ھ تک جو کچھ مرشد کی زبان مبارک سے سنتے ان کو قلمبند کر لیتے، چنانچہ ان کے مرتب کردہ ملفوظات فوائد الفواد کو ہر زمانہ میں جو مقبولیت حاصل رہی، وہ چشتیہ سلسلہ کے اور مشائخ کے ملفوظات کو شاید حاصل نہیں ہوئی، امیر خسرو کہا کرتے تھے، کہ

"اے کاش میری تمام تصنیفات خواجہ حسن سے نامزد ہو جاتیں، اور ان کے بدلے میں کتاب فوائد الفواد کا حسن قبول میرے لئے نامزد ہو جاتا"[۲]

ضیاء الدین برنی نے اپنے زمانہ کا حال لکھا ہے، کہ

"درین ایام فوائد الفواد دستور صادقان ارادت شدہ است"[۳]

عہدِ ہمایون کے مصنف صاحب سیر العارفین کا بیان ہے:

"کتاب فوائد الفواد میں خواجہ حسن نے ایسے اعلیٰ درجہ کے مضامین کی تصنیف کی جو کہ خضر راہ اہلِ سلوک اور مونس اہل اللہ تصور کی جاتی ہے"

فرشتہ رقم طراز ہے:-

"کتاب فوائد الفواد..... بشرف قبول و تحسین سرفراز گشت"[۴]

مرآۃ الاسرار کے مولف مولانا عبد الرحمن چشتی لکھتے ہیں:-

"امروز آن فوائد الفواد مقبول اہل دلان عالم شدہ است و دستور عاشقان گشتہ و شرق و غرب عالم گرفتہ"

بعد کے تذکرہ نگاروں میں خزینۃ الاصفیا کے مؤلف نے لکھا ہے کہ

"کتاب فوائد الفواد از ملفوظات حضرت شیخ تالیف کردہ وی (خواجہ حسن) است و بغایت مقبول افتادہ"[۵]

امیر خسرو نے بھی اپنے مرشد کے ملفوظات افضل الفوائد کے نام سے مرتب کئے ہیں[۶]، مگر اس کو

---

[۱] سیر العارفین ص ۱۵۳ و فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴ [۲] ایضاً فرشتہ کے الفاظ یہ ہیں، امیر خسرو بران شاگرد گفت کاش تشریف قبول و تحسین آن نسخہ و تصنیف آن بمن منسوب گشتی و تمام تصانیف من بنام خواجہ حسن گردیدی [۳] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۶۰ [۴] فرشتہ جلد دوم ص ۳۹۴ [۵] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۳۳۲ [۶] برلش میوزیم کیٹلاگ جلد سوم ص ۱۵۰۱

وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی، برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات میں محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات میں ایک کتاب راحت المحبین بھی ہے جس میں ان کے ایک نامعلوم مرید نے ۶۸۹ھ سے ۷۰۱ھ تک کے ملفوظات درج کئے ہیں[1] یہ دونوں کتابیں میری نظر سے نہیں گذری ہیں، افضل الفوائد کے اقتباسات بعض تذکروں میں پائے جاتے ہیں، چنانچہ ہم ان اقتباسات اور فوائد الفواد کو پیش نظر رکھ کر محبوب الٰہیؒ کی تعلیمات کو ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں :-

ان ملفوظات میں ایک سالک کو توبہ، استقامتِ توبہ، ایمان، استغراق نماز، تلاوتِ قرآن، اوراد و وظائف، فقر و فاقہ، ترک دنیا، جہد و طاعت، مشغولیٔ حق، مجاہدہ، صبر و رضا، توکل، احترام پیر، حلم و بردباری، اور جود و سخا وغیرہ کی وہی تعلیمات دی گئی ہیں، جو چشتیہ سلسلہ کے پیشرو مشائخ نے دی تھی جن کا ذکر گذشتہ مضامین میں آچکا ہے، کچھ مزید تعلیمیں ملاحظہ ہوں[2] :-

محبوب الٰہیؒ نے راہ سلوک کے رہروؤں کی تین قسمیں بتائی ہیں (۱) سالک (۲) واقف (۳) راجع، اس راہ کے مسلسل چلنے والے سالک ہیں، اور جن کو طاعت و عبادت میں وقفہ حاصل ہو وہ واقف ہیں، اور جو وقفہ میں پھر راہ سلوک کی طرف رجوع نہ کریں وہ راجع ہیں، (صفحہ ۱۶)

اس راہ میں مندرجۂ ذیل لغزشیں ہیں (۱) اعراض (۲) حجاب (۳) تفاصل (۴) سلب مزید (۵) سلب قدیم (۶) تسلی، (۷) عداوت،

ان کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ عاشق سے جب کوئی فعل یا حرکت ایسی سرزد ہو جائے جو معشوق کیلئے پسندیدہ خاطر نہ ہو تو یعنی معشوق منہ پھیر لیتا ہے اسکو اعراض کہتے ہیں، عاشق کو چاہئے کہ وہ استغفار اور معذرت کرے، اور جب اس کی معذرت قبول نہیں ہوتی تو دونوں کے درمیان حجاب پیدا ہو جاتا ہے، اس حجاب کو دور کرنے کے لئے عاشق خضوع و خشوع کے ساتھ توبہ کرے، اور اگر توبہ قبول نہیں ہوتی ہے، تو تفاصل یعنی جدائی ہو جاتی ہے اور اس کے بعد بھی اگر استغفار قبول نہیں ہوتا، تو عاشق سے طاعت و عبادت کا ذوق سلب کر لیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ وہ اپنی قدیم عبادت کا ثواب بھی کھو بیٹھتا ہے، اور معشوق عاشق کے دل میں جدائی کی

---

[1] برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد سوم صفحہ ۹۷۳ [2] آئندہ سطور میں جہاں قوسین میں صفحات کے حوالے ہیں، وہ فوائد الفواد کے صفحے ہیں، اور جن سطور کے ساتھ صفحے کے حوالے نہیں لکھے جا سکے ہیں، وہ افضل الفوائد کے اقتباسات ہیں جو اخبار الصالحین مرتبہ عالی جناب نواب معشوق یار جنگ بہادر کے صفحہ ۴۰۸ - ۴۰۰ سے لئے گئے ہیں،

تمام صورتین پیدا کر دیتا ہے جس کو تسلی کہتے ہین اس سے عاشق اہمال کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اور اس کی محبت عداوت مین منتقل ہو جاتی ہے (ص۸)

سالک کو ہر خطرہ کے حال مین خداوند تعالیٰ کی پناہ کا جویان ہونا چاہئے، اس کا نام عزیمت ہے اور پھر اس عزیمت کو عمل مین منتقل کر دینا چاہئے، (ص۱۰) جب سالک عبادت و ریاضت کا آغاز کرتا ہے، تو اس کو نفس پر گرانی محسوس ہوتی ہے، لیکن جب وہ صدق دل سے اس کو جاری رکھتا ہے، تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اس کو توفیق عطا ہوتی ہے، اور اس کی مشکل آسان ہو جاتی ہے (ص ۲۸-۲۷) اس کے بعد وہ مجاہدہ و ریاضت مین ذوق و شوق محسوس کرتا ہے، رفتہ رفتہ اس کو ایسا استغراق ہو جاتا ہے کہ یادِ حق کے سوا ہر چیز اس راہ مین مانع ہو جاتی ہے (ص۹)

اس راہ مین عاشق وہی ہے جو حضور اور غیبت کی حالت مین یکسان رہکر معشوق کی محبت کا دم بھرتا ہو، اور اس کے وصال کا ہمیشہ طالب رہتا ہو، محبت کی دو قسمین ہین، ایک محبتِ ذات، دوسری محبتِ صفات، اول الذکر موہبت الٰہی ہے، اور آخر الذکر کسب سے حاصل ہوتی ہے، موہبتِ الٰہی کا تعلق بندہ کے عمل سے نہین، مگر محبت صفات کو کسب سے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ماسوائے اللہ سے قلب کو فارغ کر کے اس کو ذکر دوام مین مصروف رکھنا چاہئے، فراغِ قلب کو روکنے والی چار چیزین ہین (۱) خلق (۲) دنیا (۳) نفس اور (۴) شیطان، مگر دفع خلق کے لئے عزلت، دفع دنیا کے لئے قناعت اور دفع نفس و شیطان کے لئے اللہ جل شانہٗ سے التجا، فریاد اور گریہ و زاری ہو تو فراغتِ قلب حاصل ہو جاتی ہے،

درویش اہلِ عشق ہوتے ہین، اور علما اہلِ عقل، جب تک اللہ جل شانہٗ کی محبت قلب کے غلاف مین ہوتی ہے، گناہ کا صادر ہونا ممکن ہے لیکن محبت جب قلب کے گرد و نواح مین آجاتی ہے، تو پھر گناہ صادر نہین ہوتا، اہلِ محبت کے دل مین نماز کے وقت دنیا کا خیال آجاتا ہے، تو وہ پھر سے نماز پڑھتے ہین اور اگر عاقبت کا خیال آجاتا ہے، تو سجدۂ سہو بجالاتے ہین،

اس راہ مین صبر، رضا اور توکل لازمی چیزین ہین، بلا اور مصیبت کے وقت شکایت نہ کرنا صبر ہے اور بلا اور مصیبت کے وقت اپنی کراہت کا اظہار نہ ہونے دینا رضا ہے، بظاہر ناممکن الفعل معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقتہً ایسا نہین، مثلاً تیز رو مسافر کے پاؤن مین کانٹا چبھ جاتا ہے، تو وہ کانٹے کا خیال کئے بغیر اپنی راہ طے کرتا چلا جاتا ہے، یا ایک سپاہی جنگ مین مشغول ہوتا ہے، تو پھر اس کو اپنے زخم کا خیال مطلق نہین

ہوتا، (ص ۵۳) توکل کی تین قسمیں بتائی ہیں، ایک یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنے حال کا عالم ودانا سمجھ کر اس سے سوال کرے، دوسرا توکل بچوں کا ہے، کہ وہ ماں سے دودھ نہیں مانگتا ہے لیکن پھر بھی اس کو دودھ مل جاتا ہے، تیسرا توکل مردوں کا ہے، کہ وہ اپنے غسال کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں جس طرح غسال چاہتے ہیں، ان کو غسل دیتے ہیں، محبوب الٰہیؒ کے نزدیک سب سے اعلیٰ توکل یہی ہے، (ص ۵۴) فرمایا کہ ایک شخص کا ایمان مکمل اسی وقت ہوتا ہے، جب وہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو اونٹ کی مینگنی کے برابر سمجھتا ہو، اور خدا کے سوا کسی اور پر اعتماد نہ کرتا ہو (ص ۱۰۱) جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہو، اور اسی کے ساتھ دنیا کی دوستی بھی رکھتا ہے تو وہ کاذب ہے، (ص ۵۸) عارف کے ستر مقام ہیں، ان میں سے ایک اس دنیا کی مرادوں سے محرومی ہے، لیکن اگر وہ اپنے کو نیک اور اچھا انسان سمجھنے لگے، اور اس میں رعونت پیدا ہو جائے تو وہ بدترین آدمی ہے، (ص ۲۱۶)

ایک سالک کی یادِ حق کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے :-

(۱) وہ خلوت نشین ہو کہ اس سے اس کا نفس مغلوب ہوگا (۲) وہ ہمیشہ باوضو رہتا ہو اگر اس کو نیند آجائے، تو جاگنے کے بعد پھر وضو کرلے (۳) صوم دوام رکھنے کی کوشش کرتا ہو، اگر یہ ممکن نہ ہو تو غذا میں تقلیل کرے (۴) غیر حق سے ہمیشہ سکوت اختیار کرتا ہو (۵) شیخ سے قلبی لگاؤ اور محبت رکھتا ہو، (۶) حق کی خاطر تمام خواطر کی نفی کر دیتا ہو،

ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ سالک کے لئے چار چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے (۱) دنیا خصوصاً صحبتِ اغنیا (۲) ماسوائے اللہ کا تذکرہ (۳) غیر اللہ کی طرف التفات و توجہ (۴) دل کا میل، یعنی دل میں دنیا کی کسی قسم کی محبت نہ ہو، ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا، کہ

سالک جب کسی چیز سے توبہ کرے تو اس کی نیت خالص ہو (ص ۲۵) اور ہر حال میں اس پر ثابت قدم رہے (ص ۵، ۱۳۹، ۲۰۵) گناہ سے ایک مرتبہ توبہ کیجاتی ہے، مگر طاعت سے ہزار مرتبہ یعنی جس طاعت میں ریا کا میل ہو، وہ گناہ سے بھی بدتر ہے،

محبوب الٰہیؒ نے سالک کے ظاہری اخلاق پر بھی پورا زور دیا ہے، فرماتے ہیں، کہ مرد میں چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے (۱) کم کھانا (۲) کم بولنا (۳) کم سونا، اور لوگوں سے کم میل جول رکھنا، مخالطتِ خلق سے پرہیز کی تاکید جا بجا ہے، مگر اسی کے ساتھ خلق اللہ کے حقوق کی بھی تعلیم ہے، فرمایا

کہ مومن کے دل کو ستانا اللہ تبارک وتعالیٰ کو تکلیف پہنچانا ہے، مومن وہ شخص ہے، کہ اگر وہ مشرق مین ہے اور مغرب مین ایک مومن کے پاؤن مین کانٹا چبھے، تو اس کو یہان درد محسوس ہو،

درویش کو جب کسی سے تکلیف پہونچے، تو اس کے دل سے کسی حال مین بھی بد دعا نہ نکلے، درویش کو پردہ پوش ہونا چاہئے، پردہ پوشی تمام عبادتون مین افضل ہے،

ہمسایہ کے حقوق کے سلسلہ مین فرمایا، وہ قرض مانگے تو اس کو قرض دو، اس کو کوئی ضرورت ہو تو پوری کرو، بیمار ہی مین اس کی عیادت کرو، مصیبت مین غمخواری کرو، اس کا انتقال ہو جائے، تو اس کے میت کے ساتھ جاؤ، اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھو،

شریعت کی پابندی ہر حال مین ضروری بتائی ہے، خصوصاً نماز باجماعت کی بڑی تاکید کی ہے، فرمایا کہ

"اگر دو کس باشند ہم جماعت باید کرد چہ از دو کس جماعت نباشد اما ثواب جماعت باشد، آن دو تن را باید کہ برابر ایستند" (ص ۱۰۶)

خود بھی جماعت کا بڑا اہتمام رکھتے تھے، ضعیفی اور کبر سنی کے باوجود آخر وقت تک نماز باجماعت کیلئے خانقاہ کے کوٹھے پر سے نیچے تشریف لاتے، جمعہ کی نماز کے متعلق ارشاد ہے کہ مسافر اور مریض کے علاوہ اگر کوئی شخص ایک جمعہ کی نماز مین شرکت نہیں کرتا، تو اس کے دل مین ایک سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے، اور اگر دو جمعہ ناغہ کرتا ہے، تو دو سیاہ نقطے پیدا ہو جاتے ہین، اور تین جمعہ کی عدم شرکت سے اس کا تمام قلب سیاہ ہو جاتا ہے (ص ۲۳۱)

کرامت کے اظہار کی ممانعت سختی سے کی ہے، فرمایا کہ

"کرامت پیدا کردن کارے نیست مسلمانے روی راستی گرداے بیچارہ می باید بود"

اسی کے ساتھ یہ حکایت بیان کی کہ ایک بار خواجہ ابوالحسن زنانی دجلہ کے کنارے پہونچے، تو دیکھا کہ ایک ماہی گیر دریا مین جال ڈال رہا ہے، خواجہ ابوالحسن زنانی نے ماہی گیر کو مخاطب کر کے فرمایا، کہ اگر مین صاحب ولایت و کرامت ہون گا، تو تمھارے جال مین میرے کہنے سے ڈھائی من وزن کی ایک مچھلی پھنسے گی، اور یہ مچھلی ٹھیک اسی وزن کی ہو گی، نہ کم ہو گی، نہ زیادہ، ان کے ارشاد کے مطابق واقعی اس وزن کی مچھلی پھنس گئی، اس کی خبر حضرت شیخ جنید قدس سرہ کو ملی، تو انھون نے فرمایا کہ کاش اس جال مین ایک مار سیاہ پھنستا، اور ابوالحسن کو کاٹ لیتا، کہ وہ ہلاک ہو جاتے، لوگون نے پوچھا کہ آپ ایسا کیون

فرماتے ہیں، جواب دیا کہ اگر سانپ ان کو کاٹ لیتا، تو وہ شہید ہو جاتے لیکن اپنی کرامت کے بعد زندہ رہے، تو ان کو یہ کہنا پڑے گا، کہ ان کا خاتمہ کس طرح ہوا، (ص ۱۷۳)

سلسلۂ چشتیہ میں سماع جائز ہے، فوائد الفواد میں کثرت سے اس کا ذکر آیا ہے، محبوب الٰہیؒ نے فرمایا کہ سماع ایک صوت موزون ہے، اس لئے حرام نہیں، اس سے تحریک قلب ہوتی ہے، اگر یہ تحریک یادِ حق کے لئے ہے تو مستحب ہے لیکن فساد کی طرف مائل ہے تو حرام ہے، (ص ۲۴۶)

سماع سے تین سعادتیں حاصل ہوتی ہیں :-

(۱) انوار،

(۲) احوال،

(۳) آثار،

اور یہ تین عالم سے نازل ہوتی ہیں :-

(۱) ملک،

(۲) جبروت،

(۳) ملکوت،

اور تین چیزوں پر نازل ہوتی ہیں،

(۱) ارواح،

(۲) قلوب،

(۳) جوارح،

انوار عالم ملکوت سے ارواح پر، احوال عالم جبروت سے قلوب پر اور آثار عالم ملک سے جوارح پر نازل ہوتے ہیں، انوار، پھر احوال اور آخر میں آثار ظاہر ہوتے ہیں، آثار کے نزول سے جسم میں حرکت اور جنبش پیدا ہوتی ہے، (صفحہ ۳۶) وفقہ جنبش اور ہیجان پیدا کرنے والی سماع کو ہاجم کہتے ہیں، لیکن سماع کے اثر کرنے کے بعد کسی شعر کو خدا یا اپنے پیر یا کسی ایسی چیز کی طرف محمول کرے، جو اس کے دل میں پیدا ہو تو وہ غیر ہاجم ہے، (ص ۱۱۴)

سماع کے لئے حسبِ ذیل شرطیں لازمی ہیں :-

(۱) سمع یعنی سُنانے والا، مرد ہو، لڑکا اور عورت نہ ہو،

(۲) مسموع یعنی جو چیز سُنی جائے، وہ ہزلیات اور فواحش سے پاک ہو،

(۳) مستمع یعنی جو سنے وہ صرف خدا کے لئے سنے،

(۴) آلاتِ سماع مثلاً چنگ، رباب، اور دوسرے مزامیر نہ ہوں، (ص ۲۴۶) محفل سماع میں عورتیں نہ ہوں، (ص ۹۵)

ایک مجلس میں مریدوں نے عرض کی کہ آج کل مخدوم کی خدمت کی خاطر بُرقت سماع سننا جائز کر دیا گیا ہے، محبوبِ الٰہی نے فرمایا، کہ جو چیز حرام ہے، وہ کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہو سکتی، اور جو چیز حلال ہے وہ کسی کے حکم سے حرام نہیں ہو سکتی، مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں سماع دف اور چغانہ ساتھ جائز ہے لیکن ہمارے علماء (احناف) اس کے خلاف ہیں لیکن اب اس اختلاف میں حاکم وقت کا جو حکم ہوگا، وہی صحیح ہوگا، مریدوں میں سے ایک نے گذارش کی، کہ آج کل بعض خانقاہوں میں درویش چنگ و رباب و مزامیر کی محفلِ سماع میں رقص کرتے ہیں، محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا، کہ وہ اچھا نہیں کرتے، کیونکہ جو فعل نامشروع ہے، وہ ناپسندیدہ ہے، ایک مرید نے عرض کی، کہ یہ درویش جب محفل سے باہر آتے ہیں اُن سے کہا جاتا ہے کہ ایسی محفل میں کیوں شریک ہوئے، جہاں مزامیر تھے، اور وہاں کیوں رقص کیا، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم سماع میں اس قدر مستغرق ہو جاتے ہیں، کہ ہم کو خبر نہیں ہوتی ہے، کہ اس جگہ مزامیر بھی ہیں، محبوبِ الٰہیؒ نے فرمایا کہ یہ جواب درست نہیں، اور یہ تمام باتیں معصیت کی ہیں، (ص ۲۲۷)

(باقی)

تصوّف اور اسلام

خالص اسلامی تصوف اور قدماے صوفیہ کے حالات و تصنیفات کا مفصل بیان، حجم ۲۴۲ صفحے قیمت عہ
حجم ۲۴۲ صفحے قیمت :- عہ

فیہ ما فیہ

ملفوظات مولانا رومؒ جو ایک نایاب کتاب تھی، مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی نے مختلف نسخوں سے مقابلہ کرکے اس کو مرتب کیا، اور معارف پریس اعظم گڈھ میں چھپوایا، قیمت :- عہ

منیجر

ہندوستان مین علوم حدیث کی تالیفات

از

جناب مولوی ابو یحیٰی امام خاں صاحب نوشہروی

(۲)

۱۷- ستر ہوین قسم سیرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ۱۲ کتابین

(۹۰) المنتخب المصطفٰی فی مولد المصطفٰی
(۹۱) اتحاف الخضرۃ العزیزہ بعیون السیرۃ الوجیزہ
(۹۲) الحدائق الخضرۃ فی سیرۃ النبی و اصحابہ العشرہ
(۹۳) المنہاج الی معرفۃ المعراج

للشیخ عبد القدیر العید روسی احمد آبادی (م ۱۰۳۸ھ / ۱۶۲۸ء) (ملاحظہ ہو عدد ۲۸)

(۹۴) روضۃ النبی (عربی) للشیخ شاہ حبیب اللہ القنوجی م ۱۰۴۱ھ / ۱۶۳۱ء ..... کتابے ست در یک مجلد و سہ بعبارت عربی مشتمل بر احوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مستمد از احادیث صحیح بخاری و جزآن" (اتحاف ۸۵)

شاہ عبد الحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) کی ۳ کتابین،

(۹۵) جذب القلوب الی دیار المحبوب (مع ترجمہ فارسی) سنہ تسوید ۹۹۵ھ / ۱۵۸۳ء اور سال تبییض ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء (جذب القلوب ص ۸) یہ کتاب اخبار الوفا باخبار المصطفٰی مولفہ نور الدین بن سید الشریف عفیف الدین عبد اللہ بن احمد الحسینی السمہودی المدنی م ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء کی تلخیص ہے جسکو شاہ صاحب نے سفر حج مین مرتب فرمایا و این از غنائم سفر حج این فقیر ست و الحمد للہ (جذب القلوب مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ص ۲۵۴)

(۹۶) حلیہ حلیہ سید المرسلین رسالہ فارسی است از شیخ عبد الحق محدث دہلوی در بیان حلیہ و شمائل نبویہ ترجمہ از احادیث وارد ہ این باب دآن را از کتاب خود مدارج النبوۃ جدا کردہ (اتحاف ۷۵)

(۹۷) منہاج النبوۃ (فارسی)

(۹۸) نظم الدرر و المرجان، للشیخ اولاد الدین البرکی جالندھری الہندی مجلد وسطا ست ..... و در آخرش

گفت قد فرغت من تسوید هذا الکتاب الجلیل القدر الذی ما صنف فی الاسلام مثله قط فی ما اظن یوم الثلثاء ۲ ذی الحجہ ۱۰۹۱ھ" (اتحاف ۱۷۲)

اور ابتدائے کتاب مین مرقوم ہے کہ یہ شمائل پر لکھی گئی، سن تالیف کا اندازہ سال تبییض (۱۰۹۱ھ) سے کیا جا سکتا ہے،

سید محمد مرتضی بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ) کی ۳ کتابین،

(۹۹) حدیقۃ الصفا فی والدی المصطفیٰ
(۱۰۰) الانتصار لوالدی النبی المختار
(۱۰۱) اتحاف الصفا فی صلوٰۃ المصطفیٰ

بحوالہ قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب (ص ۱۹۴)

اٹھارہوین قسم سیر و مناقب پر ۸ کتابین،

سید عبد القادر البدر روسی احمد آبادی (م ۱۰۳۸ھ) کی ۲ کتابین،

(۱۰۲) عقد اللآل فی فضائل الآل، (بحوالہ التعلیقات السنیہ ۹۵)

(۱۰۳) الانموذج اللطیف فی اہل بدر الشریف

سید مرتضی بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ) کی ۴ کتابین،

(۱۰۴) الرحیق فی نسب حضرت الصدیق
(۱۰۵) شرح الصدر فی اسماء اہل البدر
(۱۰۶) اقرار العین من نسب الحسن والحسین
(۱۰۷) مناقب اہل الحدیث

بحوالہ قضاء الارب من ذکر علماء النحو والادب (ص ۱۹۴)

معلوم نہیں مناقب اہل حدیث کا مصداق ہندوستان کے اہل حدیث حضرات بھی ہو سکتے ہین یا کتاب کا یہ نام صرف شغلۂ تدریس و تحدیث رکھنے والے خوش نصیبون پر ہی دال ہے، کاش! اصل کتاب مل سکتی تو اصلی مفہوم متحقق ہو سکتا،

فصل گل مین پڑین تو خوب کھلین
خرقۂ زہد پر شراب کے رنگ

(۱۰۸) لوامع الانوار فی مناقب السادات الاطہار مولانا عماد الدین معروف بہ

محمد عارف عبدالنبی شکارپوری اکبرآبادی (عدد ۳)

(۱۰۹) حالات الحرمین ... مولانا رفیع الدین مرادآبادی (م ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء) بعد د ۲،

انیسویں قسم مدونات (حدیث) ۱۲ کتابیں | شیخ حسن صنعانی لاہور (م ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء) کی ۳ تالیفات،

(۱۱۰) مصباح الدّجی من صحاح الاحادیث المصطفٰے ... (اتحاف ۱۵۲، التعلیقات السنیہ ۲۹)

(۱۱۱) الشمس المنیرہ فی الصحاح المأثورہ، محذوف الاسانید ... (اتحاف ۱۲۰، ۱۴۷، ۲۴۳)

(۱۱۲) کشف الحجاب عن احادیث الشہاب (اتحاف ۱۰۲) یہ کتاب شہاب الاخبار کی تہذیب وتبویب ہے جس کا پورا نام شہاب الاخبار فی الحکم والامثال والآداب ہے، مولفہ قاضی ابوعبداللہ محمد بن سلامہ ابن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی الشافعی م ۴۵۴ھ/۱۰۶۲ء (اتحاف ۱۰۲)

ابن سلامہ نے شہاب میں احادیث کے ایک ہزار ایسے ٹکڑے جمع کئے ہیں، جن میں کا ہر ایک جملہ اپنے ماقبل جملے کا گویا دوسرا ٹکڑا تھا، اسی کتاب کا ملخص شیخ نجم الدین الغیطی محمد بن احمد الاسکندری (م ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ء) نے کیا، واصلاحش امام حسن بن محمد صغانی کردہ وکشف الحجاب عن احادیث الشہاب نام نہادہ وبراے صحیح وضعیف علامتے مقرر کردہ، وبرابواب مرتب نمودہ مثل المشارق (اتحاف ۱۰۲) اور اسی کشف کا دوسرا نام تخریج الاحادیث من کتاب الشہاب للقضاعی ہے، (فہرس الکتب العربیہ فی الدار لخایت ۱۹۳۱ء ص ۹۲، رقم ۱۸۸۵)

(۱۱۳) قرۃ العینین فی اثبات رفع الیدین، منظومۂ فارسی: از شاہ محمد فاخر زائر الہ آبادی (م ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۰ء) علماے ہند میں سب سے پہلے تارک تقلید شخصی (قولاً وفعلاً) شق اول پر آپ کا فارسی دیوان ناطق ہے جس کی تمام غزلیں تقلید کی مذمت اور اتباع (من غیر تقلید) پر دال ہیں، اور شق دوم پر آپ کا عمل یہ تھا، کہ جامع مسجد دہلی میں (بعہد شاہ ولی اللہ م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) آمین بالجہر کہی، اس میں پکڑے گئے، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے حضور میں بحیثیت مجرم پیش ہوئے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ حدیث میں جہر بھی ہے، اس پر حضرت زائر کو رہائی نصیب ہوئی، (مستفاد از تراجم علماے حدیث ہند جلد ۱ ص ۳۳۹)

جناب زائر سلسلۂ شاہ محمد اجمل مرحوم (دائرہ شاہ اجمل الہ آباد) سے ہیں، اختلاف عقائد وعمل کے باوجود بقیۃ السلف اصحاب دائرہ آپ کی تعظیم فرماتے ہیں، دائرہ میں آپ کا لقب حاجی صاحب ہے، اور جب سے آپ نے دائرہ میں مزار میر بند کئے آج تک ان کا رواج نہ ہوسکا، کہ ع

ع نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ) کی ۳ کتابیں،

(۱۱۴) اللآلی المتناثرہ فی الاحادیث المتواترہ "مجلد احادیث این کتاب ہفتاد و یک حدیث است، کہ اہل حدیث آن را متواتر گفتہ اند سال تالیفش ۱۱۹۴ھ ست" (اتحاف ۱۲۰)

(۱۱۵) امالی الحنفیہ، مولف سے بنفسہٖ منقول ہے :-

"فنذہ احادیث وآثار واشعار املیتہا من حفظی ولفظی فی زاویۃ القطب شمس الدین ابی محمود الحنفی قدس سرہ عقیب دروس کتاب الشمائل للحافظ ابی عیسی الترمذی معتمہا فی ہذہ الاوراق قبل الانتشار" (اتحاف النبلاء ۲۴)

(۱۱۶) عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ امام ابی حنیفہ (علماے ہند ۲۲۴ رسالہ معارف میں اس پر مفصل مضمون شائع ہو چکا ہے،

(۱۱۷) نور العینین فی اثبات رفع الیدین (عربی قلمی) مولانا شمس الحق ڈیانوی بہاری (م ۱۳۳۶ھ / ۱۹۱۱ء) صاحب عون المعبود کے کتب خانہ میں ہے،

از شاہ ابو اسحاق لہراوی اعظم گڈھی (م ۱۲۳۴ھ / ۱۸۱۸ء) آپ شیخ محمد ناصح الہ آبادی اور شاہ محمد فاخر زائر الہ آبادی (م ۱۱۶۴ھ / ۱۷۵۰ء) کے شاگرد ہیں، (مستفاد از تراجم علماے حدیث ہند ج ۱ ص ۳۰۲)

(۱۱۸) تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین، از مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی (م ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰ء) مشہور و متداول ہے نواب صاحب فرماتے ہیں،

"در بیان حکم رفع مذکور و تامین بالجہر و قرأت فاتحہ خلف الامام و ضم یدین و جزآن بادلۂ حدیثیہ موافق اصول حنفیہ....." (اتحاف ۴۴)

(۱۱۹) قویم فی احادیث النبی الکریم، از مولانا سخاوت علی جونپوری (م ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۷ء) عربی حامل المتن ترجمہ اردو صفحات ۵۲۲، مطبوعہ مطبع صدیقی بنارس (۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۵ء) سال طبع شروع میں مولف فرماتے ہیں :-

"اقرؤ کتابی الذی جمعت فیہ الاحادیث والآثار الصحیحۃ فی السنن والاحکام لبشق الانفس وانتبت بائمۃ الفن واحتسبت

فیہ من الملک الکریم،

صحیح بخاری کی طرح افتتاح حدیث انما الاعمال بالنیات سے ہی، اس کے بعد باب الطہارۃ اور آخر کتاب مین باب الفرائض ہے اس کی آخری حدیث الحقوا الفرائض باھلھا ہے اور اسی پر کتاب ختم ہوگئی ہی، بہ ترتیب فقہی مولانا سخاوت علی کا ترجمہ بعنوان القول الجلی فی تذکرۃ مولانا المولوی سخاوت علی" (اردو مین) بطور ضمیمہ آخر مین منضم ہے،

آپ کے اساتذہ مین مولانا اسماعیل شہید (م ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) اور مولانا ابو الحسنات عبدالحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء ہین[1] جونپور کا مشہور مدرسہ قرآنیہ (جامع مسجد) اور وہان کا معروف خاندان علم و فضل آپ کے باقیات صالحات سے ہین،

انہی دونون سے الٰہی رہی زندان آباد غل ہو نہ نجیر کا نالہ ہو گرفتارون کا

(۱۲۰) اثبات رفع الیدین فی المواضع الاربعۃ من العقود (فارسی) از سید حیدر علی رام پوری (م ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء) تراجم علماے حدیث ہند ج ۱ ص ۴۹۰) آپ اور آپ کے بھائی سید محمد علی دونون علم و عمل کی دوگونہ سعادت سے بہرہ اندوز تھے، علم کی داستان تو مدرسون اور کتابون کی زبان پر ہے، اور عمل کا فسانہ شہدائے ہند بالاکوٹ پر منقوش ہی، سعادت جہاد سے سرفراز ہوئے، اور وہان سے امام نے یہی سبق دوسرون کو پڑھانے کے لئے مدراس بھیج دیا،

کچھ قبرون کو یاد ہین کچھ بلبلون کو حفظ عالم میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستان کے ہین

(۱۲۱) منتہی المقال فی شرح حدیث شد الرحال، از مفتی صدر الدین دہلوی (م ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) (اتحاف ۱۹۱) امام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ/۱۳۲۷ء) کے ذکر خیر پر مشتمل ہے، گویا مفتی صاحب علامہ تقی الدین سبکی (م ۷۵۶ھ/۱۳۵۵ء) کی زبان سے بول رہے ہین، شفاء الاستقام (للسبکی ممدوح) کا اردو ترجمہ، عربی نہ جاننے والون کے افادہ کی غرض سے امارت شرعیہ پھلواری شریف نے چھپوا دیا ہے، یہ کتاب مسئلہ وجوب زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، جس (وجوب) کے انکار کی پاداش مین ابن تیمیہ محبوس ہوئے، اور مجلس سے ملائکہ کے دوش پر نکلے، اس مسئلہ پر مولانا ابو الحسنات عبدالحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) اور مولوی بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۰ء) کے درمیان بحثین ہوئین،

---

[1] معارف:- یہ صحیح نہین ہے،

بیسویں قسم موضوعات حدیث پر کتابیں | (۱۲۲) رسالہ فی الموضوعات، از شیخ حسن صغانی لاہوری (م ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء) میرے مقدم جناب ڈاکٹر زبید احمد صاحب نے (معارف دسمبر ۱۹۴۲ء) میں شیخ حسن محدث کے رسائل موضوعات حدیث میں صرف ایک رسالہ کا تذکرہ فرمایا ہے، کہ ان میں ایک حسن صغانی مقدم الذکر کا رسالہ فی الموضوعات من الحدیث ہے،

مگر مولانا عبد الحی لکھنوی (م ۲۹ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) الفوائد البہیہ میں امام حسن صغانی کی تالیفات کے ذیل میں آپ کے رسائل موضوعات میں ۲ رسالوں کا ذکر فرماتے ہیں، لیکن نام نہیں لکھا ہے،

"قلت[1] ومن تصانیفہ رسالتان جمع فیھما الاحادیث الموضوعۃ وادرج فیھما کثیراً من الاحادیث الغیر الموضوعۃ فعد ذلک من المسندین کابن الجوزی وصاحب سفر السعادۃ وغیرھما من المحدثین" (الفوائد البہیہ صفحہ ۳)

فہرس دار الکتب العربیہ الموجودۃ فی الاڈر لنایت ۱۹۲۱ء (ص ۱۱۵، رقم ۵۰۸) میں شیخ حسن صغانی (م ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء) کی ایک تالیف (حدیث) کا نام الدر الملتقط فی تبیین الغلط درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوعات حدیث پر ہے، مگر مرتب فہرس نے شیخ کے اس رسالہ کا ذکر عنوان موضوعات حدیث میں نہیں کیا ہے، یوں بھی اس فہرس میں کئی کتابوں کا اندراج غیر محل میں ہے، اسی فہرس میں امام حسن لاہوری (ممدوح الصدر) کی موضوعات حدیث میں ۲ اور کتابوں کا ذکر ہے،

ایک فی الاحادیث الموضوعۃ تالیف ابی الفضائل حسن بن محمد بن الحسن الصغانی مخطوط: ۲، ۲، مجامیع: ص ۱۱۸،

دوسری رسالہ اخری فی الاحادیث الموضوعۃ للمؤلف المذکور: مخطوط (صفحہ ۸۵)[2]

---

[1] (۱) الفوائد البہیہ میں لفظ قلت سے مولانا عبد الحی کا قول مراد ہے جیسا کہ ص ۹ س ۸ میں خود تصریح فرمادی

(۲) الفوائد البہیہ تلخیص ہے اعلام الاخیار محمود بن سلیمان لکھنوی کی،

(۳) التعلیقات السنیہ جو الفوائد.... کے حاشیہ پر ہے وہ البتہ مولانا کی تالیف ہے مگر تعجب ہے کہ اس میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے صاحبزادوں کا ذکر نہیں

[2] حوالہ دیکھئے فہرس دار الکتب العربیہ مذکورہ الصدر

(۱۲۳) الاحادیث الموضوعہ (قلمی) از شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء)
(فہرست نوادر ندوۃ العلماء لکھنؤ ص ۲۸۵ عدد مسلسل ۱۱۳۹)

اکیسوین قسم اربعینیات اور ان کی شروح پر ۱۲ کتابیں

(۱۲۴) اربعین، ابوالحسن عبدالفاخر بن اسماعیل بن عبدالفاخر الفارسی (م ۵۲۹ھ/۱۱۳۳ء) (بحوالہ فہرس الکتب العربیۃ.... مخطوطہ نمبر ۱۲۹۵ صفحہ ۸۰) ترجمہ کے لئے عدد ۳۲ ملاحظہ ہو،

(۱۲۵) شرح اربعین، از مخدوم شوٹھوی سندی (م ۹۴۹ھ/۱۵۴۲ء) (علمائے سند ۲۲۲) تاریخ معصومی میں ہے :-

"مخدوم رکن الدین المشہور بمخدوم منتو (یا تتار) وفی البعض متھوکہ تلفظ سندی است (م ۹۴۹ھ/۱۵۴۲ء) در بلدہ ٹھٹھ وفات یافت"
(تاریخ معصومی ص ۲۰۰ تالیف سید محمد معصوم بھکری المتوفی ۱۰۱۹ھ مطبوعہ قیمہ (بمبئی ۱۹۳۸ء)

(۱۲۶) شرح اربعین النوویہ
(۱۲۷) شرح اربعین ملا علی قاری
} از شیخ محمد حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء)

(۱۲۸) شرح اربعین نووی : مولوی رفیع الدین مرادآبادی (م ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء) (اتحاف ۲۵۱)

(۱۲۹) حبل المتین شرح اربعین : از مولوی عبدالباسط قنوجی (م ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء) (اتحاف ص ۱۹۱)

(۱۳۰) اربعین : از سید اولاد حسن قنوجی (م ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء) "منظوم بفارسی بطرز مثنوی مولوی روم و یک جلد موسوم بہ راہ نجات و غالب احادیث اربعین در ردشرک و بدع است (اتحاف ۹) ممدوح نواب صدیق حسن خان کے والد بزرگوار ہیں،

(۱۳۱) باغ رحمت : (بزبان فارسی) مولانا سید محمد علی رام پوری (م ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء) نواب محمد علی خان والی ٹونک نے طبع کرائی تھی، چہل حدیث کا ترجمہ ہے، (تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۴۹۸)

(۱۳۲) اربعین فی فضل الحج والعمرۃ : از شاہ محمد اسحاق دہلوی مہاجر مکی (م ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء)
وتتمہ این اربعین مولوی عبدالقیوم است (اتحاف ۱۱) (سال وفات مولوی عبدالقیوم ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء)

(۱۳۳) الاحادیث المتبرکہ :- چہل حدیث است با ترجمۂ اردو و فوائد مفتی عنایت احمد (م ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء)۔ (اتحاف ۵)

(۱۳۴) اربعین فی فضائل المهدیین
(۱۳۵) اربعین فی فضائل المجاہدین
(۱۳۶) اربعین فی ما یتعلق بالامیر والتابعین
} "واین ہر سہ اربعین از علما ے ادب است"
(اتحاف - ۱۱)

راقم الحروف نے اس کا مطبوعہ نسخہ پڑھا ہے، اس کی بعض احادیث بھی نقل کرائی تھین، ایک کالم مین حدیث، دوسرے مین اردو ترجمہ ہوا ان مین سے ایک مولانا ولایت علی صادقپوری (م ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۳ء) اور باقی دو آپ کے خاندان یا اعوان و انصار کی تالیفات ہین، ۱۸۵۷ء/۱۲۷۴ھ سے قبل ہی ان حضرات کا انتقال ہوا، اصل کتاب فی الوقت دستیاب نہین ہوسکی، اس مجموعہ مین اور رسائل بھی ہین، جن کا نام تسعہ رسائل ہے،

بائیسوین قسم اور آخری قسم از کار ماثورہ پر ۳ کتابین

(۱۳۷) اسباب النجاۃ والنجاح فی اذکار الصباح والمساء: از شیخ عبدالقادر العیدروسی الاحمدآبادی (م ۱۰۳۸ھ/۱۶۲۸ء) (التعلیقات السنیہ ۳۶) عدد ۳۶ ملاحظہ ہو

(۱۳۸) کتاب الاذکار: مولوی رفیع الدین مرادآبادی (م ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء) اتحاف ۱۵۱ (عدد ۱۵۱ ملاحظہ ہو)

(۱۳۹) انتخاب الحسنات ترجمۂ دلائل الخیرات: مولوی عبدالباسط قنوجی (م ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء) (اتحاف ۱۰۰ (عدد ۴۲)

ذکر مناقب نبی (النبی)

(۱۴۰) رسالہ فی احادیث متعلق بفضل یوم عاشورا: از سید محمد مرتضیٰ بلگرامی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ): مخطوط: ۱۶۰ مجامیع: (فہرس الکتب الموجودۃ فی الدار لغایت ۱۹۲۱ء)

(۱۴۱) سئلوا الکئیب بذکر الحبیب: از مولوی رفیع الدین مرادآبادی (م ۱۲۱۰ھ/۱۷۹۵ء) (عدد ۱۶)

عرب کی موجودہ حکومتیں

جزیرۃ العرب کے ساتھ مذہبی تعلق وعقیدت کے باوجود ہندوستان کے مسلمانون کو نجد وحجاز کے علاوہ عرب کے دوسرون حصون اور حکومتون کے حالات سے بہت کم واقفیت ہے، اس لئے اس کتاب مین عرب کا تفصیلی جغرافیہ اور تمام قابل ذکر حکومتون نجد وحجاز، عسیر، یمن، یمن نواحی تسعہ، بحرین، کویت اور فلسطین وشام کے مختصر حالات جمع کر دیئے گئے ہین، ضخامت ۱۰۰ صفحے قیمت :- ۴ر

منیجر

جوابِ استفسار

حضرت عمرؓ اور غزوۂ اُحد مین ثباتِ قدمی

جناب سعید احمد باڑی شمسی دہلوی
دہلی، ٹیمپر ہاؤس صدر کباڑی بازار دہلی

"گذارش ہو کہ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے الفاروق مین ص ۲۳ پر بحوالہ تاریخ بلاذری حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنگِ احد مین ثابت قدم نہ رہنا، اور جناب باری کا اس کو معاف فرما دینا تحریر فرمایا ہے، تو کیا اس روایت کا انحصار صرف بلاذری پر ہے جس کے راویون کو علامہ مرحوم نے مجہول الحال قرار دیا ہے، کیا بلاذری کے علاوہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر صحاح و مسانید کتب تاریخ مین اس فرار کا قطعاً ذکر ہی نہین ہے امیدوار کہ ہادی حقیقت نما اس کے جواب سے حقیر کو سرفراز فرمائین گے،،

معارف:- غزوۂ احد مین حضرت عمرؓ کی ہمت کے شکست ہو جانے اور میدانِ جنگ چھوڑ دینے کی جو روایت بلاذری کی کتاب انساب الاشراف سے منقول ہے، اس کی تصدیق کتب صحاح یا تاریخ سے نہین ہوتی، مین نے احتیاطاً مختلف کتب صحاح و تاریخ کا مراجعہ کیا، یہ روایت کسی جگہ نظر نہین آئی، اس لئے جیسا کہ مولانا شبلی مرحوم نے لکھا ہے، یہی باور کیا جائے گا، کہ وہ روایت سراسر بے بنیاد ہے،

افسوس کہ انساب الاشراف کی وہ جلد ہمارے کتب خانہ مین موجود نہین جس مین حضرت عمرؓ کے حالات درج ہین ورنہ ہم صحیح طریقہ سے اس روایت اور خود بلاذری کے نزدیک اس کی حیثیت پر گفتگو کر سکتے تھے، کیونکہ دوسری روایتون مین اس کی واضح شہادتین موجود ہین، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آخر وقت تک غزوۂ احد مین ثابت قدم رہے، علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری مین واقدی اور خود بلاذری کے حوالہ سے ان لوگون کے نام گنائے ہین، جو غزوۂ احد مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم

رہے تھے، اس فہرست میں حضرت عمرؓ کا اسم گرامی موجود ہے، علامہ ابن حجر لکھتے ہیں :-

وَقَدْ ذَكَرَ الواقدی والبلاذری	واقدی اور بلاذری نے ان لوگوں کے
اسماء من ثبت مَعَہ صَلَّی اللّٰہ	ناموں کا تذکرہ کیا ہے جو غزوۂ اُحد میں
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ المُهاجِرِین	آنحضرت صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم
ابُوبکر وعُمر وعلی وَسَعد	رہے تھے، ان میں مہاجرین میں سے حضرت
بن عوف ومِن الانصار اُسَید	ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ و حضرت
بن حضیر..... الخ	سعد بن عوفؓ تھے، اور انصار میں سے
(مقدمہ فتح الباری ص۳۰۹)	حضرت اسید بن حضیر..... (وغیرہ) رضی اللہ عنہم

بہرحال حضرت عمرؓ غزوۂ احد میں شروع سے آخر تک ثابت قدم رہے، اور پہاڑی پر چڑھنے کے بعد ابوسفیان سے ان کا وہ مشہور مکالمہ ہوا جو حدیثوں اور تاریخوں میں درج ہے،

امام ابوحنیفہ و امام مالکؒ کے نزدیک صحیح احادیث کی تعداد

جناب مظہر حسین صاحب
سعرفت یونین ٹینری نمبر ۳۱ فیرس لین چورنگی کلکتہ،

(۱) کیا امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا یہ عقیدہ تھا کہ تمام مجموعہ ہائے احادیث نبویہ صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلم میں سے صرف (۱۷) سترہ حدیثیں صحیح اور قابل عمل ہیں، باقی تمام احادیث غیر صحیح اور ناقابل عمل،

(۲) کیا حضرت امام مالکؒ یا امام حنبلؒ کا یہ عقیدہ تھا کہ تمام مجموعہ ہائے احادیث نبویہ میں سے صرف (۷۰) ستر احادیث صحیح اور قابل عمل ہیں، باقی غیر صحیح اور ناقابل عمل،

(۳) کیا علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النعمان میں یہ لکھا ہے، کہ امام ابوحنیفہ صرف سترہ احادیث کی صحت کے قائل تھے، اور امام مالکؒ یا امام حنبل (احمد بن حنبلؒ) صرف ستر احادیث کے اور یہ ائمہ کرام، ایا، کے سوا باقی تمام احادیث کے غیر صحیح اور ناقابل عمل ہونے کے قائل تھے"؟

معارف: - یہ ساری روایتیں بے بنیاد ہیں،

۱- امام اعظم علیہ الرحمہ کے زمانہ تک تو احادیث کے وہ مجموعے جو اس زمانہ میں ہمارے ہاتھوں میں مدون موجود ہیں، سرے سے مدون نہیں ہوئے تھے، اس لئے ان کی طرف اس قسم کا قول منسوب کرنا صریحاً افترا ہے،

۲- امام مالک کا ترتیب دیا ہوا مجموعۂ احادیث موطا موجود ہے، اس میں تمام تر صحیح حدیثیں ہیں، البتہ اس موطا میں دس ہزار حدیثیں تھیں لیکن امام مالک نے آٹھ ہزار سے زیادہ حدیثیں مجموعہ سے علیحدہ کر دیں اور ۱۷۲۰ حدیثیں اس میں باقی رکھیں، ان میں سے مسند و مرفوع ۶۰۰ ہیں، اس لئے اگر یہ فرض یہ بھی مان لیا جائے کہ امام مالک رح کے نزدیک صحیح اور قابلِ عمل حدیثیں وہی ہیں، جو موطا میں موجود ہیں، تو بھی ان کی تعداد ستر کے بجائے ۲۰، ہے، حالانکہ یہ تعداد دراصل ان احادیث کی ہے جن کو انھوں نے اپنے منتخب مجموعہ میں لینا مناسب سمجھا، اس کا یہ مقصد نہیں کہ اس سے باہر کی حدیثیں ان کے نزدیک صحیح نہیں تھیں،

۳- سیرۃ النعمان کے نسخے آپ کو کلکتہ میں مل جائیں گے، آپ خود مراجعہ کرکے دیکھیں کہ کسی جگہ بھی اس قسم کی کوئی روایت یا عبارت موجود ہے، بلکہ صرف یہ ہے کہ

"حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا، وہ یہ تھا کہ بہت کم حدیثیں ہیں جو صحیح ہیں، یا یہ کہ بہت کم حدیثیں ہیں جن کی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے" (ص ۸۴)

اس کا مقصود یہ نہیں کہ تحدید کرکے، ۱، یا، متعین کر دی جائیں آپ اس کو سیرۃ النعمان ص ۸۴ و ۸۵ میں خود پڑھیں، تفصیل سامنے آجائے گی، مولانا شبلی مرحوم نے تو اس کی تردید کی ہے اور آگے چل کر لکھا ہے کہ "ان کے شاگردوں نے خود اُن سے سینکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں" (ص ۸۵) "س"

سائنس کے بعض نظریے اور اسلام

جناب مظہر حسین صاحب
سعرف یونین ٹینری نمبر ۱۳ فیرس لین چورنگی روڈ

(۱) موجودہ سائنس کا خیال ہے کہ دنیا گول ہے اس سلسلہ میں قرآن کریم یا احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا فیصلہ ہے!

(۲) موجودہ سائنس کا خیال ہے کہ سورج نہیں گردش کرتا، بلکہ دنیا سورج کے اردگرد

گھومتی ہے، اس سلسلہ میں قرآن حکیم یا احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا فیصلہ ہے، ؟

معارف:- دنیا گول ہے یا مستطیل، دنیا سورج کے گرد گھومتی ہے، یا سورج دنیا کے گرد چکر کرتا ہے، یہ اور اس قسم کے تمام مسائل، اسلام کے موضوع گفتگو سے باہر ہیں، دنیا کے متعلق اسلام کا عقیدہ صرف اسی قدر ماننا ضروری ہے کہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے، اس نے اس کائنات کے قیام و بقا اور کاروبار کے جاری رہنے کے لئے چند طبعی قوانین بنا دیتے ہیں، انہی کے بموجب اس کائنات کا کاروبار جاری ہے، بندوں کو یہ بھی حکم دیا گیا، کہ وہ آسمان و زمین، چاند، ستارے کے پیدا کئے جانے اور ان کے کام آنے کے منافع پر غور و فکر کریں، تاکہ اس سے ان کے پیدا کرنے والے کی عظمت و کبریائی کی یاد تازہ رہے، لیکن اسلام نے اپنے ماننے والوں سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ دنیا کو گول یا مستطیل مانیں، انسانوں کو عقلیں دی گئی ہیں، وہ ان سے کام لیں، علوم عقلیہ کے ذریعہ مسائل و نتائج حاصل کریں، اگر ایک انسان کی قائم کی ہوئی عقلی دلیلیں معقول ہیں، تو دوسرے انسان اپنے عقل و شعور سے ان کی صحت و عدم صحت کی جانچ کریں، اور جو کچھ عقلی طور پر سمجھ میں آئے، اس کو تسلیم کریں اور اگر معارض دلیلیں ان کے ذہن میں آئیں، تو وہ ان کو پیش کریں، اور ان سے نتائج کو ثابت کریں،

اس لئے اسلام کی عدالت میں یہ مسائل سرے سے پیش نہیں ہو سکتے، اسلام کا مطمح نظر تزکیۂ اخلاق ہے، اور بندوں کو ان کے رب کی بارگاہ تک لیجانا، اور رب کی مرضیوں کے مطابق بندوں کو اپنی زندگی گذارنے کی تلقین کرنا ہے، اس لئے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ان حدود میں دنیا کے گول یا مستطیل ہونے، سورج یا زمین کے گردش کرنے کے مسائل داخل نہیں ہو سکتے ہیں اس لئے ان کے متعلق اسلام کا کوئی خاص نقطۂ نظر مقرر نہیں ہے، اسلام نے انسانوں کو یہ پیام ربانی سنایا کہ

وَخَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا، جو کچھ زمین میں ہے وہ سب تمہارے لئے پیدا کیا،

نیز کہا

سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے وہ تمہارے لئے مسخر کیا گیا،

ظاہر ہے کہ جب موجودات کا ذرہ ذرہ ہمارے تابع کیا گیا تو یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے تجربوں اور مشاہدوں سے ان کے نفع و نقصان اور سود مند ہونے اور ضرر رساں ہونے کے مواقع کو پہچانیں، اور اپنے علم سے فائدہ اٹھائیں، اسلامی مطمح نظر کے مطابق علم کی دو بنیادی قسمیں ہیں، اصلی علوم، اور علوم آلیہ، اصلی علوم وہ ہیں جن کا منبع و سرچشمہ

وحی ربانی ہو ان علوم کے ذریعہ انسان خالق کی معرفت حاصل کرتا ہو اور طاعت بجالاتا ہے اور یہی انسان کی پیدایش کا اصل مقصود ہو، دوسرے علوم آلیہ ہین جن کا سرچشمہ عقل انسانی تجربہ بخش اور اکتساب ہو، اسلام کے نصب العین کے مطابق ان علوم کے ذریعہ اس دنیا مین زندگی گذارنے کے وسائل حاصل ہوتے ہین اور زمین و آسمان کے موجودات کو انسانون کے لئے جو مسخر کیا گیا ہے انسان ان علوم کے ذریعہ ان کو اپنے تابع کرتا ہو، ان دونون علوم کو شرعی و دنیاوی علوم سے بھی تعبیر کیا جاتا ہو، امام غزالی اور دوسرے علماے اسلام نے شرعی علوم کی تحصیل کے ساتھ ان دنیاوی علوم کی تحصیل کو بعض اوقات فرض کفایہ کی حد تک ضروری قرار دیا ہے، اور جب انسان موجودات عالم کے متعلق اپنے علم کو عقل و شعور سے بڑھائیگا تو اس کو نئے تجربون اور مشاہدون سے سابقہ ہوگا، اور ان تجربون اور مشاہدون سے اس کی راہین بدلتی جائین گی، اس لئے موجودات عالم مین سے کسی خاص چیز مثلاً زمین یا سورج کے متعلق یہ دریافت کرنا کہ قرآن مجید یا احادیث کے رو سے دنیا گول ہو یا مستطیل، زمین گردش کرتی ہے یا سورج چکر لگاتا ہو، صحیح نہین ہے، اسلام کے بنیادی عقائد کا تعلق تمام تر علوم اصلیہ یعنی شرعی علوم سے ہے، ان مین اس کے چند خاص عقیدے مقرر ہین جن پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا گیا، اور ان سب عقائد کا سرچشمہ تمام تر وحی الٰہی ہو، باقی دنیاوی علوم جو انسانون کے زیر مشق ہین، ان کے لئے اسلام نے نہ کوئی عقیدہ بیان کیا ہے، اور نہ کسی خاص مسئلہ مین اس کے کسی خاص پہلو کو قبول کرنے کا مشورہ دیا، ان علوم کے سارے مسائل و معتقدات نظریات ہین، اور نظریات کی اصل حقیقت یہی ہے کہ ان پر مشق و تجربہ کا سلسلہ جاری رہے، اور انسان ان کو اپنی عقل و تجربہ کی میزان پر تولتا اور رد و قبول کرتا رہے،

والسلام "س"

خلاصۃ التواریخ

جناب محمد اسلم صاحب بکرماله جہلم (پنجاب) — خلاصۃ التواریخ کو کس نے لکھا اور کس زمانہ مین لکھی گئی؟"

معارف:- خلاصۃ التواریخ سبحان رائے کی تصنیف ہے، ۱۱۰۲ھ جلوس عالمگیری یعنی ۱۷۰۰ء مین تکمیل پائی ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ ہمارے کتب خانہ مین موجود ہے کتاب چھپ چکی ہے!

"س"

مطبوعاتِ جدیدہ

نادراتِ شاہی شائع کردہ کتب خانہ ریاست رامپور تقطیع بڑی ضخامت ۳۰۸ صفحے کاغذ اچھا ٹائپ روشن، قیمت مرقوم نہیں، پتہ کتب خانہ ریاست رامپور،

کتب خانہ ریاست رامپور کی جانب سے اہم اور نادر کتابوں کی اشاعت کا جو مفید سلسلہ شروع ہوا ہے، نادراتِ شاہی اس سلسلہ کی ایک نادر کڑی ہے، تیموری سلاطین سنسکرت اور ہندی زبان اور ان کے علوم و فنون کے بڑے قدردان اور سرپرست تھے، ان کی قدردانی کی یادگارین آج تک باقی ہین، نادراتِ شاہی اسی سلسلہ کی ایک قیمتی یادگار ہے، شاہ عالم ثانی اردو اور فارسی کے ساتھ ہندی کا بھی قادرالکلام شاعر تھا، ان تینون زبانون مین اس کے کلام کا ایک نادر مجموعہ جو خود شاہ عالم کے حکم سے ۱۲۱۲ھ مین ترتیب دیا گیا تھا، ریاست رامپور کے کتب خانہ مین موجود تھا، اس کے فاضل ناظم مولوی امتیاز علی خان صاحب عرشی کی جوہر شناس نگاہ نے اس کو ڈھونڈ نکالا، اور ان کی تصحیح و مقدمہ کے ساتھ کتب خانہ کی جانب سے شائع ہوا ہے، اس مین فارسی اردو کی صرف چند غزلین ہین، اس لئے درحقیقت ایسے ہندی ہی کے کلام کا مجموعہ کہنا چاہیے، یہ نسخہ نہایت مرتب ہے، ہر صنف شاعری کی تظمین الگ الگ، اردو دیوناگری دونون رسم الخط مین لکھی ہوئی ہین، اکثر نظمون کے راگ اور تال بھی دیدئے ہین، راقم حروف کو ہندی زبان سے بیت کم واقفیت ہے لیکن جس حد تک ہے اسکے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ شاہ عالم کا یہ کلام ہندی کے کسی اچھے شاعر کے کلام سے کسی طرح کم نہین، مجموعہ مختلف حیثیتون سے قابل قدر ہے، شاعرانہ حیثیت کے علاوہ اس سے قلعہ معلی کی زندگی، اس کے رسوم اور شاہ عالم کی خانگی زندگی کے متفرق حالات معلوم ہوتے ہین، جن لوگون کو فاضل مصحح کی تصحیح کردہ کتابون کے مطالعہ کا موقع ملا ہے، ان کو اس کا علم ہوگا کہ تصحیح کے اہتمام اور مختلف ماخذون سے کتاب و مصنف کے متعلق ضروری معلومات

کی فراہمی اور تلاش وتحقیق کے اعتبار سے ان کی تصحیح کردہ کتابوں کی حیثیت مستقل تصنیف سے کم نہیں ہوتی، یہ کتاب بھی ان خصوصیات کی حامل ہے، چنانچہ کتاب کے شروع میں مصحح کے قلم سے شاہ عالم ثانی کے محققانہ حالات، اس کے علمی وادبی ذوق پر تبصرہ اور دوسرے متفرق ومفید معلومات ہیں، نام ومقالات کا انڈکس بھی دیدیا گیا ہے، امید ہے کہ یہ مجموعہ اصحابِ علم میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

داستان کربلا مرتبہ جناب محمد عبدالرحمٰن سعید صاحب صدیقی تقطیع اوسط ضخامت ۲۵۶ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت چار روپیہ، پتہ، عثمانیہ پتہ نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن،

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا حادثہ تاریخ اسلام کا ایسا واقعہ ہے، جس میں اسلامی فرقوں نے بڑی افراط وتفریط سے کام لیا ہے، بعضوں نے اس کو اپنی ملی زندگی کا محور بنایا ہے، بعض ناواقف اسلام کے سیاسی اور اجتماعی نقطۂ نظر سے اس پر اعتراض کرتے ہیں، لائق مرتب نے اس دوسرے گروہ کے جواب میں واقعۂ کربلا کے متعلق ہندوستان کے چند مشاہیر اصحاب علم وقلم کے سات مضامین وتقریریں اس کتاب میں جمع کردی ہیں، چار مضامین داستان کرب وبلا، حادثۂ کربلا، اسوۂ حسین اور یادِ حسین مولانا ابوالکلام آزاد کے ہیں، ایک مضمون شہادت حسینؓ مولانا سید مناظر احسن گیلانی کا اور دو تقریریں ذکر حسین وشہادت کبریٰ بہ ترتیب شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خان اور نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی ہیں، جو انھوں نے گذشتہ سیزدہ سالہ یادگار حسینی کے موقع پر کی تھیں، ان مضامین اور تقریروں میں واقعۂ کربلا کے تاریخی حالات، اس کی دینی اخلاقی وسیاسی حیثیت کی پوری تفصیل وتشریح ہوگئی ہے، یہاں تک مرتب کی، نیت نیک اور ان کا مقصد بالکل صحیح تھا، انھوں نے کتاب کے مقدمہ میں یزید کی نااہلیت اور اس کی بیعت کی کیفیت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس سے بھی انکار نہیں لیکن ایک صدیقی کے قلم سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مخفی طنز نازیبا ہے، مقدمہ کا بڑا حصہ دارالمصنفین کی کتاب تاریخ اسلام سے ماخوذ ہے، جابجا حوالے بھی دیدیئے ہیں، لیکن بعض عبارتیں بلا حوالہ بھی نقل کردی ہیں، یا اصل ماخذوں کا حوالہ دیدیا ہے، نفس کتاب حادثۂ کربلا پر مضامین کا اچھا مجموعہ ہے،

تاریخ سیاسیات مؤلفہ جناب عبدالمجید صاحب صدیقی استاد تاریخ جامعۂ عثمانیہ، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۳ روپیہ، پتہ سب رس کتاب گھر ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد،

اردو زبان اب سیاسیات کے موضوع سے بے گانہ نہیں رہی، اور جامعہ عثمانیہ کے بدولت اس پر کئی کتابیں نکل چکی ہیں، زیر نظر کتاب نیا مفید اضافہ ہے، اس میں انسان کے دور وحشت سے لے کر موجودہ زمانہ تک اس کی عمرانی ترقی اور مشرق و مغرب میں مملکت و حکومت کے متعلق سیاسی تصورات اور اس کے نظریوں کے ارتقاء و تغیرات کی تاریخ بیان کی گئی ہے، کتاب میں دو رکن ہیں تقسیم ہے، پہلے دو میں انسان کے دور وحشت اس کی عمرانی ترقی اور مشرقی ملکوں اور یونان و روما کے سیاسی نظریوں اور سیاسی نظاموں کا حال، دوسرے میں مملکت و حکومت کے متعلق اسلام و مسیحیت کے سیاسی تصورات اور اس کے نظام کا ذکر اور تیسرے میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ سے لیکر موجودہ دور تک مختلف دوروں کے حالات اور اس کے نتائج کی روشنی میں ہر زمانہ کے مفکرین کے سیاسی نظریوں، اس کے عہد بعہد کے تغیرات اور موجودہ دور کے سیاسی نظاموں کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، جس سے انسان کی عمرانی زندگی کی پوری سرگذشت اور مشرق و مغرب میں سیاسی تصورات کے ارتقاء اور اس کے مختلف نظاموں کی پوری تاریخ سامنے آجاتی ہے،

میخانۂ ریاض، از جناب نسیم مینائی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ہے، سکہ عثمانیہ ہے ہر کلدار، پتہ:- ادارۂ اشاعت اردو عابد روڈ حیدرآباد دکن،

عام طور سے لوگ ریاض خیرابادی مرحوم کو صرف ایک شاعر کی حیثیت سے جانتے ہیں، حالانکہ ان کی گوناگوں حیثیتیں تھیں، وہ استاد فن شاعر بھی تھے، شگفتہ نگار ادیب بھی، خوش مذاق زندہ دل بھی، اور قدیم شرافت اور وضعداری کا نمونہ بھی، ان کے دیوان ریاض رضوان کے مقدموں اور دیباچوں میں ان کے مفصل حالات ہیں، لیکن وہ اتنا ضخیم ہے کہ ہر شخص اس کے مطالعہ کی ہمت نہیں کر سکتا، اس لئے ضرورت تھی، کہ اس کا ایک اچھا انتخاب اور ریاض کی مختلف حیثیتوں کا ایک مختصر مگر جامع مرقع ترتیب دیا جاتا، یہ کتاب اسی مقصد کے ماتحت لکھی گئی ہے، اس میں ریاض کی زندگی کے ہر رخ کی تصویر آگئی ہے اور ان کے کلام پر تبصرہ کے ساتھ اس کا انتخاب دیدیا گیا ہے، کتاب دلچسپ اور اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے لیکن قدیم اساتذہ اور موجودہ دور کے شعراء اور ریاض کے موازنہ میں مبالغہ کا رنگ آگیا ہے جس کے بغیر بھی ریاض کی استادی مسلم تھی، انتخاب میں اگر پوری پوری غزلوں کے بجائے صرف اشعار کا انتخاب

دیا جاتا، تو اس سے زیادہ بہتر ہوتا،

المتوسط :- مترجمہ جناب مولوی احمد اللہ صاحب منشی فاضل و مولوی عالم تقطیع بڑی، ضخامت ... صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت، بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ :- مصنف سوباجی گوڑہ حیدرآباد دکن،

امام ابو شجاع تقی الدین شافعی کے رسالہ المختصر یا غایۃ الاختصار کے ترجمہ پر ستمبر کے معارف مین تبصرہ ہو چکا ہے، اس کی بہت سی شرحین بھی لکھی گئین، ان مین امام شیخ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن قاسم غزی المتوفی ۹۱۸ھ کی شرح فتح القریب المجیب بہت مشہور و مقبول ہوئی اصل متن کے ترجمہ کے بعد اب اس کے لائق مترجم نے فتح القریب کا ترجمہ المتوسط کے نام سے شائع کیا ہے، اور شیخ ابراہیم بیجوری کے حاشیہ اور دوسری فقہی کتابون سے جا بجا ضروری اضافے بھی کئے ہین، اس کا خاص لحاظ رکھا ہے کہ اصل و متن دونون الگ الگ معلوم ہون، اور ان مین ربط و تسلسل قائم رہے، اس کتاب مین جیسا کہ غایۃ الاختصار کے تبصرہ مین لکھا جا چکا ہے، روزانہ زندگی سے متعلق تمام ضروری مسائل موجود ہین، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، اور شوافع کے علاوہ دوسرے مذاہب کے اشخاص کے بھی مطالعہ کے لائق ہے،

سیر صوات از جناب حکیم محمد یوسف صاحب حضروی فاضل جامع اظہر تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۲۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت :- عا، علاوہ محصول ڈاک، پتہ :- اکسیرات ہند دواخانہ نمبر ۱۲۶/۲ کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ،

صوات صوبہ سرحد کے نواح مین ایک چھوٹی سی نیم خود مختار اسلامی ریاست ہے اس کا رقبہ چار ہزار مربع میل اور آبادی پانچ لاکھ ہے، مصنف کتاب صوبہ سرحد کے باشندے اور کلکتہ کے ممتاز طبیب ہین، انھون نے حال مین صوات کا سفر کیا تھا، سیر صوات اسی کا سفرنامہ ہے، اس کا بڑا حصہ راہ کی دشواریون سفر کی صعوبتون راستہ کے مناظر کے حالات، میزبانون کی فیاضیون، صوات کے حاکم و عہدہ دارون اور اہل صوات کی خوش خلقی و میزبانی کی تفصیلات و مدح و ستایش پر مشتمل ہے، بقدر ضرورت ریاست کے انتظامی و تمدنی حالات بھی ہین، کتاب دلچسپ اور انداز بیان شاعرانہ اور اس لحاظ سے قابل قدر ہے، کہ ایک غیر معروف اسلامی ریاست کے حالات قلمبند ہو گئے،

"م"

جلد ۵۶ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۵ء عدد ۶

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۳۳۸-۳۴۰
مسلۂ سود مسلم و حربی میں	مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ،	۳۴۱-۳۶۱
عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام اور ان کی فارسی تصانیف،	سید صباح الدین عبد الرحمن علیگ رفیق دار المصنفین،	۳۶۲-۳۷۹
ابو شحمہ کا واقعہ،	جناب عبد اللہ نسیم طالوت ڈیرہ غازی خان	۳۸۰-۳۹۱
عزیز لکھنوی کا ایک شعر	نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان شروانی،	۳۹۲
علامہ سعد اللہ خان۔	"س"	۳۹۳-۳۹۵
"جامع الرموز"	"	۳۹۶-۳۹۷
ملا موہن بہاری	"	۳۹۷
مولانا شبلی مرحوم مدرس ندوۃ العلماء	"م ن ح"	۳۹۸-۴۰۱
انقلاب	جناب مولوی حکیم عبد اللہ رشید نواب مکی ۲-۴-۴۰۴ رشد خطیب جامع مسجد رنگون برما،	
صنم خانۂ پندارہ	جناب اسعد ملتانی	۴۰۴
مطبوعات جدیدہ	"م"	۴۰۵-۴۰۸

شذرات

خدا کا شکر ہے کہ راقم الحروف کو مزید صحت حاصل ہو رہی ہے، اور یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو میرے گمان میں دوستوں کی مخلصانہ دعاؤں کا اثر ہے، ان سب احباب کا دلی شکریہ کہ انھوں نے اپنی محبت سے اس خادم کو نوازا، اور اپنی دعاؤں میں اس کو یاد رکھا، فجزاھم اللہ خیرًا

عجیب بات ہے کہ لڑائی تو ہوئی عیسائی قوموں میں، مگر اس لڑائی کے خاتمہ پر اس کا خمیازہ مسلمان قوموں کو بھگتنا پڑ رہا ہے، ٹرکی سے ارمنستان کے دوشہر، اور ایران سے آذربائیجان کا باقی صوبہ روس کو چاہئے جاوا اور سوماترہ کے مسلمان انگریزی سنگینوں کے زور سے پھر سے ہولینڈ کے تابع بنائے جا رہے ہیں فلسطین میں امریکہ اور انگلینڈ کی مدد سے یہود کی ریاست کا انتظام درپیش ہے، شام اور لبنان میں فرانس پھر سے اپنا قبضہ بٹھانا چاہتا ہے، شمالی افریقہ میں آزادی خواہ عربوں کو قید و بند اور پھانسی کی سزائیں مل رہی ہیں، افریقہ میں نائجیریا کی اسلامی ریاست اصلاحات کے مطالبہ سے بھی محروم بنائی جا رہی ہے، اور مصر ابھی تک انگریزی فوجوں سے خالی نہیں ہوا ہے، کیا یہ صورت حال ہر سمجھ دار مسلمان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں،

پچھلے مہینہ کلکتہ میں ایک نئی جمعیۃ علماے اسلام کی بنیاد پڑی ہے جہاں تک اس کے مطبوعہ نظامنامہ کا تعلق ہے، وہ بڑی ہمت کی مستحق ہے، اور اوس سے بہت کچھ توقعات قائم کی جاسکتی ہیں، لیکن کاش یہ معلوم ہوتا کہ صرف کوئی ہنگامی محرک تو اس ساری گردش افکار کا محور نہیں ہے، ان کاموں کے لئے ضرورت ہے چند جانباز مخلصوں کی جو اپنے نصب العین کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں، اور پیہم سرگرمیوں سے اپنے وجود کا یقین دلائیں، ورنہ سیاسی تماشوں میں ایسے سوانگ بہت دیکھنے میں آئے ہیں، جمعیت کو ثابت کرنا چاہئے کہ وہ ایسی نہیں، اور اس سے جو توقعات قائم کیجائیں، وہ پوری ہوں گی، اور وہ متبوع ہو کر رہے گی تابع نہیں،

آج کل مسلمان اہلِ سیاست مین علماء کو برا بھلا کہنے کا عام رواج ہو رہا ہے، اب علماے جمعیت علماء اسلام نے ہمت کرکے اُن کی تائید مین آواز بلند کی ہے، اور اب یہ نہین کہا جا سکتا کہ علما عموماً مسلمانون کی موجودہ اکثری سیاست سے علیحدگی برت رہے ہین تو کیا اب یہ امید کی جائے کہ ہمارے دوستون کے گذشتہ طرزِ عمل مین کوئی تبدیلی ہوگی، کسی قوم کی حالت کا اس سے زیادہ بُرا منظر اور کیا ہوگا، کہ اس کا زیادہ وبیشتر مشغلہ غیبت بدگوئی اور باہمی طعن وطنز ہو،

اس زمانہ مین جب الکشن کا بازار گرم ہے، سیاسیات نے قومی اور تعلیمی وعلمی اداروں کو بھی اپنے ساتھ الجھا لیا ہے، لیکن یہ صورتِ حال خود ان تعلیمی وعلمی اداروں کے لئے موزون نہین، یہ ادارے وہ کارخانے ہین جن کے سپرد قوم کے دماغون کی تیاری کا کام ہے، اگر گولہ بارود بنانے والے کارخانون کے مزدور اور جنگی تربیت گاہون کے معلم بھی فوج مین بھرتی ہوجائین، تو کیا ایسی قوم جو تقسیم عمل کے اصول سے اس طرح اعراض برت رہی ہو، کبھی لڑائی کے سلسلہ کو کامیابی کے ساتھ جاری رکھ سکتی ہے،

مجلس دارالمصنفین بھی ایک علمی ادارہ ہے، اس ادارہ مین بھی طرزِ سیاست کے لحاظ سے لوگ مختلف الخیال ہین، تاہم ہمارے ارکان مجلس اس باب مین متحد ہین کہ ادارہ کو سیاسیات کے الجھاؤ سے پاک رکھا جائے، اور اس کو عملی سرگرمیون کا بازیچہ نہ بنایا جائے، خصوصاً ایسی حالت مین جب مسلمانون کی اکثریت ایک طرف ہے، خطا وصواب اپنی جگہ پر، لیکن اکثریت کی رائے کو آسانی سے نظرانداز نہین کیا جا سکتا، خصوصاً اُس وقت جب اس مین بعض مصالحِ اسلامیہ کا پہلو بھی نظر آتا ہو، اور ایسا ہی دوسرا فریق بھی اپنے نظریے کے متعلق یہی خیال رکھتا ہے، اور فریقین اپنے دلائل پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہین،

امسال تاریخ اسلام کے سلسلہ کی ایک نئی جلد اور تیار ہو گئی ہے، انشاء اللہ اس مہینہ کے آخر تک چھپ جائے گی، اس جلد پر عباسی تاریخ کا سیاسی حصہ پورا ہو جائے گا، اور اس کے بعد اس کا علمی وتمدنی حصہ رہ جائے گا، جو زیرِ تالیف ہے، اس کے بعد اسپین وافریقہ کی سلطنتون کے حصے شائع ہون گے،

تاریخ ہند کے جو حصے تیار ہین، اُن مین سے تاریخ سندھ اگلے سال کے مطبوعات مین شامل ہوگی، یہ حصہ انشاء اللہ تعالیٰ اس سرزمین کی اسلامی تاریخ کے متعلق بہت سے نئے معلومات پر مشتمل ہوگا،

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا حصہ بہت دنون سے ختم ہوگیا ہے، اس پر نظر ثانی بھی ضروری تھی، بحمد اللہ کہ اس سے فرصت ہوگئی، اور اب کتاب پریس مین ہے، اور اس کی چھپائی کا کام بھی شروع ہوگیا ہے، اسی طرح سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بھی نظر ثانی کی گئی ہے اور وہ بھی زیر طبع ہے،

زمانہ کے حالات کو مدنظر رکھ کر ضرورت تھی کہ اردو زبان مین فقہی مسائل کی ایک مستند کتاب ترتیب دی جائے، چنانچہ اس ضرورت کو پیش نظر رکھ کر اس کام کا آغاز کیا گیا ہے، اور اس کی کتاب الطہارۃ تقریباً ڈیڑھ سو صفحون مین مرتب ہوچکی ہے، خدا کرے کہ یہ سلسلہ پوری احتیاط کے ساتھ انجام کو پہنچے، تو مسلمانون کی ایک بڑی ضرورت پوری ہو،

راقم الحروف اس وقت چند ماہ کے لئے اپنے مرکز دار المصنفین سے دور ہے، اس لئے احباب کے خطوط کے جواب مین تاخیر ہوتی ہے، اور ہوگی، امید ہے کہ احباب اپنی محبت سے اس تکلیف کو برداشت کرین گے اور معذور سمجھین گے،

مقالات

مسئلۂ سود مسلم و حربی مین

از

جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ

(۲)

اختلافی دوائر مین پیش کرنے والے جس چیز کو بار بار پیش کرتے ہیں وہ صرف ربوا والی آیتین یعنی لاتاکلوا الربوٰا یا واکلھم الربوا وقد نھوا عنہ وغیرہ ہین، حالانکہ اب مین کیا عرض کرون مجھے تو یہ ایسی بات نظر آتی ہے کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ پانی حلال ہے اس سے اختلاف کرنے والے اپنی تائید مین انما الخمر الآیۃ یعنی ان آیتون کی تلاوت شروع کر دین جن مین شراب کی حرمت کا اعلان کیا گیا ہے آخر جب بار بار کہا جا رہا ہے کہ جس چیز کا مالک اس مسلمان کو گردانا جا رہا ہے، وہ نہ ربوا ہے، اور نہ اس کے ربوا ہونے کی کوئی وجہ ہے، بلکہ ایک غیر معصوم مباح مال ہے جس پر خیانت اور غدر کے بغیر دینے والے کی رضامندی سے اس مسلمان کو قبضہ حاصل ہوا ہے، مگر لوگ ہین کہ مسلسل اسی ربوا والی قرآنی آیتون کو سناتے چلے جاتے ہین، اولاً اس مسئلہ کا ربوا والی صورت سے کوئی خصوصی تعلق بھی نہین ہے،

بیسیون شکلین مثلاً قمار یا شراب یا میتہ وغیرہ وغیرہ جیسے عقود فاسدہ مین سے ایک ذیلی جزئی درجزئی شکل ربوا کی بھی ہے لیکن اس باب مین تمام دوسری چیزون سے قطع نظر کرکے اچانک لوگون کا یہ پھیلا دینا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک (العیاذ باللہ) ربوا کی ایک خاص شکل حلال بھی ہے، گویا اس مسئلہ کا اولی بھی یہی ہے، اور آخر بھی یہی ہے، اور جب پوچھا جاتا ہے کہ اس قسم کے فتویٰ کی جرأت قرآن کے مقابلہ مین ان کو کیون ہوئی، تو یہ جانتے ہوئے کہ نص قرآنی مین کسی قسم کے اضافہ کو امام ابوحنیفہ ان حدیثون

کی بنیاد پر بھی جائز قرار نہین دیتے جنھین خبر احاد کہتے ہین، خواہ وہ صحت کے کسی درجہ پر ہون، لیکن اطمینان سے مجہول والی روایت پیش کرنے والے پیش کر دیتے ہین، ایسی روایت جس کے متعلق دو سرون ہی کی کتابون مین نہین، خود حنفی مذہب تک کی کتابون مین اس قسم کے الفاظ پائے جاتے ہین،

قال ابن العز قال فی المغنی	ابن عز نے کہا ہے کہ المغنی مین لکھا ہے
ھذا خبر مجھول لم یرد فی	کہ مجہول والی یہ روایت مجہول روایت ہے
صحیح ولا مسند ولا کتاب	نہ کسی صحیح حدیث کی کتاب مین اس کا پتہ
موثوق بہ وھو مع ذلک	ہی، اور نہ کسی مسند مین نہ کسی ایسی کتاب
مرسل محتمل،	مین جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہو باوجود
	اس کے بجائے خود یہ روایت مرسل ہے
	(یعنی تابعی نے صحابی کو چھوڑ کر براہ راست
(حاشیہ سعدی چلپی علی العنایہ شرح الہدایہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسے
ص ۳ بر فتح القدیر ج ۵ مطبوعہ مصر)	منسوب کر دیا ہے)

یہ بھی کہا جاتا ہے اور کہا بھی کیا جاتا ہے، دیکھا جا رہا ہے، جس کا جی چاہے دیکھ سکتا ہے، کہ اس قسم کے مسائل مین حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عموماً اسی پہلو کو اختیار کرتے ہین جس مین زیادہ احتیاط ہو، العمل بالاحوط تقریباً ان کے اجتہاد کا ایک محوری اصول ہے لیکن جس مسئلہ مین اب کیا کہئے وہ زیادت علی الکتاب اور العمل بالاحوط اپنے دونون مسلمہ اصول سے ہٹ گئے، وہ قرآن کا وہی جرم تھا جس سے زیادہ دھمکیان کسی دوسرے جرم مین اس کتاب مین نہین دی گئی ہین،

لوگ اتنا بھی نہین سوچتے کہ اس زمانہ کے مولوی اگر امام صاحب ہوتے، تو شاید کہا بھی جا سکتا تھا، کہ سود خوار اقوام کے ربائی شکنجون مین اپنی قوم کو دیکھ کر ہو سکتا ہے کہ ان کا دماغ بے قابو ہو گیا اور مسلمانون کی معاشی پریشانیون نے اس عجیب و غریب اجتہاد پر ان کو شاید ابھار دیا تھا لیکن بحمد اللہ امام والا مقام کا عہد تو مسلمانون کا زرین عہد تھا، عالمی معاشیات کی کلید تو اسی وقت انہی مسلمانون کے ہاتھون مین تھی، جنھون نے صرف وعظ و تقریر ہی سے نہیں، بلکہ حکومت اور فوج کی قوت سے سود خواری کی خونخوار رسم کو کم از کم ان تمام ممالک مین مٹا دیا تھا، جو ان کے زیر اثر تھے، پھر خواہ مخواہ

باوجود سود اور ربوا ہونے کے اس کے جواز کا فتوی دینے کی امام کو ضرورت ہی کیا تھی؟ پس واقعہ یہی ہے کہ امام نے جس چیز کی حلت وجواز کا فتوی دیا ہے، وہ سرے سے ربوا ہی نہین ہے، اسی طرح ربوا نہین ہے جیسے مولانا ظفر احمد صاحب بھی تسلیم فرماتے ہین کہ لا ربوا بین العبد والمولی ربوا نہین ہے[1] ربوا کی متعلقہ قرآنی آیات جن سے مطلق ربوا کی حرمت ثابت ہوتی ہے، ابن ہمام نے ان ہی کی طرف اور ان کی اطلاقی کیفیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بالکل صحیح بات لکھی ہے کہ

المطلقات مراد بمحلها المحظور	مطلق ربوا کی ممانعت والی آیتون کا
بحق لسالکه	تعلق صرف ان ہی اموال تک محدود
	ہے جن پر تصرف اسطرح ممنوع ہے کہ ان کے مالکون
(ص ۱۰۳ ج ۵ فتح القدیر)	کا حق اس سے مانع ہے،

یعنی امام کے مذکورہ بالا فتوی کی وجہ سے حرمت ربوا کی مطلق آیتون کی اطلاقیت قطعاً متاثر نہین ہوتی، کیونکہ ان کا تعلق ان ہی اموال سے ہے جن پر ان کے مالکون کے کسی حق کی وجہ سے نہ قبضہ کرنا درست ہے، اور نہ ان مین تصرف کرنا، اور یہان جس مال کے متعلق یہ فتوی دیا گیا ہے وہ غیر معصوم مال ہے، البتہ معاہدے کی وجہ سے ایک عارضی حظر اور ممانعت کی کیفیت اس مین بھی پیدا ہو گئی ہے، سو رضامندی کی وجہ سے ان کا بھی ازالہ ہو گیا، خلاصہ یہ ہے کہ الربوا سے اس کو خارج کرنے کی ضرورت تو اس وقت ہوتی، جب اس مین وہ داخل بھی ہوتا، بجنسہ یہی حال یہان بھی ہے، جیسے غنیمت وفئی وغیرہ کے اموال

لا تاکلوا اموالکم بالباطل،	مت کھاؤ باہم اپنے اموال باطل (ذرائع سے)

کے نیچے داخل ہی نہین ہین، اسی لئے ایک کا کھانا حرام ہے، اور دوسرے کے متعلق قرآن ہی نے

فکلوه حلالاً طیبًا،	پس کھاؤ اس کو حلال اور طیب سمجھتے ہوئے

---

[1] مولانا نے یہ فرق جو پیدا کیا ہے، کہ غلام کا مال آقا غلام کی رضامندی کے بغیر لے سکتا ہے، لیکن حربی کا مال اس کی رضامندی کے بغیر نہین لے سکتا، لیکن کیون نہین لے سکتا؟ گذر چکا کہ معاہد کا امن مانع ہے، افسوس ہے کہ اپنے پورے مضمون مین اس رضا مین جس کی ضرورت غدر وخیانت سے بچنے کے لئے پیش آتی ہے، اور اس رضا مین جو مال معصوم کے مالک کے لئے ضروری ہو فرق نہیں فرمایا فتنا نہیں سمجھا، اور پھر اسی کو بنیاد بنا کر مولانا نے بحث شروع کر دی ۱۲ منہ

کا فتویٰ دیا ہے، رہا لفظ تعرف لفظ سے متاثر ہو کر کسی حلال چیز کو حرام سمجھ لینا، اب مین کیا کہون اس مین اور یہود کے اس معاملہ مین کیا فرق ہے، جس کے متعلق حدیثون مین آیا ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

قاتل اللہ الیھود ان اللہ حرم	تباہ کرے خدا یہود کو اللہ نے حرام
علیھم شحومھا فاجملوہ ثم	چیزون کی چربی ان پر حرام کی تھی تو
باعوہ شحمہ فاکلوہ،	تو اس چربی کو جما کر یہی یہود اُسے
(صحاح)	بیچنے لگے، اور اس کا دام کھانے لگے،

کہ صرف نام بدل کر حرام کو حلال کر لیتے تھے، میرے نزدیک تو اس مین اور کسی حلال کو چیز نام کی وجہ سے حرام قرار دینے مین کوئی فرق نہین ہے، امام مالک نے اسی غلط اسی تاثر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریا کے اس جانور کے متعلق جسے لوگ بحری خنزیر کہتے تھے، فرمایا تھا:

انتم تسمونھا خنزیراً	تم لوگون نے اس کا نام خنزیر (سور)
	رکھ دیا ہے،

واقعہ تو یہ ہے کہ اب تک جو کچھ اس مسئلہ مین عرض کیا جا چکا ہے، حضرت امام کے مسلک قویم کی وضاحت و تفہیم کے لئے وہی کافی ہے لیکن ان قرآنی بینات مثلاً

ان اللہ بری من المشرکین	مشرکین سے بری ہے اللہ بھی اور
ورسولہ، (البرأۃ)	اللہ کا رسول بھی،

اور وہ ساری آیتین جن سے اغتنام اور غیر معصومہ اموال کے احکام پیدا ہوتے ہین، یا اس قسم کی حدیث یعنی

عصم منی مالھم ودمائھم	معصوم ہو جاتا ہے مجھ سے (ان غیر مسلم
	اقوام) کا مال اور ان کی جان،

اور اسی کے مفاد کو ادا کرنے والی دوسری صحیح حدیثین جن پر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوی کی بنیاد قائم ہے بجائے خود ان کا کافی ذخیرہ کتاب و سنت سے اکٹھا کیا جا سکتا ہے لیکن اس مسئلہ مین علاوہ ان کلی نصوص و آثار کے تفصیلی شواہد و مؤیدات بھی کچھ کم نہین ہین، مولانا ظفر احمد صاحب

جیسے صاحب بصیرت و خبرت کے قلم سے ان الفاظ کا نکلنا حیرت انگیز ہے یعنی آپ فرماتے ہیں،

"امام ابوحنیفہ کے پاس بجز ایک ضعیف حدیث یا ضعیف قیاس کے کوئی بھی قوی دلیل نہیں"

اصل بحث سے فارغ ہونے کے بعد میں چاہتا ہوں کہ ان شواہد کو بھی پیش کر دوں،

(۱) سب سے پہلی چیز اس سلسلہ میں خود قرآن ہی کا اشارہ ہے، مطلب یہ ہے کہ تحریم ربوا کے ساتھ ایک طرف تو

ذروا ما بقی من الربوا، (بقرہ) چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود ہے

کا حکم دیا گیا لیکن اسی کے ساتھ قرآن ہی میں

فلہ ما سلف، پس سود لینے والے کے لئے رہ گیا

اس سود کا وہ حصہ جو پہلے لیا جا چکا ہے"

کا فتویٰ بھی موجود ہے، جس کا مطلب یہی ہوا کہ سود کی جتنی رقم لوگ وصول کر چکے تھے، ان کا مالک لوگوں کو اس آیت نے بنا دیا، سوال یہ ہے کہ خرچ کرنے والوں نے جو کچھ خرچ کر دیا، اس کو تو جانے دیجئے، لیکن جن لوگوں کے پاس وصول شدہ رقوم سود کی ابھی موجود تھیں کیا اس کی واپسی کا حکم نہیں دیا جا سکتا تھا، اور اگر دیا جاتا تو اس حکم کی تعمیل میں کیا دشواری تھی، ٹھیک شراب کا جو حال ہوا کہ آیندہ سے تو خیر لوگ تائب ہی ہو گئے، لیکن جن کے گھروں میں شراب کے ذخیرے موجود تھے، ان کا پینا بھی لوگوں پر جو ان کر حرام کر دیا گیا تھا اس لئے کہتے ہیں کہ ہر گھر سے مدینہ میں اتنی شراب بہائی گئی، کہ گلیوں میں بہتی پھرتی تھی لیکن سود کے معاملہ میں یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا، بلکہ جن کے پاس وصول شدہ رقوم سود کی موجود تھیں بجائے واپسی کے ان رقوم کا ان کو مالک ٹھہرایا گیا، سوال یہ ہوتا ہے کہ کیوں ٹھہرایا گیا، امام ابوحنیفہ کے اصول پر اس کا جواب آسان ہے، کہ تحریم ربوا سے پہلے جن رقوم پر لوگوں نے قبضہ کر لیا تھا، وہ ایسی قیمتی تھیں جن پر اس وقت قبضہ کرنا حرام نہ تھا، اور قبضہ کی وجہ سے وہ اس کے مالک ہو چکے تھے لیکن تحریم کے بعد ایک ایسے مال پر قبضہ کرنا ہوتا، جو مسلمانوں کے لئے اب حرام ہو چکا تھا، ظاہر ہے کہ اس سے وہی اصول پیدا ہوتا ہے جس کی بنیاد پر مذکورہ بالا مثل میں اس متامن مسلمان کے لئے مال مقبوضہ کو حلال قرار دیا گیا تھا، یعنی معاہدۂ امن کی وجہ سے غیر معصوم مال پر بلا رضامندی قبضہ ناجائز تھا لیکن رضامندی نے حرمت کی وجہ کا ازالہ کر دیا، اب جائز ہو گیا، فرق دونوں میں اگر کچھ ہے تو صرف تقدم

تا خو کا قرآن والے فتوی مین حرمت سے پہلے قبضہ کیا گیا تھا، اور حرمت کی کیفیت بعد کو اس مال پر طاری ہوئی، اور امام والے فتوی مین حرمت کی کیفیت معاہدے کی وجہ سے پہلے طاری تھی، رضامندی کے ثبوت کے بعد جواز کی کیفیت اس مین پیدا ہوگئی،[1]

(۲) قرآن کے بعد اب آیئے بخاری شریف اٹھایئے، بنائے فتح مکہ والی مشہور حدیث جس مین یہ فرماتے ہوے کہ

ان کل الربا کان فی الجاھلیۃ	قطعًا ہر قسم کا سود جو جاہلیت مین
فھو موضوع،	تھا، وہ ساقط کردیا گیا،

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے سود کے متعلق یہ اعلان فرمایا،

اول ربا یوضع ھو ربا العباس	سب سے پہلے سود کی رقم جس کی ساقط
ابن المطلب،	کی جاتی ہے، وہ عبد المطلب کے بیٹے
	عباس کی ہے،

مشکل الآثار مین امام طحاوی نے بدلائل یہ ثابت کرنے کے بعد کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ فتح خیبر سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، اور یہ کہ ربا کا حکم فتح خیبر یا فتح خیبر سے پہلے نازل ہو چکا تھا پہلے دعوی کے ثبوت مین حجاج بن غلاط صحابی کی مشہور روایت پیش کی ہے، جو فتح خیبر کے بعد مکہ اپنے اہل ومال کی خبر گیری کے لئے

[1] فقہاے احناف نے مذکورۂ بالا آیت کے اس پہلو کی طرف حالانکہ اشارے کئے ہین، خصوصًا شمس الائمہ سرخسی نے شرح سیر کبیر مین لیکن مولانا ظفر احمد صاحب نے بجائے تائید کے اسی سے حنفی مسلک کی تردید محض اس بنیاد پر نکالنی چاہی ہے، کہ مسلم وحربی والے قصہ مین ملک کی وجہ اخذ وقبض نہین، بلکہ ان کے خیال مین شاید عقد ہے، اسی لئے فرماتے ہین کہ حلال معاملہ سے جو حق واجب ہوا، حالانکہ یہان سرے سے معاملہ ہی نہین منعقد ہوتا، چہ جائیکہ اس کی وجہ سے حق کیا واجب ہوگا، معاملہ تو صرف رضا کی دلیل بن کر ختم ہوجاتا ہے کما فصلتہ آنفا اس کے بعد اب مولانا فرمائین کہ وصول شدہ سود کی رقم جسے وصول کرنے والے ابھی نہین خرچ کر پائے تھے، اس کے مالک وہ کیون بنائے گئے، امام کے مسلک سے ہٹنے کے بعد اس سوال کا ہو کوئی جواب،

آئے تھے جس میں حضرت عباسؓ کے متعلق یہ تصریح خود ان ہی کی زبانی ہے کہ اس زمانہ مین وہ مشرف باسلام ہو چکے تھے، اور دوسرے دعوی کے ثبوت مین فضالہ بن عبید والی روایت کو پیش کیا ہو جس مین انھون نے بیان کیا ہے کہ فتح خیبر کے موقع پر ایک ہار بھی مال غنیمت مین تھا جس مین سونا بھی شریک تھا، ربوا سے بچنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہار کو توڑ کر حکم دیا کہ سونے کو الگ نکال کر فروخت کیا جائے جس سے معلوم ہوا کہ خیبر جس زمانہ مین فتح ہوا ربوا اس زمانہ مین حرام ہو چکا تھا ان وہ مقدمات کے بعد طحاوی نے پوچھا ہے کہ حضرت عباسؓ کے سود کو جاہلیت کے اقتدار کے زوال کے بعد یعنی فتح مکہ کے بعد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساقط کیا، اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، کہ اس سے پہلے حضرت عباسؓ کا سود لوگون سے ساقط نہین ہوا تھا، اور آج اُن کے سود کو ساقط کیا جا رہا ہے اب کھلی ہوئی بات ہو کہ فتح خیبر کا واقعہ آٹھوین ہجری مین پیش آیا، جس کے یہی معنی ہوئے کہ سود آٹھوین سے پہلے مسلمانون پر حرام ہو چکا تھا، پس اگر سود کا حکم عام ہوتا یعنی اسلامی علاقہ اور جاہلی علاقہ دونون مین اس کی حرمت کی ایک ہی نوعیت ہوئی تو حضرت عباسؓ کا سود فتح خیبر سے پہلے ساقط ہو چکا تھا، اور جو چیز ساقط ہو چکی تھی، پھر اسی کو فتح مکہ کے بعد ساقط کرنے کے کیا معنی ہو سکتے ہین، وہ لکھتے ہین :-

انه لا يخلو ربا العباس الذى	حضرت عباسؓ والے اس سود اور
ادركه وضع النبى صلى الله عليه وسلم	ایام جاہلیت کے سود کے متعلق جسے رسول اللہ
وربا الجاهلية من احد وجهين	صلی اللہ علیہ وسلم نے ساقط فرمایا، دو ہی باتین
امّا ان يكون اصله كان قبل	ہو سکتی ہین یعنی سود کے حرام ہونے سے
تحريم الربا ثم طرأ عليه تحريم	پہلے سود کے وہ رقوم چڑھے تھے، اور اس
الربا او كان فى حال تحريم الربا	کے بعد سود حرام کیا گیا، یا جب سود حرام
فان عُنى بذلك التحريم فى هذين	ہو چکا تھا، اس زمانہ مین سود کے رقوم
الوجهين فى دار الهجرة و فى	لوگون پر واجب ہوئے تھے، اب اگر
دار الحرب فانه يجب ان يبطل	یہ مانا جائے کہ سود کی حرمت کا حکم
فى اى الاماكن كان من دار	دار الاسلام اور دار الحرب مین ایک ہی ہو
الحرب ومن دار الاسلام	تو پھر چاہئے تھا کہ سود حرام ہو جاتا، ہر علاقہ

ولعد تحریم الربا فھو باطل، مین خواہ دارالاسلام ہو یا دارالحرب' اور اگر سود کے حرام ہونے کے بعد یہ رقوم لوگون پر چڑھائے گئے تھے، تو ان کا باطل اور ساقط ہونا اور بھی ضروری ہے، (یعنی اسلام جب ہر جگہ سودی کاروبار کو حرام ٹھہرا چکا تھا، تو اب سود کی راہ سے کسی پر رقم واجب ہی کب ہو سکتی تھی؟)

(۲) مؤید ساقط ہونے کی

بہرحال حضرت عباسؓ کا یہ سود جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوال جاہلیت کے بعد ساقط کیا، اگر لوگون پر حرمتِ سود کے حکم سے پہلے واجب ہوا تھا، تو چاہئے تھا کہ حکم کے نازل ہونے کے ساتھ وہ خود بخود ساقط ہو جاتا، اور اگر حکم حرمتِ ربوا کے بعد یہ سود لوگون پر ان کا چڑھا تھا، تو اس کے چڑھنے ہی کے کوئی معنی نہین ہو سکتے، اگر دارالاسلام اور دارالحرب دونون مین سود کی حرمت کا ایک ہی حال تسلیم کیا جائے، اور جو چیز چڑھی ہی نہین یعنی لوگون کے ذمہ واجب ہی نہین ہوئی، تو وہ ساقط کیا ہوگی اسی سے اب انھون نے یہ نتیجہ نکالا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ مین جو بات حضرت عباسؓ کے سود کے متعلق ارشاد فرمائی،

(۳) مؤید ساقط فرمانے کی

دل انه قد کان قائما حتی وضعه یہ بات دلالت کر رہی ہے کہ (ساقط کرنے سے پہلے) وہ رقم لوگون پر چڑھی ہوئی تھی، تا اینکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ

انه قبل وضعه ایاه کان الربا فیه خلاف الربا فی دار الھجرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساقط فرمانے سے پہلے ربوا کا حکم (مکہ مین) اس کے برخلاف تھا، جو حکم اس کا دارالہجرت (یعنی مدینہ)

(۴) مؤید ساقط ہونے کی

جس کی وجہ خود ہی وہ یہ بیان کرتے ہین، کہ

لانه لو کان کذلک فی دار الھجرۃ کیونکہ اگر (مکہ مین بھی اس کا حال وہی ہوتا

مَا كَانَ قَائِمًا فِي حَالِ مِنَ الْاَحْوَال
بَعْدَ تَحْرِيمِ الرِّبوا، لِاَنَّهُ اِنْ
كَانَ اَصْلُهُ فِي حَالِ تَحْرِيمِهِ
كَانَ غَيْرَ ثَابِتٍ وَاِنْ كَانَ قَبْلَ
تَحْرِيمِ طَرَءَ عَلَيْهِ تَحْرِيمُهُ وَ
وَضْعُهُ،

جو دار الحرب مین تھا، تو سود کے حرام
ہونے کے بعد پھر کسی جگہ پر سود کی رقم چڑھی
باقی نہ رہتی، کیونکہ اگر سود کے حرام ہونے
کے بعد سود کا معاملہ کیا گیا تھا تو سرے
سے وہ چڑھتی ہی نہین، اور اگر سود
کے حرام ہونے سے پہلے لوگون پر وہ
رقوم واجب ہوئے تھے، تو حرمتِ سود
کے قانون کے نزول کے بعد وہ حرام
ہو کر خود بخود ساقط ہو جاتی،

(شکل الآثار جلد ۴ ص ۲۴۲)

سیر کبیر اور اس کی شرح مین بھی اس دلیل کا ذکر کیا گیا ہے لیکن صحیح طور پر اس کا پتہ نہین چلتا کہ امام محمد کی عبارت اس مین کتنی ہے، اور شارح نے اس پر کیا اضافہ کیا ہے، بہرحال جو عبارت اس کتاب مین درج ہے، اس مین تو شک نہین کہ امام محمد کی اگر نہین ہے تو شمس الائمہ کی ضرور ہے، استناد کے لئے دونون کافی ہین، یہ لکھنے کے بعد کہ ایک دلیل اس کی حضرت عباسؓ والی یہ روایت بھی ہے، پہلے حضرت عباسؓ کے اسلام کے متعلق یہ لکھتے ہین :-

وَقَدِ اخْتَلَفَ النَّاسُ فِي وَقْتِ
اِسْلَامِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ
فَقَالَ بَعْضُهُمْ كَانَ اَسْلَمَ قَبْلَ وَقْعَةِ
بَدْرٍ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اُخِذَ اَسِيرًا
يَوْمَ بَدْرٍ فَاَسْلَمَ،

حضرت عباسؓ کب اسلام لائے؟ اس
مین لوگون کا اختلاف ہے، بعض لکھتے ہین
کہ واقعہ بدر سے پہلے ہی وہ مسلمان ہو چکے تھے
اور بعض کہتے ہین کہ بدر مین گرفتار ہو کر جب
وہ لائے گئے تب مسلمان ہوئے،

اس کے بعد کا فقرہ یہ ہے :-

ثُمَّ اسْتَاْذَنَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرُّجُوعِ اِلَى مَكَّةَ فَاَذِنَ
لَهُ فَكَانَ يَرْبِي بِمَكَّةَ اِلَى زَمَنِ الْفَتْحِ

بہرحال (واقعۂ بدر کے بعد) حضرت عباسؓ
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ واپس
جانے کی اجازت چاہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

وقد نزلت حرمة الربا قبل ذلك الا ترى ان النبي صلى الله عليه وسلم قال للسعدين يوم خيبر آرثيتما فردا وقوله تعالى لا تاكلوا الربا اضعافا مضاعفة نزلت في وقعة أحد وكان ذلك قبل فتح مكة بسنين ثم لم يبطل عليه رسول الله صلى الله وسلم يوم الفتح شيئا من معاملاته الا ما لم يقبض؛

نے اجازت فرمادی، اس کے بعد حضرت عباسؓ مکہ مین سود کی کاروبار کرتے رہے، اس وقت تک کرتے رہے، جب تک کہ مکہ فتح ہوگیا، اور سود کی حرمت کا حکم فتح مکہ سے پہلے نازل ہوچکا تھا، تم کیا نہین دیکھتے، کہ دونون سعدون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے مقام پر فرمایا، تم دونون نے سود کا معاملہ کیا، پس معاملہ کو توڑ دو اور یہ بھی معلوم ہے کہ قرآن کی آیت یعنی مت کھاؤ سود دونا دون (جس کا ترجمہ ہے) یہ احد کے واقعہ کے سلسلہ مین نازل ہوئی تھی، اور احد کا واقعہ ظاہر ہے کہ فتح مکہ سے چند سال پہلے واقع ہوچکا تھا، پھر فتح مکہ کے موقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کی رقوم مین سے انہی کو ساقط فرمایا، جن پر حضرت عباسؓ کا قبضہ

یعنی وہی بات کہ جن اموال پر جاہلیت کے اقتدار کے زمانہ مین لوگ قبضہ کرچکے تھے، ان کے متعلق تو فلہ ما سلف. جس پر پہلے سے لوگ قبضہ کرچکے ہین، وہ ان ہی کا ہے،

کا فتوی نازل ہوچکا تھا، البتہ غیر مقبوضہ اموال چون کہ زوال جاہلیت کے بعد اسلامی حکومت کی عصمت و حفاظت کے دائرے مین آگئے تھے، اس لئے قطعی طور پر ان کو ساقط کردیا گیا، کہ ان کے تملک کی اس راہ سے کوئی صورت باقی نہین رہی تھی، سیر کبیر مین مضمون کو ختم کرتے ہوئے لکھا ہے،

فتبين انه يجوز عقد الرباء بين المسلم والحربي في دار الحرب

پس کھل گئی یہ بات کہ مسلمان اور حربی مین سود جائز ہے، جب اس کا معاملہ

وان البقعة اذا صارت دار الاسلام قبل القبض فانه يمتنع القبض بحكم ذلك العقد، (سیر کبیر صفحہ ۲۲۵)

دار الحرب میں کیا جائے لیکن جب وہی مقام اسلامی قلمرو میں داخل ہو جائے یعنی دار الاسلام بن جائے تو قبضہ جن پر نہیں ہوا ہے، ان پر قبضہ کرنے سے لوگوں کو روک دیا جائے گا، یعنی سود کے معاملہ کی وجہ سے اب کسی مال کے وہ مالک نہیں

(۳) تیسری دلیل جسے ہمارے فقہائے حنفیہ پیش کرتے ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرحا کا واقعہ ہے جو جنگ روم و ایران کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور مشورہ سے حضرت صدیق نے لگائی تھی، جس میں جیت حضرت ابو بکرؓ کی ہوئی اور جتنے اونٹ اس سلسلہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ آئے تھے، کہتے ہیں کہ ان کی تعداد سو تھی، بہر حال ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹوں کو صدقہ کر دینے کا حکم دیا، سیر کبیر میں امام محمد اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے ہیں :-

لو كان ذلك حراما لسارع رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يقامرهم عليه ولو لم يملكه بهذا الطريق ما امره ان يتصدق به (سیر صفحہ ۱۷۹ ج ۳)

اگر یہ اونٹ جوئے کے ذریعہ سے ان کے قبضہ میں آئے تھے، حرام ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بازی لگانے کی ان اونٹوں پر اجازت ہی نہیں دیتے، اور اگر یہ اونٹ ان کی ملکیت میں نہ آتے تو ان کو صدقہ کرنے کا حکم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں دیسکتے تھے،

شمس الائمہ نے اس پر تشریحاً ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے،

فعرفنا بهذا ان ذلك كان جائزا ولكن ندبه الى التصدق شكرا لله تعالى على ما اظهر من

پس اس سے ہم نے یہ بات جانی کہ اس قسم کا معاملہ جائز تھا، باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو

صَدَّقَة خیرات کرنے کا جو مشورہ دیا، تو اس لئے دیا گیا کہ خدا نے ابوبکر صدیق رضؓ کی صداقت کو جو ظاہر فرمایا تھا، یہ اس کا شکریہ تھا،

(سیر کبیر ج ۳ ص ۱۷۹)

اس روایت کے متعلق ردو قدح کا جو طویل سلسلہ ہے، یہان اس کے ذکر کی بہ ظاہر ضرورت نہین معلوم ہوتی، کیونکہ غرض میری صرف یہی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے فتوی کے متعلق یہ خیال کہ ایک ضعیف روایت کے سوا ان کے پاس کچھ نہین ہے، صرف اس کا ازالہ مقصود ہے،

(۴) چوتھی دلیل بھی حدیث ہی ہے امام محمد ہی نے سیر کبیر مین اس کا ذکر فرمایا ہے، اشارہ ان کا ابن رکانہ کے اس واقعہ کی طرف ہے جس مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرط لگا کر وہ کشتی لڑے تھے، تین دفعہ لڑے، اور تین دفعہ چت ہوے، عرب کے وہ مشہور پہلوان تھے، اس شرط مین ان کی بھیڑ بکریون کا جو گلہ تھا، ایک ایک تہائی حصہ اس کا وہ ہر کشتی مین ہار کر چلے گئے، جب اُن کے مال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبضہ کر لیا تو امام محمد کا بیان ہے کہ ابن رُکانہ بولے،

مَا وضع احد جنبی قط وما انت صرعتنی، میرے پہلو کو زمین سے کسی نے نہین لگایا اور آپ نے بھی مجھے نہین پٹکا، (یعنی یہ ایک خدائی کرشمہ تھا)

یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ جیتا تھا، سب واپس فرما دیا، شمس الائمہ نے اس کے بعد لکھا ہے:-

لو کان ذلک مکروھا ما دخل فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اگر یہ معاملہ ناجائز ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرے سے اس معاملہ مین داخل ہی نہ ہوتے،

باقی واپس جو کر دیا تو اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہین،

والظاھر انہ انما فعل ذلک منہ علیہ وکثیرا ما فعل ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع المشرکین یولفھم بہ باقی بھیڑ بکریون کو جیتنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر انہی کو جو واپس فرما دیا تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک مہربانی تھی، اور اس

حتی یؤمنوا، قسم کی باتین مشرکین کے ساتھ رسول اللہ
(جلد ۳ صفحہ ۱۰۱) صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت کیا کرتے تھے، ان
کے قلوب کو اسلام کی طرف مائل فرماتا

(۵) پانچوین دلیل اسی سلسلہ کی جسے ہمارے فقہا نقل کرتے ہین، بنی قینقاع اور بنو نضیر کے یہودیون کا واقعہ ہے، جب ان کی جلاوطنی کا حکم ان کی شرارتون کی وجہ سے صادر ہوا تو ان لوگون نے یہ عذر پیش کیا کہ لوگون پہ ہمارا باقی بقایا رہ گیا ہے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ

ضعوا وتعجلوا، کچھ بقایا کو ساقط کرو، اور جانے مین جلدی کرو، (یعنی دس کی جگہ مثلاً پانچ ہی لے لو اور بھاگو)

شمس الائمہ اس واقعہ کے بعد لکھتے ہین :-

ومعلوم ان مثل ھذہ المعاملۃ لا یجوز بین المسلمین فان من کان لہ علی غیرہ دین الی اجل فوضع عنہ بعضہ بشرط ان یعجل بعضہ لم یجز (جلد ۳ - ص ۱۸۰)

اور یہ معلوم ہے کہ باہم مسلمانون کے درمیان اس قسم کا معاملہ جائز نہیں ہے یعنی کسی کا دین اگر کسی پر باقی ہو تو جائز نہ ہوگا، کہ مدیون سے دیندار کہہ کر کہ کچھ رقم تم ادا کر دو تو اس کے معاوضہ مین کچھ رقم کو میں چھوڑ دون گا،

گویا اس مین بھی ایک شکل ربوا کی پیدا ہو جاتی ہے، یعنی دس باقی تھا، اب اس کی جگہ پانچ اس لئے لینا کہ مدت سے پہلے مقروض قرض ادا کر رہا ہے گویا دوسری نتیجہ کو بلا معاوضہ ترک کیا گیا، یا یوں سمجھا جائے کہ دس کو پانچ سے بدل دیا گیا، معاوضہ مین زیادہ سے زیادہ وقت کی عجلت کو پیش کیا جا سکتا ہے لیکن طے ہو چکا ہے کہ سود کے باب مین زمانہ کی کوئی قیمت نہیں ہے شمس الائمہ ہی نے لکھا ہے کہ صحابہ کے زمانہ مین حضرت عمرؓ اور حضرت زیدؓ اور ابن عمرؓ عدم جواز کا فتوی دیتے تھے، نیز السرخسی نے اسی کی توجیہ دوسری جگہ ان الفاظ مین بھی کی ہے،

ان فیہ مبادلۃ لا صل الدراھم (جلد ۳ صفحہ ۲۲۹) اس مین اصل دراہم کو اس سے کم دراہم سے بدل دینا ہے،

بہرحال ربوا کی ایک شکل یہ ضرور ہے۔ پھر شمس الائمہ نے جیسا کہ لکھا ہے

جوزہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب
فوقفا انہ یجوز بین الحربی والمسلم	اس کو جائز قرار دیا تو ہم نے یہ جانا کہ مسلمان
مالا یجوز بین المسلمین،	اور الحربی مین ایسے ایسے معاملات جائز
(ج ۳ ص ۱۸۰)	ہین، جو خود باہم مسلمانون میں جائز نہین ہین،

(۶) چھٹی دلیل وہی مکحول کی روایت ہے، یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے قدما کی کتابون مین اس کا ذکر بہت کم کیا گیا ہے، مشہور اس روایت کو خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے، اور غالباً ان ہی کے واسطے سے یہ روایت احناف مین منتقل ہوئی، قاضی ابو یوسف کے حوالہ سے امام شافعی بیان کرتے ہین، کہ ان سے امام ابو حنیفہ نے یہ کہا تھا، کہ بعض بڑے بوڑھون سے انھون نے سُنا کہ مکحول اُن سے یہ کہتے تھے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ

لا ربوا بین اھل الحرب،	اہل حرب کے درمیان ربوا نہین ہے،

قاضی ابو یوسف کہتے ہین کہ مجھے خیال آتا ہے، کہ اس کے بعد شاید اہل الاسلام کا لفظ وہ بولے تھے، بہرحال مشہور شافعی محدث علامہ بیہقی نے اپنی سند سے امام شافعی تک اس کو پہنچایا ہے، اور امام شافعی نے جس طرح اس کو روایت کیا ہے، اس کا قصہ آپ سُن چکے، کوئی شبہ نہین کہ سنداً اس روایت کے متعلق گفتگو کا بہت کچھ موقع ہے لیکن جیسا کہ مین نے عرض کیا کہ ان دلائل کی حیثیت شواہد و مؤیدات کی ہے، اور انداز سے معلوم بھی یہی ہوتا ہے، کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے اسی حیثیت سے اس کو استعمال بھی فرمایا، خیال گذرتا ہے کہ اصلی کلیہ سے تو بیسیون مسائل پیدا ہوتے تھے یعنی بیتہ شراب خنزیر قمار وغیرہ سب ہی ان کے نیچے مندرج ہین، منجملہ ان کے ایک شکل ربوا کی بھی تھی، لیکن بہ نسبت اور دن کے ربوا مین چونکہ زیادہ اہمیت تھی، اس لئے بطور مزید تائید اور تشفی کے امام نے قاضی ابو یوسف کے سامنے اسے بھی دہرایا، کہ بعض بڑے بوڑھون (مشیخہ) سے مین نے یہ بات سُنی ہے جس سے اصل مسئلہ کی تائید ہوتی ہے بہرحال کم از کم اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ مکحول نے بیان کرنے والے پر بھروسہ ہی کرکے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہوگا، ورنہ کسی بادہوائی بات کو ظاہر ہے کہ مکحول جیسے ثقہ امام منسوب کرنے کی شکل ہی سے جرأت کرسکتے تھے، گویا مکحول کی مرسل روایت ہوئی، سرخسی نے مبسوط مین اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے،

هٰذا مُرسل ومكحول ثقة والمرسل من مثله مقبول، ۔

یہ روایت مرسل ہے، اور مکحول ثقہ ہیں، قاعدہ ہے کہ ثقہ کی مرسل روایت بھی قابل قبول سمجھی جاتی ہے،

آخر کچھ نہیں تو جو مسئلہ قرآن و حدیث کے بینات سے ثابت ہو رہا ہو، اس کی مزید تائید و تقویت بھی کیا اس سے نہیں حاصل ہوتی؟

پس بجائے خود آپ اس پر اعتماد نہ کریں لیکن دوسری دلیلوں کے ساتھ مل کر خود ایک دلیل یہ بھی کیا نہیں بن جاتی،

(۷) اس ساتویں دلیل کے ناقل بھی امام محمد ہی ہیں، سیر کبیر میں اس حدیث کو درج کرنے کے بعد یعنی

ان رَجُلاً من اشجع جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فشکا الیہ الحاجۃ فقال اصبر ثم ذھب فاصاب العدو غنیمۃ واتی بھا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فطیبھا لہ فانزل اللہ تعالیٰ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجًا ویرزقہ من حیث لا یحتسب

قبیلہ اشجع کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اپنی حاجت اور ضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کہا کہ ذرا صبر کر، اس کے بعد وہ آدمی چلا گیا، اور دشمن سے غنیمت کا مال اوس نے حاصل کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسے لے کر حاضر ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کو اس کے لئے پاک اور حلال قرار دیا، تب قرآن کی آیت نازل ہوئی، جس کا ترجمہ ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے کشائش کی راہ کھولتے ہیں، اور روزی دیتے ہیں اس کو ایسی جگہ سے جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو

امام محمد اس کے بعد ارقام فرماتے ہیں:-

فھذا اصل علمائنا فیما یصیبه الواحد والمثنی من دار الحرب، (سیر کبیر ج ۳ ص ۸۵)

دار الحرب سے کوئی مال کسی ایک یا دو آدمی کو مل جائے تو اس کے حلال ہونے کی ایک وجہ ہمارے علماء کے نزدیک

یعنی دار الحرب کا یہ مال چونکہ غیر معصوم مال تھا، اس لئے انجی قبضہ کرنے کے بعد اس کا مالک ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے طیب ہونے کا فتوی دیا، بلکہ شانِ نزول کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے اگر صحیح ہے تو خود قرآن مین بھی اس کو رزق لایجتبی قرار دیا گیا ہے، اب اس سے زیادہ پاک چیز اور کیا ہو سکتی ہے،

(۸) ممکن ہے کہ دوسرے اسے دلیل نہ قرار دین، لیکن امام محمد کے قلم سے جب یہ الفاظ نکلے ہین، یعنی حضرت عباسؓ کا ذکر کرتے ہوئے انھون نے جو یہ لکھا ہے کہ اسلام لانے کے بعد حضرت عباسؓ

استاذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الرجوع الی مکۃ فاذن لہ فکان یربی بمکۃ الی زمن الفتح وقد حرم الربوا قبل ذلک، (ص ۲۲۵)

مکہ واپس جانے کی (مسلمان ہونے کے بعد) حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت عطا فرمادی تب وہ مکہ مین فتح مکہ کے زمانے تک سودی کاروبار کرتے رہے، حالانکہ ربوا فتح مکہ سے پہلے حرام

تو مین اس کو صحابی کا ایک اثر قرار دیتے ہوئے منجملہ دیگر دلائل کے ایک مستقل دلیل اس کو بھی سمجھتا ہون، یعنی کہا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امام کے فتوی کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے، حدیث سے بھی ہوتی ہے اور آثار صحابہ سے بھی ہوتی ہے اور اگر صحابہ کے بعد ان کے دیکھنے والے تابعین کے قول و فتوی کو تائیدی دلائل مین لوگ شمار کرتے ہین، تو لیجئے صحابہ کے بعد تابعی کا فتوی بھی لیجئے،

(۹) ابراہیم نخعی کے اسم گرامی سے کون ناواقف ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ بلکہ ان کے سوا بھی بعض دوسرے صحابیون کے دیکھنے والے ہین، کما تو یہان تک گیا ہے کہ براہ راست بعض صحابیون سے روایت بھی کرتے ہین، کچھ بھی ہو نہ ان کی تابعیت مین شک ہے اور نہ امامت تو ان کی مسلم عند الکل ہی ہے، امام ابو جعفر طحاوی اپنی مسلسل سند سے راوی ہین فرماتے ہین:-

حدثنا محمد بن العباس قال	مجھ سے بیان کیا محمد بن عباس نے وہ کہتے
حدثنا علی قال حدثنا محمد	ہیں کہ مجھ سے بیان کیا علی نے وہ کہتے ہیں
بن الحسن قال حدثنا محمد بن	مجھ سے بیان کیا محمد بن حسن (امام) نے وہ
ابان بن صالح عن حماد عن	کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا محمد بن ابان
ابراھیم قال لا باس بالدینار	ابن صالح نے کہ حماد ابراہیم نخعی سے یہ روایت
بالدینارین فی دار الحرب بین	کرتے تھے کہ ابراہیم کہتے تھے، اس میں کوئی
المسلمین وبین اھل دار	مضائقہ نہیں کہ دار الحرب میں ایک
الحرب،	اشرفی سے دو اشرفیوں کا معاملہ مسلمان
(ص ۲۴۵)	اور دار الحرب والوں سے کیا جائے،

(۱۰) ائمہ اجتہاد و تفقہ کے اختلاف کو اپنی تائید میں جب مولانا ظفر احمد صاحب نے پیش کیا ہے تو یقیناً ان ہی ائمہ میں سے کسی ایسے امام کا اتفاق جو صرف تفقہ و اجتہاد ہی کا نہیں، بلکہ روایت اور حدیث کے حلقہ کا بھی امام ہو، ایسا امام کہ آج بخاری و مسلم جیسی حدیث کی صحیح کتابوں کی روایتوں کا ایک بڑا ذخیرہ محض انہی کے استناد پر قابلِ اعتماد سمجھا جاتا ہے، میری مراد حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، مشکل الآثار ہی میں طحاوی نے جہاں اس مسئلہ کو ابراہیم نخعی کا مذہب قرار دیا ہے، وہیں سفیان ثوری کے براہ راست شاگرد، محدثِ جلیل، عبداللہ بن المبارک کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کہ اس مسئلہ میں سفیان ثوری کا خیال بھی وہی تھا، جو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، طحاوی نے مندرجۂ ذیل اپنی متصل سند کے ساتھ سفیان ثوری کے قول کو نقل کیا ہے،

حدثنا ابراھیم بن ابی داؤد	مجھ سے بیان کیا ابراہیم بن ابی داؤد نے،
وقال حدثنا نعیم قال حدثنا	وہ کہتے تھے، مجھ سے بیان کیا نعیم نے وہ
ابن المبارک عن سفیان بذلک	کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا ابن المبارک نے
(مشکل الآثار ص ۳۴۵ ج ۴)	کہ سفیان بھی یہی کہتے تھے،

جس کے معنی یہی ہوئے کہ ائمۂ اجتہاد میں سے صرف ان کے شاگرد محمد بن حسن الشیبانی ہی امام اعظم کے ساتھ نہیں ہیں، بلکہ ان کے ہمعصر و ہم وطن امام سفیان ثوری کا بھی یہی فتویٰ تھا، اور میں تو سمجھتا ہوں کہ محمول والی

روایت کے مطابق انقطاعاً و اتصالاً ارسالاً و وقفاً جو بحث بھی چاہے، کی جائے لیکن خود مکحول تک تو اس روایت کا انتساب محل تردد نہین ہے، پھر مکحول سے جب ان کی روایت اور اس حدیث کے خلاف کوئی فتوی منقول نہین ہے، تو کیون نہ سمجھا جائے کہ جس فتوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی وہ جرأت کر رہے تھے، خود اس کے مخالف وہ کیون ہون گے، بلکہ بجنسہٖ اسی بنیاد پر مین تو یہ بھی سمجھتا ہون کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے استاذ حماد بن ابی سلیمان کا مسلک بھی یہی ہونا چاہیے، وجہ اس کی یہ ہے کہ طحاوی[1] نے ابراہیم نخعی کی طرف اس قول کو حماد ہی کے حوالہ سے منسوب کیا ہے، یعنی حماد بیان کرتے ہین، کہ اُن کے استاذ ابراہیم نخعی کا یہی قول تھا، سوچنے کی بات ہے کہ حماد کے استاد ابراہیم کا بھی اور حماد کے شاگرد امام ابوحنیفہ کا بھی جب یہی مسلک ہے، تو اس کے کوئی معنی ہو سکتے ہین، کہ درمیان مین حماد اس کے مخالف ہون گے، اگر ایسی کوئی بات ہوتی، یعنی حماد اس مسئلہ مین اپنے استاد اور براہ راست شاگرد سے مختلف خیال رکھتے، تو یقیناً بیان کرنے والے ایسے موقع پر اُسے ضرور بیان کرتے،

پس سچ پوچھئے تو میرے نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذاتی اجتہاد سے اس مسئلہ کو پیدا بھی نہین کیا ہے، بلکہ اگر کہا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ فقہ کوفہ کا بظاہر یہ ایک عام فتوی ہے، کیا ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری کے دائرے سے باہر کوفہ کی فقہ جا سکتی ہے، ؟ یقیناً جاننے والون سے یہ امر مخفی نہین ہوگا کہ علمائے کوفہ کا مذہب ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری ہی پر عموماً منتہی ہوتا ہے،

مولانا ظفر احمد صاحب کا دعوی کہ

"امام ابوحنیفہ کے پاس بجز ایک ضعیف حدیث یا ضعیف قیاس کے کوئی بھی قوی دلیل نہین"

---

[1] اگرچہ طحاوی نے مشکل الآثار مین اس فتوی کو مطلقاً بغیر کسی تفصیل کے سفیان ثوری کی طرف منسوب کیا ہے لیکن شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط مین بھی اور شرح سیر کبیر مین بھی سفیان ثوری کے فتوی کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کادبوا بین الحربی والمسلم مین مسلم سے مراد ان کے نزدیک فقط اس قسم کا مسلمان ہے جو بغیر کسی معاہدہ کے غیر اسلامی حکومت مین داخل ہو کر وہان کے غیر مسلم باشندون سے اس قسم کا معاملہ کرتا ہو، لیکن جو امن و امان کے ساتھ رہنے کا معاہدہ کر کے غیر اسلامی ملک مین داخل ہوگا یعنی مسلم مستامن کو اس کی اجازت نہین دیتے تھے، بہرحال اتنی بات کہ الحربی والمسلم مین ربوا کا معاملہ بعض صورتون مین ربوا اور سود باقی نہین رہتا، اوس کے قائل یقیناً سفیان ثوری بھی ہین، اور اثبات مدعا کے لئے یہ کافی ہے،

اس دعوی کے مقابلہ میں غالباً تلاث عشرۃ کاملۃ یعنی امام کی تائید میں یہ دس دلیلیں سردست انشاء اللہ کافی سمجھی جائیں گی ولئن استزدتہ لزدنا، کیونکہ جو دلائل اب تک پیش کئے گئے ہیں، عموماً یہ وہی ہیں جن کا تذکرہ فقہاء حنفیہ نے اپنی کتابوں میں کیا ہے، خود فاکسار ذاتی طور پر بھی اس مسئلہ کی تائید میں کچھ چیزیں اپنے پاس رکھتا ہے، لیکن ان کی بحث اگر چھڑ جائے گی تو بات بہت طویل ہو جائے گی، اس لئے بالفعل انہی دس باتوں پر قناعت کرتے ہوئے مولینا سے باادب دریافت کرتا ہوں کہ دلائل کو آپ تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن یہ کہنا کہ ابو حنیفہ نے اس مسئلہ میں صرف ایک ضعیف حدیث یا ضعیف قیاس سے متاثر ہو کر اتنے اہم فتوی کی ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے، کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے،

اور واقعہ تو یہ ہے کہ لفظ صرف لفظ ربوا سے متاثر ہو کر جس چیز کو خواہ مخواہ ربوا قرار دے کر اتنا ہنگامہ مچایا گیا ہے، جب معلوم ہو چکا ہے کہ سرے سے وہ ربوا ہی نہیں ہے، بلکہ اس ذیل کی ایک آمدنی مسلمانوں کی ہے، جس کے متعلق فکلوہ حلالاً طیباً کا فتوی خود قرآن میں دیا گیا ہے، اس کے بعد بیچ پوچھئے تو مزید کسی دلیل کی حاجت ہی باقی نہیں رہتی، ابن ہمام کے حوالہ سے جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں یعنی اس مفہوم کو سمجھانے کے لئے کہ بفرض جس چیز کو لوگ ربوا سمجھ رہے ہیں، وہ ربوا ہی نہیں ہے، اس کے لئے تو صرف محمول والی روایت "لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب" ہی کافی ہے، کیونکہ یہاں قرآنی نصوص جن میں مطلق الربوا کو حرام قرار دیا گیا ہے، ان کے اطلاق میں دست اندازی کر کے باوجود ربوا ہونے کے ربوا کی کسی شکل کے حلال ہونے کا (العیاذ باللہ) فتوی نہیں دیا جا رہا ہے، بلکہ قرآن کے اطلاق کو بالکلیہ اپنے حال پر قطعی طور سے محفوظ رکھتے ہوئے صرف اس واقعہ کا اظہار مقصود ہے، کہ مسلمانوں کی جس آمدنی کو لوگ غلطی سے ربوا سمجھ کر حرام قرار دے رہے ہیں، بتا دیا جائے کہ واقعہ میں نہ وہ ربوا ہے نہ حرام ہے، محض یہ بتانا کہ وہ حلال چیز کو تو حرام نہیں کہہ رہے ہیں، بلکہ واقع میں جو حلال ہے اسی کے حلال ہونے کا فتوی امام دے رہے ہیں، جو چیز مفید ہو، اگر کوئی سمجھانا چاہتا ہے کہ لوگ اس کو سیاہ نہ سمجھیں، تو کیا آیا ایسا جرم ہے جس پر اسے ملامت کی جائے، خصوصاً جب تائید میں ایک نہیں دس دس چیزیں آپ کے سامنے پیش کی جا رہی ہوں، تو اب اس سلسلہ میں آخر کیا چاہا جاتا ہے،

فقیر کے گذشتہ بالا معروضات کا مطالعہ اگر توجہ سے کیا جائے گا، تو ان ہی میں مولانا ظفر احمد صاحب کے دوسرے مطالبات کے جوابات بھی لوگوں کو مل سکتے ہیں، مثلاً مولانا نے امام رحمۃ اللہ علیہ کو اس فتوی کا تنہا مفتی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے :-

اس مسئلہ مین جملہ ائمہ نے امام ابو حنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے،

مگر جو کچھ مین عرض کر چکا ہون، اس کے بعد بھی مولانائے ممدوح کا یہ الزام امام ابو حنیفہ کے متعلق واقعی الزام باقی رہ سکتا ہے، نہ صرف یہی کہ فقہ اسلامی کی مستقل شاخ جسے علماے عراق کی فقہ کہتے ہین اسی کا یہ ایک عام مسئلہ معلوم ہوتا ہے، بلکہ مکحول کو بھی اگر اسی گروہ مین شریک کر لیا جائے، تو عراق کے ساتھ شامی فقہا کے ایک بڑے امام مجتہد و محدث کو اس مسئلہ مین امام ابو حنیفہ کا ہمنوا قرار دیا جا سکتا ہے، غالباً قاضی ابو یوسف کے سامنے بجائے دوسرے عراقی اساتذہ ابراہیم یا حماد یا سفیان ثوری کے شامی امام مکحول کی جو روایت امام ابو حنیفہ نے پیش کی، ہو سکتا ہے کہ اس کی ایک مصلحت یہ بھی ہو کہ صرف ہمارے کوفی ائمہ ہی نہین بلکہ شام کے ایک امام حجت سے بھی یہی فتوی منقول ہے، کیسی عجیب بات ہے کہ جس مسئلہ مین امام ابو حنیفہ کی حیثیت صرف مقلد ہونے کی ہے، اسی مسئلہ کو امام کے انفرادی اجتہاد کا نتیجہ قرار دیا جا رہا ہے، اس موقع پر ہمین اہل علم کے اس قول کو بھی نہ بھولنا چاہئے، کہ طحاوی جن کی سند سے مین نے دوسرے ائمہ کا فتوی نقل کیا ہے، نقل مذاہب مین ان کے متعلق یہ تسلیم کر لیا گیا ہے، کہ ھُوَ اعلم الناس بمذاھب الناس یعنی علماے اسلام کے فقہی اختلافات کے وہ سب سے بڑے عالم ہین،

چونکہ خود مسئلہ اور اس کے مالہا و ماعلیہا کے بیان کرنے مین مین نے یہ التزام کیا ہے، کہ انہی عبارتون کو پیش کرون، جو امام محمد کی کتاب (سیر کبیر) مین پائی جاتی ہین، یا زیادہ سے زیادہ ان کے بعد مین نے شمس الائمہ سرخسی علامہ ابو بکر کاسانی صاحب بدائع اور ابن ہمام کے اقوال پیش کئے ہین، مین خیال کرتا ہون کہ اس کے بعد متاخرین ارباب فتاوی کی تعبیرون پر مولانا نے بے اعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے امام کی طرف اس مسئلہ کے انتساب ہی کو کن یہ محل اشتباہ جو قرار دینا چاہا ہے، انشاء اللہ اس کی بھی گنجایش باقی نہ رہی ہو گی، آخر حنفی فقہ کے مسائل کی تعبیر مین ان بزرگون کے تصریحات پر بھی اگر اعتماد نہ کیا جائے گا، تو اب اس کے بعد اور کون لوگ ہین جن کے اقوال پر اس باب مین بھروسہ کیا جا سکتا ہے،

باقی مولانا نے اموال کے غیر معصوم و مباح ہونے کے لئے یہ دعوی جو فرمایا ہے، کہ مسلمانون اور مسلمانون کی حکومت سے بالفعل برسر جنگ ہونا بھی اس کے لئے ضروری ہے یعنی جو برسر جنگ ہون گے، ان ہی کے اموال شرعاً غیر معصوم اور مباح قرار دیئے جا سکتے ہین، مین قطعاً ناواقف ہون کہ مولانا کے اس دعوی کی بنیاد کیا ہے، کم از کم فقہ حنفی کی حد تک تو مین کہہ سکتا ہون کہ باوجود تلاش و جستجو کے مجھے کوئی ایسی چیز اب تک

نہین ملی ہے جس سے مولانا کے اس عجیب و غریب دعویٰ کی کسی حد تک بھی تائید ہو سکتی ہو، ہان! الحربی کے لفظ سے عوام شاید یہی سمجھتے ہین لیکن مولانا جیسے مستند و خبیر عالم کے متعلق یہ کیسے باور کرلون کہ عوام کے اس عامیانہ خیال سے وہ متاثر ہین، بہرحال دعوی کے لئے دلیل کا مطالبہ تو ہر شخص سے کیا جائے گا، مولانا کے پاس اگر کوئی ایسی چیز ہے تو پیش فرمائین، مین تو حیران ہون کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی ذمہ داریون سے بری ہونے کے لئے قرآن تو صرف المشرکین کے لفظ کو کافی قرار دے رہا ہے، شہادت کا لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ (جو دراصل دین اسلامی کا عنوان اور اسکی اجمالی تعبیر ہے) صرف اس سے انکار صحیح حدیثون کے رو سے اموال کو غیر معصوم بنا دیتا ہے، یا پھر قانون معاہدہ سے عصمت کی اس کیفیت کو اموال مین پیدا کیا جا سکتا ہے، جہانتک مین جانتا ہون، اموال کے معصوم ہونے کی یہی دو شرعی اور قانونی وجوہ (اسلام اور معاہدہ) قرآن و حدیث سے ثابت ہوتے ہین، لیکن بالفعل برسر جنگ ہونا، مین نہین جانتا کہ اس سلسلہ مین مولانا کی طرف سے اس قید کا اضافہ جو فرمایا جا رہا ہے، اس کی بنیاد کیا ہے،

اگر ان اموال کی حلت کے لئے بالفعل محاربہ و مقاتلہ بھی ضروری ہے، تو غنیمت مین اور ان آمدنیون مین جنھین فئی یا فی حکم الفئی کے ذیل مین نقتا شمار کرتے ہین، فرق ہی کیا باقی رہ جاتا ہے، فئی کے متعلق تو قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ مسلمانون کے ایجاف[1] خیل و رکاب سے جو نہ حاصل ہوا ہو، اور آپکے نزدیک لڑائی بھڑائی کے بغیر ان اموال کے حلال ہونے کی کوئی صورت ہی جب نہین ہے، تو آخر قرآن کے ان الفاظ کا کیا مطلب ہوگا،

---

[1] قرآنی الفاظ فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب کی طرف اشارہ ہے یعنی گھوڑون اور اونٹون پر سوار ہو کر حملہ کرکے یہ مال حاصل نہین کیا گیا ہے، (باقی)

کلیاتِ شبلی اردو

مولانا شبلی کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس مین مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمین جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین، یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کی چھل سالہ جد وجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، قیمت:- عہ

منیجر

عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از

سید صباح الدین عبد الرحمٰن (علیگ) رفیق دارالمصنفین

(۶)

حضرت شیخ بوعلی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

نام شیخ شرف الدین اور لقب بوعلی قلندر تھا، امام اعظم ابوحنیفہ کی اولاد سے تھے، سلسلۂ نسب یہ ہے، شیخ شرف الدین بوعلی قلندر بن سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار عزیز بن ابوبکر غازی بن فارس بن عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم بن محمد بن دانک بن امام اعظم ابوحنیفہ[1]

ان کے والد ماجد ۶۰۰ھ میں عراق سے ہندوستان آئے، وہ بڑے متبحر اور جید عالم تھے، ان کی پہلی شادی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کی دختر نیک اختر سے ہوئی، لیکن وہ لاولد فوت ہوگئیں، ان کے بعد مولینا سید نعمت اللہ صاحب ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ بی بی حافظہ جمال سے عقد ہوا، جو حضرت شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ کی ماں تھیں،

شیخ بوعلی قلندر ۶۰۵ھ میں پانی پت میں پیدا ہوئے، یہیں تمام علوم ظاہری حاصل کئے، اور تیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے پاس اُن کے درس و تدریس کا فیض جاری رہا، دہلی کے اکابر علما، مولانا قطب الدین، مولانا وجیہ الدین پانی پتی، قاضی ظہور الدین بخاری، قاضی حمید الدین صدر شریعت، مولانا فخر الدین پانی پتی وغیرہ ان کے علمی تبحر اور فضیلت کے معترف تھے،

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۹۰،

لیکن جب تصوف کے کوچہ مین قدم رکھا، اور ریاضت و مجاہدہ مین مشغول ہوئے، تو جذب و سکر کی حالت مین علوم و فنون کی تمام کتابون کو دریا مین ڈال کر جنگل کی راہ لی، اور پانی پت کے مضافات باگھونی اور کرنال کے نواح بڈھا کھیڑہ مین آخر وقت تک مقیم رہے[1]، خزینۃ الاصفیا مین ہے، کہ معارج الولایت کے مولف نے شیخ بو علی قلندرؒ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا خلیفہ لکھا ہے[2] لیکن ان کی ارادت اور خلافت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی طرف بھی منسوب ہے، اخبار الاخیار مین ہے،

"بعضے گویند کہ بخواجہ بختیار کاکی ارادت داشت و بعضے گویند بشیخ نظام الدین اولیاء و ہیچ یکے ازین دو نقل بصحت نہ رسیدہ است"[3]

سکر اور مستی کی حالت مین ایک بار مونچھین شرعی حدود سے بہت بڑھ گئی تھین، کسی کو ترا شنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، ان کے ہم عصر بزرگ مولانا ضیاء الدین سنامی کو شریعت کی پابندی کا بڑا جوش تھا، انھون نے شیخ کی ریش مبارک کو پکڑ کر مونچھون کو شرعی حد کے مطابق تراش دیا، جب وہ تراش کر تشریف لے گئے تو شیخ بو علی قلندرؒ اپنی داڑھی کو پکڑ کر بار بار فرماتے تھے، کہ یہ ریش کیسی مبارک ریش ہے، کہ شرع محمدی کی راہ مین پکڑی گئی[4]،

شیخ بو علی قلندرؒ کے قیام پانی پت کے زمانہ مین شمس الاولیاء حضرت خواجہ شمس الدین ترک اپنے خلیفہ تاج الاولیاء حضرت خواجہ علاء الدین صابر رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے یہان آکر قیام پذیر ہوئے،

حضرت خواجہ شمس الدینؒ ترکستان کے سادات مین اور حضرت خواجہ احمد یسوی کے فرزند تھے، جن کا سلسلۂ نسب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے، خواجہ شمس الدین علوم نقلی و عقلی کی تعلیم پانے کے بعد علم سلوک کی طرف مائل ہوئے، اور ماوراء النہر کے بہت سے بزرگون کی صحبت مین رہے، مگر جب کہین تشفی نہ ہوئی، تو مرشد کامل کی طلب مین ہندوستان کی طرف چل کھڑے ہوئے، ملتان پہونچکر بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت مین حاضر ہوئے اور تربیت پانے کے بعد وہان سے بابا فرید گنج شکرؒ کی ہدایت کے مطابق کلیر شریف پہونچے، جہان شیخ علاء الدین صابرؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا، کہ

"شمس الدین تو مرا فرزندی، از حق سبحانہ تعالیٰ خواستہ ام کہ این سلسلۂ ما از تو

---

[1] خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۲۸ [2] ایضاً ص ۳۲۶، [3] اخبار الاخیار ص ۱۲۱ [4] ایضاً و خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۲۶

جاری باشد تا قیامت برپا ماند"[۵۱]

اور اپنی چادر تر کی کلاہ ان کے سر پر رکھدی، وہ گیارہ سال تک پیر دستگیر کی خدمت مین رہے، مرشد کو اپنے ہاتھ سے نہلاتے، وضو کراتے، ان کے لئے جنگلون سے لکڑیان لاکر کھانا پکاتے، اور خود فقر و فاقہ سے مجاہدہ و ریاضت مین مشغول رہتے، مرشد سے علوم سینہ کی تحصیل کے بعد پانی پت مین قیام کرنے کا حکم ملا، لیکن روحانی طور سے اس مقام کا بار اٹھانے کی صلاحیت نہین پائی، اس لئے مرشد کی اجازت سے مزدوری کی طرف متوجہ ہوگئے، اس وقت سلطان غیاث الدین بلبن کا دور حکومت تھا، دہلی آکر اس کی فوج مین سوارون کے زمرہ مین داخل ہوگئے، کچھ دنون مین ان کے پاس کافی دولت ہوگئی، لیکن امارت کی کسی چیز سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا، شب و روز ذکر الٰہی مین مشغول رہتے،

سیر الاقطاب کے مؤلف کا بیان ہے :-

"ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین بلبن نے ایک قلعہ[۵۳] کا محاصرہ کیا، ایک زمانہ اسی حالت مین گذر گیا، اور قلعہ فتح نہ ہوسکا، اسی دوران مین ایک رات ایسی سخت آندھی آئی، اور بارش ہوئی، کہ سپاہیون اور امرائے اسلام کے خیمے گر پڑے، بارش تیزی سے جاری رہی، سخت سردی پڑنے لگی، اور کسی جگہ آگ باقی نہین رہی، شاہی سقہ بادشاہ کے وضو کا پانی گرم کرنے کے لئے آگ کی تلاش مین نکلا، دفعتہً دور سے دیکھا کہ ایک خیمہ مین چراغ جل رہا ہے، اور وہ خیمہ حضرت (یعنی خواجہ شمس الدین ترک) کا تھا، سقہ دوڑا، خیمہ کے پاس گیا، دیکھا کہ ایک فقیر کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہے، حضرت کے خوف سے وہ آگ مانگ نہ سکا، حضرت نے سر اٹھایا، اور فرمایا کہ اے بھائی آؤ اور جتنی آگ چاہتے ہو لیجاؤ، وہ سامنے آیا، اور ایک لکڑی آگ سے جلائی، اور لوٹا لے کر لوٹ گیا، اس واقعہ سے سقہ کو بیقراری تھی، صبح کے وقت مشک لے کر اس خیمہ کی طرف چلا اور جب اس کے پاس پہنچا، تو حضرت کو اس مین نہ پاکر حیران ہوا، اور وہان سے واپس آکر ایک تالاب پر جو لشکر گاہ کے پاس تھا گیا، دیکھا کہ ایک نیک بزرگ وضو کر رہے ہین، غور کیا تو وہی پاک صورت نظر آئی جن کے چراغ سے رات کو آگ جلا کر لے گیا تھا،

---

۵۱ مرآۃ الاسرار (قلمی نسخہ دار المصنفین) و سیر الاقطاب ص ۱۸۶ ۵۲ خزینۃ الاصفیا، جلد اول ص ۳۲۱

۵۳ قلعہ کا نام معلوم نہ ہوسکا،

دیکھ کر ایک گوشہ مین کھڑا رہا، یہان تک کہ وہ بزرگ وضو کے بعد نماز ادا کرکے اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے گئے، سقہ نے اسی جگہ سے مشک مین پانی بھرا، اور باوجودیکہ جاڑے کا زمانہ تھا، اور ہر جگہ پانی جم گیا تھا لیکن جس جگہ حضرت نے وضو کیا تھا، وہان کا پانی اس قدر گرم تھا، گویا کسی نے اس کو ابھی گرم کیا ہے، اس کو لے کر اپنے کارخانہ مین گیا، اور اپنی عقل سے معلوم کیا کہ یہ سب کچھ اسی مرد خدا کی عظمت و برکت کے سبب سے ہوا ہے لیکن اس راز کو کسی سے ظاہر نہین کیا، دوسرے دن حضرت کے پہنچنے سے پہلے جب دو چار گھڑی رات رہ گئی تھی، تالاب پر پہنچا، اور پانی کو دیکھا، کہ جما ہوا ہے، قریب ہی ایک درخت تھا، اس کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا، یہان تک کہ حضرت تشریف لائے، ان کے پہونچنے کے ساتھ ہی تالاب کے پانی نے جوش مارا، حضرت نے وضو کیا اور نماز ادا کرکے اپنے خیمہ کی طرف روانہ ہوگئے، سقہ نے گرم پانی کو مشک میں بھرا اور سلطان غیاث الدین بلبن کی خدمت مین حاضر ہوا، اور اس وقت جب سلطان دربار عام مین بیٹھا تھا، سقہ نے فریاد کی، سلطان نے اس کو بلا کر استفسار کیا، اس نے عرض کی اگر جہان پناہ میرے راز کو خلوت مین سنین تو گذارش کروں، سلطان نے اس کا موقع دیا، سقہ نے حضرت کا تمام حال بیان کیا، سلطان سُن کر متحیر ہوا، اور اپنی خواجگاہ مین اس کو ٹھہرنے کا حکم دیا، جب رات ہوئی، تو سلطان خیمہ کے اندر چلا گیا، اور دروازہ کی کنجی سقہ کے حوالہ کر دی، جب تین چار گھڑی رات باقی رہ گئی تو سقہ نے دروازہ کھول کر سلطان کو جگا دیا، سلطان مسلح ہوکر باہر نکلا، اور سقہ کے ساتھ پاپیادہ تالاب پر پہنچا، پانی کو دیکھا تو بالکل سرد تھا، وہ چھپ کر وہین بیٹھ گیا، یہان تک کہ حضرت تشریف لائے، ان کے پہنچتے ہی حسب معمول پانی مین جوش آگیا، جس کو سلطان نے خود دیکھا، حضرت نے وضو کرکے نماز ادا کی، اور اپنے خیمہ کی طرف تشریف لے چلے، سلطان نے پانی کو دیکھا تو گرم تھا، وہ متحیر ہوا، اور حضرت کے پیچھے پیچھے چلا، حضرت خیمہ مین پہنچکر قرآن مجید کی تلاوت مین مشغول ہوگئے، سلطان دست بستہ وہین کھڑا رہا، جب وہ تلاوت سے فارغ ہوچکے، تو بادشاہ کو دیکھ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور سلام کیا، سلطان نے اظہار ادب کرکے عرض کیا، کہ یہ میری خوش قسمتی ہے، کہ آپ جیسے دوست میرے عہد مین

موجود ہین، لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک یہ قلعہ فتح نہین ہوسکا، حضرت نے ہرچند اپنے کو چھپانے کی کوشش کی، لیکن بے سود تھا، مجبوراً دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور فاتحہ پڑھکر فرمایا کہ اسی وقت حملہ کیا جائے، انشاء اللہ فتح ہوگی، سلطان خوش خوش رخصت ہوا، اور لشکر مین پہونچکر اسی وقت حملہ کیا، قلعہ فتح ہوگیا، سلطان جب مسرت سے معمور اپنے فتحمند لشکر مین پہنچا تو دوسرے دن برہنہ پا حضرت کی خدمت مین حاضر ہونے کا ارادہ کیا، حضرت نے اپنے نور باطن سے اس کا ارادہ معلوم کر لیا، اپنے گھوڑے کو طلب کرکے فرمایا کہ یہان سے قریب ایک بیوہ عورت رہتی ہے، اس کی ایک لڑکی جوان ہے، مگر وہ اس کی تجہیز و تکفین کرنے سے معذور ہے، تو اس کے پاس جا، اور اپنی قیمت اس عورت کو پیش کر، گھوڑا حسب ارشاد بیوہ کے پاس گیا، بیوہ نے غیب سے آواز سُنی کہ بوڑھی عورت اس گھوڑے کو بیچ کر اس کی قیمت اپنی لڑکی کے کار خیر میں صرف کر! اس عورت نے ایسا ہی کیا، حضرت نے اپنا بقیہ تمام اسباب و مال و متاع فقراء کو دیدیا، اور کل اوڑھ کر لشکر سے چل کھڑے ہوئے، اور اپنے پیر دستگیر کی خدمت مین پہنچے، کچھ دنون وہان رہ چکے تو پانی پت مین مامور کئے گئے[1]

جب حضرت شمس الدین ترک پانی پتی کا نزول اجلال پانی پت مین ہوا، تو دودھ سے ایک بھرا ہوا پیالہ اپنے خادم کے ہاتھ شیخ بوعلی قلندرؒ کی خدمت مین بھیجا، شیخ بوعلی قلندرؒ خادم کو دیکھ کر مسکرائے، گلاب کے چند پھول ان کے سامنے پڑے تھے، ان کی پنکھڑیان دودھ مین ڈال کر اُسے حضرت شمس الدین ترکؒ کے پاس واپس کر دیا، وہ پیالے مین گلاب کی پتیان دیکھ کر متبسم ہوئے، حاضرین مجلس نے تبسم کی وجہ پوچھی فرمایا کہ شیخ بوعلی قلندرؒ کے پاس دودھ سے بھرا ہوا پیالہ بھیجنے سے مراد یہ تھی، کہ یہ ملک میرے شیخ نے مجھکو عطا کیا ہے جو مجھ سے پُر ہوگیا ہے، شیخ بوعلی قلندرؒ نے گلاب کی پنکھڑیان ڈال کر دودھ کا پیالہ واپس کر دیا تو اس سے مراد یہ ہے، کہ وہ میرے ملک سے کوئی تعلق نہین رکھین گے، اور یہان اسی طرح رہین گے جس طرح دودھ مین گلاب کی پنکھڑیان ہین، شیخ بوعلی قلندرؒ سے پوچھا گیا تو انھون نے بھی یہی فرمایا، چنانچہ دونون مین آخر وقت تک اخلاص اور محبت قائم رہی[2]

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹ [2] ایضاً ص ۱۸۹،

کبیر الاولیاء حضرت شیخ جلال الدین محمود پانی پتی شیخ بوعلی قلندرؒ ہی کے فیض نظر سے راہ طریقت پر گامزن ہوئے، ایک دن شیخ بوعلی قلندرؒ سر راہ بیٹھے ہوئے تھے، کہ کمسنی کے زمانہ میں شیخ جلال الدین گھوڑے پر سوار ادھر سے گزرے، ان کو دیکھ کر شیخ بوعلی قلندرؒ نے فرمایا،

زہے اسپ و زہے سوار

کانوں میں یہ آواز پڑتے ہی شیخ جلال الدین بے خود ہو گئے، گھوڑے سے اتر پڑے، اور اسی وقت گریبان چاک کر کے جنگل کی راہ لی، اور چالیس سال تک جنگل میں پھرتے رہے، اور اس درمیان میں مختلف درویشوں اور فقیروں کی صحبت اختیار کی، پھر جب وطن واپس آئے، تو شیخ بوعلی قلندرؒ سے بیعت کے لئے مصر ہوئے، شیخ نے فرمایا،

"اے فرزند عزیز کشایش تو موقوف بر مرد دیگر است"

چنانچہ جب حضرت شمس الدین ترک پانی پتی کا ورود مسعود پانی پت میں ہوا تو شیخ بوعلی قلندرؒ نے شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے پاس ارادت کے لئے بھیجا، جو آگے چل کر اُن کے خلیفہ ہوئے[1]

سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت خواجہ بوعلی قلندرؒ سے بڑی عقیدت تھی، وہ اُن کے حلقۂ ارادت میں بھی شامل ہو گیا تھا، اور بزرگان دین ہی کی صحبت کا شاید یہ اثر تھا، کہ اس میں حلم، نرمی اور خدا ترسی کے اوصاف بدرجۂ اتم موجود تھے، مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں،

"این چنین بادشاہ حلیم و کریم دین چنین فرمان روایان و کارگذاران مہربان و خداترس برسہ بندگان خدا نتوانند دید"

مگر ان خوبیوں کے باوجود حضرت سیدی مولہ کا خون اس کے سر پر ہے، گو اس واقعہ کی تفصیل ہمارے موضوع سے متعلق نہیں، لیکن ناظرین کو اس سے دلچسپی ہوگی، اس لئے اس کو مجملاً مولانا ضیاء الدین برنی کی زبانی بیان کرتے ہیں:-

"سیدی مولہ ایک درویش تھے، جو سلطان بلبن کے عہد میں ولایت ملک بالا سے شہر (یعنی دہلی) میں آئے، وہ عجب طریقے رکھتے تھے، خرچ کرنے اور کھانا کھلانے میں بے نظیر تھے، لیکن جامع مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتے تھے، گو وہ نماز کے پابند تھے، مگر

---

[1] سیر الاقطاب ص ۲۰۱، ۲۰۶،

جماعت کے ساتھ نماز ادا نہین کرتے تھے جس کی پابندی تمام بزرگان دین نے کی ہے، وہ مجاہدہ و ریاضت بہت کرتے تھے، جامہ اور چادر پہنتے، اور چاول کی روٹی معمولی سالن سے کھاتے تھے، ان کے پاس کوئی عورت، کنیز اور خدمت گار نہ تھا، اور نہ وہ کسی نفسانی خواہش مین مبتلا تھے، کوئی کچھ دیتا تو اس کو قبول نہ کرتے لیکن ان کے اخراجات اتنے تھے، کہ لوگون کو حیرت ہوتی تھی، اور اس کا خیال تھا، کہ وہ علم کیمیا جانتے ہین، اپنے دروازہ کے سامنے میدان مین انھون نے ایک خانقاہ بنوائی تھی، اس کی تعمیر مین ہزارون روپیے خرچ کئے تھے، اس خانقاہ مین بڑی مقدار مین کھانا پکتا تھا، بری و بحری سفر کرنے والے مسافر یہان آکر مقیم ہوتے تھے، اور ان کو دو وقت کھانا ملتا تھا، اور کھانا ایسا ہوتا تھا، کہ اس زمانہ کے خوانین و ملوک کو میسر نہ تھا، خانقاہ مین ہزارون من میدہ خرچ ہوتا تھا، پانچ سو جانور ذبح کئے جاتے تھے، دو تین سو من شکر اور سو دو سو من نبات خریدی جاتی تھی، خانقاہ کے سامنے آدمیون کا ایک ہجوم رہتا تھا، ان کے پاس (یعنی حضرت سیدی مولہ) نہ کوئی گاؤں تھا اور نہ ان کو شاہی وظیفہ ملتا تھا، اور نہ وہ کسی سے فتوح قبول کرتے تھے، جب کسی سے کوئی چیز خریدتے، یا کسی کو کچھ رقم دینا چاہتے، تو کہتے کہ جاؤ، فلاں پتھر یا اینٹ کے نیچے جا کر اتنے نقرئی ٹنکے لیلو، وہ جاتا، تو واقعی اینٹ یا پتھر کے نیچے یا طاق مین طلائی اور نقرئی سکے مل جاتے، یہ سکے ایسے ہوتے جیسے دار الضرب سے بالکل نئے نکلے ہون"

آگے چل کر مولانا ضیاء الدین برنی لکھتے ہین:-

"حضرت سیدی مولہ کی خانقاہ کے اخراجات سلطان جلال الدین خلجی کے عہد مین اور بھی زیادہ بڑھ گئے تھے، سلطان جلال الدین کا بڑا لڑکا خانخانان ان کا معتقد ہوگیا تھا، وہ اپنے کو حضرت سیدی مولہ کا بیٹا کہتا تھا، امرا اور حکام کی آمد و رفت ان کے پاس بڑھ گئی تھی، قاضی جلال کاشانی نے جو اس زمانہ کا بڑا قاضی تھا، لیکن فتنہ انگیز تھا سیدی سے تعلقات پیدا کئے، دو دو تین تین راتین خانقاہ مین بسر کرتا، اور وہان کے لوگون سے گفتگو کرتا، یہین کے عہد کے مولازادے جو امرا اور ملوک کی اولاد سے تھے، اس گفتگو مین شریک رہتے، یہ سب عہد جلالی مین بالکل بے سروسامان، بے اقطاع اور بے حشم ہو گئے تھے،

برہنچ تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال جو آزادوں اور پہلوانوں کے گروہ میں تھے، اور بلبنی عہد میں ایک لاکھ جیتل وظیفہ پاتے تھے، بے وظیفہ ہوگئے تھے، اور بعض دوسرے اکابر جو عہد دن سے معزول کر دیئے گئے تھے، سیدی کی خانقاہ میں آکر رات کو سوتے اور ان سے کچھ چیز بن پاتے، لوگ سمجھتے، کہ ان اکابر کی آمد و رفت محض حصول برکت کے لئے ہوتی ہے لیکن معلوم ہوا کہ قاضی جلال کاشانی، خان زادے، ملک زادے، برہنچ تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال رات کو سیدی کے پاس بیٹھ کر فتنہ انگیزی کا مشورہ کرتے ہیں، چنانچہ برہنچ تن اور ہتیا پایک کے کوتوال نے ارادہ کیا، کہ جمعہ کے روز جب نماز کے لئے سلطان جلال الدین کی سواری نکلے تو اس پر حملہ کر دیا جائے، اور سیدی کو خلیفہ بنا کر ان کا نکاح سلطان ناصر الدین کی لڑکی سے کر دیا جائے، اور قاضی جلال کو قاضی خان کا عہدہ اور ملتان کا اقطاع دار مقرر کیا جائے اسی طرح اور اقطاعات ملک زادوں اور خان زادوں میں تقسیم کر دی جائیں، ان بے کار لوگوں میں سے ایک شخص جو مشورے میں شریک تھا، ان سے منحرف ہو کر یہ تمام خبریں سلطان جلال الدین تک پہنچا دیں، سیدی اور ان کے ساتھی متہم کر کے سلطان کے سامنے لائے گئے، سلطان نے تفتیش کرنی چاہی تو سب نے انکار کر دیا، اس زمانہ میں یہ رواج نہ تھا، کہ انکار کرنے والوں سے لات اور ڈنڈے کے ذریعہ اقرار کرایا جاتا، چنانچہ دب کے لئے حکم جاری کیا گیا، سلطان اور دوسرے لوگوں کو سازش کا پورا یقین تھا، لیکن سازش کرنے والے منکر تھے، دوسرا کوئی ثبوت نہ تھا، اور ان پر کوئی حکم نافذ نہ کیا جا سکتا تھا اس لئے بہار پور کے میدان میں آگ روشن کی گئی، سلطان ملوک اور خوانین کے ساتھ وہاں پہونچا، ایک کوشک خاص نصب کیا گیا، سلطان نے شہر کے تمام اکابر علماء و مشائخ کا محضر طلب کیا، اس میدان میں شہر کے خواص و عوام بھی جمع ہوئے، سلطان نے حکم دیا، کہ سازش کرنے والوں کو آگ میں ڈال دیا جائے، تاکہ جھوٹ اور سچ روشن ہو جائے، لیکن اس کے بارے میں جب علماء سے استفتا کیا گیا تو متدین علماء نے کہا کہ دب نامشروع ہے، اور آگ کے ذریعہ سے جھوٹ اور سچ کی تمیز نہیں کی جا سکتی ہے، سازش کی خبر صرف ایک شخص نے دی ہے، اور ایسے جرم میں ایک شخص کی شہادت قابل سماعت نہیں، اس لئے سلطان نے دب کا ارادہ ترک کر دیا، اور قاضی جلال کو جو فتنہ

کا سرغنہ تھا، بدایون کا قاضی بنا کر وہان بھیجدیا، خان زادون اور ملک زادون کو جلاوطن کر دیا، اور ان کی املاک ضبط کرلی، برہنہ تن اور ہتھیا پایک کے کوتوال کو سزا دی، اس کے بعد سیدی مولہ کو باندھ کر سلطان کے کوشک کے پاس لایا گیا، سلطان نے ان سے خود مباحثہ کیا' اس مجمع مین شیخ ابو بکر طوسی حیدری بھی اپنی حیدری جماعت کے ساتھ موجود تھے، سلطان نے اُن سے خطاب کرکے کہا اے درویشان! انصاف من ازین مولہ بستانید، بحری نامی ایک حیدری نے بڑھکر سیدی کو استرے سے زخمی کر دیا، ارکلی خان نے کوشک کے اوپر سے فیلبانون کو اشارہ کیا، ایک ہاتھی سیدی کی طرف دوڑا، اور ان کو پاؤن تلے مسل ڈالا"

اس کے بعد مولانا ضیاء الدین برنی اپنے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہین :-

"ایسا حلیم و بردبار بادشاہ اس معاملہ مین مشورون کو سننے کی طاقت نہ پیدا کر سکا، اور ایسا حکم صادر کر دیا جس سے درویشی کی عزت جاتی رہی، مجھکو یاد ہے، کہ جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا، ایک سیاہ طوفان آیا، اور تاریکی چھا گئی، سیدی مولہ کے قتل کے بعد ملک مین طرح طرح کے فتور پیدا ہوگئے، بزرگون نے کہا ہے کہ کسی درویش کو قتل کرنا نحس ہے، اور کسی بادشاہ کو راست نہیں آتا، سیدی مولہ کے قتل کے بعد اس سال بارش نہین ہوئی' دہلی مین قحط پڑ گیا، اور غدایک چنبیل مین ایک سیر ملنے لگا، سوالک کے علاقہ مین ایک قطرہ بھی نہین بارش ہوئی، اس سرزمین کے ہندو عورتون اور بچون کے ساتھ دہلی چلے آئے' بیس بیس اور تیس تیس آدمی ایک جگہ رہتے، اور بھوک سے بیتاب ہوکر اپنے کو جمنا مین غرق کر دیتے تھے، ادنی لوگ سلطان اور امرا کے صدقات پر زندگی بسر کرتے تھے[1]"

اخبار الاخیار کے مصنف کا بیان ہے :-

"جس روز سیدی مولہ کا قتل ہوا بے اندازہ باد و غبار فضا مین اٹھا، دنیا تاریک ہوگئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قیامت آگئی ہے، سلطان جلال الدین نے یہ حال دیکھا تو سیدی مولہ سے اس کو اعتقاد پیدا ہوگیا، جو پہلے نہ تھا[2]"

علاء الدین خلجی بھی حضرت شیخ بو علی قلندرؒ کے حلقہ ارادت مین تھا، خزینۃ الاصفیا رمین ہے،

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۰۸-۱۲، [2] اخبار الاخیار ص ۶۹،

جلال الدین وعلاء الدین بادشاہان دہلی ہم حلقہ ارادت آنحضرت بگردن خود داشتند"[۱]

۱۳ رمضان المبارک ۷۲۴ھ مین شیخ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا، تاریخ وفات "یا شرف الدین ابدال" سے نکلتی ہے، کرنال مین مدفون ہوئے، لیکن کہا جاتا ہے، کہ اعزہ و اقربا نے ایک رات پوشیدہ طور پر نعش مبارک کو پانی پت مین لیجا کر دفن کر دیا[۲]، چنانچہ کرنال، پانی پت، بڈھا کھیڑہ اور باگھوتی مین آج بھی ان کے معتقدین کا ہجوم رہتا ہے،

حضرت شیخ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے حسب ذیل تصانیف منسوب ہین،

(۱) مکتوبات بنام اختیار الدین (۲) حکم نامہ شرف الدین (۳) مثنوی کنز الاسرار، (۴) رسالۂ عشقیہ،

مکتوبات کے بارے مین مولانا عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہین :-

"اور مکتوب است بزبان عشق و محبت مشتمل بر معارف و حقائق توحید و ترک دنیا و طلب آخرت و محبت مولے جملہ آن بنام اختیار الدین می گوید"[۳]

خزینۃ الاصفیا مین ہے :-

"مکتوبات وی کہ بنام اختیار الدین مرید خود تحریر کردہ است، کتابے است جامع علوم توحید"[۴]

سلطان شمس الدین التمش کے شاہی حاجب کا نام بھی اختیار الدین تھا، شاید یہ مکتوبات اسی کے نام ہون، بعض مکتوبات کے نمونے ملاحظہ ہون :-

"اے برادر! جب تم پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی عنایت شروع ہو جائے، تم مین جذبہ پیدا ہونے لگے، اور تم کو تم سے دور کیا جائے، تو گویا تم مین عشق کا آغاز اور تم پر حسن کا جلوہ ظاہر ہو گیا، اور جب تم کو حسن کا مشاہدہ ہو جائے، تو معشوق کو پہچانو اور عاشق بن کر معشوق ہو جاؤ، اور جب عاشق بنکر معشوق ہو گئے، تو اسی طرح کام کرو، معشوق کی سنت اور عاشق کے فریضہ کو قائم رکھو، اس وقت معشوق کو عاشق کے ذریعہ سے پہچان لوگے، اے برادر! معشوق کو تمھاری ہی صورت مین پیدا کر کے تمھارے درمیان

[۱] خزینۃ الاصفیا، جلد اول ص ۳۲۷ [۲] ایضاً ص ۳۲۸ [۳] اخبار الاخیار ص ۱۲۱ [۴] خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۳۲۷

بھیجا گیا ہے، تاکہ براہ راست تم کو وہ دعوت دے، اے برادر! خدائے عزوجل نے بہشت و دوزخ پیدا کیا، اور اس کا حکم ہے، کہ دونوں پُر کئے جائیں گے، معشوق کو عاشقوں کے ساتھ بہشت میں جگہ دیجائے گی، اور شیطان اپنے ساتھیوں کے ساتھ دوزخ کو پُر کرے گا، بہشت و دوزخ میں عاشقوں کے سوا کوئی نہیں ہوگا، دونوں عاشق ہی کے حسن سے پیدا ہوئے ہیں، اور دونوں مقام غیر نہ ہوں گے، بہشت دوستوں سے وصال کا مقام ہے، دوزخ دشمنوں کے لئے جائے فراق ہے، یہ فراق کافروں اور منافقوں کو حاصل ہوگا، اور وصال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقوں اور دوستوں کو نصیب ہوگا، اے برادر! چشم دل کو کھولو، اور اچھی طرح سے دیکھو، اور یہ جانو، کہ عاشق نے اپنے عشق کی تمہاری لئے کیا کیا چیزیں اور کیا کیا تماشے پیدا کئے ہیں، اپنا حسن ایک درخت میں منتقل کر دیا ہے، اور گوناگون میوے پیدا کئے، ہر میوہ میں علیحدہ مزہ رکھا، اور اس درخت کو نہ اپنی ذات کی خبر اور نہ اپنے پھول کی خبر اور نہ اپنے میوہ کی خبر ہوگی تمہارے لئے پیدا کیا، اور اس کو مشک کی خبر نہیں، مشک کو ہرن کی ناف میں رکھا، جو تمہارے لئے ہے، ہرن کو مشک کی کوئی خبر نہیں، گائے سے عنبر کو تمہارے لئے پیدا کیا، اور گائے کو عنبر کی خبر نہیں، زباد کو بلی سے تمہارے لئے پیدا کیا، اور بلی کو زباد کی خبر نہیں، کافور کو تمہارے لئے درخت سے پیدا کیا، اور درخت کو کافور کی خبر نہیں، صندل کو تمہارے لئے پیدا کیا، اور صندل کو اپنی خبر نہیں، اے برادر! عاشق ہو جاؤ، اور دونوں عالم کو معشوق کا حسن جانو اور اپنے آپ کو معشوق کا حسن کہو، عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے وجود کا ملک بنایا، تاکہ اپنے حسن و جمال کو تمہارے آئینہ میں دیکھے، اور تم کو محرم اسرار جانے، اور الانسان سری (انسان میرا بھید ہے) تمہاری شان میں آیا ہے، عاشق ہو جاؤ تاکہ حسن کو ہمیشہ دیکھو، اور دنیا و عقبیٰ کو پہچانو، عقبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک ہے، اور دنیا شیطان کی ملکیت ہے، دونوں میں معلوم کرو کہ تمہارے لئے کس کو پیدا کیا ہے، اے برادر! نفس کو اچھی طرح پہچانو، جب تم نفس کو پہچان لوگے، تو دنیا کو بھی پہچان سکوگے، اور اگر روح کو پہچان لوگے، تو عقبیٰ کو بھی پہچان لوگے، اے برادر! دنیا و کفر میں جو حسن رکھا گیا ہے، عاشق جانتے ہیں، کہ اس نے (یعنی حسن نے) کفر کو اپنے

عاشقون کے سامنے کس قدر آراستہ کر دیا ہے، جو دنیا کا عاشق ہے، اس کا معشوق کفر کا حسن ہے، اے برادر! تم جانتے ہو کہ حسن کا جو غمزہ کفر مین رکھا گیا ہے، اس نے کس قدر پر لطف تیر دنیا والون پر مارا ہے، اور ان کو اپنا عاشق بنا لیا ہے، اے برادر! اپنی جستجو مین رہو، اور اپنے کو پہچانو، جب تم اپنے نفس کو پہچان لوگے، تو عشق کو بھی جان سکوگے اور جب عشق کو اپنے حسن پر دیکھوگے تو کل الانسان کی کیفیت اپنے مین پاؤگے، عاشق ہو جاؤ اور معشوق کو اپنی گود مین دیکھو اور حسن کو اپنے دل کے آئینہ مین معاینہ کرو،

آن شاہد معنی کہ ہمہ طالب او یند ہم اوست کہ از چار در تو ساختہ سر پوش
در بادیۂ ہجر چہ ابند بما نیم در عین وصالیم نگارا بست در آغوش

اے برادر! قند کا ایک گولہ لاؤ، اور اس سے سو گولے بنا لو، اور ہر گولہ سے ایک صورت بناؤ، اور ہر صورت کا ایک نام رکھو، بعض کو گھوڑا، اور بعض کو ہاتھی کہو تو قند کا نام جاتا رہیگا اور صرف وہ صورت باقی رہے گی، جب کل صورتون کو توڑ کر قند کا گولہ بنا لو تو قند کا نام پھر ظاہر ہو جائے گا"

ایک دوسرے مکتوب مین فرماتے ہین :-

"اے برادر! یہ نہین معلوم کہ ہم لوگون کو کس لئے پیدا کیا گیا، اور ہم لوگون کے ساتھ کیا ہوگا، لیکن خیال ہمیشہ فکر کے ساتھ وابستہ رہتا ہے، کبھی فکر ہمارے دل کے آئینہ کو آراستہ کر دیتی ہے، اور عاشق کے سامنے معشوق کو ظاہر کرتی ہے، اور عاشق کا وہ حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے، عاشق کے فرض اور معشوق کی سنت کے مطالعہ مین بجالاتی ہے، عاشق کے عشق اور معشوق کے حسن سے باطن کو معمور رکھتی ہے، اور حسن کے تماشہ سے عاشق اپنے ظاہر کو بھلا دیتا ہے، اور اپنے باطن کے تماشہ مین مصروف ہو جاتا ہے، تاکہ عاشق کا حکم جس کو معشوق نے پہنچایا ہے، نافذ ہو جائے، اے برادر! کبھی خیال نفس کا دوست ہو جاتا ہے، اور حال خیال کے ساتھ متحد ہو کر دنیا کی روزی کی طرف لے آتا ہے، خیال دنیا کی آرایش نفس کو دکھلاتا ہے، اور اس کے شوق مین اس کو پریشان کرتا ہے، اور اس کو یعنی نفس کو معشوق کے دروازے پر پھراتا ہے، ہر دروازہ پر ذلیل کرتا ہے، اور

(نفس) شوق اور آرایش کی آسایش کی وجہ سے اس ذلت سے واقف نہیں ہوتا، اور باز نہیں آتا اور یہ نہیں سوچتا، کہ دنیا نے کسی کے ساتھ نہ وفا کی ہے، اور نہ وفا کرے گی، نہ اس کو (نفس کو) موت کی فکر ہوتی ہے، کہ وہ دفعتہً آکر اس کو فنا کر دے گی، دنیا کی آرایش کا حسن دنیا کے عاشقوں کو اپنے عشق میں ایسا بے خبر کر دیتا ہے، کہ نہ اس کو اس دنیا کی خبر ہوتی ہے، جس کو انھوں نے معشوق بنایا ہے، اس کی بھی ان کو خبر نہیں ہوتی، کہ اگر دنیا ختم ہو جائے گی، تو کیا واقعات ظہور پذیر ہوں گے، اور نہ عقبیٰ کی خبر ان کو ہوتی کہ ان کے سامنے کیا مہم درپیش ہے، اے برادر! سوچو کہ تمھارے سامنے ایک مہم درپیش ہے، اور تم نے خیال اور فکر کو اپنا مونس بنایا ہے، خیال کی نسبت ہوش رکھو کہ وہ نفس کا دوست ہو گیا ہے، اے برادر! کچھ معلوم نہیں کہ خیال اور فکر کیا حال پیدا کریں، جب وہ (حال) تم کو نظر آئے گا، اس وقت تم کو معلوم ہوگا، کہ یہ قسمت میں لکھا تھا، کہ تمھارے سامنے آیا، اے برادر! میں نہیں جانتا ہوں، کہ میں کیا کروں، اور مجھ سے کونسا کام بن پڑے گا، اور کیا میری زبان سے نکلے گا، زبان خدا کی قدرت میں ہے، اگر تم پر خدا کا فضل ہوا، تو تمھاری زبان سے وہ بات نکلے گی، جو دونوں جہان کو پسند ہوگی، اے برادر! اس قدر معلوم ہوا کہ خدا نے اپنی مشیت سے تم کو پیدا کیا، اور اپنی مشیت سے باقی رکھتا ہے، یفعل اللہ مایشاء ویحکم مایرید (یعنی جو کچھ اس نے چاہا، اس کو کیا، اور جو کچھ چاہتا ہے، کرتا ہے، کسی کو اس کی مشیت میں دخل نہیں)[1]

حکم نامہ شرف الدین کے بارے میں مولانا عبدالحق محدث دہلوی رقمطراز ہیں :-

"ورسالہ دیگر در عوام الناس شہرت دارد کہ او را حکم نامہ شیخ شرف الدین می گویند ظاہراً نسخہ کہ آن از مخترعات عوام است"[2]

اس کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے، (دیکھو کیٹلاگ فارسی مخطوطات ص ۰، ۵ نمبر ۱۱۹۶)

حضرت شیخ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے دو مثنویاں منسوب ہیں، مثنوی کنز الاسرار اور رسالہ عشقیہ خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف نے صرف اتنا لکھا ہے :-

---

[1] یہ دونوں مکتوب اخبار الاخیار سے لئے گئے ہیں، ص ۱۲۱ و ۱۲۲ [2] اخبار الاخیار ص ۱۲۱،

"وسوائے ازین مثنوی است، مختصر کہ مخزن رموز توحید و معارف است"

(جلد اول ص ۳۲۷)

۱۸۹۱ء / ۱۳۰۹ھ مین مطبع نامی لکھنو سے ایک منظوم رسالہ مثنوی شاہ بو علی قلندرؒ کے نام سے شائع ہوا تھا، اگر یہ رسالہ واقعی حضرت شاہ بو علی قلندرؒ کا ہے، تو ہم اس کو رسالہ عشقیہ کہہ سکتے ہین، کیونکہ اس مین عشق پر بہت سے اشعار ہین، مثلاً:-

عشق کو بے بال و پر طیران کند — عشق کو در لامکان جولان کند
عشق کو تا تاج سلطانی نہد — عشق کو ملک سلیمانی دہد
عشق کو تا چشم دل بینا کند — عشق کو تا سینہ پُر سودا کند
عشق کو تا عقل را زائل کند — عشق کو تا عقل را حاصل کند
عشق کو تا جام مدہوشی دہد — عشق باید تا فراموشی دہد
عشق دہ تا بے خبر سازد مرا — یا دہ گو بے پا و سر سازد مرا
عشق باید تا دہد جام شراب — عشق سازد ساغرے آفتاب

اس مین قریب ۳۶۲ اشعار ہین، مثنوی کا آغاز ان اشعار سے کیا گیا ہے:-

مرحبا اے بلبل باغ کہن — از گل رعنا بگو با ما سخن
مرحبا اے قاصد طیار ما — می دہی ہر دم خبر از یار ما
مرحبا اے ہدہد فرخندہ فال — مرحبا اے طوطی شکر مقال
در زمان ہفت آسماں را طے کنی — مرکب حرص و ہوا را پے کنی
دمبدم روشن کنی در دل چراغ — ہر نفس از عشق سازی سینہ داغ
از تو روشن گشت فانوس تنم — از تو حاصل شد مرا وصل صنم
مرحبا اے رہنمائے راہ دین — از تو روشن شد مرا چشم یقین
یافت قالب طینت پاکی ز تو — شد پریشان آدم خاکی ز تو
مرحبا اے فیض بخش کائنات — یافت ترکیب از وجود تو حیات

آگے چل کر ایک شیخ کے زہد و تقوی کی تصریح کی گئی ہے،

زہد و تقوی چیست ای مرد فقیر — لاطمع بودن ز سلطان و امیر
زہد و تقوی نیست این کز بہر خلق — صوفی باشی و پوشی کہنہ دلق
شانہ و مسواک و تسبیح ریا — جبہ و دستار و قلب بے صفا
پیش و پس گردد مرید ناخلف — چون خوابد پئے آب و علف
چون بہ بینی چند کس بیہودہ گرد — خویش را گوئی منم مرد انہ مرد
دام اندازی برای مرد و زن — خویش را گوئی منم شیخ زمن
وعظ گوئی خود نیاری در عمل — چشم پوشی ہمچو شیطان دغل
مکر و تلبیس و ریا کارت بود — ہر نفس شیطان ترا یارت بود
چون شوی استادہ از بہر نماز — دل بود در گاو خر اے حیلہ ساز
آن نماز تو شود آخر تباہ — فکر باطل ہا کند رویت سیاہ
چون در ایمانت فتد آخر قصور — ہان چرا خوانی نماز بے قصور
بر مصلا چون نشینی قبلہ رو — چشم پوشی دل بود جاے گرو
خادمان گویند این شیخ زمان — چشم پوشیدہ ست از خلق جہان
شیخ را لاہوت باشد منزلش — شد فنا ذات بقا شد حاصلش
این خوشامد گوی چندین ابلہان — رہزنانند رہزنانند رہزنان
از ستایش خویشتن را گم کنن — عیب خود بین عیب بر مردم مکن
اے گرفتار آمدی در بند نفس — نفس کافر را بکش بشکن قفس
تا کنی پرواز سوے اصل خویش — جا کنی در آشیان وصل خویش

اس کے بعد دنیا کی حرص و ہوا سے پرہیز کی تعلیم ہے :-

دل چو آلودست از حرص و ہوا — کے شود مکشوف اسرار خدا
صد تمنا در دست اے بوالفضول — کے کند نور خدا در دل نزول
دین و دنیا ہر دو کے آید بدست — این فضولیہا بکن اے خود پرست
بر تو قسمت میرسد اے بے خبر — پس چرا قانع نہ باشی خشک و تر

حرصِ تو دلقِ قناعت پارہ کرد نفسِ امارہ ترا آوارہ کرد
ہست دنیا پیرِ زال و پُر فریب می کند پیرِ و جوان را بے شکیب
عارفان دادند او را اصطلاق ہر کہ عاشق شد بر او گشت عاق
این سخن در گوش داری ای جوان مولوی گفتہ ز روے امتحان
ہم خدا خواہی و ہم دنیا دون این خیال است و محال است و جنون

نفس کشی کی تلقین اس طرح کی گئی ہے :-

مرد باید تا نہد بر نفس پا بگذرد از شہوت و حرص و ہوا
دست ہمت را بر افرازد بلند نفس را چون صید آرد در کمند
دست را کوتاہ سازد از ہوس بشکند با چنگِ ہمت این قفس
گر خوری یک لقمہ از وجہِ حلال نور تابد بر دل از ہر کمال
گر شوی از لقمۂ شبہ نفیر نفس را سازی بفضلِ حق اسیر
دل شود روشن ز نور آئینہ دار بر تو اندازد دُر آئینہ نگار
چون گشائی چشمِ ما اہلِ یقین ہر طرف تابان جمال یار بین

اسی کے بعد توحید و معرفت کی مصوری کی گئی ہے :-

یار را می بین تو در ہر آئینہ سوز و ساز او ست در ہر طینہ
ہر چہ آید در نظر از خیر و شر جملہ ذاتِ حق بود اے بے خبر
اوست در ارض و سما و لامکان اوست در ہر ذرہ پیدا و نہان
پاس دار انفاس اے اہلِ خرد تا ترا این فاصلہ منزل برد
اوست پیدا و نہان و آشکار جلوہ ہا کرد ست در ہر شے نگار
ہوش در دم دار اے مردِ خدا یک نفس یک دم معاش از حق جدا
نفی گردان از دلِ خود ما سوا تا نہ گنجد در دلت غیر از خدا
زنگِ دل از صیقلِ لا پاک کن سینہ با تیغِ محبت چاک کن
اسم ذاتِ او چو بر دل نقش بست سکۂ ضربِ محبت خوش نشست

گشت چون بر نقشِ دل نقش الٰہ — غیر نقش اللہ را اے دل مخواہ
چون شوی فانی تو از ذکر خدا — ماہ یابی در حریم کبریا
چون بمانے با خدا یابی وصال — خویش را گم ساز اے صاحب کمال
ہر کہ شد در بحر عرفان آشنا — ذرہ ذرہ قطرہ داند از خدا

عرفان کے لئے چشم بینا اور دلِ مصفا ضروری ہے :-

چشم دل بکشا جمالِ یار بین — بر طرف ہر سو رُخِ دلدار بین
چشم باید تا بہ بیند روے یار — جلوہ کرد ست در ہر شے نگار
نیست پوشیدہ رُخِ دلدارِ تو — لیک این نقص ست در ابصارِ تو

عشق الٰہی مین جو مدہوشی اور خود فراموشی ہونی چاہئے، اس کی تصویر ان اشعار سے نمایان ہوتی ہے، جو شروع مین نقل کئے گئے ہین، اس سلسلہ کے کچھ اور اشعار ملاحظہ ہون،

ہیچ میدانی کہ اصل عشق چیست — عشق را از حسنِ جانان مذگیست
حُسن جانان چون نظر در خویش کرد — گشت شیدا عشق را در پیش کرد
عشق چون جبرئیل در معراج حُسن — بر سر عاشق نہد صد تاج حُسن
عاشق و معشوق گر دند ہر دو یک — ہم تو لی معشوق و عاشق نیست شک
اے کہ گشتی واقف از اسرار عشق — نہ قدم مردانہ اندر کار عشق
سر بر آور زیر پاے عشق نہ — بعد ازان سر در ہواے عشق نہ
عشقبازی نیست کارِ بوالہوس — خام طبعان حاضر اند ہمچو مگس
گر کنی جان را تو بر جاناں نثار — در عوض یک جان دہد صد جان نگار
کشتگانِ عشق را جانِ دگر — ہر زمان از غیب احسانِ دگر

مثنوی کا خاتمہ حسب ذیل طریقہ پر ہوتا ہے :-

یا الٰہی چشم بینائی بدہ — در سرم از عشق سودائی بدہ
آتش افگن در دلم مانند طور — شعلہ بر خیزد و گردد زنگ دور
سالہا شد از تو می خواہم ترا — حاجتم را چون نمی سازی روا

از لسان الغیب این گر دو نوید | از درِ تو کس نہ گشتہ نا امید
ہر کہ بر درگاہِ تو رو آورد | نا امید از درگہ تو چون رود
ہر کہ آید بر درت امیدوار | شاد مقصود و یابد در کنار
اے خدائے من بہ حقِ مصطفیٰ | از طفیلِ حرمتِ آلِ عبا
روز محشر دار با آلِ رسول
از طفیلِ مقبلان گردد قبول

(باقی)

تاریخی کتابین

مقدمۂ رقعات عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پر خود ان خطوط واقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے،

ضخامت:- ۳۵۰ صفحے، قیمت:- للعہ

رقعاتِ عالمگیر

اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط ورقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، اور ان سے علم وادب سیاست اور تاریخ کے بیسیون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت سے، ضخامت ۴۰۰ صفحے،

"مینیجر"

ابوشحمہ کا واقعہ

از

جناب عبداللہ نسیم طالوت ڈیرہ غازی خان

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بے لاگ عدل و انصاف کے سلسلے میں واعظین کی زبانوں سے اور تاریخ و سیر کی کتابوں میں ان کے بیٹے کی شراب خواری اور ان پر حد شرعی قائم کرنے کا قصہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے، چنانچہ علامہ شبلی نے بھی الفاروق حصہ دوم میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:-

"سب سے بڑی چیز جس نے ان کی حکومت کو مقبول عام بنا دیا، اور جس کی وجہ سے اہل عرب ان کے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ اُن کا عدل و انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا، جس میں دوست و دشمن کی تمیز نہ تھی، ممکن تھا، کہ لوگ اس بات سے ناراض ہوتے، کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے، لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے، کہ خاص اپنی اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آجاتا تھا، ان کے بیٹے ابوشحمہ نے جب شراب پی، خود اپنے ہاتھ سے ان کو ۸۰ کوڑے مارے، اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے۔"[1]

اس واقعہ کو مختلف لوگوں نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے، شیخ حسین دیار بکری کی تاریخ خمیس میں تین روایتیں بیان کی گئی ہیں، جو مختلف کتابوں سے لی گئی ہیں،

ایک حضرت عمرو بن العاص کی حسب ذیل روایت ہے:-

"حضرت عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ میں مصر میں اپنے گھر میں تھا، کہ مجھ سے کہا گیا کہ عبدالرحمٰن بن عمر اور ابوسروعہ اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں، ان کے علاوہ دوسرے

---

[1] الفاروق حصہ دوم طبع دہلی، صفحہ ۸۸،

شخص کی روایت مین عبدالرحمٰن اور ایک آدمی کا جو عقبہ[1] بن حارث کے نام سے مشہور ہے نام ہے، مین نے کہا وہ اندر آجائین، دونون اندر آئے تو وہ افسردہ تھے، اور انھون نے کہا کہ ہم پر خدا کی حد جاری کیجئے کہ ہم نے کل شام کو شراب پی، اور ہم کو نشہ آگیا، مین نے اُن کو جھڑک کر نکال دیا، اب عبدالرحمٰن نے کہا کہ اگر تم ایسا نہ کروگے، تو مین اپنے باپ کو جب اُن کے پاس جاؤنگا، اس کی اطلاع دونگا، اب مجھے یقین ہو گیا کہ اگر مین ان دونون پر حد جاری نہ کرونگا تو مجھ پر حضرت عمرؓ غصہ ہون گے، اور مجھ کو معزول کر دین گے، اس لئے مین ان کو گھر کے صحن مین لایا، اور ان کو حد ماری، عبدالرحمان گھر کی کوٹھری میں گھس گئے، اور اپنا سر مونڈا، کیونکہ حد مارے جانے کے وقت لوگ سر منڈا لیا کرتے تھے، لیکن مین نے حضرت عمرؓ کو اس کے متعلق ایک حرف بھی نہین لکھا، یہان تک کہ میرے پاس اُن کا خط آیا، جس مین بسم اللہ کے بعد یہ لکھا تھا کہ خدا کے بندے عمر کی جانب سے عمرو بن العاص کو معلوم ہو کہ تمھاری اس جرأت اور بدعہدی سے تعجب ہوا، اور مین تم کو معزول کر کے چھوڑونگا، تم عبدالرحمٰن کو اپنے گھر مین حد مارتے ہو، اور اپنے گھر مین ان کے بال مونڈتے ہو، حالانکہ تم کو معلوم ہے، کہ مین اس کا مخالف ہون، عبدالرحمان تمھاری رعایا ہے، اس کے ساتھ وہی سلوک کرو، جو اور مسلمانون کے ساتھ کرتے ہو، لیکن تم نے امیرالمومنین کا بیٹا سمجھ کر اوس کے ساتھ امتیازی سلوک کیا، حالانکہ تم کو معلوم ہے کہ مین کسی شخص کے ساتھ کسی حق مین رعایت نہین کرتا، جب تم کو میرا یہ خط ملے، تو فوراً اس کو ایک عبا مین پالان پر بٹھا کر میرے پاس بھیجو، تاکہ وہ اپنی بداعمالی کا مزہ چکھ لے، اونھون نے جیسا کہ ان کے باپ نے کہا تھا ان کے پاس بالکل اسی طرح بھیجدیا، اور ایک معذرت نامہ لکھا کہ مین نے ان کو اپنے گھر کے صحن مین مارا، اور خدا کی قسم جس سے بڑی کوئی قسم نہین مین اپنے گھر کے صحن ہی مین ہر مسلمان اور ذمی کو حد مارتا ہون، اس خط کو انھون نے عبدالرحمٰن بن عمر کے ساتھ روانہ کیا، عبدالرحمٰن اوس کو اپنے باپ کے پاس لائے، اور ایک عبا پہنے ہوے ان کے

---

[1] ان دونون روایتون مین تخالف نہین بلکہ ابوسروعہ عقبہ بن الحارث کی کنیت ہے، اور وہ بدری صحابی ہین دیکھو تاریخ وسیرت عمر بن الخطاب ابن جوزی صفحہ ۲۳،

پاس اس طرح آئے کہ سواری کی خرابی کی وجہ سے چل نہیں سکتے تھے، اونھوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن تم نے یہ جرم کیا ہے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کے بارے میں سفارشی گفتگو کی، اور کہا کہ اے امیرالمومنین ان پر حد جاری ہو چکی ہے، لیکن انھوں نے اُن کی طرف توجہ نہیں کی، عبدالرحمٰن نے شور وغل کیا، کہ میں بیمار ہوں، اور آپ مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں، لیکن انھوں نے ان کو دوبارہ حد ماری، اور قید کر دیا، وہ پہلے بیمار ہوئے پھر مر گئے[1]

دوسری روایت حضرت ابن عباسؓ کی ہے، جو دیار بکری نے کتاب المنتقی اور الریاض النضرہ سے نقل کی ہے :-

"مجاہدین نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ انھوں نے اپنے بیٹے پر حد جاری کی، اور اس کی وجہ سے ان کو مار ڈالا، حضرت ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ اے رسول اللہ کے چچا کے لڑکے ہم کو بتائیے، کہ انھوں نے کیونکر اپنے بیٹے پر حد جاری کر کے اوس کو مار ڈالا، بولے میں ایک دن مسجد میں تھا، اور حضرت عمرؓ بھی لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے، کہ ایک لونڈی آئی اور اس نے ان کو سلام کیا، جس کا انھوں نے جواب دیا، اور پوچھا کہ تم کو کوئی ضرورت ہے؟ اوس نے کہا ہاں اپنے اس بچے کو مجھ سے لے لیجئے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں اس کو نہیں جانتا، اس پر لونڈی رو پڑی، اور کہا کہ اے امیرالمومنین اگر وہ آپ کے نطفہ سے نہیں ہے تو وہ آپ کے لڑکے کا لڑکا ہے، بولے میرا کون لڑکا؟ اس نے ابوشحمہ کا نام لیا، بولے جائز طور پر یا ناجائز طور پر؟ اوس نے کہا کہ میری جانب سے جائز طور پر اور آپ کے لڑکے کی جانب سے ناجائز طور پر، حضرت عمرؓ نے کہا، کیونکر؟ خدا سے ڈر، اور صرف سچ کہہ، اوس نے کہا کہ اے امیرالمومنین میں ایک دن جا رہی تھی، بنو نجار کے باغ کے پاس پہونچی، تو دفعتہً آپ کے لڑکے ابوشحمہ نشہ میں جھومتے ہوئے آگئے، انھوں نے ایک یہودی نسیکہ کے پاس شراب پی تھی، پھر مجھ کو مائل کیا، اور مجھ کو باغ میں کھینچ لے گئے، اور مجھ سے مباشرت کی، میں بیہوش ہو گئی، اور اپنے معاملہ کو اپنے چچا اور اپنے پڑوسیوں سے چھپایا، یہاں تک کہ

[1] تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۲۸۱

جب وضع حمل کا وقت آیا، تو فلان جگہ نکل گئی، اور اس بچے کو جنا، اور اس کے مار ڈالنے کا ارادہ کیا، پھر اس پر مجھ کو ندامت ہوئی، اب خدا کے حکم کے مطابق میرا اور ان کا فیصلہ کیجئے، حضرت عمرؓ نے منادی کرائی، اور لوگ تیزی کے ساتھ مسجد کی طرف دوڑتے ہوئے آئے، پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے، اور فرمایا کہ جب تک میں آنہ لوں یہاں سے نہ جانا، پھر نکلے تو کہا کہ اے ابن عباسؓ میرے ساتھ جلدی چلو، وہ چل کر اپنے گھر میں آئے، اور دروازہ کھٹکھٹایا، اور کہا کہ یہاں میرا لڑکا ابو شحمہ ہے؟ جواب ملا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں، آپ ان کے پاس آئے اور کہا کہ صاحبزادے کھانا لو، ممکن ہے کہ دنیا میں یہ تمہارا آخری کھانا ہو، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے لڑکے کو دیکھا کہ اس کا رنگ بدل گیا وہ کانپنے لگا اور لقمہ اس کے ہاتھ سے گر پڑا، اب اوس سے حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں کون ہوں، اوس نے کہا آپ میرے باپ اور امیر المومنین ہیں، حضرت عمرؓ نے کہا تم پر میری اطاعت کا حق ہے یا نہیں؟ اس نے کہا آپ کی دو اطاعتیں فرض ہیں، کیونکہ آپ میرے باپ بھی ہیں، اور امیر المومنین بھی، حضرت عمرؓ نے کہا کہ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے باپ کے حق سے بتاؤ، کہ تم نے کیسے یہودی کے مہمان تھے، اور وہاں تم شراب پی کر مست ہوئے، بولے کہ ہاں صحیح ہے لیکن میں نے توبہ کر لی، حضرت عمرؓ نے کہا کہ توبہ مسلمانوں کا راس المال ہے، پھر ان سے قسم دلا کر پوچھا کہ تم بنو نجار کے باغ میں گھسے، اور وہاں ایک عورت دیکھی، اور اس سے مباشرت کی، وہ خاموش ہو گئی، اور رو پڑے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ کوئی ہرج نہیں، سچ کہو، کیونکہ خدا سچ کہنے والوں کو دوست رکھتا ہے، بولا ایسا ضرور ہوا لیکن میں توبہ کرتا ہوں، اور اس پر نادم ہوں، حضرت عمرؓ نے یہ سنا تو ان کا ہاتھ پکڑا اور مسجد تک گھسیٹ لائے، انھوں نے کہا کہ اے باپ مجھکو رسوا نہ کیجئے، تلوار لیجئے، اور مجھ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیجئے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا تم نے خدا کا ارشاد نہیں سنا، کہ زانی اور زانیہ کی سزا کے وقت مسلمانوں کے ایک گروہ کو موجود رہنا چاہئے، پھر ان کو صحابہ کے سامنے گھسیٹ کر مسجد میں لائے، اور کہا کہ عورت نے سچ کہا، اور ابو شحمہ نے اس کا اقرار کیا، حضرت عمرؓ کا ایک غلام افلح نامی تھا، انھوں نے اس سے کہا کہ میرے اس لڑکے کو پکڑ کر اپنے پاس لیجاؤ، اور اس کو سو کوڑے مارو، اور

مارنے میں کوئی کوتاہی نہ کرو، اس نے کہا کہ میں ایسا نہ کروں گا، اور رو پڑا، بولے میری اطاعت خدا اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، میں جو حکم دیتا ہوں، اس کی تعمیل کرو، جب اس نے اُن کے کپڑے اتارے، تو لوگ چیخ مار کر رونے لگے، اور ابوشحمہ نے اپنے باپ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اے باپ مجھ پر رحم کیجئے حضرت عمرؓ نے رو کر کہا کہ میں اس لئے کر رہا ہوں، کہ خدا تجھ پر اور مجھ پر رحم کرے، پھر کہا کہ اللہ مارو، اس نے حد ماری، اور وہ فریاد کرنے لگے، لیکن حضرت عمرؓ یہی کہتے رہے، کہ مارو، جب ستر کوڑے ماری جا چکے تو انھوں نے کہا کہ اے باپ مجھ کو تھوڑا سا پانی پلا دیجئے، انھوں نے کہا بیٹا اگر تمہارا خدا تم کو پاک کر دے گا، تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو ایسا پانی پلائیں گے، کہ اس کے بعد تم کو پھر پیاس نہ لگے گی، اے غلام اس کو حد مار، اس نے حد ماری جب کوڑے کی تعداد اسی تک پہنچ گئی، تو لڑکے نے کہا کہ اے باپ "السلام علیک" حضرت عمرؓ نے کہا کہ "علیک السلام" اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا تو میرا اسلام پہنچا دینا، اور کہنا کہ آپ نے عمر کو خلیفہ بنایا، وہ قرآن پڑھتا ہے، اور حدود جاری کرتا ہے، اے غلام اس کو مار، جب کوڑے کی تعداد نوے تک پہونچی، تو اس کی زبان بند ہو گئی، اور وہ کمزور ہو گیا، صحابہ نے اب کہا کہ اے عمر دیکھ کتنے کوڑے اور باقی رہ گئے، ان کو کسی دوسرے وقت کے لئے ملتوی کر دیں لیکن انھوں نے کہا کہ جس طرح گناہ دوسرے وقت پر ٹالا نہیں جاتا، اسی طرح سزا بھی نہیں ٹالی جا سکتی شور ان کی ماں تک پہونچا، تو وہ روتی پیٹتی آئیں، اور کہا کہ ہر کوڑے کے بدلے میں ایک حج پیادہ پا کروں گی اور اتنے درہم خیرات دوں گی لیکن انھوں نے کہا کہ حج اور صدقہ حد کے قائم مقام نہیں ہو سکتے، چنانچہ انھوں نے پوری حد ماری، اور آخری کوڑے پر لڑکا مر کر زمین پر گر پڑا، اب حضرت عمرؓ چیخے اور کہا کہ اے لڑکے خدا نے تجھکو گناہوں سے پاک و صاف کر دیا، پھر اس کے سر کو اپنی گود میں رکھا، اور رو کر کہنے لگے، میرے بیٹے جس کو حق نے قتل کیا، . . . . . جو حد کے نفاذ کے وقت مر گیا . . . . .

وہ جس پر اس کے باپ اور اعزہ نے رحم نہیں کیا اب لوگوں نے دیکھا تو وہ دنیا کو چھوڑ چکا تھا، ہم نے اس سے زیادہ سخت دن نہیں دیکھا، اور لوگ رونے اور چیخنے لگے"۔

تیسری روایت دوسری روایت سے اس باب مین مختلف ہے، اس کے مطابق زنا کی خبر ابوشحمہ خود آکر حضرت عمرؓ کی خدمت مین دیتے ہین، اور وہ چار دفعہ ان سے اقرار کراکے حد قائم فرماتے ہین پہلے سولہ دُرے حضرت علیؓ لگاتے ہین، اور باقی حضرت عمرؓ خود پورے کرتے ہین، اس کے الفاظ یہ ہین:-

"حضرت عمرؓ کے ایک لڑکا تھا جس کا نام ابوشحمہ تھا، وہ ایک دن ان کے پاس آیا، اور کہا کہ مین نے زنا کیا ہے، مجھ پر حد جاری کیجئے، اونھون نے کہا کہ تم نے زنا کیا، اوس نے کہا ہان، اسی طرح چار بار کہا، پھر پوچھا کہ تم نے اس کو حرام نہین سمجھا، اس نے کہا ہان سمجھا، اب حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ مسلمانو! اس کو پکڑو، اس پر ابوشحمہ نے کہا کہ مسلمانو! جس نے زمانۂ جاہلیت یا زمانۂ اسلام مین زنا کیا ہے، وہ مجھ کو نہ پکڑے، اسوقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے، اور اپنے بیٹے حسینؓ سے کہا تو انھون نے ان کا داہنا ہاتھ پکڑا، پھر سو کوڑے مارے، جس سے وہ بیہوش ہوگئے، پھر کہا کہ جب تم اپنے خدا کے پاس جانا، تو کہنا کہ مجھ کو اس شخص نے حد ماری ہے، جس پر تیسری حد واجب نہین ہے، پھر حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے، اور سو کوڑے مار کر حد پوری کی، اور وہ اس کے صدمے سے مرگئے، اور کہا کہ مین دنیوی سزا کو اخروی سزا پر ترجیح دیتا ہون، اب لوگون نے کہا کہ اے امیرالمومنین ہم ان کو بغیر غسل وکفن کے دفن کردین، وہ خدا کی راہ مین مارے گئے ہین بولے ہم اس کو غسل وکفن دے کر مسلمانون کے قبرستان مین دفن کرین گے، کیونکہ وہ خدا کی راہ مین نہین مارا گیا ہے، بلکہ حد کی وجہ سے مرگیا ہے،

اب اگر غور کیا جائے، تو ان تینون روایتون مین سے کوئی ایک ہی صحیح ہوسکتی ہے، ان تینون کو صحیح نہین مانا جاسکتا، کیونکہ تینون جگہ جرم کا ارتکاب کرنے والا ایک ہی آدمی ہے، جس کا نام ابوشحمہ عبدالرحمٰن بن عمر ہے، اور جرم کا انجام ہر ایک جگہ یہ ہے، کہ وہ حد کے ختم ہوتے ہوتے خود ختم ہوجاتا ہے، اگرچہ کمال الدین دمیری کی ایک روایت[1] کے مطابق شراب خوری مین محدود حضرت عمرؓ کا وہ لڑکا ہے، جس کا نام عبیداللہ ہے، اس طریقے پر دو روایتین صحیح ہوسکتی ہین مگر دمیری کی یہ روایت عقلاً ونقلاً غلط ہے، عقلاً تو اس لئے کہ عبیداللہ کی زندگی حضرت عمرؓ کے بعد ثابت ہے، اور وہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے

---

[1] حیاۃ الحیوان صـ ۲۹۱ بحث دیک،

جنگ صفین[1] مین قتل ہوئے، اور نقلاً اس طرح کہ دمیری کی یہ روایت تاریخ وسیر کی جملہ روایتون کے خلاف ہے، وہ خود بھی کہتے ہین :-

والذی فی السیر ان المحدود	سیر کی کتابون مین ہے، کہ شراب پینے
فی الشراب ابنه الاوسط	کے جرم مین حضرت عمرؓ کے منجھلے بیٹے
ابوشحمة واسمه عبدالرحمٰن	ابوشحمہ کو سزا دی گئی، جن کا نام عبدالرحمٰن
وامه ام ولد یقال لها	تھا، اور ان کی ماں ایک لونڈی تھیں جن
الهیبة[2]	کو ہیبہ کہتے تھے،

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان تینون روایتون مین سے کونسی صحیح یا صحت سے زیادہ قریب ہو، جسے قبول کیا جا سکے، پہلی روایت تاریخ وسیر اور قصص وحکایات کی تقریباً جملہ کتابون مین ملتی ہے، مگر دوسری دونون حکایتین قصص ووعظ کی کتابون سے آگے نہین بڑھتین، چنانچہ علامہ شبلی مرحوم نے بھی الفاروق مین یہی پہلی روایت بالاختصار بیان فرمائی ہو اور دوسری روایتون کی معارف ابن قتیبہ کے حوالہ سے تغلیط بھی فرمادی، چنانچہ فرماتے ہین :-

"ابوشحمہ کے قصہ مین واعظون نے بڑی رنگ آمیزیان کی ہین، لیکن اس قدر صحیح ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو شرعی سزا دی، اور اسی صدمہ سے انھون نے انتقال کیا، دیکھو معارف ابن قتیبہ ذکر اولاد عمرؓ[3]"

لیکن تاریخی حیثیت سے خود اس روایت پر بھی بہت کچھ جرح وقدح ہو سکتی ہے، مولانا نے ابوشحمہ کے متعلق فرمایا، کہ اس نے شراب پی، سب سے پہلے یہی لفظ محل نظر ہے، اگرچہ طبری کی روایت اس کی مؤید ہے اور وہ ۲۱ھ کے واقعات مین لکھتے ہین :-

وفیها غزا عبدالله وعبدالرحمٰن	اسی سنہ مین حضرت عمرؓ کے دو
ابنا عمر وابوسروعة فقدموا	لڑکے عبداللہ اور عبدالرحمٰن نے اور
مصر فشرب عبدالرحمٰن	ابوسروعہ جہاد کی غرض سے مصر گئے،

---

[1] تاریخ خمیس ص ۲۸۱ و تاریخ سیرت عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۲۳۴ [2] حیوۃ الحیوان کمال الدین دمیری ص ۲۹۱ [3] حاشیہ الفاروق ج ۲ ص ۸۸،

ابو سروعۃ الخمر وکان من اورعبد الرحمٰن اور ابو سروعہ نے شراب
امرھما ما کان[۱]" پی، اور ان کا جو حال ہوا وہ ہوا،

مگر یہ شرب الخمر کا لفظ مورخ کا اپنا ہے، ممکن ہے انھیں بھی علامہ شبلی کی طرح غلط فہمی ہوئی ہو جن روایتوں میں خود راویوں کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں، وہاں اصبنا البادحۃ مشرابا وسکرنا[۲] کے الفاظ ہیں، جن کے معنی جہاں یہ ہو سکتے ہیں، کہ ہم نے شراب پی ہے، وہاں یہ بھی ہو سکتے ہیں، کہ ہم نے نبیذ یا دوسری کوئی پینے کے قابل چیز پی ہے، کیونکہ عربی میں لفظ "شراب" عام معنوں میں استعمال ہوتا ہے، جو خمر اور غیر خمر دونوں کے لئے عام ہے، خمر کو بھی شراب کہتے ہیں، اور نبیذ وغیرہ کو بھی شراب کہہ سکتے ہیں، پس جو لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہو، اس سے بلا قرینہ کوئی ایک معنی نہیں مراد لئے جا سکتے، بلکہ "وسکرنا" کا خصوصیت سے ذکر اس بات پر دال ہے کہ جو چیز پی گئی ہے، وہ خمر نہیں، کیونکہ اس کا تو قلیل وکثیر حرام ہے، اور اس میں بغیر سکر کے بھی حد واجب ہے، اس قرینے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے، کہ نبیذ پی گئی تھی، اور اس خیال سے پی گئی تھی، کہ یہ مسکر نہیں، مگر پی لینے کے بعد جب اس نے نشہ پیدا کر دیا، تو سخت خلجان پیدا ہوا، چنانچہ دونوں حضرات خود امیر کے پاس آئے، اور اپنی تطہیر کی خاطر حد مارنے پر اصرار کیا، حضرت عمرؓ کے صاحبزادے اور ایک بدری صحابی کے متعلق یہ بدگمانی کہ انھوں نے جان بوجھ کر شراب پی، ایک بہت بڑی جرات ہے، روایت کے سیاق سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ایک ایسی چیز پی جس کے پینے میں وہ مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، مگر چونکہ وہ نشہ آور ثابت ہوئی، اس لئے وہ دونوں دوڑے ہوئے امیر (عمروؓ بن العاص) کے پاس آئے، تاکہ ان کی تطہیر ہو جائے، عمرو بن العاصؓ کی روایت میں ہے، "فوجدتھما وطرد تھما" ان الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت ابن العاصؓ نے بھی شرب خمر نہیں سمجھا، بلکہ شرب نبیذ ہی سمجھا، ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ وہ حد لگانے میں پس وپیش کرتے، پھر ابن جوزی کی روایت میں یہ بھی آتا ہے، کہ عبد الرحمٰن نے جب اپنے بھائی عبد اللہ بن عمرؓ سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ آؤ گھر کے اندر میں تمھاری تطہیر کر دوں[۳]، مگر پھر عبد الرحمٰن نے بتایا کہ وہ امیر کو بتلا چکے ہیں، اور اب اس کی کوئی صورت نہیں، حالانکہ حضرت ابن عمرؓ فقہائے امت میں سے ہیں، اور لیشھد عذابھما طائفۃ من المومنین

---

[۱] تاریخ الامم والملوک لابن جریر الطبری جلد ۴ ص ۲۴۹ [۲] تاریخ وسیرت عمر بن الخطاب لابن الجوزی ص ۲۳۶ وتاریخ خمیس جلد ۲ ص ۲۸۱ [۳] سیرت ابن الخطاب لابن الجوزی ص ۲۳۸

پر بھی ان کی نظر تھی، وہ شارب خمر کے لئے کس طرح فرما سکتے تھے، کہ ادخل الدن اذا طھرت پس اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، کہ کوئی نبیذ کی قسم کی چیز پی لی گئی، اور اس سے تھوڑا بہت نشہ ہو گیا، تو دونوں حضرات خدا کے خوف اور اپنے تقوی و تورع کے باعث اس بات کے درپے ہو گئے، کہ اسی جہان میں اس قصور کی سزا بھگت لیں، باقی رہی یہ بات کہ اگر وہ شراب نہیں تھی، اور ایک بار اس کی حد لگائی جا چکی تھی، تو پھر حضرت عمرؓ کو مکرر حد لگانے کی ضرورت کیوں پیش آئی، تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی اولاد و اقارب کے معاملہ میں بہت ہی سخت گیر واقع ہوئے تھے، کیونکہ اُن کے ساتھ ذرا سی نرمی دوسروں کی جرأت کا باعث بن سکتی تھی، تاریخ سے تھوڑا بہت مس رکھنے والے یہ جانتے ہیں، کہ انھوں نے ہمیشہ اپنے اعزہ و اقربا پر دوسروں سے زیادہ سختی کی حضرت ابن عمرؓ کو باوجود استحقاق کے بھی خلافت سے محروم کر گئے، بلکہ یہاں تک فرما گئے کہ اہل شوری اس بات پر متفق بھی ہوں، تب بھی انھیں خلیفہ نہ بنایا جائے، جب کبھی کسی کام کو روکتے تھے سب سے پہلے اپنے گھر میں آکر اس کے متعلق سخت سے سخت تنبیہ فرماتے، اور صاف صاف کہدیتے کہ اگر تم میں سے کسی نے اس کا ارتکاب کیا تو اُسے دوگنی سزا ملے گی، خود اس واقعہ میں اپنی اولاد کے ساتھ ان کی سختی کا ثبوت ملتا ہے، ابن جوزی نے تصریح کی ہے کہ جب عبد اللہ بن عمرو اور عبد الرحمن بن عمر مصر میں جہاد کی غرض سے گئے تو حضرت عمرؓ نے ابن العاص امیر مصر کو صاف صاف لکھدیا کہ میرے بیٹے آرہے ہیں، خبردار ان کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے، ان کے پاس کسی قسم کا کوئی تحفہ بھیجا جائے اور نہ ان کے مکان پر اُن سے ملنے کے لئے جایا جائے چنانچہ حضرت ابن العاص کو جب ان حضرات کے آنے کی اطلاع ملی، تو باوجود دلی خواہش کے وہ حضرت عمرؓ کے ڈر کے مارے نہ اُن سے ملنے گئے، نہ ان کی کچھ خاطر و مدارات کی، حالانکہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اپنے علو مرتبت کی وجہ سے یقیناً اس بات کے مستحق تھے، کہ امیر ان سے عزت و تکریم سے ملتے، اور اپنے ہاں مہمان رکھتے،

بہرحال ان واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی اولاد کے معاملے میں بہت سخت گیر تھے، چنانچہ جب عبد الرحمن بن عمر مدینہ گئے تو آپ نے تنبیہاً و تادیباً انھیں مارا اور حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کے اس کہنے کے باوجود کہ امیر المومنین انھیں حد لگائی جا چکی ہے، آپ ان کو مارتے رہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مار صرف تادیباً تھی، ورنہ حد لگائے جانے کے علم کے بعد آپ

سلہ تاریخ و سیرت عمر بن الخطاب صفحہ ۲۳۶،

دوبارہ حد کو لگا نہیں سکتے تھے، پھر حضرت ابن العاصؓ نے بھی اپنے خط میں بہت بڑی قسم کھا کر یہ لکھدیا تھا کہ میں نے انھیں حد شرعی دہن لگائی ہے، جہاں دوسرے مسلمانوں کو لگا یا کرتا ہوں، اور ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت نہیں کی، اس خط کے دیکھنے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی اطلاع کے بعد بھی وہ مارتے رہے، تو وہ یقیناً حد شرعی نہیں ہو سکتی، تادیبی مار ہو سکتی ہے،

امام ابن جوزی نے بھی سیرت عمر بن الخطاب میں اس روایت کے بیان کے بعد اسی قسم کی رائے کا اظہار فرمایا ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں،

قلت ولا ینبغی ان یظن بعبدالرحمٰن بن عمر انہ شرب الخمر وانما شرب النبیذ متاولا وظن ان ما شرب منہ لا یسکر وکان لذلک ابو سروعۃ وابو سروعۃ من اھل بدر فلما خرج بھذا الامر الی السکر طلبا التطھیر بالحد وقد کان یکفیھما مجرد الندم علی التفریط غیر انھما عضبا للہ سبحانہ علی انفسھما المفرطۃ فاسلما الی اقامۃ الحد، واما کون عمر اعاد الضرب علی ولدہ فلیس ذلک حدا انما ضربہ غضبا وتادیبا والا فالحد لا یکرر، وقد اخذ ھذا الحدیث قوم من القصاص

میں کہتا ہوں کہ عبدالرحمٰن بن عمر کی نسبت یہ بدگمانی کرنا مناسب نہیں کہ انھوں نے شراب پی، بلکہ انھوں نے تاڑی پی تھی، جس کو انھوں نے جائز سمجھا تھا، اور یہ خیال کیا تھا کہ اس سے نشہ نہ ہوگا، یہی حال ابوسروعہ کا ہے، جو اہل بدر سے تھے، لیکن جب ان کو نشہ آگیا تو انھوں نے پاک ہونے کے لئے حد کی درخواست کی، ان کے لئے صرف ندامت کافی تھی، لیکن وہ خود خدا کے لئے اپنے ظالم نفس پر غصہ ہوئے اور اپنے آپ کو حد جاری کرنے کے لئے پیش کر دیا، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے لڑکے کو جو دوبارہ مارا، تو یہ حد نہ تھی بلکہ غصہ سے اور ادب دینے کے لئے انھوں نے ایسا کیا، ورنہ حد دوبار جاری نہیں کی جاتی، اس حدیث کو قصہ گویوں کی ایک

نابذ وافيه واعادوا	جماعت نے پیا، اور اس مین خوب رنگ آمیزی
فتارة يجلدون هذا الولد	کین، کبھی وہ کہتے ہین کہ اس لڑکے کو شراب پینے
مضروبا على شرب الخمر	کے جرم مین سزا دی گئی، اور کبھی کہتے ہین کہ
وتارة على الزنا ويذكرون	یہ سزا زنا پر دی گئی، اور ایسی رقت انگیز
كلاما رقيقا يبكي العوام	باتین کہتے ہین جس سے عوام رو پڑتے ہین لیکن
لا يجوز ان يصدر من مثل	ایسی بات حضرت عمرؓ جیسے شخص سے صادر
عمر وقد ذكرت الحديث	نہیں ہو سکتی، مین نے اس حدیث کو اس
بطرقه في كتاب الموضوعات	کی روایتون کے تمام طریقون کے ساتھ
ونزهت هذا الكتاب عنه	کتاب الموضوعات مین بیان کر دیا ہے،
(صف ۲۳۹)	اور اس کتاب کو اوس سے محفوظ

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ اس کہانی مین صرف اتنی باتین صحیح ہین کہ حضرت عبد الرحمن بن عمرؓ بن الخطاب جہاد کی غرض سے مصر گئے، وہان، انھون نے اتفاقاً نبیذ پی، وہ نشہ آور ثابت ہوئی، انھون نے اپنے تقوی اور پرہیزگاری کی بنا پر حضرت عمرو بن العاص امیر مصر کو خود اطلاع دی، اور باصرار کہا کہ انھین حد شرعی سے پاک کیا جائے، عمرو بن العاص نے ایسا ہی کیا، حضرت عمرؓ کو پرچہ نویسون کے ذریعہ اطلاع ملی، کہ حضرت عمرو بن العاص نے اس معاملہ مین ان سے نرمی برتی، حالانکہ یہ بات غلط تھی، چنانچہ انھون نے عبد الرحمن کو حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق ان کے پاس بھیجدیا، اور خط مین بہت بڑی قسم کھا کر صاف لکھدیا، کہ مین نے ان کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہین کیا، مگر چونکہ حضرت عمرؓ کو اپنی اولاد کی ذرا سی لغزش بھی گوارا نہ تھی، بنا برین انھون نے عبد الرحمن کے پہنچتے ہی انھین تادیبا سزا بھی دی، اور قید بھی رکھا، حد شرعی، سفر کی کوفت، اور مکہ ریاپ کی سزا نے عبد الرحمن کو بیمار کر دیا، اور وہ چند دنون کے بعد رہگرائے عالم بقا ہو گئے،

اس کے علاوہ جس قدر جزئیات ہین، وہ یا تو قصہ گویون کی پیدا کردہ ہین، یا راویون کی اپنی رائین ہین، دوسری روایتین اگرچہ بہت رقت آفرین اور گریہ آور سہی، مگر حضرت عمرؓ کی حقیقی عظمت اور عبد الرحمن بن عمرؓ کی للہیت و تقوی کا اظہار جس قدر اس صحیح روایت سے ہوتا ہے، اس قدر دوسری روایت سے نہیں ہوتا، دوسری روایات مین حضرت عمرؓ صرف عادل ثابت ہوتے ہین، کہ انھون نے اپنی اولاد کی رعایت بھی اقامت حدود شرعیہ

مین نہ کی، مگر اس روایت سے عدالت سے زیادہ بھی کچھ ثابت ہوتا ہے، کہ انھون نے عدالت و انصاف کے بعد بھی اپنے گھر والون کو تادیبی سزا مین دین، تاکہ آیندہ وہ کسی لغزش کی جرات ہی نہ کر سکین،

علامہ ابن جوزی کی تصریحات کے بعد علامہ شبلی کے الفاروق کے یہ الفاظ کہ

"ان کے بیٹے ابو شحمہ نے جب شراب پی، خود اپنے ہاتھ سے ان کو اسی کوڑے مارے، اور اسی صدمہ سے وہ بیچارے قضا کر گئے"

یقیناً قابل تصحیح ہو جاتے ہین، اور عام تاریخی روایتون پر اعتماد کی وجہ سے یہ تسامح ہو گیا، اگرچہ قدرے تسامح پر تنبیہ بھی ہوا، مگر پورے طور پر علامہ مرحوم نے چھان بین نہ فرمائی، ورنہ کوئی وجہ نہین کہ وہ اس نتیجہ پر نہ پہنچتے، جس پر ہم پہنچ سکے ہین[۵]، ھذا عندی واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

---

[۵] :- معارف :- آپ اس لئے پہنچ سکے، کہ سیرۃ العمرین لابن الجوزی چھپ کر آپ کے مطالعہ مین آگئی،

الفاروق

حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہ کے فتوحات، عراق و شام مصر و ایران کی فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر،

یہ کتاب مولانا شبلی کی بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، مطبع معارف نے نہایت اہتمام سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جس کے ساتھ دنیاے اسلام کا رنگین نقشہ بھی شامل ہے، طباعت و کاغذ عمدہ

قیمت :- سے رضخامت :- ۳۱۲ صفحے،

خلفاے راشدین

اس مین خلفاے راشدین کے ذاتی حالات، فضائل، مذہبی اور سیاسی کارنامون، اور فتوحات کا مفصل بیان ہے،

قیمت :- سے رضخامت :- ۳۸۷ صفحے،

"مینیجر"

عزیز لکھنوی کا ایک شعر

(۱) کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی (برار)

مخدومی السلام علیکم

آپ کا بڑا کرم ہے کہ آپ نے میرا مضمون اسی ماہ کے شمارہ میں شائع فرما دیا، اس کے صفحہ ۳۰۱ پر عزیز کا مشہور شعر نقل ہوا ہے :-

معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں مہ نے شق ہو کر کیا ہے دین کو آغوش میں

میرا خیال تھا کہ یہ خیال عزیز کو سب سے پہلے پیدا ہوا ہوگا لیکن مخدومی قبلہ نواب صدر یار جنگ علامہ محمد حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی مدظلہ کا گرامی نامہ کل ملا، جس میں انھوں نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ مضمون خانص کے یہاں پہلے تھا، وہ گرامی نامہ ملفوف کرتا ہوں، آپ مناسب سمجھیں تو دسمبر ہی کے معارف میں اسے شائع فرما دیں تاکہ دوسرے حضرات کو بھی معلوم ہو سکے، کہ وہ مشہور شعر عزیز کا نتیجۂ تخیل نہیں ہے بلکہ وہ پہلے سے موجود تھا، کرم ہوگا،

والسلام ناچیز غلام مصطفےٰ خان،

(۲) حبیب گنج علی گڈھ ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء

گرامی قدر سلمہ :- ابھی تمھارا مقالہ عزیز لکھنوی پر پڑھکر معارف ہاتھ سے رکھا ہے، حسب معمول خوش گفتی و دلسفتی،

ایک عجیب اتفاق ہے عزیز کا ایک بہترین شعر فارسی شعر کا بجنسہٖ گویا ترجمہ ہے،

عزیز، معجزہ شق القمر کا ہے مدینہ سے عیاں مہ نے شق ہو کر کیا ہے دین کو آغوش میں

خانص، در لفظ مدینہ دیدم از معجزات عیاں مہ شق شدہ گرفتہ دین را بہ میان

زندہ باش حبیب الرحمٰن "

استفسار و جواب

علامہ سعد اللہ خان مدار المہام شاہجہان بادشاہ

جناب مولوی سید سیاح الدین صاحب کاکاخیل
مدرسہ عزیزیہ، جامع مسجد، بھیرہ، ضلع سرگودھا

حضرت شیخ رحمکار کاکاصاحب
رحمۃ اللہ علیہ سرحد و افغانستان

اور شمالی پنجاب میں ایک نہایت مشہور بزرگ گذرے ہیں، زیارت کاکاصاحب ضلع پشاور میں ان کا مزار ہے، ۱۰۶۳ھ میں انھوں نے وفات پائی، ان کے احوال و مناقب میں جو پشتو اور فارسی زبان میں تذکرے لکھے گئے ہیں، ان سب میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے، کہ نواب سعد اللہ خان وزیر اعظم شاہجہان، پنجاب کا ایک غریب شخص تھا، حضرت شیخ رحمکار رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جاکر حاضر ہوا، اور اپنی ارادت ظاہر کرکے دنیاوی ترقیات کے لئے دعا کی طلب کی چنانچہ شیخ نے دعا فرمائی، اور اس کی برکت سے تدریجاً وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوا، پس کیا عہد شاہجہانی کی مستند تاریخوں میں یہ یا اس قسم کا کوئی واقعہ کہیں درج ہے؟ اور نواب سعد اللہ خان کے حالات مفصل طور سے کس کتاب میں مل سکتے ہیں"۔

معارف:۔ سعد اللہ خان سے آپ کی مراد علامہ سعد اللہ ہیں، ان کا مولد و منشا لاہور ہے، ان کا تذکرہ عہد شاہجہانی کی تاریخوں بادشاہ نامہ، عمل صالح وغیرہ میں تفصیل سے ملے گا، نیز ہندوستان کی دوسری تاریخوں میں بھی۔ جن میں دور شاہجہانی کے حالات ہیں ان کا ذکر موجود ہے، یہ اتفاق کی بات ہے کہ شاہنواز خان کی مآثر الامرا میں شیخ ابوالفضل کی طرح ان کے سوانح حیات بھی درج نہ ہوسکے، میر غلام علی آزاد نے اس کمی کا تذکرہ مآثر الامرا کے دیباچہ میں کیا ہے (مآثر الامرا ج ۱ صفحہ ۱۳) لیکن علامہ سعد اللہ شاہجہانی عہد کے ایسے ممتاز اکابر میں تھے، کہ ان کے حالات گرچہ تذکرۂ رجال میں نہ آسکے، مگر ہندوستان کی عام تاریخوں میں امتیاز کے ساتھ موجود ہیں، ذیل میں بادشاہ نامہ سے ان کے حالات کا اجمالی خلاصہ پیش ہے،

علامہ سعد اللہ، شاہجہانی عہد کے ممتاز علما میں سے تھے، شاہجہانی عہد کی تاریخوں میں طبقۂ علما

مین ان کا نام سرفہرست رکھا گیا ہے، بادشاہ نامۂ عبدالحمید لاہوری مین ہے :-

"علامۃ الوری فہامۃ العصر سعد اللہ خان باستیفار فنون علوم معقولہ و منقولہ و استقصاے صنوف دانش و حفظ قرآن مجید و جودت قریحت و اضاءت ذہن و اصابت فکر و فرط معلومات و فصاحت زبان و حسن تقریر قصب السبق از دانشوران روزگار ربودہ و بمیامن انظار خاقانی و برکات توجہات جہانبانی بہ منصب عالیہ فائز گشتہ، بنایۂ والاے وزارت کل رسیدہ است و شرح احوال آن عالی مرتبت و ارتقا بمراتب دولت و رطی وقائع سال چہارم از دوم دور جلوس عالم آرا نگاشتہ آمد" (ج ۲ ص ۵۴)

ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت لاہور مین ہوئی، بچپن مین قرآن مجید حفظ کیا، اور عقلی و نقلی علوم مین دستگاہ حاصل کی، مطالعہ وسیع تھا، اور تقریر و تحریر مین مہارت رکھتے تھے، اور اپنے وقت کے ممتاز خطیب اور انشا پرداز سمجھے جاتے تھے، یہ صحیح ہے کہ انھون نے حیرت انگیز طور پر چند سال کے اندر ترقی کی اور بلند سے بلند منصب و عہدہ پر فائز ہوئے،

شاہجہان اُن کے فضل و کمال کا شہرہ سُن کر ان کا گرویدہ ہوا، موسوی خان کو ان کے حاضر دربار کرنے کا حکم دیا، چنانچہ یوم یکشنبہ ماہ رمضان المبارک ۱۰۳۵ھ کو شاہجہانی دربار مین پیش ہوئے، شاہجہان اُن سے غیر معمولی توجہ و التفات سے پیش آیا، خلعت خاصہ سے نوازا، اور ایک سال کے اندر منصب ہزاری ذات و دو صد سوار اور خطاب خانی سے سرفراز کیا، اور دو تختانہ خاص کی داروغگی کے منصب پر مامور کیا، اس طرح ان کا سلسلہ شاہی محل سے وابستہ ہوگیا، (بادشاہ نامۂ ملا عبدالحمید لاہوری ج ۲ ص ۲۳۰)

اس کے بعد ان کے مناصب مین یوماً فیوماً ترقی ہوتی گئی، چنانچہ ۱۰۵۳ھ مین ان کے منصب مین پانصدی صد سوار کا اضافہ ہوا، اس طرح ان کا منصب ہزار و پانصدی سہ صد سوار قرار پایا، اور حلقہ خاصہ سے ایک فیل مرحمت کیا گیا، (بادشاہ نامہ جلد ۲ ص ۳۳۶)

پھر اسی سال ماہ رمضان مین منصب دو ہزاری و پانصد سوار عطا ہوا، اور خدمت میر سامانی تفویض ہوئی (ص ۳۴۶) پھر ۱۰۵۴ھ مین منصب دو ہزار پانصدی ششصد سوار عطا ہوا (ص ۳۹۵) پھر چند ماہ کے بعد منصب سہ ہزاری ششصد سوار (ص ۴۰۵) پھر طویلۂ خاص سے طلا کار ساز سے مزین گھوڑا عطا ہوا، (ص ۴۰۷) اس کے بعد ۱۰۵۵ھ مین منصب سہ ہزار ہشت صد سوار پر پہنچے، (ص ۴۲۲) پھر اسی سال عنایت خاص سے ایک ہاتھی عطا کیا گیا (۴۲۵) اور خالصۂ شریفہ کی دیوانی

اور فرامین کے مضامین کی تسوید کی خدمت سپرد ہوئی، (ص ۴۳۱) پھر اسی سال ماہ رجب مین منصب پنج ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار سے ممتاز ہو کر عہدۂ وزارت کل "و" مدار المہامی" پر مامور کئے گئے، اور قلمدان وزارت کے ساتھ غیر معمولی خلعتِ فاخرہ سے سرفراز کئے گئے، (ص ۴۳۳) پھر منصب پنج ہزاری ذات دو ہزار سوار و علم و نقارہ سے سرفراز کئے گئے، (ص ۴۷۱) پھر شش ہزاری بنائے گئے (ص ۴۷۹) پھر ۱۰۵۶ھ مین منصب شش ہزاری سہ ہزار سوار سے ممتاز کئے گئے، (ص ۵۰۵) اس کے بعد بھی جلد سے جلد ترقی کرنے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہا، یہانتک کہ ۱۰۶۶ھ مین منصب ہفت ہزاری، و ہفت ہزار سوار پر سرفراز کر دیے گئے،

(ص ۶۷۹، ۷۱۸)

اس طرح یہ صرف ۱۰ سال کے اندر حصولِ منصب کے بعد ہفت ہزاری تک پہنچ گئے، یہ صحیح ہے کہ ایسی ترقی کی مثالین مغلیہ عہد کی تاریخ مین کم مل سکین گی، اگرچہ شاہجہانی عہد کی تاریخون مین حضرت شیخ رحمکار کا کا صاحب رحمۃ اللہ سے دعائین لینے کا وہ واقعہ میری نظر سے کہین نہین گذرا جس کا تذکرہ آپ نے کیا ہے، مگر یہ واقعہ ہے، کہ انھون نے غیر معمولی دنیاوی ترقی کی، اور اپنی ترقی کے مدارج کو خلاف معمول غیر معمولی عجلت سے طے کیا، اس لئے اگر اس واقعہ کا سبب کسی درویش کامل کی نظر توجہ کو قرار دیا جائے تو یہ کوئی مستبعد بات نہین ہے، ایسے واقعات پیش آیا کرتے ہین،

شاہجہان کو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ وہ کوئی کام ان کے مشورہ کے بغیر نہ کرتا تھا، ان کے دور وزارت کے کارنامے اور مختلف مکاتیب و فرامین کے تذکرے، شاہجہانی عہد کی تاریخون مین موجود ہین، ان سے ان کی اعلیٰ استعداد اور ملکی نظم و نسق کے خوبی سے انجام دینے کا اندازہ ہوتا ہے،

علامہ سعد اللہ ۱۰۶۶ھ مین فالج مین مبتلا ہوے، شاہجہان خود بار بار ان کی عیادت کے لئے جاتا تھا، چند ماہ کی علالت کے بعد اسی سال انھون نے وفات پائی، وفات کے بعد ان کے بڑے لڑکے لطف اللہ کو منصب ہفت صدی صد سوار اور دوسرے لڑکون کو دیگر مناصب و وظائف سے سرفراز کیا گیا، علامہ سعد اللہ کو ملک کے ہر طبقہ مین ہر دلعزیزی حاصل تھی، ان کی وفات پر عام ماتم کیا گیا، کہ اس دور کی اس اہم شخصیت نے صرف چند سال مین، علیٰ سے اعلیٰ منصب و عہدہ پر فائز ہو کر سلطنت اور رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے بہترین خدمات انجام دیئے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی لغزشون کو درگذر فرمائے، اور انعاماتِ اُخروی سے بھی سرفراز فرمائے،

"ر"

جامع الرموز اور اس کے مصنف

جناب میان علاء الدین صاحب بی اے بی ٹی
این۔ اے۔ یس ہائی اسکول، بورے والا، ضلع ملتان

"مجھے اپنے والد صاحب کے کتب خانہ سے عربی زبان میں فقہ کی ایک کتاب کا ایک قلمی نسخہ ملا ہے، کتاب کا نام "شرح مولانا شمس الدین محمد قُرستانی بر مختصر وقایہ اسمی جامع الرموز" ہے، کتاب آٹھ سو صفحوں پر مشتمل ہے، اور ہر صفحہ پر ستائیس سطریں ہیں، کتاب کی آخری سطر میں کتابت کی تاریخ مندرجۂ ذیل لکھی ہے،

"سنۃ احدی واربعین وتسعمائۃ من الھجرۃ النبویۃ علی صاحبھا افضل السّلام"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب ۹۴۱ھ کی لکھی ہوئی ہے، لکھائی نہایت ہی خوشخط اور دیدہ زیب ہے۔

میرے ذی علم احباب نے مجھے مشورہ دیا ہے، کہ میں اس کتاب کے بارے میں آپ کی طرف رجوع کروں، لہذا ملتمس ہوں کہ آپ مجھے جواب دینے کی تکلیف گوارا فرمائیں اور اس تصنیف اور اس کے مصنف کے حالات روشنی میں لائیں، نیز مطلع کریں کہ یہ کتاب چھپ چکی ہے یا نہیں"

معارف:۔ گرامی نامہ ملا، جامع الرموز فقہ حنفی کی مشہور و متداول کتاب ہے، یہ مختصر وقایہ کی شرح ہے جس پر علمائے احناف صدیوں سے اعتماد رکھتے ہیں، اس کے مصنف علامہ شمس الدین محمد قرستانی بخارا اور ماوراء النہر کے ممتاز ائمۂ وقت میں گذرے ہیں، وہ اس کی تصنیف سے ۹۴۱ھ میں فارغ ہوئے اس لئے اگر آپ کے مملوکہ نسخہ پر سنہ کتابت ۹۴۱ھ درج ہے، تو اس کے معنی یہ ہیں، کہ یہ اسی سال کا نسخہ ہے جس سال یہ کتاب تصنیف ہوئی، اس حیثیت سے آپ کے نسخہ کو ایک ندرت حاصل ہے، لیکن مصنف کا انتساب آپ کے نسخہ میں قرستانی سے ظاہر کیا گیا ہے، یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، ان کی نسبت "قوہستانی" یا "قہستانی" ہے، قوہستان جنوبی خراسان کے ایک سلسلہ کوہ کا نام ہے،

جامع الرموز کا قدیم تر مطبوعہ نسخہ جو میرے علم میں ہے، وہ مطبع مصطفائی دہلی کا ہے، جو ۱۲۸۲ھ میں

دہلی سے شائع ہوا اور ۱۳۱۰ھ مین قازان سے یہ کتاب تین جلدون مین مع شرح و حواشی شائع ہوئی ہے،
مصنف کا سال وفات ۹۶۲ھ یا یہ روایت ۹۵۰ھ ہے،

والسلام

ملاموہن بہاری

جناب سید حسن امام صاحب
حسین منزل، گیا،

"ملاموہن بہاری کے حالات مطلوب ہین،"

معارف:- ملاموہن بہاری کا اسم گرامی محی الدین، اور لقب موہن بہاری تھا، یہ قصبہ بہار شریف (ضلع پٹنہ) مین پیدا ہوئے، اور یہین انھون نے نشو و نما پائی، یہان ان کے والد ملا عبداللہ بہاری کا مدرسہ قائم تھا ۹ سال کی عمر مین کلام اللہ حفظ کیا، پھر اپنے والد محترم سے علوم کی تحصیل شروع کی، اور ۱۷ سال کی عمر مین فارغ التحصیل ہوئے اس کے بعد کچھ دنون اپنے وطن مین درس و افادہ کی خدمت پر مامور رہے، پھر دلی کی راہ لی، اور شاہجہان کی خدمت مین باریاب ہوئے، اور شاہزادہ محمد اورنگ زیب کی تعلیم کی خدمت ان کے سپرد کی گئی، اور اس تعلق سے دلی مین اقامت اختیار کر لی، پھر تصوف کی طرف طبع کا میلان ہوا، حضرت شیخ وجیہ الدین گجراتی کے نبیرہ حضرت شاہ حیدرؒ سے بیعت کی، اور وطن واپس جاکر ریاضت و مجاہدہ اور مسلمانون کی روحانی پیشوائی اور اصلاح و تزکیہ مین عمر گذار دی، ۸۴ سال کی عمر مین ۱۰۶۲ھ مین بہار شریف مین وفات پائی، اور یہین تدفین عمل مین آئی،

ملاموہن بہاری کے سوانح مآثر الکرام (جلد ۱ ص ۴۳) مین مندرج ہین لیکن کسی اور تذکرہ مین ان کا ذکر نظر نہین آیا، یہ استفسار و جواب معارف مین شائع کر دیتا ہون: ناظرین مین سے اگر کسی کی نظر سے ان کا ذکر کسی تذکرہ مین گذرا ہوگا، تو وہ ہمین یا آپ کو مطلع کر سکین گے،

"والسلام"

"مظہر"

لغات جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کے لغات کا مجموعہ، مع ضمیمہ مولانا مسعود عالم ندوی، قیمت: ۴ھ

وفیات

مولانا شبلی مرحوم فقیہ ندوۃ العلماء

اعظم گڈھ کی سرزمین سے تین شبلی پیدا ہوئے، اور اتفاق سے تینوں کسی نہ کسی حیثیت سے ندوہ سے وابستہ رہے، ایک نے وہاں تعلیم و تربیت پائی، اور شبلی متکلم کے خطاب سے مشہور ہوئے، اس وقت مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کے مہتمم اور صدر مدرس ہیں، دوسرے علامہ شبلی تھے جن کو دنیا علامہ شبلی کے نام سے جانتی ہے، تیسرے مولانا شبلی فقیہ ندوہ تھے، جنھوں نے نہ وہاں تعلیم پائی اور نہ کسی خاص شہرت کے مالک ہوئے، مگر ندوہ اور ندویوں کو ان کی ذات سے ان کے دوسرے ہمنام بزرگوں سے کم فائدہ نہیں پہنچا، ندوہ کے ابتدائی چند سالوں کے علاوہ اس کی پچاس سالہ زندگی کے ہر دور میں یہ ہمارے مولانا شبلی نظر آئیں گے، اس دور کا کوئی ایسا ندوی نہیں ہے جو ان کا شاگرد نہیں، اور ان کے سامنے اس نے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا،

ولادت اور تعلیم و تربیت غالباً ۱۸۷۲ء میں ضلع اعظم گڈھ کے ایک گاؤں جیراجپور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد عربی کی تحصیل کے لئے فرنگی محل لکھنؤ اور پھر مدرسہ عالیہ رامپور گئے، وہاں کئی برس رہ کر تعلیم کی تکمیل کی،

مولانا اپنے قیام رامپور کا قصہ اکثر بیان کرتے تھے، فرماتے تھے کہ دو ڈھائی روپیہ ماہانہ کل خرچ ہوتا تھا، عید میں دونوں وقت کھانا کھاتا تھا، ۴ر چراغ کے تیل پر خرچ ہوتا تھا، اور ۴ر دھوبی صابون وغیرہ، اور ۲ر ۴ر حجامت وغیرہ پر،

تکمیل تعلیم کے بعد ہی مولانا مدرسہ چشمۂ رحمت غازیپور میں صرف ونحو کے مدرس مقرر ہوئے،

ندوہ میں آمد علامہ شبلی نعمانی مرحوم مردم شناس بھی تھے، ایک مرتبہ اتفاق سے غازیپور گئے ہوئے تھے، چشمۂ رحمت میں بھی جانے کا اتفاق ہوا، اور مولانا شبلی کا انداز تدریس دیکھ کر ان کو آمادہ کرکے اپنے ساتھ ندوہ لے آئے

غالباً مولانا ۱۹۰۶ء مین ندوہ آئے، اور ۴۰ برس تک مسلسل ندوہ کی خدمت کرتے رہے، پچھلے سال فالج کا حملہ ہوا، اس سے وہ درس و تدریس سے تقریباً معذور ہوگئے، اور کچھ دنون کے بعد دارالعلوم ہمیشہ کے لئے اُن کے فیوض و برکات سے محروم ہوگیا، اور اسی مرض مین گذشتہ، اررمضان المبارک کو اپنے وطن مین انتقال کیا،

مولانا مین چند خصوصیتین ایسی تھین، کہ ہر شخص اُن سے مانوس ہو جاتا تھا،

اتباع سنت | مذہبی زندگی مین وہ اکابر علماے خیر کی صف مین ممتاز تھے، عقائد و عبادات کے علاوہ اخلاق و معاملات اور معاشرت مین بھی سنن و مستحبات کا اہتمام رکھتے تھے، چنانچہ پوری زندگی پاجامہ کے بجاے تہبند کا استعمال رکھا، اپنا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے، اور طلبہ سے کام لینا پسند نہین کرتے تھے، بکریان پالتے تھے، اور ان کی جملہ ضروریات اپنے ہاتھون سے پوری کرتے، جب وہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے، تو بادل ناخواستہ بکریان پالنا چھوڑ دین،

تواضع واخلاق | نہایت خلیق، متواضع اور خوش مزاج تھے، کبھی کسی استاد یا طالب علم کو اُن سے شکایت نہین پیدا ہوئی، اور انھون نے اپنی چالیس سالہ زندگی مین بھی کسی کو کوئی نقصان نہین پہنچایا، راستہ مین ہر چھوٹے بڑے کو بلا تفریق سلام کرنے مین سبقت کرتے، مولانا حیدر حسن خان صاحب سابق شیخ الحدیث جب مکان تشریف لیجاتے، تو مونا ہی کو اپنا قائم مقام بناتے، مگر مولانا غایت تواضع مین کبھی ان کی کرسی پر نہین بیٹھتے بلکہ دوسری جگہ بیٹھ کر فرائض متعلقہ انجام دیتے،

سادگی | مولانا نے ہمیشہ سادہ اور یکسان لباس پہنا، گرمیون مین تہبند، کرتا اور دوپلی ٹوپی، اور جاڑون مین ایک دگلا اور تہبند کے نیچے ایک روئی دار پائجامہ ایک خاص قسم کی چپل جو شاید انہی کے لئے خاص طور سے بنوائی جاتی تھی، جسے دیکھ کر صحابہ کی تسمہ نما چپل کی یاد آجاتی تھی، شاید اس کا التزام بھی اتباع سنت ہی کے ذوق کے ماتحت رہا ہو، عصا بھی ہمیشہ ساتھ رکھا کرتے تھے،

دارالعلوم ندوہ کی زیارت کے لئے دنیا کے تقریباً ہر گوشہ کے مشاہیر آئے، ندوہ کے بیسیون سالانہ و سالانہ جلسے ہوئے، اور سیکڑون دعوتین ہوئین، مگر مولانا ان تمام مجلسون تقریبون اور دعوتون مین اسی سادگی کے ساتھ شریک ہوئے، کبھی کوئی خاص اہتمام نہین کیا،

درس و تدریس اور مطالعہ | مولانا کا درس بہت ہی دلنشین اور دلچسپ ہوتا تھا، اثناے درس مین دو ایک خوش کن قصے ایسے ضرور سناتے جس سے طلبہ ان کے درس سے اکتاتے نہین تھے، درس کی تقریر اتنی سلجھی اور دلنشین ہوتی

کہ پیچیدہ سے پیچیدہ بحث کو کم فہم طلبہ بھی آسانی سے سمجھ لیتے، کوئی طالب علم اگر کوئی سوال کرتا، تو بہت خوش ہوتے، اور خندہ پیشانی سے اس کا جواب دیتے، بغیر مطالعہ کے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھاتے تھے، فرماتے تھے کہ بغیر مطالعہ کے پڑھانا بھی حرام اور دیانت کے خلاف ہے، اخیر عمر میں بینائی کمزور ہو گئی تھی، اور مطالعہ سے قریباً معذور ہو گئے تھے، تو جس جماعت کو پڑھانا ہوتا، اس جماعت کے کسی ہوشیار طالب علم کو بلا لیتے، اور کتاب متن حواشی و شروح پڑھوا کر سن لیتے، یہ ان کی خاص خصوصیت تھی، حافظہ بھی نہایت اچھا تھا، فرماتے تھے کہ شرح وقایہ اولین کا اکثر و بیشتر حصہ زبانی سنا سکتا ہوں، طلبہ اور اساتذہ کو فقہی یا علمی مسائل کی تحقیق کرنی ہوتی، تو فقہی مسائل میں مولانا کی طرف رجوع کرتے تھے، اور علمی مسائل میں حضرت شاہ علیم عطا شیخ الحدیث مدظلہ کی طرف، مولانا ہر فن کی کتاب بے تکلف پڑھا لیتے، مگر فقہ سے خاص لگاؤ تھا، ندوہ میں جب تک رہے فقیہ اول رہے، خلافیات حدیث پر بھی پوری نظر تھی، مگر اس میں غلو نہیں تھا، اور متکلمانہ و مناظرانہ طرز کے بجائے محدثانہ طرز سے پڑھاتے تھے،

دارالاقامہ کی نگرانی مولانا کی زندگی کا یہ سب سے بڑا کارنامہ ہے، کہ وہ چالیس برس تک دارالاقامہ کی نگرانی کے فرائض انجام دیتے رہے، اس طویل مدت میں سیکڑوں لڑکوں نے ان کے ہاتھوں سے مار کھائی، اور سزائیں پائیں، مگر اس کے باوجود کبھی کسی طالب علم کو ان سے کوئی شکایت نہیں پیدا ہوئی، شکایت نہ ہونے کی بڑی وجہ یہ تھی، کہ وہ جذبۂ انتقام یا تذلیل کے لئے کبھی کسی کو کچھ نہیں کہتے تھے، اور اگر سزا بھی دیتے، تو اس میں یہ دانہ شفقت کارفرما ہوتی تھی،

مولانا نے کچھ دنوں تک چھوٹے بچوں کی نگرانی بھی کی، ان کے ساتھ ان کا سلوک بالکل مادرانہ ہوتا تھا، جب کبھی کوئی بچہ بستر پر پیشاب کر دیتا تھا، تو خود اپنے ہاتھوں سے بستر دھوتے، اور ان کے کھانے کپڑے، رہنے سہنے، اور کھیلنے کودنے کا پورا خیال رکھتے تھے،

میں ۱۹۲۹ء میں ندوہ گیا، اس وقت مولانا شبلی دارالاقامہ کے جو بڑے لڑکوں کے لئے مخصوص ہے نگران تھے، مولانا کا معمول تھا کہ فجر کی نماز کے وقت پورے بورڈنگ کا ایک چکر لگاتے، مگر اس سے پہلے اپنی چارپائی سے ہر کمرہ کے اس لڑکے کا نام لے لیکر آواز دیتے، جو نماز میں زیادہ سست ہوتا، اس پیرانہ سالی میں بھی مولانا کی آواز میں کسی قسم کا ضعف نہیں آیا تھا، پھر مولانا اپنی چارپائی سے اٹھتے، مولانا کی چپل کی آواز کے ساتھ ہی سارے طلبہ اپنے اپنے کمرہ سے باہر ہو جاتے، بعض لڑکے یہ شرارت کرتے، کہ چارپائی کے نیچے

گھس جاتے، اس لئے مولانا کبھی کبھی چارپائی کے نیچے ڈنڈے کے ذریعہ سے جائزہ لیتے، اگر کوئی لڑکا ڈنڈے کی زد میں آجاتا، تو پھر ان کی خیر نہیں تھی،

اسٹرایک | ندوہ میں لڑکوں نے کئی مرتبہ اسٹرایک کی، دو تین مرتبہ خود میرے سامنے ہوئی، لڑکے اپنے جائز مطالبات منوانے کے لئے جب اڑ جاتے، اور کوئی صورت مصالحت کی باقی نہ رہ جاتی، تو مولانا درمیان میں پڑکر صلح و مصالحت کرا دیتے، بڑے سے بڑا انقلابی لڑکا بھی ان کے سامنے پہنچ کر بیحد معتدل بنجاتا تھا،

کھانے کا ذوق | مولانا کھانا کھلانے کے طبعاً بڑے شائق اور فیاض تھے، بغیر گوشت کے کھانا پسند نہیں کرتے تھے، بقرعید کے دنوں میں ہمہ وقت مولانا کی انگیٹھی گرم رہتی تھی، خود اپنے ہاتھ سے گوشت پکاتے اور طلبہ و اساتذہ کو کھلاتے، مولانا عبدالسلام صاحب ندوی جب لکھنؤ جاتے، تو ان کی بڑی پرتکلف دعوت کرتے تھے، جس میں مرغ اور کباب خصوصیت سے ضرور کھلاتے،

افسوس ہے کہ ایسی فیض بخش و بابرکت ذات سے ندوہ ہمیشہ کے لئے محروم ہوگیا،

"دوم نج"

انقلاب الامم نیا اڈیشن

ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ جس کو پڑھ کر یہ معلوم ہوسکتا ہے، کہ دنیا میں قومیں کیونکر بنتی اور بگڑتی ہیں،

ضخامت ۱۸۶ صفحے، قیمت :- ۱۲ عہ

روح الاجتماع نیا اڈیشن

موسیو لیبان کی کتاب جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس میں انسانی جماعت کے اخلاق، پبلک رہنماؤں کی خصوصیات، اور جماعتوں کے بننے بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہیں،

ضخامت :- ۲۰۲ صفحے، قیمت :- ۴ عہ

"منیجر"

ادبیات

انقلاب

از مولانا مولوی حکیم عبد اللہ رشید نواب مکی، رشد خطیب جامع مسجد رنگون برما

اے سوارِ جادۂ امکان روحِ انقلاب
اے سریرآرائے ملک کن فکاں گردوں رکاب

تیرے جلووں نے کیا ذرّوں کو رشکِ آفتاب
ورنہ اک ظلمت کدہ تھا یہ جہانِ خاک و آب

جلوہ گر تیرے لئے ہیں آفتاب و ماہتاب
ہے ترے ہی واسطے یہ روز و شب کا انقلاب

عطر بیزی ہے تری تو ہے گلستاں کا شباب
تیری خوشبو سے معطر ہے چمن کا ہر گلاب

تیری ہستی بن گئی ہے کیوں حقیقت کا حجاب
آخرش کب تک رہے گا بوالہوس یوں مست خواب

مسلم خفتہ گراں خوابی ہے تیری یہ عذاب
اٹھ بپا کر زندگی میں اپنی خالم انقلاب

عقل ہی کی روشنی سے نعمتوں کو ہے فروغ
خود خدا نے بھی کیا ہے عقل والوں سے خطاب

زنگ کھا جاتی ہیں جب عقلیں تو آتا ہے زوال
آئینہ جس طرح کھو دیتا ہے اپنی آب و تاب

قوتیں سب سلب کر دیتا ہے عقلوں کا جمود
بے حسی قوموں پہ چھا جاتی ہے بن کر اک عذاب

اک تعطل سا ہوا کرتا ہے طاری قوم پر
پست ہو جاتی ہے ہمت موت کا کھلتا ہے باب

یوں زمیں ہموار ہوتی ہے غلامی کے لئے
آسمان سے اس طرح آتا ہے قوموں پہ عذاب

چوستا ہے دیو استعمار ان کا خونِ سرخ
سینچ کر اس سے چمن اپنا اگاتا ہے گلاب

تنگ ہو جاتا ہے محکوموں پہ میدانِ بقا
سر پہ منڈلاتا ہے جب یہ موت کا خونیں عقاب

باعثِ بربادیٔ ملت ہے دونوں کا وفاق
دولتِ سرمایہ دار و اقتدارِ نا صواب

نشۂ دولت نہ ہو کیوں نشۂ مے سے فزوں
شیر افگن ہے حقیقت میں یہ دولت کی شراب

اک کسوٹی ہے غرض یہ آدمیت کے لئے
اس سے ہوتے ہیں ہنر اور عیب دونوں بے نقاب

بت تو پتھر کے ہیں بے حس بے گنہ بے اختیار
ان بتانِ سیم و زر کی سرکشی کا کیا جواب

ایک بت ہے ان کے سینے میں جسے کہتے ہیں دل
یہ ترشواتا رہا ہے نت نئے بت بے حساب

جن میں کچھ اصنام ہیں نزاعیدۂ عصرِ جدید
نسل و قومیت وطن تہذیب نو انتخاب

بن گئی جن کی بدولت یہ زمیں شک جہان
وہ رہیں محروم حیف اے زندگی نا صواب

فرش ہے جن کا زمیں اور آسمان جن کا لحاف
جن کی آہوں میں شرر روحوں میں جنکی التہاب

آدمیت خون روتی ہے بپا ہے ایک حشر
آدمی خود بن گیا ہے آدمیت کا حجاب

حشر برپا کر رہا ہے ظالموں کا ظلم و جور
دے قیامت بن کے کون اب اُس قیامت کا جواب

خونِ ناحق رنگ لائے گا بشکل انتقام
غیرتِ حق جوش میں آکر الٹ دیگی نقاب

قطرے بن جائیں گے طوفان خیز موجیں آتشیں
ذرے کر دیں گے بپا خود بن کے آندھی انقلاب

اس کمند زرنے تا کا ہے حصارِ خانقاہ
زد میں ہے اب اس کی زہد زاہدِ فت تاب

کس سے شکوہ کیجئے جب خضر بہکانے لگے
جب مسیحا دشمن جان ہو تو ہو کس پر عتاب

کس سے کیجئے اب تمنائے دوا و دردِ دل
جب دوائے درد دل ہو خود ہی وجہ اضطراب

محتسب ہو خود ہی جب رسوائے بزم نائے
کیوں نہ لوٹیں رندِ دل کر دختر رز کا شباب

جشن ہے اب میکدوں میں بتکدوں کی عید ہے
محتسب نے توڑ ڈالا خود ہی بندِ احتساب

وائے بر حالِ جنونِ مبتلائے دامِ زر
عقل و دین علم و ہنر پر پڑ گیا آخر حجاب

ہوشیار اے طائرِ سدرہ نشیں ہاں ہوشیار
دامِ تزویر خداوندانِ نعمت ہے سراب

ذرہ ذرہ میں ہے پنہاں ایک دنیائے عمل
خواب سمجھا ہے جسے تو ہی وہی تعبیرِ خواب

جس کو کہتے ہیں سکون ننگ نام وہ بھی موت کا
زندگی کہتے ہیں جس کو ہے سراپا اضطراب

بارہا الٹی ہو تو نے یہ بساط نادرہ
تھا ترے قبضہ میں جب تقدیر کا چنگ و رباب

یعنی جب تقدیر تھی شرمندۂ علم و عمل
تھی تری تدبیر اور شمشیر دونوں لاجواب

قوتِ تسخیر ہے تیری رگِ جاں کا خمیر
کر اسے عقل و ہنر علم و عمل سے بے نقاب

الحذر تقلید مغرب سے، تیری منزل ہے عرش
جس جگہ پہنچا نہیں مغرب کا اب تک آفتاب

مادیت جس کا کعبہ اور زر جس کا خدا
بن گئی تہذیب جس کی جس کے حق میں خود عذاب

جس کی عریانی سے عریانی کو بھی اک ننگ ہے
جس کو عریانی سمجھتے تھے وہ تھی گویا حجاب

ملتِ بیضا کے داعی مرد میدانِ جہاد — بت شکن تیرا لقب باطل شکن تیرا خطاب
چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے — جلتی پھرتی چھاؤن ہے باطل کا یہ دورِ شباب
مقصد توحید ہے، توحیدِ اقوام و ملل — باعثِ تفریق ہے نسل و وطن کا انتخاب
متحد ہو کر تو ہے باطل شکن مومن کا عزم — کثرت باطل ہے گرداب فنا کا اک حباب
اس طلسم آذری کا توڑ دے یکسر فریب — پھر غنا کو فقر کا کر ہم عنان و ہمرکاب
تیرا دستور العمل ہے سیرتِ پاکِ رسول — تیرا آئین جہاں بانی ترے سب کی کتاب
زندہ کر پھر رسم بوبکر و عمر عثمان علی — پھر بپا کر اس جہانِ کفر میں اک انقلاب
بُعد[1] ع کون و مکاں کا منظر ایجاد بن — بن کے پھر مضراب ساز دہر کو کر نغمہ تاب
ہو گر اس اسلوب سے مسلم سر آرائے بزم — گل میں غنچوں میں چمن میں عود کر آئے شباب

صنم خانۂ پندار

از جناب اسد ملتانی

یہ باتیں ہو رہی تھیں منچلوں کی ایک مجلس میں — کہ اب طاقِ تغافل پر خیالِ بیش و کم رکھ دیں
کریں گی ہم دلی پیدا نہ تقریریں نہ تحریریں — مناسب ہے زبانیں بند کر لیں اور قلم رکھ دیں
نہیں جب زور کا موقع تو عینِ مصلحت یہ ہے — اُٹھا لیں آشتی کا جام اور تیغِ دودم رکھ دیں
ہمارے ملک میں جب ہے سبھی کچھ دین پر مبنی — تو آؤ اک عبادت گاہ کی بنیاد ہم رکھ دیں
چنیں اس کی عمارت مشرق و مغرب کے سامانی سے — کہیں سنگِ عرب رکھ دیں کہیں خشتِ عجم رکھ دیں
اسے مرکز بنا دیں ہر جماعت ہر قبیلے کا — پرستش کے لئے سب کے خداؤں کے صنم رکھ دیں
غرض مندوں کو ہاتھ آجائیگا عذرِ قدمبوسی — بتوں کے پاؤں میں سرمایۂ جاہ و حشم رکھ دیں
مسلمان بت نہ پوجیں گے سوا اس کے وسیلے بھی — صنم خانے کے اندر ایک چھوٹا سا حرم رکھ دیں
کریں اس خوشنما مندر میں ایسی دلکشی پیدا — ہمارے ہوریں اک بار جو اس میں قدم رکھ دیں

اسد کے کان تک پہنچے یہ منصوبے تو وہ بولا
جو ممکن ہو تو بے شک نور و ظلمت کو بہم رکھ دیں

---

[1] خالق،

مطبوعات جدیدہ

شبلی کا مرتبہ اردو ادب مین } از جناب عبداللطیف صاحب اعظمی بی اے جامعہ تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت سے،

پتہ:- شبلی اکاڈمی قرول لیاغ دہلی،

اردو زبان کے عناصر خمسہ، سرسیدؔ آزاد، نذیر احمد، حالی اور شبلی مین مولانا شبلی مرحوم کی حیثیتین اور اون کی علمی وادبی خدمات گوناگون ہین، لائق اور ہونہار مصنف نے اس مقالہ مین جو انھون نے امتحان بی اے کے لئے لکھا تھا مولانا مرحوم کے علمی وادبی درجہ کو دکھایا ہے، یہ مقالہ تین حصون مین تقسیم ہے، پہلے حصہ مین مولانا شبلی کے پیش رو چارون محسنین اردو کی خدمات پر مختصر تبصرہ ہے، دوسرے مین مولانا مرحوم کی تصانیف نثر، اور تیسرے مین ان کی شاعری پر کسی قدر تفصیلی بحث کرکے دوسرے محسنین اردو کے مقابلہ مین ان کی علمی وادبی خدمات کی وسعت اور ان کی امتیازی خصوصیات دکھائی ہین، علامۂ مرحوم تنہا مصنف ہی نہ تھے، بلکہ اس مین وہ معلم ومجتہد کی حیثیت رکھتے تھے، ان کی تصانیف کا مقصد مسلمانون کی گذشتہ عظمت، ان کے کارنامون اور ان کی قومی خودی کا احیاء، اسلام اور مسلمانون پر مغرب کے اعتراضات کا جواب، اور تصنیف مین تلاش وتحقیق کے نئے اسلوبون کی تعلیم اور اس قبیل کے دوسرے بلند مقاصد تھے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ تین بی اے کی سطح سے اونچی اور مقالہ کے موضوع سے خارج بھی ہین، تاہم ان کی تصانیف پر تبصرہ کے ضمن مین ان کی امتیازی خصوصیات کا ذکر آگیا ہے جس سے ان کی تصنیفی انفرادیت، تنوع، جامعیت اور اجتہادی حیثیتون کا اندازہ ہوجاتا ہے، شاعری پر تبصرہ کا حصہ بہت اچھا ہے، اس سے ان کے سیاسی خیالات کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے، مجموعی حیثیت سے مقالہ قابل قدر اور بی اے کے امتحان کی سطح سے اونچا ہے، مقالہ کے شروع مین آل احمد سرور صاحب کے قلم سے سرسیدؔ کے دور کی مسلمانون کی سیاست، اس کے اسباب اور علامہ شبلی مرحوم کے ترقی پسند خیالات پر نہایت متوازن اور صحیح تبصرہ ہے،

ہندوستان کی آبادی از ڈاکٹر اقبال قریشی تقطیع اوسط ضخامت ۳۰۰ صفحے، کاغذ و کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد سے، پتہ:- ادارۂ معاشیات فاطمہ منزل حمایت نگر حیدرآباد دکن،

آج دنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں ہے، جو اپنی تمام ضروریات خود پیدا اور اپنی پوری آبادی کے لئے وسائل معاش مہیا کرسکتا ہو حتیٰ کہ وہ صنعتی ممالک بھی جن کا دنیا کی تجارتی منڈیوں پر قبضہ ہے، خام مال، غذا اور بعض دوسری چیزوں میں جن کی پیداوار ان کے یہاں کم ہے، دوسرے ملکوں کے محتاج ہیں، اور صنعتی کارخانوں کی کثرت کے باوجود ان کے باشندوں کی خاصی تعداد بے کار رہتی ہے، موجودہ تمدن نے زندگی کا معیار اتنا بلند کردیا ہے، اور ایک متمدن ملک کی ضروریات اتنی وسیع ہوگئی ہیں، کہ ہر ملک کے لئے کثرت آبادی کا مسئلہ نہایت اہم ہوگیا ہے، ہندوستان جیسے وسیع اور زرخیز ملک کے لئے یہ مسئلہ اور بھی زیادہ اہم ہے، اس کتاب میں اسی مشکل مسئلہ کا حل پیش کیا گیا ہے، اور آبادی کی تحدید کے مختلف قدیم و جدید نظریوں مختلف ملکوں کے معاشی وسائل ان کی آبادی کے اعداد و شمار، ہندوستان کی آبادی، اس کے معاشی حالات اس کی آبادی کی ضروریات وغیرہ ان تمام پہلوؤں پر جن کا تعلق معاشیات سے ہے، مفصل بحث کرکے ہندوستان کی کثرت آبادی اور اس کے لئے آیندہ وسائل معاش کی فراہمی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، یہ کتاب خالص فنی ہے جن لوگوں کو اس قسم کے مسائل سے دلچسپی ہو، ان کے مطالعہ کے لائق ہے،

حقیقتِ نفاق از جناب مولوی صدرالدین صاحب اصلاحی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۴۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ، پتہ محصول ڈاک ۳ر پتہ:- اقبال اکاڈیمی ظفر منزل ناجپورہ لاہور،

اس کتاب میں آیاتِ قرآنی سے نفاق کی حقیقت، منافقین کے اقسام نفاق کی علامتیں اور منافقین کے بارہ میں اسلام کے دنیوی اور اخروی احکام بیان کئے گئے ہیں، اور اس کا مصداق اس زمانہ کے بے عمل اور متساہل مسلمانوں کو بتایا گیا ہے، درحقیقت وہ نفاق جس کا ذکر کلام مجید میں ہے، خلافت راشدہ کے زمانہ میں ختم ہوگیا، یا زیادہ سے زیادہ اس زمانہ تک رہا جب تک مسلمانوں میں حکومت اور ان میں حرارت دینی باقی رہی، کہ بعض غیر مسلم جاہ و منصب کے حصول یا مسلمانوں میں فتنہ انگیزی کے لئے اپنے کو اسلام کے لباس میں ظاہر کرنے پر مجبور تھے، جس کی مثالیں ابتدائی عباسی دور تک ملتی ہیں لیکن اس آزادی کے زمانہ میں جب کہ جو گنہ کیجئے ثواب ہے آج" کی سند حاصل ہے، نفاق کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے، عمل میں سستی کے لئے فسق

کی شرعی اصطلاح موجود ہے، البتہ جزوی اور مجازی طور سے بے عمل پر منافق کا اطلاق ہوسکتا ہے نفاق کفر و شرک سے بھی زیادہ مکروہ ہے، اس کے اطلاق میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، البتہ ان نام نہاد مسلمانوں کو منافق کہہ سکتے ہیں جن کو اسلامی عقائد سے کوئی علاقہ نہیں، اور وہ محض نام سے فائدہ اٹھانے کے لئے اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، تاہم یہ کتاب فائدہ سے خالی نہیں ہے،

قرآن اور پیغمبر صلعم از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸ر علاوہ محصول ڈاک، پتہ:- ادارۂ دعوت الحق نارائن گوڑہ حیدرآباد دکن،

دوسری قوموں اور امتوں کی دینی گمراہیوں کا ایک بڑا سبب اپنے پیغمبروں اور صلحاء واخیار کی حیثیت کے متعلق ان کے عقیدہ کی افراط و تفریط ہے، بعضوں نے ان کو اتنا بڑھایا، کہ الوہیت کا درجہ دیدیا، بعضوں نے اتنا گھٹایا، کہ عام انسانوں کی سطح سے بھی نیچے گرادیا لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت خود کلام مجید نے واضح کردی ہے جس کے بعد اس بارہ میں کسی گمراہی کا امکان باقی نہیں رہ جاتا، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ترجمان القرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآنی حیثیت پر ایک مضمون لکھا تھا، اس میں پیغمبروں کی حیثیت کے متعلق ان کی امتوں کی افراط و تفریط کو دکھا کر آیات قرآنی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت، نبوت، فرائض واختیارات وغیرہ مختلف حیثیتوں کی تشریح کی تھی جس سے آپ کی صحیح حیثیت متعین ہوجاتی ہے، ادارۂ دعوت الحق نے اس مضمون کو افادۂ عام کے لئے کتابی صورت میں شائع کردیا ہے،

حبیب خدا از جناب الیاس احمد خان صاحب بھیمی تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ، پتہ بچوں کا بک ڈپو کلاں محل دہلی،

بچوں کے مطالعہ کی مذہبی کتابوں کی تالیف میں مصنف کی شہرت محتاج تعارف نہیں، ان کے نام کے ساتھ ہی "مصنف الصبیان" کا تصور ذہن میں آجاتا ہے، اس سلسلہ میں انھوں نے سیرت نبوی پر متعدد چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھی ہیں، حبیب خدا اس سلسلہ کا تازہ تبرک ہے، اس میں سوانح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اخلاق وشمائل کے سبق آموز واقعات سہل وسادہ زبان اور دلنشین انداز میں لکھے ہیں، واقعات سب مستند ہیں، کتاب کے آخر میں اکتالیس حدیثوں کا ترجمہ دیدیا ہے، یہ گویا اردو کی چہل حدیث ہے، یہ کتاب نہ صرف بچوں بلکہ معمولی پڑھے لکھے لوگوں کے بھی مطالعہ کے لائق ہے،

اسرارِ حیات از جناب ایشور اٹوپاڈی فل جامعہ عثمانیہ تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مرقوم نہین، پتہ تلنگا اکیڈمی حیدرآباد،

ویما جوگی جنوبی ہند کا حکیم وصوفی شاعر تھا تلنگی زبان مین اس کی شاعری کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ہندی مین کبیر کے کلام کی ہے، اس کی اخلاقی تعلیمات بھی کبیر کی تعلیمات سے بہت مشابہ اور دونون یک ہی کے چراغ دو پر تو معلوم ہوتے ہین، دونون کا زمانہ بھی قریب ہی قریب تھا، ویما کا زمانہ پندرہوین صدی عیسوی ہے، اور کبیر کا بھی اسی کے قریب قریب ہے، ویما کے کلام کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے، جناب ایشورا ٹوپانے اسرارِ حیات کے نام سے اردو مین ترجمہ کیا ہے، ترجمہ خصوصاً اشعار کے ترجمہ مین اصل زبان کی خوبی باقی نہین رہتی، لیکن اصل خیالات پر اس کا اثر نہین پڑتا، چنانچہ یہ ترجمہ ویما کے حکیمانہ خیالات کا پورا ترجمان ہے، جن لوگون کو اس قسم کی حکیمانہ شاعری اور حکیمانہ خیالات سے دلچسپی ہو، ان کے مطالعہ کے لائق ہے،

سنگ وخشت از جناب کنہیالال کپور تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۸ صفحے، کاغذ وکتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ پتہ مکتبہ جدید لاہور،

مصنف دورِ جدید کے مشہور افسانہ نگار ہین، سنگ وخشت ان کے سولہ افسانون کا مجموعہ ہے خیالات کی ندرت وجدت کے ساتھ طنز ومزاح کی لطیف آمیزش مصنف کی خصوصیت ہے، جو ان تمام افسانون مین موجود ہے، سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ یہ افسانے ترقی پسند ادیبون کی بے اعتدالیون سے پاک ہین، بلکہ ان مین دورِ جدید کی نام نہاد جدتون اور خامیون پر نہایت لطیف انداز مین تنقید کی گئی ہے، زبان سلیس و انداز بیان دلکش ہے،

گورستان از جناب احسان بن دانش تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ مکتبہ، دانش فرنگی لاہور،

مصنف نے اپنی والدہ مرحومہ کی وفات پر دلی تاثر سے یہ نظم لکھی ہے، اس لئے نہایت موثر ہے اور اس مین درد والم بے ثباتی دنیا انسانی بے بسی وبے چارگی موت وفنا وغیرہ عبرت وبصیرت کے ان تمام جذبات کی تصویرین ہین جو ایسے حوادث کے وقت انسانی قلب پر طاری ہوتے ہین، نظم کے شروع مین متعدد اصحاب علم کے قلم سے نظم کے مختلف پہلوؤن پر تبصرے ہین،